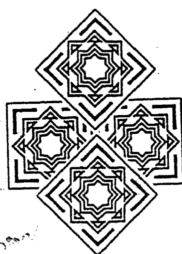
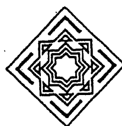
کُلّیاتِ صفیؔ اورنگ آبادی



طالبِ قدر کیوں ہوئے ہو صفیؔ
اِس سے نیچا کوئی مقام نہیں



مُرتّبہ
محبوبؔ علی خاںؔ اخگرؔ قادریؔ

نام کتاب : کلیاتِ صفؔی اورنگ آبادی

مرتب : محبوب علی خاں اخگر قادری

صفحات : ﴿۵۲۸﴾

تعدادِ اشاعت : ﴿۵۰۰﴾ قیمت RS. 250/-

سنِ اشاعت : ماہِ اگست ۲۰۰۰ء بیرونِ ریاست سے RS. 350/-

کتابت سرورق : سلام خوشنویس دیگر ممالک سے: $ 25/- (ڈالر)

کتابت : شکیل کمپوزنگ سنٹر

کرماگوڑہ، متصل مسجد معراج، سعید آباد حیدرآباد۔۵۹

فون: 4501048 e-mail: sccshakeel@hotmail.com

انٹرنیٹ پر ہماری ویب سائٹ www.shakeelcomposingcentre.com ملاحظہ فرمائیے

آرٹ ورک : ولی محمد صدیقی (Art Span)، جمال مارکٹ، چھتہ بازار، حیدرآباد

طباعت : ایس کے گرافکس، حیدرآباد

طباعت ٹائٹل : چرشمہ آفسیٹ پریس، خیریت آباد، حیدرآباد

جلد بندی : حفیظیہ بک بائنڈنگ، چھتہ بازار، حیدرآباد

زیرِ اہتمام : فاروق شکیل ایم اے، و روف رحیم ایم اے

جزوی مالی اعانت آندھرا پردیش اُردو اکادمی، حیدرآباد

ملنے کے پتے

- حسامی بک ڈپو، مچھلی کمان، حیدرآباد
- اسٹوڈنٹس بک ہاؤس، چار مینار
- بک ڈپو اُردو ہال، حمایت نگر، حیدرآباد
- مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ اُردو بازار، دہلی ۔۶
- دفتر سیاست سیل کاؤنٹر، جواہر لعل نہرو روڈ، حیدرآباد۔۱
- مکتبہ شاداب، ریڈہلز، نامپلی، حیدرآباد
- مکانِ مرتب: 19-3-262/17/2 نصیب منشن، جہاں نما، حیدرآباد۔۵۳ فون: 4470228



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

753



۱۔ میرے کرم فرما برادرم جناب مصلح الدین سعدی صاحب

۲۔ کلیاتِ صفیؔ اورنگ آبادی کی اشاعت کے اولین محرک

برادرم ڈاکٹر سید حمایت علی (موظف جوائنٹ ڈائرکٹر اینمل ہسبنڈری)

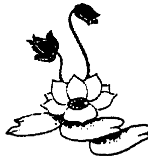
جن کے کتب خانے میں ۳۵,۰۰۰ ہزار سے زیادہ کتب اور رسائل ہیں۔

جو ساٹھ سال سے اُردو ادب کے طالب علم ہیں اور پچاس سال سے

اُردو کی کتب و رسائل خرید کر پڑھتے ہیں۔ ...... اور

۳۔ حضرت صفیؔ مرحوم کے بے شمار چاہنے والوں کے نام

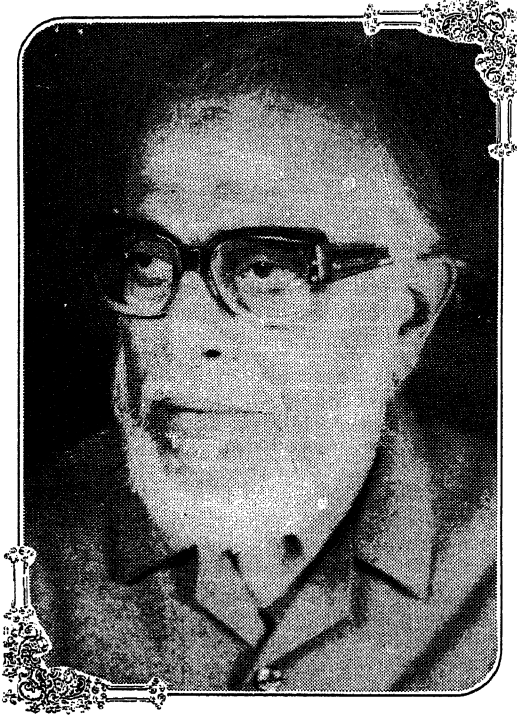
(اخگر)



تجھ کو ہر ایک مانے واہ صفیؔ

سب نہیں مانتے خدا کو بھی

فہرست



مرتب

محبوب علی خاں اخگرؔ

بڑی نسبت بڑی ہوتی ہے اخگرؔ
مجھے شہرت ملی حضرت صفیؔ سے

اخگرؔ بہ یک نظر

نام : محبوب علی خاں تخلص: اخگرؔ

نسبت : سلسلہ قادریہ عالیہ

تاریخ پیدائش: ۵/نومبر ۱۹۲۵ء

مقام پیدائش : دیوڑھی نواب محمد مدن خاں الخاطب نواب رستم دل خاں بہادر، محلّہ چیلہ پورہ

موجودہ سکونت: ''نصیب منشن''، 19-3-262/17/2، جہاں نُما، حیدرآباد۔۵۳

پیشہ : ڈپٹی تحصیلدار محکمہ مال (موظف) ۱۹۸۳ء

ولدیت : محمد بہادر خاں ابوالعلائی مرحوم ۳۰/اگست ۱۹۷۶ء دوشنبہ

والدہ : دولت بانو مرحومہ ۱۸/مئی ۱۹۳۰ء یکشنبہ

اہلیہ : ● نصیب خاتون مرحومہ ۱۷/جولائی ۱۹۸۹ء

فرزند : ● محمد جعفر علی خاں فہیم

دختران : ● غوثیہ بانو (اہلیہ مختار احمد خان) ● دولت بانو (اہلیہ میر محمد اقبال علی)

اساتذہ : ● حضرت فصیح الدین مہرؔ مرحوم ● حضرت میر محمد علی فقیرؔ مرحوم

● حضرت غلام علی حاویؔ مرحوم (جانشینِ صفیؔ اورنگ آبادی)

شعری مجموعہ: ''شعلۂ سخن'' (شعری مجموعہ) ۱۹۹۴ء

مطبوعات: ● ''تلامذۂ صفیؔ'' ۱۹۹۱ء انعام یافتہ آندھرا پردیش اُردو اکیڈمی

● ''خیالاتِ حاویؔ'' ۱۹۹۲ء ● ''اصلاحاتِ صفیؔ'' ۱۹۹۳ء

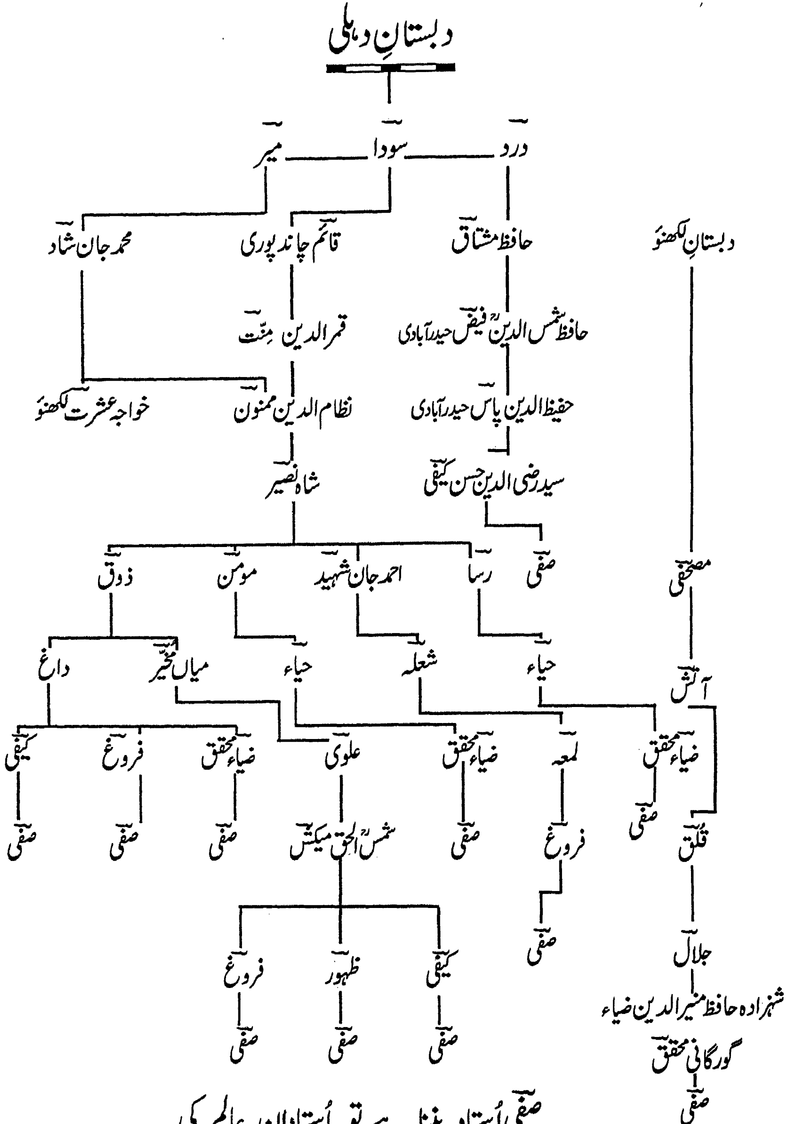
● ''خمریاتِ صفیؔ'' ۱۹۹۵ء ● ''انشائے صفیؔ'' ۱۹۹۶ء

● ''کلامِ فروغ'' ۱۹۹۸ء ● ''محاوراتِ صفیؔ'' ۱۹۹۸ء

حضرت صفیؔ بہ یک نظر

نام :	حکیم محمد بہاء الدین بہبود علی صدیقی تخلص صفیؔ اورنگ آبادی
ولدیت :	حکیم محمد منیر الدین صدیقی مرحوم
تاریخ و مقام پیدائش:	۲۵؍رجب ۱۳۱۰ھ ۱۴؍فروری ۱۸۹۳ء روز دوشنبہ (محلّہ نواب پورہ) اورنگ آباد، دکن
تاریخ وفات:	۱۵؍رجب ۱۳۷۳ھ م ۲۱؍مارچ ۱۹۵۴ء روز یکشنبہ دواخانہ عثمانیہ بوقت مغرب
تدفین :	۲۲؍مارچ، درگاہ حضرت سردار بیگ صاحبؒ، آغا پورہ، حیدرآباد
اساتذۂ صفیؔ:	● شہزادہ حافظ محمد منیر الدین ضیاؔ گوگارنی ● حکیم ظہور احمد ظہورؔ دہلوی ● عبدالولی فروغؔ ● رضی الدین حسن کیفیؔ
والدہ علاتی :	احمدی بیگم عرف (حضرت اماں مرحومہ)
صفیؔ سے متعلق کتابیں	● ''یادگارِ صفیؔ'' سب رس صفیؔ نمبر ۱۹۵۶ء مرتبہ خواجہ حمید الدین شاہدؔ ● ''انتخاب کلام صفیؔ'' ۱۹۶۳ء مرتبہ پروفیسر سید مبارز الدین رفعتؔ مرحوم ● ''پراگندہ'' ۱۹۶۵ء انتخاب کلام...... مرتبہ خواجہ شوقؔ ● ''فردوسِ صفیؔ'' ۱۹۶۸ء انتخاب کلام...... مرتبہ ابوالخلیل سید غوث یقینؔ (پاکستان) ● ''گلزارِ صفیؔ'' ۱۹۸۷ء انتخابِ کلام...... مرتبہ رؤف رحیم ● ''سوانح عمری صفیؔ اورنگ آبادی'' مرتبہ محمد نورالدین خاں ● ''تلامذۂ صفیؔ'' ۱۹۹۱ء مرتبہ محبوب علی خاں اخگرؔ ● ''اصلاحاتِ صفیؔ'' ۱۹۹۳ء مرتبہ محبوب علی خاں اخگرؔ ● ''کلامِ صفیؔ'' غیر مطبوعہ ۱۹۹۳ء مرتبہ محمد نورالدین خاں ● ''خمریاتِ صفیؔ'' ۱۹۹۵ء مرتبہ محبوب علی خاں اخگرؔ ● ''انشائے صفیؔ'' ۱۹۹۶ء مرتبہ محبوب علی خاں اخگرؔ ● ''محاوراتِ صفیؔ'' ۱۹۹۸ء مرتبہ محبوب علی خاں اخگرؔ
مقالات برائے ایم فل	(۱) ● عبدالعزیز ۱۹۷۵ء ''صفیؔ اورنگ آبادی کی شخصیت اور شاعری کا جائزہ'' زیر نگرانی: ڈاکٹر حفیظ قتیلؔ شعبۂ اُردو (جامعہ عثمانیہ)
" "	(۲) ● عفت نعیم ۱۹۹۸ء ''صفیؔ کی شاعری کا تنقیدی مطالعہ'' زیر نگرانی: پروفیسر سلیمان اطہر جاوید (سنٹرل یونیورسٹی، حیدرآباد)
مقالہ برائے پی ایچ ڈی	● فاروق شکیل ''دبستانِ صفیؔ اورنگ آبادی'' زیرِ نگرانی: ڈاکٹر فریدہ بیگم اُردو اورینٹل کالج (جامعہ عثمانیہ)

......: حضرت صفی اورنگ آبادی کے اساتذہ کا شجرہ:......



صفی اُستاد بننا ہے تو اُستادانِ عالم کی

اُٹھاو جوتیاں، تازہ کرو حُقّے، بھرو چلمیں

صفؔی کے منتخب اشعار

اللہ کو پکار اگر کوئی کام ہے
بندے ہزار نام کا یہ ایک نام ہے

☆☆☆☆

اُسے دیکھا ہے جس کے دیکھنے کو لوگ مرتے ہیں
نظر بازو! ہماری بھی ذرا حدِّ نظر دیکھو

☆☆☆☆

کیا کہوں مُنہ سے کہ قرآن کا مُنہ ہے ورنہ
حمد کا لفظ تو ہونا تھا محمدؐ کے لئے

☆☆☆☆

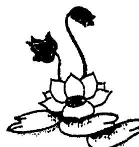
شائد اَلم بھی کوئی بڑی چیز ہے صفؔی
قرآں کی ابتداء ہے الف لام میم سے

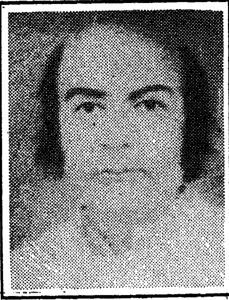
☆☆☆☆

یہ کیوں رہ رہ کے مسجد کا ارادہ
صفؔی کس کو منانا چاہتا ہے

☆☆☆☆

ملائک نے سجدہ کیا ہے صفؔی
حقیقت میں انسان کیا چیز ہے





ڈاکٹر جمیل جالبی
پی ایچ ڈی (لٹریچر)، ڈی ایس سی (اعزازی) ایف ڈبلیو ایل اے
ستارۂ امتیاز، ہلالِ امتیاز سابق وائس چانسلر، کراچی یونیورسٹی، سابق چیرمین نیشنل لینگویج اتھارٹی

تقریش[1]

حضرت صفی اورنگ آبادی مردِ درویش تھے۔ اُن کا ظاہر و باطن یکساں طور پر اُجلا تھا۔ یہی اُجلاپن اُن کی شاعری میں واضح طور پر محسوس ہوتا ہے۔

صفی صاحب جیسا کہ سب جانتے ہیں ازسرتاپا شاعر تھے۔ ساری عمر شعر و شاعری اور خدمتِ ادب میں گزار دی، اور دکن میں وہ نام پیدا کیا کہ چار دانگِ عالم میں اُن کا ڈنکا بجنے لگا۔ زبان و بیان پر ایسی قدرت کہ جو پڑھے لطف اُٹھائے۔ اظہار جذبات ایسا کہ دل کی کلی کھل اُٹھے ۱۹۶۳ء میں پروفیسر مبارزالدین رفعت نے اُن کے کلام کا ایک انتخاب شائع کیا تھا۔ اُس کے بعد اُن کے چار مجموعے: ''پراگندہ (۱۹۶۵ء)، فردوسِ صفی (۱۹۶۸ء)، گلزارِ صفی (۱۹۸۷ء)، کلامِ صفی اورنگ آبادی (۱۹۹۳ء)'' کے عنوان سے شائع اور مقبول ہوئے۔ ''سوانح عمری صفی اورنگ آبادی (۱۹۸۹ء)'' کے نام سے ایک کتاب اُن کی زندگی کے احوال و آثار کے بارے میں بھی شائع ہوئی۔ اِدھر اخگر حیدرآبادی نے تلامذۂ صفی (۱۹۹۱ء)، اصلاحاتِ صفی (۱۹۹۳ء)، خمریاتِ صفی (۱۹۹۵ء) اور انشائے صفی (۱۹۹۶ء) کے نام سے چار کتابیں مرتب و شائع کیں جو عام طور پر پسند کی گئیں۔ ان سب کتابوں کی اشاعت سے نئی نسل میں ان کی شاعری سے دلچسپی پیدا ہوئی۔ اب اخگر صاحب نے حضرت صفی کا کلیات مرتب و شائع کیا ہے جس کی اشاعت کے بعد اُن کی مقبولیت میں مزید اضافہ ہوگا اور اہل ذوق اچھی طرح جانیں گے کہ حضرت صفی اورنگ آبادی کی تاریخ ادب میں کیا اہمیت ہے؟۔

حضرتِ صفی کے کلام کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے، حضرت داغ دہلوی کے بعد، اردو شاعری میں سب سے زیادہ محاورات اور ضرب الامثال ایسی صحت اور ایسے سلیقے سے باندھے ہیں کہ ان کی شاعری میں وہ تخلیقی رس پیدا ہو گیا ہے جو اچھی شاعری کی جان ہے۔ اُن کا کلیات پڑھئے تو معلوم ہوگا کہ وہ کتنے بڑے شاعر تھے۔ اتنے بڑے کہ سرزمین دکن اُن پر جتنا فخر کرے کم ہے۔

کلیاتِ صفی مرتب کر کے اخگر صاحب نے ڈوبتے سورج کو ایک نئی سحر سے آشنا کیا ہے اور اسی لئے وہ ہم سب کی مبارک باد کے مستحق ہیں۔

---

[1] وہ پیش لفظ جس کے رنگ و مزاج میں تقریظ شامل ہو۔ (جمیل جالبی)

محبوب علی خاں اخگر

عرض مرتب

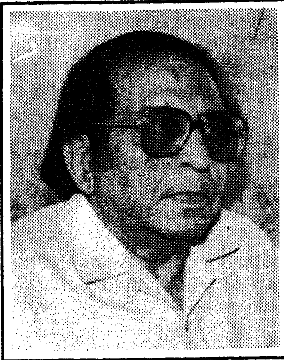
بارگاہ خداوندی میں سجدۂ شکر بجالاتا ہوں کہ اپنے دادا اُستاذ دکن کے عظیم المرتبت اور ہردل عزیز شاعر حضرت صفؔی اورنگ آبادی کے کلیات کو مرتب و پیش کرنے کا اعزاز میرے حصے میں آیا۔ اس سے قبل حضرت صفؔی کے کلام کے مختصر مجموعے بہ شکلِ انتخاب شائع ہوئے لیکن ہر انتخاب کو پڑھنے کے بعد پرستارانِ صفؔی اور اہل ذوق حضرات کو تشنگی کا احساس رہا۔ اسی احساس نے مجھے کلیات صفؔی مرتب کرنے پر اکسایا تا کہ دکن کے اس مایا ناز شاعر و استادِ سخن کا کلام یکجا ہو کر منظر عام پر آئے۔

کلیاتِ صفؔی کے سلسلہ میں جب مختلف ذرائع سے کلام حاصل کرنے کی فکر ہوئی تو جناب مصلح الدین سعدی نے میری مشکل آسان کردی اور حضرت صفؔی کا مکمل کلام فراہم کر کے میرے عزائم کو تقویت پہنچائی۔ دوسرا مرحلہ اشاعت کیلئے سرمایہ کی فراہمی کا تھا کیوں کہ کلیات کی طباعت کیلئے زرِ کثیر کی ضرورت تھی۔ جب میں نے اپنے عزیز دوست ڈاکٹر سید حمایت علی موظف جوائنٹ ڈائرکٹر کے آگے اپنی فکر کا اظہار کیا تو انھوں نے چار ہزار پانچ سو روپیے کا عطیہ میرے حوالہ کیا' ہمت بندھائی اور کام شروع کرنے کا مشورہ دیا۔

ترتیب کلام سے متعلق جناب محمد نور الدین خاں اور جناب رؤف رحیم کے پاس موجود غیر مطبوعہ کلام سے مطابقت کرلی گئی۔ اس تعاون کیلئے ان دونوں کا مشکور ہوں۔ کلیات کی تدوین' ترتیب و پروف کی درستگی کے سلسلہ میں ڈاکٹر محمد علی اثؔر' فاروق شکیل جانشین حضرت عدیؔل مرحوم اور رؤف رحیم کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ محترم ڈاکٹر جمیل جالبی (کراچی) ڈاکٹر مغنی تبسم' جناب رشید حسن خاں' علامہ شارق جمال' ڈاکٹر محمد علی اثؔر' ڈاکٹر عقیل ہاشمی اور جناب نور الدین خاں کا ممنون کرم ہوں جنھوں نے اپنے گراں قدر مضامین سے اس کتاب کو زینت بخشی' جناب سید عبدالسلام (شکیل کمپوزنگ سنٹر) ٹائیٹل کیلئے جناب ولی محمد صدیقی آرٹسٹ اور جناب سلام خوشنویس اور جلد بندی کیلئے مالک حفیظیہ بک بائینڈنگ بھی شکریہ کے مستحق ہیں۔

ڈاکٹر مغنی تبسم

صفی کا اُسلوبِ بیان



صفی اورنگ آبادی اُردو کے مایہ ناز شاعر تھے۔ جو سرزمینِ دکن سے اُٹھے۔ داغ کی شاعری سے فضا گونج رہی تھی۔ داغ کے شاگرد اُن کے رنگِ سخن کو فروغ دے رہے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب شمالی ہندوستان میں اُردو غزل نے نئی کروٹ لی۔ چند اہم غزل گو اور نظم نگار شاعروں نے جن کی شعر گوئی کی ابتدائی تربیت داغ اور امیر مینائی کے زیر اثر ہوئی تھی، غالب سے فیضان حاصل کیا۔ ان میں اقبال، فانی، یگانہ، اور کسی حد تک اصغر اور جگر شامل ہیں۔ انہوں نے تفکر اور تفلسف کو اپنے کلام میں راہ دی۔ محاورہ بندی سے گریز کرتے ہوئے متوازن طریقے سے فارسی لفظیات اور تراکیب سے اظہار میں مدد لی۔ صفی، غالب کا تتبع کرنے والوں کو شاعر نہیں سمجھتے تھے۔ صفی کا سلسلۂ تلمذ داغ سے ملتا ہے۔ داغ کی طرح وہ خالص اُردو کے شاعر تھے۔ انہوں نے روزمرہ اور محاورے پر شعر کی اساس رکھی۔ وہ محض داغ کے مقلد نہیں تھے۔ اپنی تخلیقی صلاحیت اور قوتِ اختراع سے کام لے کر انہوں نے ایک نیا اسلوب وضع کیا جس کی اپنی الگ شناخت ہے۔ صفی کے بیش تر اشعار سہل ممتنع میں ہیں۔ اُنہیں پڑھ کر یوں محسوس ہوتا ہے جیسے کوئی بے تکلف انداز میں گفتگو کر رہا ہے۔ صفی کو زبان اور فن پر بڑی قدرت حاصل تھی۔ روزمرّہ اور محاورے کے استعمال کے ساتھ صنائع بدائع کا اہتمام بھی کرتے تھے۔ اس میں اتنی بے ساختگی ہوتی کہ کہیں یہ محسوس نہیں ہوتا کہ انہوں نے صنعت کیلئے شعر کہا ہے۔ میر کی طرح صفی کو اپنی زبان دانی اور غزل گوئی کے منفرد اُسلوب پر ناز تھا۔ کہتے ہیں:

ہے صفی کے ساتھ یہ اُردو، یہ اندازِ غزل
حاسدو! سننے میں پھر آئیں گی یہ باتیں کہاں

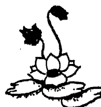
صفیؔ کا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے معیاری اُردو کے روز مرہ اور محاورے کے ساتھ دکنی روز مرہ اور محاورے کو بلا جھجک پوری خود اعتمادی کے ساتھ اپنے اشعار میں باندھا جس کی وجہ سے ان کا کلام حیدرآباد میں بے حد مقبول ہوا۔ ان کے بے شمار اشعار آج بھی زبان زدِ خاص و عام ہیں۔

صفیؔ کی زبان حیدرآبادی معاشرت کی بھرپور عکاسی کرتی ہے۔ وہ عوام کے شاعر تھے۔ ان کے مسائل اور دُکھ درد کو خوب سمجھتے تھے۔ انہوں نے اپنی شاعری میں عوام کے تجربات، ان کے محسوسات، خواہشات اور جذبات کی ترجمانی کی۔

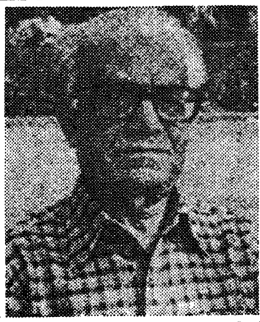
صفیؔ نے اپنے ہم عصروں کے علاوہ شعراء کی آنے والی نسلوں کو بھی متاثر کیا۔ ان کے تلامذہ اور تلامذہ کے شاگردوں کا حلقہ نہایت وسیع ہے۔ جن سے شاعری کا خاص دبستان تشکیل پایا ہے جو دبستانِ صفیؔ کے نام سے موسوم ہے۔

صفیؔ کا ایک مکمل دیوان ''پراگندہ'' غالباً ان کی زندگی میں ترتیب پایا تھا جسے خواجہ شوقؔ نے اسی نام سے صفیؔ کے کلام کا ایک انتخاب ۱۹۶۵ء میں ترتیب دیا۔ بعدازآں دو اور انتخابات فردوس صفیؔ اور گلزار صفیؔ شائع ہوئے۔ عزیزی رؤف رحیم صفیؔ کا بہت سا کلام انتخاب کرنے کیلئے میرے پاس لائے تھے۔ انتخاب کرتے وقت میں نے اس بات کو ملحوظ رکھا تھا کہ اس میں ان کے عمدہ اشعار شامل ہوں اور جن میں معیاری زبان کے محاورے کی پابندی کی گئی ہو۔ حسامی بک ڈپو نے یہ انتخاب گلزارِ صفیؔ کے نام سے شائع کیا۔

یہ بڑی مسرت کی بات ہے کہ محبوب علی خاں اخگرؔ، صفیؔ کے سارے کلام کو مرتب کر کے کلیات کی صورت میں شائع کر رہے ہیں۔ کلیات کی اشاعت کے بعد صفیؔ کے کلام کی قدرشناسی صحیح طور پر ہو سکے گی۔ محبوب علی خان اخگرؔ، تلمیذو جانشینِ صفیؔ غلام علی حاویؔ کے شاگرد ہیں۔ انہوں نے صفیؔ پر کئی کتابیں مرتب کر کے شائع کیں جن کی وجہ سے صفیؔ شناسی کی راہ استوار ہوئی۔ کلیاتِ صفیؔ کی ترتیب و اشاعت کیلئے وہ تمام دل دادگانِ صفیؔ اور اہلِ اُردو کے شکریے کے مستحق ہیں۔ اِس اہم کام کو سرانجام دینے کیلئے میں اپنی طرف سے بھی اُنہیں دلی مبارکباد دیتا ہوں۔



رشید حسن خاں، (شاہ جہاں پور)



کلامِ صفؔی میں صحّت زبان اور شعری روایتوں کی پاسداری

وہ اساتذۂ شعروادب جنھوں نے زبان کی صحّت اور شعری روایتوں کی پاسداری کو اپنی زندگی کا مقصد بنالیا تھا' ان کو یاد کرتے رہنا ہمارا تہذیبی فریضہ ہے۔ ''نامِ نیک رفتگاں ضائع مکن'' محض ایک قول نہیں' اسے تہذیبی منشور کا سب سے اہم اندراج سمجھنا چاہئے۔ جو نسلیں اپنی ادبی اور تہذیبی روایتوں کو بھول جاتی ہیں اور اُن لوگوں کو بھلا دیتی ہیں جنھوں نے اپنی زندگیاں ان کے تحفّظ میں صرف کی تھیں' وہ لوگ بہت بدنصیب ہوتے ہیں۔ اس بدنصیبی کا سب سے تاریک پہلو یہ ہوتا ہے کہ یہ لوگ اپنے عہد کی نسل کو تہذیبی وراثت کے طور پر کچھ نہیں دے پاتے۔ جن کے دامن خالی ہوں' وہ دوسروں کو کیا دیں گے۔

روایت کی پرستش اچھی چیز نہیں البتہ روایت سے واقف ہونا اور اس کے صالح اجزا کو فکروخیال میں شامل رکھنا ضروری ہے۔

محبوب علی خاں اخگؔر کی مرتب کی ہوئی کتاب محاوراتِ صفؔی میرے سامنے ہے' صفؔی سے متعلق وہ کئی کتابیں مرتب کرچکے ہیں' ان کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ صفؔی اپنے زمانے میں قدیم اساتذہ کی قابلِ قدر یادگار تھے۔ انھوں نے اپنی شاعری میں زبان کی صحّت' روزمرّہ کی برجستگی اور محاوروں کے برمحل استعمال کا خاص طور پر خیال رکھا ہے اور اپنے حلقے میں اس طرزِ عمل کو فروغ بخشا تھا۔

ہم سب کو اخگر صاحب کا ممنون ہونا چاہئے کہ اس زمانے میں جب آدمی کو اپنے آپ سے ملنے کی بھی فرصت کم ملتی ہے' انھوں نے صفؔی مرحوم سے متعلق کئی کتابیں مرتب کیں اور ''نامِ نیک رفتگاں ضائع مکن'' کی معنویّت کو عملی طور پر برقرار رکھا۔ میں تو ان کا خاص طور پر شکرگزار ہوں' یوں کہ میں ان کی مرتب کی ہوئی ان کتابوں کو نہ دیکھتا تو صفؔی سے میری واقفیت محض ان کے تخلّص سے واقفیّت تک رہتی۔



ڈاکٹر محمد علی اثر
معاون پروفیسر شعبہ اردو، جامعہ عثمانیہ

کلیاتِ صفیؔ کی تحقیق و تدوین

صفیؔ اورنگ آبادی سرزمین دکن کے عظیم المرتبت اور باکمال سخن وروں میں شمار ہوتے ہیں۔ انہوں نے کسی مکتب یا درس گاہ میں باقاعدہ تعلیم حاصل نہیں کی۔ لیکن علم و ادب اور شعرو سخن سے انھیں فطری لگاؤ تھا اور ان کا مطالعہ بے حد وسیع تھا۔ ضیاءؔ گورگانی، ظہورؔ دہلوی، فروغؔ حیدرآبادی اور رضی الدین حسن کیفیؔ کے فیض صحبت نے ان کی شعری صلاحیتوں کو مزید جلا بخشی۔ حضرت کیفیؔ کے توسط سے ان کا سلسلہ تلمذ داغؔ دہلوی سے جا ملتا ہے۔ داغؔ کی طرح زبان کی صحت و صفائی، روزمرّہ اور محاورے کی برجستگی و بے ساختگی اور ضرب الامثال کے برمحل استعمال میں انھیں ید طولیٰ حاصل تھا۔ صفیؔ زبان و بیان کی لطافت اور شاعری کیففنی لوازم پر ماہرانہ قدرت رکھتے تھے۔ روزمرّہ اور محاورے کو وہ اس قدر فنی چابکدستی اور مہارت سے شعر کے روپ میں ڈھال دیتے تھے کہ ان کا جادو سر چڑھ کر بولنے لگتا۔

حضرت صفیؔ ایک خوددار، قناعت پسند اور قلندر منش آدمی تھے۔ ان کے شاگردوں اور پرستاروں میں امراء اور روؤسا شامل تھے لیکن انہوں نے کبھی کسی کے آگے دست سوال دراز نہیں کیا۔ ان کی ساری زندگی آزمائش و ابتلا میں گزری۔ توکّل اور استغنا کا یہ عالم تھا کہ ''مل جائے تو روزی ہے نہیں تو روزہ'' کے مسلک پر گامزن تھے۔ ان کے کلام کا ایک معتدبہ حصہ ضائع بھی ہو گیا۔ انہوں نے ایک یا ایک سے زائد دواوین کے گم ہو جانے کا تذکرہ بھی کیا ہے

یوں تو کھو جانے کو لاکھوں ہی درم کھوے گئے ۔۔۔ کھو گیا دیوان کچھ ایسا کہ ہم کھوے گئے
چند اوراق ہیں جو کچھ بھی غنیمت ہیں صفی ۔۔۔ اب وہ کھوے ہوئے دیوان کہاں سے لاؤں

صرف اتنا ہی نہیں بلکہ کچھ اور کلام کے چوری ہو جانے' نذر آب ہو جانے اور نذر آتش ہو جانے کا بھی انہوں نے اشعار میں ذکر کیا ہے

ہائے مجھ کو یاد آتی ہے مرے اشعار کی　　جل گئے کچھ بہہ گئے چوری گئے کچھ اے صفی

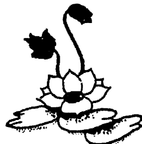
اس صورت حال کے پیش نظر صفی کی وفات کے دو سال بعد ۱۹۵۶ء میں جب یادگار صفی (سب رس کا خصوصی شمارہ) شائع ہوا تو مشاہیر ادب نے ان کی شاعری کے تحفظ پر زور دیتے ہوئے شاگردان صفی کو ان کا کلیات شائع کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ چنانچہ رگھویندر راو جذب عالم پوری نے لکھا ہے ''خوشہ چینان و معتقدانِ صفی سے میری پرزور اپیل ہے کہ کلام صفی کی اشاعت کی فکر کریں تا کہ دکن کی یہ یادگار ہمیشہ قائم رہ سکے (یادگار صفی ص ۶۔) کلیات صفی کی اشاعت کے سبب پرستاران صفی کا یہ خواب کوئی ۴۴، ۴۵ سال بعد صحیح معنی میں شرمندۂ تعبیر ہوا ہے۔ کلیات صفی کی ترتیب وتدوین کا سہرہ جانشین صفی حضرت غلام علی حاوی کے شاگرد رشید جناب محبوب علی خاں اخگر کے سر ہے۔ اخگر صاحب نے تحقیق و تنقید اور ترتیب و تدوین کے مراحل کو طئے کرتے ہوئے ایک طرف اپنے اور اپنے استاد سخن کے مجموعہ ہائے کلام بالترتیب ''شعلہ سخن اور خیالات حاوی کو شائع کیا ہے تو دوسری طرف ''تلامذۂ صفی'' اصلاحاتِ صفی، خمریات صفی، انشائے صفی اور محاورات صفی، کے نام سے یکے بعد دیگرے پانچ کتابیں مرتب کر کے شائع کیں۔ صفی شناسی کے سلسلہ میں بقول محمد نور الدین خاں ''محبوب علی خاں اخگر نے ادب کے میدان میں قدم رکھا تو سب سے بازی لے گئے''۔ (محاورات صفی ص ۴۶)

وظیفہ حسن خدمت پر سبکدوش ہونے کے بعد انہوں نے دشتِ تحقیق و تنقید کی سیاحی کا بیڑہ اٹھایا۔

تلامذۂ صفی سے محاوراتِ صفی تک اخگر صاحب کی مرتبہ اور مولفہ کتابوں کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے صفی شناسی کی راہ ہموار کرتے ہوئے سب سے آخر میں کلیاتِ صفی کو منظر عام پر لایا۔ کسی شاعر کے کلام کی ترتیب و تدوین کس قدر جگر کاوی کا کام ہے اس کا وہی لوگ بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں جنھیں ان مراحل سے گزرنے کا موقع ملا ہے۔

اس غیر معمولی ادبی اور تحقیقی کارنامے پر میں اخگر صاحب کو دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ ؎

اللہ کرے مرحلۂ شوق نہ ہو طئے





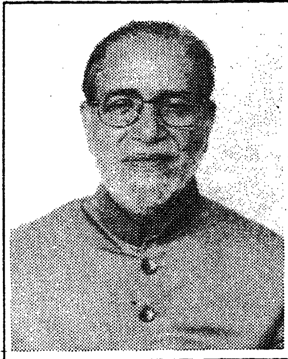
ڈاکٹر عقیل ہاشمی، حسینی منزل، مانصاب ٹینک

کچھ کلیات صفیؔ اورنگ آبادی کے بارے میں

حضرت بہبود علی صفیؔ اورنگ آبادی کی شخصیت اور شاعری کے متعلق یہ بات مسلمہ ہے کہ انھوں نے دکن میں مکتبِ داغؔ دہلوی کے رنگ و آہنگ کے اختصاص یعنی زبان و بیان کی ندرت و کمال کو عروج پر پہنچایا۔ خصوصیت سے نادر تشبیہات، استعارات، ضرب الامثال، روزمرہ اور محاروات کے ساتھ لب و لہجہ کی صلابت و بے ساختگی جذبات و احساسات کی عکاسی اردو شعر و ادب کیلئے وجہ امتیاز و افتخار ہے۔

لیکن یہ بھی صحیح ہے کہ ان کی زندگی میں ان کا کوئی مجموعہ شائع نہیں ہوا، البتہ ڈاکٹر زورؔ کی ایماء پر مرقع سخن جلد اول کیلئے ۱۹۳۵ء میں صاحبزادہ شرف الدین علی خاں نے انتخاب کلام پیش کیا۔ ۱۹۵۶ء میں خواجہ حمید الدین شاہد کی ادارت میں ادارۂ ادبیات اردو کے ترجمان سب رس کا صفیؔ نمبر نکلا۔ بعد ازاں صفی کے شاگرد اور پرستار حضرات وقفہ وقفہ سے اپنے اپنے طور پر کلام صفیؔ کی اشاعت کا انتظام و اہتمام کرتے رہے۔ محبوب علی خاں اخگرؔ تلمیذ حضرت غلام علی حاوی جانشین صفیؔ اورنگ آبادی نے اپنے استاذ الاستاذ کی کئی کتابیں منظر عام پر لائیں۔ اور اب کلیات صفیؔ اورنگ آبادی ان کے مطمح نظر ہے۔

مجھے یقین ہے کہ اخگر صاحب کی اس شبانہ روز، محنتِ شاقہ، انہاک اور دبستانِ صفیؔ سے وابستگی کے باعث حضرتِ صفیؔ کے کلیاتِ صفیؔ کی اشاعت، اہل علم و ادب میں بہ نظرِ استحسان دیکھی جائے گی۔ اس ''وقیع سرمایۂ شعری'' کی شیرازہ بندی پر انھیں دلی مبارک باد دیتا ہوں۔ فقط



محمد نورالدین خاں

صفیؔ اورنگ آبادی کے کلام میں

اختلافات

جناب صفیؔ کے مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کلام کا بغور مطالعہ کریں تو اشعار میں مختلف نوعیت کے اختلافات نظر آتے ہیں حالاں کہ ان اشعار کا ماخذ مصدقہ اور مستند یوں ہے کہ مجموعہ ہائے کلام کے مرتب کرنے والے اصحاب ان کے شاگرد تھے۔ اور ان سے قریبی ربط رکھتے تھے۔ بوقت ترتیب انتخاب کلام، جناب صفیؔ کا دیوان ہی ان کے پیش نظر تھا۔ اشعار میں اختلاف کا جائزہ لیتے وقت ''انتخاب کلام صفیؔ اورنگ آبادی'' پراگندہ اور فردوسِ صفیؔ، گلزارِ صفیؔ کے علاوہ جناب صفیؔ کے خودنوشتہ دیوان کا عکس اور ان کے صاحب ذوق قدیم دوست جناب عمر یافعی مرحوم کا نامکمل مرتبہ قلمی دیوان بھی ہمارے مطالعہ میں رہا۔ بادی النظر میں ان کے اشعار میں نوع بہ نوع اختلافات دیکھ کر پڑھنے والے کو تجسس آمیز الجھن ہوتی ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ اشعار میں مختلف نوعیت کے اختلاف کے چند وجوہ بھی ہیں۔ ان وجوہات کے پس منظر سے واقفیت اور آگاہی کے بعد ہی قاری کی الجھن دور ہوتی ہے اور پھر وہ ان اشعار سے لطف اندوز ہونے اور شاعر کے کمالِ فن کی داد دینے مجبور ہوتا ہے۔

جنابِ صفیؔ کے ساتھ ٹریجڈی یہ ہوئی کہ متواتر ان کے دیوان گم ہوتے گئے۔ اپنے دیوان کے شائع نہ ہونے کے بارے میں انہوں نے اعتراف کیا ہے کہ ''میرے جنون ہی کا نتیجہ ہے اے صفیؔ''، لیکن اُن کی اُفتادِ طبع کی ایک خوبی یہ بھی تھی کہ دیوان گُم ہونے کے بعد وہ کبھی

مایوس ہو کر نہیں بیٹھے بلکہ عزم و ولولہ اور حوصلہ مندی کے ساتھ اپنا دیوان مرتب کرنے میں مصروف رہے۔ اور تا دمِ آخر یہ مرحلۂ شوق جاری رہا۔ بھولے ہوئے شعر یاد کرنے کی کوشش میں، حافظہ کی مدد سے یا پھر شاگردوں سے پوچھ پوچھ کے غزلیں لکھیں۔ ظاہر ہے ایسا کرنے میں اختلاف کا ہونا لازمی تھا۔

اپنے کلام کے وہ قدرداں بھی تھے اور ناقد بھی۔ کوئی مصرع کوئی شعر یا کوئی لفظ کھٹکتا تو وہ قلم زد کر دیتے تھے اور اپنے شعر کی اصلاح کرتے۔ دیوان میں کاٹ چھانٹ کا عمل جاری رہتا تھا۔ چنانچہ ان کے خود نوشتہ دیوان میں کئی جگہ اشعار میں اصلاحیں نظر آتی ہیں۔ ان کی ایک غزل کا مطلع ہے: ؎ اللہ کو پکارا اگر کوئی کام ہے غافل! ہزار نام کا یہ ایک نام ہے

ان کے قدیم شاگرد جناب صالح مصلی حامؔی مرحوم بیان کرتے تھے کہ بیس سال بعد اُستاد نے اس شعر میں لفظ ''غافل'' کو ''بندے'' سے بدلا۔

کسی خیال یا مضمون کو مختلف انداز بیان میں ادا کرنے کا جناب صفؔی کو بڑا سلیقہ تھا وہ خود کہتے ہیں ''بات کرنے کے ہیں ہزار طریق''۔ اگر زبان و بیان پر قدرت ہو تب ہی بقول انیس ''اک طرح کا مضموں ہو تو سَو طرح سے باندھوں'' کا جلوہ نظر آتا ہے۔ پھر خوبی اور کمال یہ کہ الفاظ کی تبدیلی کے باوجود کسی شعر کی دلکشی اور حُسنِ کلام میں فرق نہیں آتا۔ جناب صفؔی کے دوستوں نے جو شعر ان کی زبان سے سنے وہی شعر بعض تبدیلیوں کے ساتھ دیوان میں نظر آئے۔ ؎

یہ بھی اک رنگ ہے طبیعت کا!

اختلافی شعر دس بارہ، پندرہ بیس نہیں بلکہ بہت زیادہ ہی ہیں۔ بطور تفریحِ طبع ان میں سے چند ''مشتے نمونہ از خروارے'' پیش ہیں۔

''لفظی اختلاف''

''دیوانِ خودنوشتہ وفردوسِ صفی''

پھر اس نے وعدہ کیا ہم نے انتظار کیا
زبان پر نہیں صورت پر اعتبار کیا

''پراگندہ''

جب اس نے وعدہ کیا میں نے انتظار کیا
زبان پہ نہیں صورت پہ اعتبار کیا

☆☆☆☆☆

''دیوانِ خودنوشتہ وفردوسِ صفی''

میں ابھی اپنی طبیعت کو بدل لیتا ہوں
شامل حال اگر آپ کی امداد رہے

''پراگندہ''

میں ابھی اپنی طبیعت کو بدل لیتا ہوں
شاملِ حال ذرا آپ کی امداد رہے

''دیوان خودنوشتہ وپراگندہ''

بس ایک ہی دوا ہے کہ وہ مہربان ہو
کچھ اور تو علاج دلِ مبتلا نہیں

''فردوسِ صفی''

بس ایک ہی دوا ہے کہ وہ مہربان ہوں
کچھ اور تو دوائے دلِ مبتلا نہیں

☆☆☆☆☆

''دیوان خودنوشتہ وفردوس صفی''

کبھی ایسے بھی خواب پڑتے ہیں
جن کی تعبیر ہو نہیں سکتی

''پراگندہ''

بعض ایسے بھی خواب ہوتے ہیں
جن کی تعبیر ہو نہیں سکتی

☆☆☆☆☆

''لفظوں میں اختلاف''

''دیوان مرتبہ عمر یافعی''
معشوق وہ کسی کے نہیں تو نہیں سہی
اتنا تو پوچھ لو کہ صفؔی کس کا نام ہے

''پراگندہ''
معشوق وہ کسی کے نہیں تو نہیں سہی
اُن سے یہ پوچھئے کہ صفؔی کس کا نام ہے

''فردوسِ صفؔی''
معشوق وہ کسی کے نہیں تو نہیں سہی
لیکن یہ پوچھئے کہ صفؔی کس کا نام ہے

☆☆☆☆☆

''انتخاب کلام صفؔی و پراگندہ''
اے صفؔی وقت کو بُرا نہ کہو
وقت پیغمبروں پہ آیا ہے

''فردوسِ صفؔی''
اے صفؔی وقت سے نہ گھبراؤ
وقت پیغمبروں پہ آیا ہے

☆☆☆☆☆

''دیوانِ خودنوشتہ وانتخاب کلام صفؔی''
ہر ہنر خدمتِ استاد سے آتا ہے صفؔی
لیکن اس بات میں شاگرد بھی اُستاد رہے

''دیوان مرتبہ عمر یافعی و پراگندہ''
ہر ہنر خدمتِ اُستاد سے آتا ہے صفؔی
لیکن اس کام میں شاگرد بھی اُستاد رہے

''فردوسِ صفؔی''
ہر ہنر خدمت استاد سے آتا ہے صفؔی
لیکن اس فن میں تو شاگرد بھی اُستاد رہے

☆☆☆☆☆

''دیوانِ خودنوشتہ وفردوسِ صفیؔ''

جوشِ گریہ سے مرا سر ہی نہیں اُٹھ سکتا
ورنہ دُشمن کے مقابل کوئی نیچا دیکھے

''پراگندہ''

جوشِ گریہ سے مرا سر نہیں اُٹھنے پاتا
ورنہ دُشمن کے مقابل کوئی نیچا دیکھے

''دیوان مرتبہ عمر یافعی''

جوشِ گریہ سے مرا سر نہیں اُٹھنے دیتا
ورنہ دُشمن کے مقابل کوئی نیچا دیکھے

☆☆☆☆☆

''مصرع میں تبدیلی''

''پراگندہ''

جب کبھی تیری دید ہوتی ہے
ہم غریبوں کی عید ہوتی ہے

''فردوسِ صفیؔ''

جب کبھی تیری دید ہوتی ہے
ہم کو اس روز عید ہوتی ہے

☆☆☆☆☆

''پراگندہ''

جُھک کے ملنا بڑی کرامت ہے
اس سے دنیا مرید ہوتی ہے

''دیوان مرتبہ عمر یافعی''

کیا کرامت ہے جُھک کے ملنا بھی
اس سے دنیا مرید ہوتی ہے

☆☆☆☆☆

''دیوانِ خودنوشتہ وفردوسِ صفیؔ''

نہ دیکھو دوست بن کر تم تو دشمن کی نظر دیکھو
خفا ہوکر، بگڑ کر، روٹھ کر، دیکھو، مگر دیکھو

''دیوان مرتبہ عمر یافعی'' و ''پراگندہ''

محبت سے نہ دیکھو تم تو دشمن کی نظر دیکھو
خفا ہوکر، بگڑ کر، روٹھ کر، دیکھو، مگر دیکھو

☆☆☆☆☆

''دیوان خودنوشتہ و فردوسِ صفیؔ''

رہے مجاز میں پھر شکوہٗ مجاز کرے
ہر ایک ایسے منافق سے احتراز کرے

''پراگندہ''

رہے مجاز میں پھر شکوہٗ مجاز کرے
بشر کو چاہئے ایسے سے احتراز کرے

☆☆☆☆☆

''خودنوشتہ دیوان و فردوسِ صفیؔ''

جب ملے وہ کھچے تنے ہی مِلے
لطف ملنے کا اِک ذرا نہ ملا

''پراگندہ''

یوں وہ ملنے کو لاکھ بار ملے
لطف ملنے کا اِک ذرا نہ ملا

☆☆☆☆☆

''پورے شعر میں اختلاف''

''خودنوشتہ دیوان و فردوسِ صفیؔ''

وہ آئے ہیں تو بس جانے نہ پائیں اب مرے گھر سے
الٰہی گھِر کے آئے خوب گرجے ٹوٹ کر برسے

''پراگندہ''

گھٹا گھنگور چھائے خوب گرجے ٹوٹ کر برسے
مرے اللہ وہ جانے نہ پائیں اب مرے گھر سے

☆☆☆☆☆

''فردوسِ صفیؔ''

میری طرح نہ بیٹھو گے نچلا ذرا سی دیر
پڑجائیں گے مزے جو تمہیں چھیڑ چھاڑ کے

''پراگندہ و دیوان خودنوشتہ''

دم بھر کسی کو بیٹھنے دو گے نہ چین سے
تم کو ابھی مزے ہی نہیں چھیڑ چھاڑ کے

☆☆☆☆☆

''پراگندہ''

سب کو کیا کیا بندھی ہیں امیدیں
وہ ذرا بھی جو مسکرایا ہے

''فردوسِ صفؔی''

بندھ گئیں سیکڑوں ہی امیدیں
تو جو اک بار مسکرایا ہے

☆☆☆☆☆

''پراگندہ''

وہ کسی کا فریب کیا کھائے
جس نے تیرا فریب کھایا ہے

''فردوسِ صفؔی''

اس نے کھایا فریب لاکھوں کا
ہم نے جس کا فریب کھایا ہے

☆☆☆☆☆

''دیوان خودنوشتہ و فردوسِ صفؔی''

لے کام اپنی زندگیٔ مستعار سے
ہے فائدہ کی چیز اُٹھا اس سے فائدہ

''پراگندہ''

سمجھے نہیں ہیں زندگیٔ مستعار کو
وہ لوگ جو اُٹھاتے نہیں اس سے فائدہ

''مقطع میں لفظی اختلاف''

''دیوان خودنوشتہ و دیوان مرتبہ عمر یافعی''

صفؔی اور دل دے کسی آدمی کو
اجی سب یہ حضرت کی مکّاریاں ہیں

''پراگندہ''	صفؔی اور دل دے پھر اس سادگی سے یہ سب ذاتِ اقدس کی عیّاریاں ہیں
''فردوسِ صفؔی''	صفؔی اور دل دیں حسینوں کو توبہ اجی سب یہ حضرت کی مکّاریاں ہیں

☆☆☆☆☆

''دیوانِ خودنوشتہ و پراگندہ''	یہ پراگندہ ہے جو کچھ بھی غنیمت ہے صفؔی میں غریب آدمی دیوان کہاں سے لاؤں
''فردوسِ صفؔی''	چند اوراق ہیں جو کچھ بھی غنیمت ہیں صفؔی اب میں کھوئے ہوئے دیوان کہاں سے لاؤں

☆☆☆☆☆

''پراگندہ''	ہم کو فریبِ ترکِ تعلق نہ دے صفؔی چھوڑا ہے اس کو تونے جو حاصل نہیں رہا
''فردوسِ صفؔی''	بس بس فریبِ ترکِ تعلق نہ دے صفؔی چھوڑا ہے اس کو تونے جو حاصل نہیں رہا

☆☆☆☆☆

''پراگندہ''	جب صفؔی غیر نے شکایت کی کاش اُس وقت میں وہاں ہوتا
''دیوان خودنوشتہ و فردوسِ صفؔی''	دشمنوں نے مری شکایت کی اے صفؔی کاش میں وہاں ہوتا

☆☆☆☆☆

''پراگندہ''	دم کے چڑھنے سے صفؔی ٹوٹ گیا بیٹھ گیا عمر تو ہوگی کوئی ساٹھ کے اندر باہر

''دیوان خودنوشتہ وفردوسِ صفؔی'' دم کے چڑھنے سے صفؔی ٹوٹ گیا بیٹھ گیا
ورنہ ہوگا یہ کوئی ساٹھ کے اندر باہر

''کہیں شعر کہیں مقطع''

''دیوانِ خودنوشتہ وفردوسِ صفؔی'' ایک خوراک صفؔی ضعف میں ہے اے ساقی
یہ جو شیشوں میں ہے سب اس کو دوا کہتے ہیں
''پراگندہ'' ضعف ہے مجھ کو بھی اک آدھ خوراک اے ساقی
یہ جو شیشوں میں ہے سب اس کو دوا کہتے ہیں

☆☆☆☆☆

''دیوان خودنوشتہ وفردوسِ صفؔی'' پیدا کرو کسی بھی طرح دل پہ اختیار
دل اختیار میں ہے تو سب اختیار میں
''پراگندہ'' تم دل پہ اختیار تو پیدا کرو صفؔی
دل اختیار میں ہو تو سب اختیار میں

☆☆☆☆☆

''دیوانِ خودنوشتہ و پراگندہ'' میں اُس بندہ نواز و بندہ پرور پر تصدق ہوں
جو بھولو عیش میں تو یاد آتا ہے مصیبت میں
''فردوسِ صفؔی'' صفؔی قربان اس بندہ نواز و بندہ پرور پر
جو بھولوں عیش میں تو یاد آتا ہے میسبت میں

☆☆☆☆☆

''پراگندہ'' مجھ کو رونے سے غرض تو کچھ نہ تھی لیکن صفؔی
صرف جی میں آئی تھی ارمانِ چشمِ تر نکال

"دیوانِ خودنوشتہ وفردوسِ صفؔی"	مجھ کو رونے سے غرض، مطلب، تعلق، واسطہ صرف جی میں آئی تھی ارمانِ چشمِ تر نکال

☆☆☆☆☆

"پراگندہ"	ہمارے بعد ہی معلوم ہوگا اکیلا پن تمہاری ہر ادا کا
"دیوانِ خودنوشتہ وفردوسِ صفؔی"	صفؔی کے بعد ہی معلوم ہوگا اکیلا پن تمہاری ہر ادا کا

☆☆☆☆☆

"دیوانِ خودنوشتہ وفردوسِ صفؔی"	بے طرح مجھ پہ نہ اس طرح خفا ہو دیکھو تم برا کہتے ہو سب لوگ برا کہتے ہیں
"پراگندہ"	اس طرح اپنے صفؔی پر نہ خفا ہو دیکھو تم برا کہتے ہو سب لوگ برا کہتے ہیں

☆☆☆☆☆

"دیوانِ خودنوشتہ وفردوسِ صفؔی"	جب کسی کے دل میں گھر ہوگا تو ہم پائیں گے چین اور اگر ایسا نہ ہو تو خانہ بردوشی سہی
"پراگندہ"	جب کسی کے دل میں گھر ہوگا تو ہم پائیں گے چین اے صفؔی ایسا نہ ہو تو خانہ بردوشی سہی

☆☆☆☆☆

"دیوانِ خودنوشتہ وفردوسِ صفؔی"	تڑپنے لوٹنے کی آج ان تک بھی خبر پہنچی مجھے بدنام کرنے کو مرے غم خوار پھرتے ہیں
"پراگندہ"	تڑپنے لوٹنے کی اے صفؔی ان تک خبر پہنچی مجھے بدنام کرنے کو مرے غم خوار پھرتے ہیں



علامہ شارق جمال
(ناگپور)

حرفِ چند

حضرت صفؔی اورنگ آبادی دکن کے اُن چند معروف اور ہردل عزیز اساتذۂ سخن میں شمار کئے جاتے ہیں جن کا ایک وسیع حلقہ خدمت شعروسخن میں مصروف رہا ہے۔ وہ اپنے دور کے ممتاز و منفرد حیثیت کے مالک رہے ہیں اور اپنی ایک الگ معتبر شناخت رکھتے تھے جو داغؔ اسکول کا خاصہ تھی۔

بامحاورہ شاعری، لائٹ کلاسیکل، روایتی شاعری، کلام فصاحت و سلاست نظام نیز صفائی بیان و شیرینیٔ زبان سے اُنہوں نے جو بھی شاعری تخلیق کی ہے وہ سادگیٔ زبان میں ملحوظ رکھ کر کی ہے۔ صفؔی اورنگ آبادی کے کلام کے کئی مجموعے مختلف ناموں سے مختلف حضرات نے شائع کئے ہیں۔ یہ تمام مجموعے ہندوستان میں شائع کئے گئے لیکن ایک مجموعہ کلام ''فردوس صفؔی'' کے نام سے (مرتبہ ابوالخلیل سید غوث یقیؔن) پاکستان میں بھی شائع ہوا ہے۔ لیکن پورا کلام کلیات کی شکل میں اب تک شائع نہیں ہوا تھا۔ صفؔی اورنگ آبادی کا جتنا کلام مجموعوں کی صورت میں ہوا وہ ممکن نہیں ہے۔ اُن کے باقیماندہ کلام کو تلاش کرنا، یک جا کرنا اور اُسے ترتیب دے کر طباعت کے مراحل سے گزارنا ایک مشکل امر تھا۔ لیکن جناب محبوب علی خاں اخگر کی جو حیدرآباد کی معروف شخصیتوں میں سے ہیں اور جن کی ادبی و شعری خدمات بھی کافی ہیں۔ ہمت، کاوش، اور لگن کی داد دینی پڑتی ہے کہ تمام مشکل مراحل سے خوش دلی کے ساتھ گزار کر کلام صفؔی کو یکجا کیا اور کلیات کی شکل دی۔ ظاہر ہے کہ اس طرح مشکل اور دماغ سوزی والا کام وہی شخص انجام دے سکتا ہے جسے صفؔی مرحوم سے دلی لگاؤ، والہانہ عقیدت اور محبت ہو اور جو صفؔی مرحوم کا پرستارِ خاص بھی ہو۔ یہ تمام خوبیاں پوتے شاگرد ہونے کے سبب جناب محبوب علی خاں اخگر میں موجود ہیں۔ اس لئے انہوں نے اس کوہِ گراں کو اپنے کندھوں پر اُٹھایا اور اُسے تکمیل تک پہنچا کر دم لیا۔ آج انہی کی کوششوں اور وقتی قربانیوں کے نتیجے میں ''کلیاتِ صفؔی اورنگ آبادی'' آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اور اُمید ہے کہ اخگر صاحب کی یہ سعیٔ مستحسن ان کی دوسری کتابوں کی طرح قبولِ عام کی سند حاصل کرے گی۔



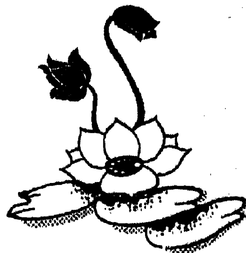
حضرت صفی کے زمانۂ حیات میں تلامذہ نے

"بزم تلامذۂ صفی اورنگ آبادی"

قائم کی تھی اور ایک دستور العمل مرتب کر کے بہ حیثیت سرپرست بزم، حضرت صفی سے اس کی توثیق کروائی تھی۔ یہ دستور العمل ان کے انتقال سے پانچ ماہ قبل منظور ہوا تھا۔ حضرت صفی کی قلمی تحریر و دستخط کا عکس۔ (اخگر)

میں بحیثیت سرپرستِ بزم اِس دستور کی
توثیق کرتا ہوں جو میرے بالمواجہہ عام جلسوں میں
منظور ہوا ہے۔ متوقع ہوں کہ میرے فنی متعلقین
اِس کی پوری پوری تعمیل کریں گے فقط

صفی اورنگ آبادی
۲۴ - اکتوبر ۵۳



مناجات



تو وہ ہے جو ہر ایک کی بگڑی سنوار دے
میری مراد بھی مرے پروردگار دے

محفوظ رکھ فریبِ سفید و سیاہ سے
گردش نہ مجھ کو گردشِ لیل و نہار دے

مجھ پر نہو ثوابت و سیار کا اثر
ایذا نہ کچھ مجھے فلکِ کج مدار دے

دشمن سے ہو کبھی نہ خیال انتقام کا
جو دوست ہیں تو ان پہ مجھے اعتبار دے

اے آبیارِ گلشنِ نیرنگیٔ وجود
محنت کا پھل مجھے چمنِ روزگار دے

مطلب سمجھ میں آئے بقائے دوام کا
ایسا سبق یہ زندگیٔ مستعار دے

ایسا نہو حقیر سمجھ لے کوئی مجھے
ایسا نہو کوئی مجھے دل سے اُتار دے

حسنِ طلب میں مجتہدِ عصر ہوں مگر
شہرت جسے پسند ہو وہ اشتہار دے

دل کو مرے ہر ایک طرح سے مطمئن بنا
غم دے تو غم کے ساتھ کوئی غم گسار دے

دنیا میں تو ذلیل نہ کر سب کے روبرو
ایمان و عیش و دولت و عز و وقار دے

میں خود اسیرِ ہستیٔ ناپائے دار ہوں
مجھ کو تری خدائی کا صدقہ ادھار دے

تیری خوشی ہو جس میں وہ رستہ مجھے دکھا
سیدھی سمجھ۔ ارادہ مجھے استوار دے

آنکھوں کو ایسی لذّتِ دیدار ہو نصیب
ہر دم جو مجھ کو کیف مئے خوش گوار دے

برسات ہو تو لطف ہو برسات کا نصیب
معشوق خوش مذاق و مئے خوش گوار دے

مہجور ہوں اگر تو مجھے وصل کر نصیب
مجبور ہوں جو میں تو مجھے اختیار دے

فرقت میں صبر ہو تو مجھے رنج میں خوشی
ظلمت میں نور اور خزاں میں بہار دے

دل کو تپش سے غیرتِ برقِ تپاں بنا
آنکھوں میں اشکِ اشکِ دُرِ شاہوار دے

اس بندۂ کمینہ میں پروائے جاں نہ رکھ
جب چاہے جس پہ چاہے، محبت میں وار دے

تیرا یہ حکم "مانگ ہر اک چیز مجھ سے مانگ"
میری دعا کہ دے مرے پروردگار دے

داتا کی شان یہ ہے کہ جاری ہو اس کی دین
سائل کا شیوہ یہ ہے کہ دامن پسار دے

میں بار بار مانگوں جو درکار ہو مجھے
اور اپنے فضل سے تُو مجھے بار بار دے

یا کوئی تیرے بندوں میں ایسا مجھے بتا
پارے کی طرح نفس کے موذی کو مار دے

یا کوئی جا کے لائے اُسے غم کدے تک آج
یا کوئی آ کے میری اجل کو پکار دے

دنیا میں کچھ بھی قدرِ محبت نہیں رہی
نالہ جگر گداز ونفس شعلہ بار دے

یا دے مری زبان میں تاثیر اور اثر
یا اُس کو میری بات پہ تو اعتبار دے

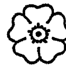
یا دل کو سوزِ ہجر سے محفوظ رکھ مدام
یا اُس کو داغ دے تو ہمیشہ بہار دے

یا اس کا قول ہی مجھے باور نہ ہو کبھی
یا تابِ انتظار شبِ انتظار دے

یا آبرو کے ساتھ محبت کی راہ میں
تھوڑی سی رہ گئی ہے اسے بھی گزار دے

یا ایک دل نصیب ہو اس کو بقولِ داغؔ
"جو رنج کی گھڑی بھی خوشی سے گزار دے"

حُسنِ طلب میں مُجتہدِ عصر ہے صفیؔ
وہ تجھ سے ایک مانگے تو اُس کو ہزار دے



نعت شریف

خدا کو ہم نے پہچانا خدا ہے
محمدؐ یہ تصدق آپؐ کا ہے

سرِ محشر یہ کیسا ماجرا ہے
جسے دیکھو تم ہی کو دیکھتا ہے

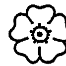
نہیں کوئی کسی کا یا محمدؐ
غریبوں کو تمہارا آسرا ہے

سناؤں کس کو جو حسرت ہے میری
کہوں کس سے جو میرا مدعا ہے

تمہارا اُمّتی بندہ خدا کا
مِرا دونوں طرف سے بھی بھلا ہے

نہ کر ذکرِ عدوئے دین اے دل
بُروں کا نام لینا بھی بُرا ہے

صفؔی کی آبرو ہے آپؐ کے ہاتھ
بُرا ہے یا بھلا ہے آپؐ کا ہے



"نعت شریف"

لاکھوں مضمون ہیں مداحِ محمدؐ کے لئے
خرچ کے واسطے اندازہ نہ آمد کے لئے

اشرف الخلق، شہنشاہِ رسل، شافعِ محشر
بخدا ساری خدائی ہے محمدؐ کے لئے

چاند دو ٹکڑے کیا ماہ عرب نے کیسا
کوئی ہتیار بہ ظاہر تو نہ تھا زد کے لئے

کیا کہوں منہ سے کہ قرآن کا منہ ہے ورنہ
حمد کا لفظ تو ہونا تھا محمدؐ کے لئے

واہ شاہنشہِ کونین تری حق بینی
غیر بھی تو کبھی آئے نہ خوشامد کے لئے

آپ ہیں فخرِ عرب فخرِ امم فخرِ رسل
انبیا فخر ہوئے اپنے اب وجد کے لئے

آیا قرآں پس توَریت وزبور وانجیل
حامد و احمد و محمود و محمدؐ کے لئے

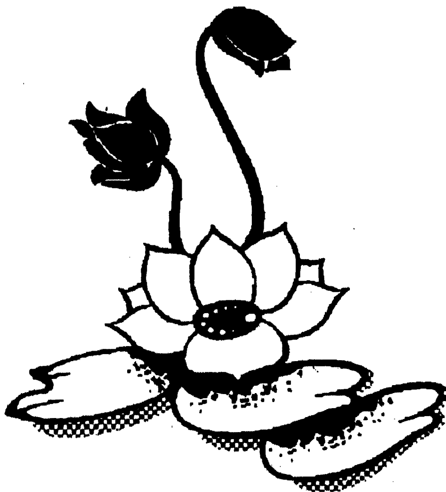
خلقتِ ارض وسماوات کا برزخ تو ہے
ابر اِس واسطے سایہ تھا ترے قد کے لئے

کلمہ پڑھنے کا حاصل تو یہی ہے شاید ہر مسلمان ہے اللہ و محمدؐ کے لئے
آپؐ تھے برزخِ کبریٰ تو ہوا دانت شہید خوب تشدید نکل آئی مشدّد کے لئے
رہی معراج میں دروازے کی زنجیر ایسی جیسے بے چین کوئی رفتہ کی آمد کے لئے
آپؐ نے ہاتھ دبایا ہے طمانچہ کھا کر نیک بننا کوئی آسان نہیں بد کے لئے
ہوتے پیدا نہ تری آل میں جو بارہ امام ہندسہ بارہ کا لکھتا نہ کوئی حد کے لئے
ہاتھ وہ جس میں پڑھا کنکریوں نے کلمہ کانِ جوہر ہے عطائے دُرِ مقصد کے لئے
نفس ہے گنبدِ خضرا کے نظر آنے تک میں نے اس سانپ کو پالا ہے زمرّد کے لئے
ناخنوں کا جو انگوٹھوں کے لیا تھا بوسہ فخر آدمؑ کے لئے تھا کہ محمدؐ کے لئے
یہ لطافت کہ کمر سے نکل آیا پٹکا باندھے اپنی کمر اس نورِ مجرّد کے لئے
خلد سمجھے جو ہُوا گھر میں کبھی ذکرِ نبیؐ ہم نے دنیا میں مزے عیشِ مخلّد[۱] کے لئے

نعت کے واسطے تقلید ہو تازی[۲] کی صفیؔ
عربی نیام ہو اس تیغِ مہنّد[۳] کے لئے



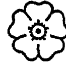
۱ ہمیشہ، ۲ عربی گھوڑا، ۳ ہندوستانی تلوار



غزلیات

رنگینیٔ خیال میں ہے خونِ دل صفؔی
میری خزاں ہے اور غزل کی بہار ہے

"الف"



گنہ گاروں پہ سایہ دیکھ کر دامانِ رحمت کا
ہوا ہے خوف سے منہ زرد خورشیدِ قیامت کا

بھلا میں شوم قسمت اور پھر دیدار حضرت کا
مگر ہوگا تو کوئی نیک دن ہوگا قیامت کا

کوئی مشکل نہیں آسان کر دینا مصیبت کا
خدا ہے وہ بھلا پھر کیا ٹھکانہ اس کی قدرت کا

سناتے خاک حالِ دل نہ پایا وقت فرصت کا
جدائی کی جو کاٹی رات دن نکلا قیامت کا

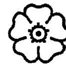
عقائد ہوں نہ اچھے تو نتیجہ کیا عبادت کا
نمازی کے لئے بھی فرض ہے اظہار نیت کا

خدائے پاک کا دیدار پھر سرکارؐ کا ملنا
مناتے ہیں خوشی ہم عید کا دن ہے قیامت کا

ہمیں روکا تو کس انداز سے روکا گناہوں سے
بتائی چاشنی کوثر کی چسکا دے کے جنت کا

نہ پوچھیں وہ مگر ہم بندگی کی خو نہ چھوڑیں گے
کبھی کام آئے گا یہ سلسلہ صاحب سلامت کا

ہم اپنی وضع کیوں بدلیں کسی کے کہنے سننے پر
صفؔی! مختار ہے ہر آدمی اپنی طبیعت کا



اپنا دلِ بیمار دوا کا نہ دعا کا
احسان کسی کا نہیں احسان خدا کا

سہہ لیتے ہیں مجبور نہ سہنے کے بھی صدمے
جینا کوئی جینا بھی ہے یارانِ وفا کا

ہوتا ہے علاجِ دلِ بیمار بھی لیکن
بیمار ہی کرتے نہیں پرہیز دوا کا

پیوند زمیں کا نہ بنادے کہیں مجھ کو
ہر نقش پہ دھوکا ترے نقشِ کفِ پا کا

شیطان سے انسان بھی کس بات میں کم ہے
پتلا وہ غضب کا تو یہ پتلا ہے بلا کا

وہ خوش ہوں کہ ناخوش کبھی آئیں کہ نہ آئیں
قائل نہیں بندہ تو حسینوں کی وفا کا

دیکھو انھیں رہ رہ کے مری خاک اڑا کر
رخ دیکھتے بیٹھے ہیں زمانے کی ہوا کا

کیوں مجھ پہ عنایت ہوئی کیوں شان نہ رکھ لی
پوچھے تو سبب ان سے کوئی مہر و وفا کا

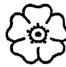
صورت کے جو بھوکے ہیں تو دیدار کے پیاسے
کیوں ہم پہ نہ بیتے گا تڑاکے پہ تڑاکا

مجھ پر جو تری بزم میں طوفان اٹھے ہیں
تاثیر جگہ کی ہے اثر آب و ہوا کا

کچھ آ ہی گیا لطف اُدھر سے ہوئی بخشش
اقرار اِدھر سے ہوا فوراً ہی خطا کا

پکا ہو ارادہ تو محبت میں ہو تاثیر
سچا ہو عقیدہ تو اثر بھی ہو دعا کا

یارانِ وطن کو جو صفؔی قدر نہیں ہے
میں لنگ نہیں تنگ نہیں ملک خدا کا



دامِ خیالِ زلفِ بتاں سے چھڑا لیا
کیا بال بال مجھ کو خدا نے بچا لیا

اب اس کو رحم آئے یہ قسمت کے ہاتھ ہے
بن جائے بات حال تو ہم نے بنا لیا

شرما کے منہ چھپانے کا انداز دیکھنا
گویا کہ اس نے عیب ہمارا چھپا لیا

یا یہ کہ ہم نے ترک محبت کی ٹھان لی
یا یہ ہوا کہ آج کسی کو منا لیا

ہوتا ہوں ایک نالے پہ میں قتل ہائے ہائے
آواز دے کے اپنی قضا کو بلا لیا

ظالم فریب دے کے نہ لے دل غریب کا
اک روز کام آئے گا تیرا دیا لیا

رشک رقیب ہو کہ غمِ دوریٔ حبیب
جو وقت پر نصیب ہوا ہم نے کھا لیا

میں کیا کہوں کے جان رہی کس عذاب میں
جب اُس نے مجھ کو اپنی برابر بٹھا لیا

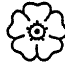
جھوٹا سہی ذلیل سہی کوئی کچھ کہے
میں نے تو آج اُن کو گلے سے لگا لیا

پوچھی ہے دوست بن کے مرے دل کی آرزو
اس نے زبان دے کے مرا مدعا لیا

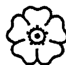
لے کوئی شان کی تو بس اتنا کیا کرو
جس سے کوئی بڑائی سنی آزما لیا

مہمان دوست کو جو کیا دوستوں کے ساتھ
دیکھا تھا جس کو دیدہ وروں کو دکھا لیا

اس کی بھی موت سہل ہو سکرات سے بچے　　جس نے ہماری نزع میں نام آپ کا لیا
بیٹھے تو بات کرنے نہ دی بزم غیر میں　　اُٹھے تو اپنے ساتھ ہی مجھ کو اُٹھا لیا
دل کا ہی ایک نام ہے شاید خیال بھی　　ایسا اگر نہیں ہے تو دل اس نے کیا لیا
معشوق کو تو جلوہ نمائی ضرور ہے　　دیکھو عزیز مصر کو سنوا میں دکھا لیا
اس درجہ تو نے خستہ کیا اے غمِ فراق　　ہم کو ہماری گور نے ہونٹوں سے کھالیا
سمجھا صفیؔ کو آپ نے جو کچھ غلط ہے یہ
دنیا کا بدمعاش زمانے کا چالیا

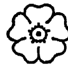


وہ ہے جیسا نظر نہیں آتا　　میں ہوں اندھا نظر نہیں آتا
دیکھ بندے سمجھ اُسے ہر جا　　وہ جو ہر جا نظر نہیں آتا
مجھ سے کہہ دے کہ وہ تو ایسا ہے　　کوئی ایسا نظر نہیں آتا
نظر آتا بھی ہو تو شعبدہ باز　　حسب منشا نظر نہیں آتا
دیکھوں کیسا نظر وہ آتا ہے　　اور کیسا نظر نہیں آتا
کیا نظر آئے گا ارے اندھے　　بل نظر کا نظر نہیں آتا
میں برے حال میں ہوں اب کہ مجھے　　کوئی اچھا نظر نہیں آتا
اب کہاں میری آنکھ میں آنسو　　قطرہ قطرہ نظر نہیں آتا
کیا لہو روئیں اُن کی محفل میں　　رنگ جمتا نظر نہیں آتا
اے صفیؔ دیکھ زندگی ہے خواب
خواب میں کیا نظر نہیں آتا



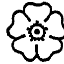
کوئی تجھ سا نظر نہیں آتا لاکھ دیکھا نظر نہیں آتا
کوئی دیکھے تو اس کو کیا دیکھے نظر آتا نظر نہیں آتا
تجھ پہ مرتوں میں اب تو اے جاں گیر کوئی جیتا نظر نہیں آتا
اب ہے ایسی خراب میری نظر پاس والا نظر نہیں آتا
جب نکلتا ہوں تیری محفل سے مجھ کو رستا نظر نہیں آتا
حسنِ نصف النہار کے صدقے اپنا سایا نظر نہیں آتا
ہم فقط اک نظر کے طالب ہیں تم کو اتنا نظر نہیں آتا
دید بازانِ حق کی آنکھوں کو کوئی بے جا نظر نہیں آتا
جو تماشا بنا دے خود ہم کو وہ تماشا نظر نہیں آتا
اس کو اپنا سمجھ رہا ہوں میں جو کسی کا نظر نہیں آتا

شاعری کر کے جی رہا ہے صفؔی
عیب اپنا نظر نہیں آتا



اب ایک درد بھی دل میں نظر نہیں آتا کسی کے کام کوئی عمر بھر نہیں آتا
یہ دل بھی دوست فراموش کم نہیں تجھ سے کہ مدتوں نہیں آتا جدھر نہیں آتا
نہ سوئیں دن کو وہ راتوں کو جاگتے ہیں ضرور نہیں تو آنکھ میں اتنا اثر نہیں آتا
انھیں کی باتیں ہیں جو میں نے یاد کر لی ہیں مگر وہ اُن کی زباں کا اثر نہیں آتا
مراقبے میں ہے کیا کیا مشاہدہ اے شیخ بغیر اسکے نظر میں اثر نہیں آتا
عدم کے نام سے ہر ایک کیوں رہے بشاش ہر ایک شخص کو لطفِ سفر نہیں آتا
علاج اور مرض میں نہ تھی کوئی نسبت ہمارے سامنے اب چارہ گر نہیں آتا
گھٹی ہی جاتی ہیں ہر روز قوتیں دل کی میں اس کے صدقے جو ارمان بر نہیں آتا

دعا کے ڈھنگ ہی احباب کو نہیں آتے غلط ہے یہ کہ دعا میں اثر نہیں آتا
وہ درد مول کہ ہو رات دن کی نیند حرام تو دیکھ آہ میں کیسا اثر نہیں آتا
اُسی نے کہہ دیا اچھا ہوا کہ وہ کیا ہے مری سمجھ میں تو یہ عمر بھر نہیں آتا
صفی کو شاعری آتی ہے وہ بھی کچھ یوں ہی
اسے بس اور تو کوئی ہنر نہیں آتا



ترے گھر میں جو بھولے سے کوئی خانہ خراب آیا قیامت ہوگئی برپا فلک ٹوٹا عذاب آیا
قیامت آئی یا اس فتنہ قامت کا شباب آیا ادا آئی ، جفا آئی ، غرور آیا ، حجاب آیا
نہ ہونی تھی مگر اس سے محبت ہوگئی ہم کو نہ آنا تھا مگر اس پر دلِ خانہ خراب آیا
نہ دیکھو اپنے ناخن دیکھو دیکھو آئینہ دیکھو مری جاں، میرے آنے سے تمھیں ناحق حجاب آیا
ہمارا بھی شمار اب چاہنے والوں میں ہوتا ہے بڑی گنتی تمھیں آئی بڑا تم کو حساب آیا
یہ جانا ہے کہ میرے ہوش میرا دل گیا مجھ سے یہ آنا ہے کہ تم کو شوخیاں آئیں شباب آیا
ہوئی کوئی نہ کوئی ناگواری خیر ہو یارب جوابِ خط کے بدلے خود وہی حاضر جواب آیا
ہزاروں وسوسے ہیں اور میں ہوں صبح کب ہوگی الٰہی آج وہ ناتجربہ مستِ شراب آیا
کسی کو لوٹ کر نکلے کسی کو مار کر آئے ہمیشہ اک نہ اک فتنہ تمھارے ہمرکاب آیا
چھپانے سے کہیں انداز چھپتے ہیں جوانی کے ادائیں خود پکار اُٹھتی ہیں ان کی اب شباب آیا
صفی کی جان بچ جائے تو بس ہے اس کے کوچے میں
وہاں سے زندہ آیا تو سمجھ لو کامیاب آیا



نظر آیا یہی میں آپ کی محفل میں جب آیا بلا آئی قیامت آئی قہر آیا غضب آیا
سمجھ آئی شباب آیا غرور آیا غضب آیا جب اُن کو آئینہ ہی دیکھنا آیا تو سب آیا

بھری محفل میں حسن و عشق کی تعریف کیوں پوچھی
زباں جب آپ نے کھلوائی تو کہنے میں سب آیا

وہ دشمن دوست جو دشمن ہی بن کر خود بخود آئے
تو سمجھوں مری قسمت کا جو تھا وہ بے طلب آیا

تجھے اس کی خبر بھی ہے کہ آدھی رات آئی ہے
بھلا یہ بھی کوئی آنے میں آنا ہے عجب آیا

جسے چاہو اُسے چاہو تم اپنے دل کے مالک ہو
ہمارا نام لیکن بیچ میں کیوں بے سبب آیا

محبت میں تو ظالم صبر کا آنا ہی مشکل ہے
جسے یہ چیز آئی اس کو تم جانو کہ سب آیا

شب وعدہ ہی کیا گزری ہے روز عید بھی گزرا
الٰہی کوئی بے پروا، نہ جب آیا نہ اب آیا

کبھی تھا صرف شاعر اب تو شاعر بھی ہے عاشق بھی
صؔفی کو جھوٹ کہنا حیف جب آیا نہ اب آیا

صؔفی نے عاشقی گزرے ہوئے لوگوں سے سیکھی ہے
سوانح مرنے والوں کی پڑھی جینے کا ڈھب آیا



فراق دوست میں کب چین مجھ کو صبح و شام آیا
تھمی جب دل کی دھڑکن ہوش اُڑنے کا پیام آیا

جہاں بھی وہ ہمارا ساقیِ خوش انتظام آیا
تو خم آیا صراحی آئی شیشہ آیا جام آیا

کوئی یوں بال بکھرائے ہوئے بالائے بام آیا
گئی تاروں کی تابش ابر میں ماہ تمام آیا

بھلے دن تھے تو ہم پر جان دیتے تھے جہاں والے
مگر جب دن بُرے آئے تو کوئی بھی نہ کام آیا

صلائے جلوہ بہرِ عام تھی اے شومیِ قسمت
گیا تھا شاد کام آیا تو میں ناشاد کام آیا

اُڑا جاتا ہے کیفِ بے خودی میں دل کا ہر ذرّہ
نگاہ مست مجھ تک آئی یا سرشار جام آیا

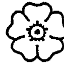
تری مخمور آنکھوں نے کیا سرشار اے ساقی
برائے نام آنے کو تو مجھ تک دور جام آیا

محبت کا یہ چکر بھی عجب چکر ہے اے ہمدم
کہ جو خط میرے نام آنے کا تھا دشمن کے نام آیا

نشاطِ دید نے سرمایۂ ہوش و خرد لوٹا
ہم اپنے آپ میں کب آئے جب وہ خوش خرام آیا

تری ساقی گری کی خیر ہو یہ کیا ہے اے ساقی
مئے گل رنگ ہی آئی نہ جامِ لالہ فام آیا

کسی کے جاتے ہی دل پر اُداسی اس طرح چھائی — نہ لطفِ روز و شب آیا نہ کیفِ صبح و شام آیا
خدا نے لاج رکھ لی کشتۂ بے دادِ حرماں کی — اجل کیا آئی گویا مژدۂ عیشِ دوام آیا
تڑپنا آہ بھرنا نالہ کرنا درد و غم سہنا
صفیؔ دل اُن پہ جب آیا مجھے ہر ایک کام آیا

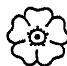


نہ روتا زار زار ایسا نہ کرتا شور و شر اتنا — الٰہی کیا کروں دردِ جگر اتنا جگر اتنا
بلانے کے طریقے سے بلایا کیجئے ہم کو — رہے ملحوظ خاطر کم سے کم بار دگر اتنا
وہ جتنا مجھ سے ملتے ہیں اسی ملنے میں خوبی ہے — کسی سے بھی ملے تو بس ملے ہر اِک بشر اتنا
ترے ساتھ آج کیسے کیسے ظالم یاد آئے ہیں — نہ روئے تھے نہ روئیں گے کبھی ہم عمر بھر اتنا
وہی لوگ آپ کے نزدیک سچے عاشقوں میں ہیں — کہ جن کی آنکھ میں آنسو نہیں، ہے شور و شر اتنا
بڑے بھولے ہیں کیا دنیا میں بھولے ایسے ہوتے ہیں — اُنھیں میں کیا سمجھتا ہوں نہ سمجھے عمر بھر اتنا
نہیں معشوق تو پھر کیا بلا ہیں کوئی آفت ہیں — نیا غصہ ہے اُن کا آج اتنی بات پر اتنا
وہ مجھ سے کس لئے ملتے ہیں کیا معلوم لوگوں کو — سمجھتے ہوں گے سب اُن پر بھی ہے اِس کا اثر اتنا
ترے عاشق کی صورت اب تو پہچانی نہیں جاتی — ستاتے ہیں بھلا اس طرح ایسا اس قدر اتنا
کسی صورت یہ شان دلبری دیکھی نہیں جاتی — مری آنکھیں بھی لے جا اور اِک احسان کر اتنا
کسی کو اپنی بربادی کا باعث کیا بتائیں ہم — محبت ہے بُری شئے جانتا ہے ہر بشر اتنا
لٹیروں کی بن آئے مجھ کو شادی مرگ ہو جائے — کہا تھا کس نے اے داتا مرے دامن کو بھر اتنا
ذرا بہرِ خدا انصاف کر او بھولنے والے — تغافل شیوۂ معشوق ہوتا ہے مگر اتنا
نہیں ہے بے خودی ہی کی تمنا ہم کو اے ساقی — ترے مستوں کا صدقہ کچھ ذرا سا گھونٹ بھر اتنا
عدو ہم سے تمھارے ظلم کا شکوہ نہیں کرتے — دکھاتے ہیں کہ دیکھو ہم بھی رکھتے ہیں جگر اتنا
مجھے جینے سے تم مایوس ناامید ہی رکھو — تسلی دو مگر اتنی دِلاسا دو مگر اتنا

دیا خط اُن کو لیکن کب دیا جب تھے وہ غصے میں | نہ سمجھا تھا پیامی کی سمجھ اتنی ہے سر اتنا
صفی کیوں قدر کا طالب ہوا ہے اِس زمانے میں
ارے کم بخت تیرے پاس کب ہے مال و زر اتنا

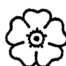


نہ دیکھے دوست اپنے دوست کا درد جگر اتنا | محبت دے تو یا رب دے محبت میں اثر اتنا
ہمارے واسطے طعنے سنا کرتے ہو لوگوں | تمھارا بھی دل اتنا حوصلہ اتنا جگر اتنا
نہیں ملتے تو کہہ دو اور ملنا ہے تو مل جاؤ | کوئی کب تک پھرے کوچہ بہ کوچہ در بدر اتنا
تڑپ جانے لگا دل اب تو ہر اک شئے کی خوبی پر | نہ دے دشمن کے دشمن کو خدا ذوقِ نظر اتنا
ہمیں معلوم ہے یہ بھی تجھے معلوم ہے سب کچھ | ہمیں اس کی خبر بھی ہے نہیں تو بے خبر اتنا
تمھیں دل توڑنا عاشق بنانا بھی تو آتا ہے | اُسے کیا غم جو اپنے ہاتھ میں رکھے ہنر اتنا
وہ اب اندازۂ خون جگر دامن سے کرلیں گے | گرایا ہے ان آنکھوں نے اُدھر اُتنا اِدھر اتنا
تم اپنے دیکھنے والوں کی حالت بھی ذرا دیکھو | جنھیں دیتا ہے دیتا ہے خدا ذوقِ نظر اتنا
بیاباں کی وہ رونق کیا میاں مجنوں کے دم تک تھی | نظر آتا تمہیں اب ایک بھی شوریدہ سر اتنا
مجھے تو ہم نشیں سوزِ رقابت نے جلایا ہے | یہ کیوں داغ جگر داغ جگر داغ جگر اتنا
تمھاری اتنی بے دردی پہ اتنا صبر کیوں کرتے | کسی در کا بھی ہم کو آسرا ہوتا اگر اتنا
جو تم چاہو تو اس دل کا تڑپنا کیا پھڑکنا کیا | یہ کیوں ہے کسرِ نفسی ہاتھ میں رکھ کر ہنر اتنا
خدا کے واسطے انصاف کر او بھولنے والے | تغافل شیوۂ معشوق ہے ظالم مگر اتنا
طبیعت بھر گئی بس اے طبیعت پوچھنے والے | ہزار افسوس تو اب بھی ہے ہم سے بے خبر اتنا
جو وہ بے رحم ہے اپنے پہ مجھ کو رحم آجائے | ذرا سا کام ہے اتنا نہیں تو چشم تر اتنا
برابر محفلِ دشمن میں وہ بھی روز ملتے ہیں | نہیں معلوم پھر کیوں بڑھ گیا دردِ جگر اتنا
الٰہی حضرتِ ناصح کی آئی مجھ کو آجائے | کرے گا کون میرے واسطے پھر دردِ سر اتنا
صفی کو دوست سمجھایا کیے آخر یہی سمجھے
ہوا ناحق بڑا اس عقل کے دشمن کا سر اتنا



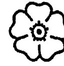
شغلِ بادہ نہو کیوں سب سے نرالا اپنا — دل بھر آتا ہے جو خالی رہے پیالا اپنا
جلوۂ طور سہی تو مگر اے آتشِ عشق — میں تو شرمندہ ہوں دل دیکھ کے کالا اپنا
دیکھتے جاتے ہیں وہ سروِ صنوبر کی بہار — لئے پھرتے ہیں چمن میں قدِ بالا اپنا
دیکھ اُن کو بھی جو اندھے ہیں محبت میں تری — دیکھتے ہیں وہ اندھیرا نہ اُجالا اپنا
پھر وہ آگے رخِ روشن کے تمھارے آئیں — دیکھ لیں شمس و قمر پہلے اُجالا اپنا
کرمِ پیرِ مغاں ہے وہی پینے والو — کیوں نہیں کہتے کہ ہے منہ ہی کسالا اپنا
چاند سورج ہیں حسیں اور ہیں بے سایہ بھی — آپ نے سایہ تو اُن پر نہیں ڈالا اپنا

پائے ساقی پہ نہ گر کر ہوا بدنام صفؔی
ہائے نادان کہاں جھوک سنبھالا اپنا



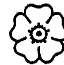
حاملِ عشق کیا کام نکالا اپنا — اس نے کیا خاص بنایا مجھے آلا اپنا
شکوۂ جور تو بے جا نہیں لیکن اے دل — وہ یہ سمجھیں گے پڑا اوچھے سے پالا اپنا
میں نہیں دردِ جگر تیری کمی سے غافل — ہر افاقے کو سمجھتا ہوں سنبھالا اپنا
وہ ملے یا نہ ملے شیخ و برہمن سے کہو — وہ کرے ذکر یہ جپتا رہے مالا اپنا
تو بھی اچھا ہے مگر تجھ سے بھی اے عہد شکن — موت اچھی کہ ذرا وقت نہ ٹالا اپنا
پرسشِ غم نہ سہی پرسشِ اعمال سہی — دوسرا کوئی نہیں پوچھنے والا اپنا
کس کو احساس ہے تکلیف ہماری تکلیف — پانو اپنے ہیں ہر اک پانو کا چھالا اپنا

حاملِ بارِ امانت ہوئے ہم آپ صفؔی
اُس نے کچھ بار تو ہم پر نہیں ڈالا اپنا



اس کے گھر کو بھی سمجھتا ہے جو تو گھر اپنا نیک و بد خوب سمجھ لے دلِ مضطر اپنا
دل کہیں بھی نہیں ٹکتا تھا گھڑی بھر اپنا ایسے وحشی کو کیا آپ نے کیوں کر اپنا
غیر کو دوست بنالوں یہ اگر کھل جائے مجھ سے وحشی کو کیا آپ نے کیوں کر اپنا
ہم نشیں ہم تو یہ اُن سے بھی نہیں کہہ سکتے دل مچل جاتا ہے جس بات پہ اکثر اپنا
اس نے کیا سوچ سمجھ کر یہ کہا ہے مجھ سے آدمی کام کرے سوچ سمجھ کر اپنا
تیری دیوار کے سائے میں رہیگا کیا خاک ہم جو رستے میں لگا بیٹھیں گے بستر اپنا
وہ سمجھتے ہیں کہ امید ہے اس کو ہم سے ہم سمجھتے ہیں بھروسہ ہے خدا پر اپنا
کس کو نظارۂ صورت سے ہے معنی مطلب سب کی نظریں نہیں اس پر جو ہے منظر اپنا
اب چمن اور جوانانِ چمن سے کیا کام ہے یہ اپنا دلِ صد پارہ گلِ تر اپنا
وہ چلا صبر چلا ہوش چلے جان چلی کیا کریں زور نہیں ہائے کسی پر اتنا
وہ جو خاموش بھی بیٹھے تو ہمیں تڑپایا کام کرتے رہے ہر حال میں تیور اپنا

اے صفی اس لئے آوارہ پھرا کرتے ہیں
جی بہل جائے کسی جا تو گھڑی بھر اپنا



بس جو ہر کام ہے موقوف اُسی پر اپنا دوست کو ہم تو سمجھتے ہیں مقدر اپنا
دل سے ناخوش رہے خوش نودیٔ دل بر کیلئے ہم نہ سمجھے جو دل اپنا ہے تو دل بر اپنا
آپ ہم دونوں اگر ایک زباں ہوجائیں حال کیا خاک کھلے پھر سرِ محشر اپنا
ایک نالہ جو ہمارا ہی جگر خون کرے بس یہی تیر ہے اپنا یہی خنجر اپنا
وہ جو مل جائے تو پھر پرسشِ اعمال بھی ہو دل ٹھکانے نہیں اے داورِ محشر اپنا

خاک بھی مخمل و کم خواب سے بڑھ جاتی ہے
نیند جب آپ بنا لیتی ہے بستر اپنا

اُس کے آگے نہیں معلوم یہ ہوتا کیا ہے
آنکھ ملتی نہیں ، اٹھتا ہی نہیں سر اپنا

ہم نشیں پوچھتے ہیں رنگ تری محفل کے
ہم سے لے لیتے ہیں حصہ یہ برابر اپنا

اپنی دہلیز کے سجدے بھی جو ہیں آپ کو بار
گھر میں رکھ لیجئے اُٹھوا کے یہ پتھر اپنا

ہم کسی بزم میں کیا خاک برابر بیٹھیں
بیٹھنا یاد ہے وہ ان کے برابر اپنا

تجھ سے شکوہ نہ شکایت نہ گلہ ہے ساقی
جام ٹوٹا نہیں پھوٹا ہے مقدر اپنا

شبِ فرقت نہ ہو کیوں قدر صفی اشکوں کی
اِنھیں تاروں کو سمجھتا ہوں میں رہبر اپنا



گھڑی بھر بھی جو ہم نے آپ کو کچھ مہرباں پایا
تو گویا ساری دنیا مل گئی سارا جہاں پایا

تمھیں پایا ہے میں نے جب کبھی کچھ بدگماں پایا
بتاؤ تو سہی ایسا کہاں دیکھا کہاں پایا

خدا کی شان تھی کچھ بھی نہیں تھا اور سب کچھ تھا
سمجھ کھوئی تو ہم نے ایک ایسا بھی جہاں پایا

رہا بے لاگ بھی ایسا جسے بے لاگ کہتے ہیں
مگر قسمت سے جب پایا کسی کو بدگماں پایا

نہیں ہے کیوں تری چشمِ کرم ہم خاکساروں پر
نہیں ہے یہ تو نیچا دیکھنا او آسماں پایا

دیا آرام تم نے دوستی میں میں ہی جھوٹا ہوں
تمھیں سچے چلو بس جاؤ پایا مہرباں پایا

گماں ہوتا ہے رہ رہ کر ہنسی آتی ہے رک رک کر
کہ اپنے گھر کسی کے پانو کا ہم نے نشاں پایا

بتاؤں تو کسی کو قدر اس کی کیا بتاؤں میں
یہاں دنیا میں کھویا جس کو عقبیٰ میں وہاں پایا

صفی اب اِن سے اُن سے کیا کہوں کیفیتیں دل کی
اُسے دیکھا جہاں دیکھا اُسے پایا جہاں پایا



دے کے خط میں نے تو قاصد سے کہا تا پہنچا
اب نہ پہنچا تو نہ پہنچا اُنھیں پہنچا پہنچا

اب تمنا ہے کوئی اور تمنا کرتے
یاد کرنے کا بہانہ تھا کہ وہ آ پہنچا

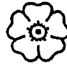
کیا ہوا بھیس بدل کر جو پہنچ کی تم نے
سچ کہو حضرت دل وہ بھی مگر کیا پہنچا

ابھی ناصح سے تو چھوٹا تھا بڑی مشکل سے
ملک الموت مری جان کو پھر آ پہنچا

مجھ کو دیوانگیٔ عشق نے پہنچایا وہاں
کہ جہاں وہم بھی اب تک نہ کسی کا پہنچا

خط نہیں اس کو تو کہتے ہیں شکایت نامہ
دیکھا دیکھا اُسے میں نے مجھے پہنچا پہنچا

زور باندھا تو ہے نالوں نے صفی کے لیکن
پھر مزہ ہے کوئی ایسے میں اگر آ پہنچا



میں اور خواہ مخواہ کبھی اشکبار تھا
پھر یہ سفید جھوٹ تمھیں اعتبار تھا

اس مست خواب کا جو مجھے انتظار تھا
تقدیر سو رہی تھی تو میں ہوشیار تھا

نشتر کے بدلے تیشے سے لی کوہکن کی فصد
اللہ رے جنون جو سر پر سوار تھا

ہم کو طبیعت اپنی بدلنی محال تھی
اے انقلاب دہر ترا انتظار تھا

نقش و نگارِ دہر نے چھوڑا نہ عمر بھر
یہ رنگ عارضی بھی بہت پائے دار تھا

وہ کچھ خفا ہوئے بھی تو ہم نے منا لیا
جب دل میں مہربانی تھی آنکھوں میں پیار تھا

تھے لاکھ رکھ کھاؤ مگر اُن کے سامنے
صورت بتا رہی تھی کہ میں بیقرار تھا

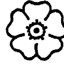
دنیا تمھارا چاہنے والا پکار اُٹھی
چپ چاپ بیٹھنا بھی مرا اشتہار تھا

مرنے پہ قدر ہوتی ہے مجنوں کو دیکھیے
بدنام تھا ذلیل تھا رسوا تھا خوار تھا

جینا جو بے مزہ ہو تو جینے کا کیا مزہ
ہم چین سے تو جب تھے کہ دل بیقرار تھا

ہوتی ہیں چاہنے کی ادائیں بھی خاص خاص
میں اُن پہ صدقے مجھ پہ زمانہ نثار تھا

سب حال اُن پہ کھل گیا رونے سے اے صفی
آنسو کا قطرہ قطرہ مرا راز دار تھا



ہر طرح اپنے دل پہ جسے اختیار تھا — وہ بھی تو میں ہی اے مرے پروردگار تھا
کیا غیر ہی کے واسطے اخلاص پیار تھا — میں بھی تو اک زمانے کا امیدوار تھا
گویا وہ ایک تیرے کرم کی نگاہ تھی — جس زندگی پہ ہم کو بڑا اعتبار تھا
دنیا مثال دیتی ہے مجنوں کے عشق کی — دیوانہ اپنے کام میں کیا ہوشیار تھا
تیرا خیال کیا اِدھر آیا اُدھر گیا — گویا ہوا کے گھوڑے پہ کوئی سوار تھا
تم اوپری ہی دل سے تو عاشق کو پوچھتے — آخر تمھارے واسطے وہ بیقرار تھا
دل چسپیوں کے سیکڑوں سامان کر لئے — ہم کو بھی زندگی پہ بہت اعتبار تھا
دشمن کو ان کے ساتھ ہی دل میں جگہ تو دی — اب کیا خدائی کرنے کا امیدوار تھا
اپنی بھی کچھ خبر نہیں آئینہ دیکھئے — کیا ہوگیا جو آپ کی آنکھوں میں پیار تھا
افسوس اُن کے آتے ہی تسکین ہوگئی — اتنی ذرا سی بات کو دل بیقرار تھا
مجھ سے نیاز مند کو مجبور کیوں کیا — اے بے نیاز تجھ کو تو سب اختیار تھا

وہ دن بھی یاد رکھنے کے قابل ہیں اے صفی
سینے میں اپنے جب دلِ امیدوار تھا



خاموش ترے کوچے سے جایا نہیں جاتا — او بھولنے والے تو بھلایا نہیں جاتا
خط میرا وہاں کس کو سنایا نہیں جاتا — پھر کس سے جواب اس کا لکھایا نہیں جاتا
عاشق پہ نصیحت اثر اپنا نہیں کرتی — مرتے کو کسی طرح بچایا نہیں جاتا
بدلے غمِ فرقت کے مجھے مار ہی ڈالو — دو زہر کہ یہ زہر تو کھایا نہیں جاتا
کٹتی ہے اپاہج کی طرح آپ کی دھن میں — آیا نہیں جاتا کہیں جایا نہیں جاتا

ہر حال میں لے جاتے ہیں احباب مجھی کو
اک روز یہاں تک اسے لایا نہیں جاتا

کیا شکوہ کروں میں تری کیا بات ہے ہم دم
شکوہ تو زباں پر کبھی لایا نہیں جاتا

وہ بات بنانے میں بڑے طاق ہوئے ہیں
ہر ایک کو اس طرح بنایا نہیں جاتا

ناطاقتیٔ عشق سے یہ حال ہوا ہے
اب آپ کے دم میں بھی تو آیا نہیں جاتا

ہے آٹھ پہر سامنے اک صورتِ بے جسم
جو دیکھ رہا ہوں وہ دکھایا نہیں جاتا

مجھ سے اُنھیں سب کچھ ہو محبت تو نہیں ہے
احسان محبت میں جتایا نہیں جاتا

روٹھے ہوئے معشوق تو ہیں مان بھی جاتے
مچلا ہوا دل ہے یہ منایا نہیں جاتا

ہم ہیں کہ کبھی آنکھ ملائی نہیں جاتی
وہ ہیں کہ کبھی ہاتھ ملایا نہیں جاتا

باتیں تری کچھ اور ہیں گھاتیں تری کچھ اور
اجنبی کو تو پہلو میں بٹھایا نہیں جاتا

ہر ایک سے بدظن نہ ہو اے قاتلِ عالم
ہر ایک کو معشوق بنایا نہیں جاتا

جس طرح ستایا ہے صفی دوست نے مجھ کو
دشمن کو بھی اِس طرح ستایا نہیں جاتا



اس نے کیا جانے مری جان تجھے کیا جانا
جس نے آنکھوں کو تری ساغرِ صہبا جانا

بے شک اتنی تو ہوئی مجھ سے خطا بندہ نواز
بے سبب آپ کو چاہا بھی پھر اپنا جانا

غیب دانی یہ نہیں ہے تو بتا پھر کیا ہے
جو مرے دل میں ہے تو نے اُسے کیسا جانا

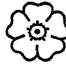
جب سنی تم سے زمانے کی شکایت ہی سنی
تم نے اچھا کسے سمجھا کسے اچھا جانا

اب بھی ناقدر نہ کیوں آپ کو جانے عاشق
دل گم گشتہ کا رستے میں پڑا پا جانا

میں نے کی تیری شکایت تجھے باور آیا
واہ اے کان کے کچے مجھے ایسا جانا

اپنی ہر ایک ادا پر جو ہوئے داد طلب
مہرباں آپ نے شاید مجھے اندھا جانا

جان جاتی تو نہ ہوتا مجھے دکھ اتنا صفی
روٹھ کر ہائے مرے گھر سے کسی کا جانا



یہ دنیا رنج کا گھر ہے تو دنیا سے کدھر جانا خدا مقدور دے تو دوستو کچھ کھا کے مرجانا
عدو نے آپ کو بے درد سمجھا فتنہ گر جانا نہ سمجھا عمر بھر سمجھا نہ جانا عمر بھر جانا
ہمیں گزرا ہوا ایک ایک صدمہ یاد آتا ہے قیامت ہو گیا آج اس کے کوچے سے گزر جانا
یہ ٹھنڈی آہیں کس کی محفل میں کہاں اے دل ارے کیا شامت آئی کیا اسے بھی اپنا گھر جانا
نہ کہیئے آپ کے مشتاق تھے ہم ایک مدت سے نہیں ممکن کسی کا اتنی آسانی سے مرجانا
صفؔی لوگوں کی باتوں پر تم اُن سے کیوں بگڑ بیٹھے
سمجھ والوں کو زیبا ہے کسی کی بات پر جانا



دل جو دیا دل کے لئے غم دیا زخم دیا زخم کا مرہم دیا
جانتے ہیں وہ کہ میں آزردہ ہوں پھر مجھے جو کچھ بھی دیا کم دیا
جان کے دینے پہ تھی شرطِ وصال ہائے مگر اس نے مجھے دم دیا
عشق میں بشاش بہت کم رہے مئے نے ہمیں کیف بہت کم دیا
آپ نے بخشا دلِ سوزاں مجھے یا کسی کافر کو جہنم دیا
اب وہی پونچھے مرے آنسو تو خیر جس نے مجھے دیدۂ پرنم دیا
رک نہیں سکتی ہے اب اُن کی ہنسی اِس کی خوشی ہے کہ مجھے غم دیا
شکر ہے دل اس نے دیا اے صفؔی
اور نہایت خوش و خرم دیا



داغِ فراق دے کے جو دھبہ لگا دیا
تم نے مجھے وفا کا صلہ واہ کیا دیا

داتا نے مجھ حقیر کو دل کیا بڑا دیا
ذرے کو مہر قطرے کو دریا بنا دیا

سن سن کے اس نے یوں مرا قصہ بنا دیا
ٹکڑا کہیں مزے کا جو سوجھا لگا دیا

دشمن کا بھیس اور اندھیرے میں واہ دوست
بن بن کے باؤ کتوں کو ایسا ڈرا دیا

اے روشنی طبع نہ چھوڑ اپنا اعتدال
بھڑکا کوئی چراغ تو سب نے بجھا دیا

پل بھر میں اُن کے پاس ہے عاشق کا فیصلہ
ڈالی نظر بگاڑ دیا یا بنا دیا

بیٹھا جو میں نے اس نے اُٹھائیں قیامتیں
اُٹھا، تو میرا ہاتھ پکڑ کر بٹھا دیا

ایسا کریم کوئی خدا کے سوا نہیں
طالب کو جس نے اس کی طلب کے سوا دیا

مانو نہ مانو تم اسے اب اختیار ہے
ہم نے تو چار سے جو سنا تھا سنا دیا

دم بھر بھی آہ و نالہ سے فرصت نہیں صفی
دل کی لگی نے کام پہ مجھ کو لگا دیا



اک نہ اک دن اضطرابِ قلب مضطر دیکھنا
دیکھنے کی چیز ہے یہ بندہ پرور دیکھنا

دیکھنا ہے آپ کا اے بندہ پرور دیکھنا
دیکھنا پھر اک نظر تیور چڑھا کر دیکھنا

آرزو ہے پیار سے ان کو گھڑی بھر دیکھنا
ہم کو اب بھی کیا دکھاتا ہے مقدر دیکھنا

تھیں شب وعدہ کی بھی بے چینیاں بے چینیاں
بیٹھنا اُٹھنا کبھی آ آ کے باہر دیکھنا

رات دن رہتا تھا جس پر ہم سے ہم آغوش تو
اب ہم اپنی آنکھ سے خالی وہ بستر دیکھنا

بے وفا آخر کو تو نے دے دیا ہم کو جواب
اب نہ لیں گے نام تیرا زندگی بھر دیکھنا

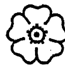
مارے کس بل ہیں جوانی کے یہ ڈھلتی دھوپ ہے
ایک دن نیچا دکھائے گا یہ اوپر دیکھنا

تھام لیتا ہے کوئی دل، چیخ پڑتا ہے کوئی
تیر و نشتر ہوگیا اللہ رے کافر دیکھنا

وہ بھی کیا دن تھے کہ پہلو میں رہا کرتا تھا وہ
یہ بھی کیا دن ہیں نہیں ہوتا میسر دیکھنا

بزم میں رنگین عینک ہی لگایا کیجیے — یوں تو ہوگا مجھ کو دشمن کے برابر دیکھنا
یاد ہے اچھی طرح مجھ کو وہ میری بے خودی — ہائے اے ظالم وہ تیرا مسکرا کر دیکھنا
جب نہیں تم کو تمھاری شکل صورت پر غرور — پھر یہ کیا ہے ہر گھڑی آئینہ لے کر دیکھنا
دیکھتے ہی مجھ کو خوہ بنی ادھوری رہ گئی — بندہ رخصت آئینہ اے بندہ پرور دیکھنا
روزنِ دیوار پر تھی آس اب وہ بھی گئی — دیکھنا اس کو تو پھر کیا خاک پتھر دیکھنا
سب جو آنکھیں سینکتے رہتے ہیں وہ کچھ بھی نہیں — ناگوارا ہے اُنھیں میرا گھڑی بھر دیکھنا
دشمنوں نے دشمنی کی دوستی کی آڑ میں — ہائے کیوں آیا مجھے سب کے برابر دیکھنا
اب دلِ بیمار کا درماں خدا کے ہاتھ ہے — بات کرنی مجھ کو مشکل، اُن کو دوبھر دیکھنا

ایسی صورت دیکھنے ملتی بھی ہے ناداں کہیں
اے صفی اس کو تو ساری رات دن بھر دیکھنا



اُن کے جتنے ظلم تھے سب اُن کے منہ پر کہہ دیا — جو کہا تھا ہم نے اوروں سے برابر کہہ دیا
حضرتِ دل تم نے اس کو دوست جانا کس طرح — کیا فرشتوں نے تمھیں چپکے سے آ کر کہہ دیا
دوست اُن کے بے وفا کس واسطے ہونے چلے — اُن کو کہنا تھا مجھے اوروں پہ رکھ کر کہہ دیا
ہر کسی سے میل جول اب آپ کا ہے اختیار — جو مجھے کہنا تھا وہ اے بندہ پرور کہہ دیا

شعر سن سن کر صفی کے آپ کیوں برہم ہوئے
وہ تو ایسا ہے کہ جو آیا زباں پر کہہ دیا



نہ اپنے بس میں ہے رونا نہ ہائے ہنس دینا — کوئی رلائے تو رونا ہنسائے ہنس دینا
وہ باتوں باتوں میں بھر آنا اپنی آنکھوں کا — وہ اس کا دیکھ کے صورت کو ہائے ہنس دینا

کسی کے ظلم ہیں کچھ ایسے بے محل ہم پر
کہ جی میں آتا ہے رونے کی جائے ہنس دینا

وہ خود ہنسائے تو کم بخت دل ضِد یلے دل
یہ وضع داری ہے کیوں ہائے ہائے ہنس دینا

عدول حکمی درد جگر کہ اب اے چشم
جو لاکھ بار وہ اُٹھ کر رلائے ہنس دینا

کوئی جو تجھ پہ ہنسے برق پاش عالم سوز
تو پھر ہر ایک پہ تو بھول جائے ہنس دینا

وہ ہم سے پوچھتے ہیں تم ہمارے عاشق ہو
جواب کیا ہے اب اِس کے سوائے ہنس دینا

صفی کہاں کی شکایت کہاں کا غم غصہ
کسی کا عین لڑائی میں ہائے ہنس دینا



چھٹی امید تو میں حال دل کہنے سے کیوں ڈرتا
مثل مشہور ہے سرکار مرتا کیا نہیں کرتا

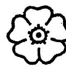
بہت اچھا ہوا دشمن نے مجھ سے دشمنی کرلی
سوا میرے نہ جانے اور کس کس کو یہ لے مرتا

اگر دشمن سے ایسے پیش آتے تو مزہ پاتے
کروں کیا عرض جو برتاؤ مجھ سے آپ نے برتا

کسی پیاں شکن نے رکتے رکتے بات تو کرلی
جو وعدے ہی پہ ہم اڑتے تو یہ کرتا نہ وہ کرتا

نہیں مجھ سے تری بے اعتنائی قابلِ حیرت
غریب انسان دنیا کی نگاہوں میں نہیں بھرتا

صفی نے ٹھوکریں کھا کے بھی اپنی وضع کب بدلی
سمجھ والا اگر ہوتا حسینوں سے بہت ڈرتا



نکلے کِس برتے پہ نالہ منہ سے مجھ دل گیر کا
اب ہے اتنا کون جو ذمہ بھرے تاثیر کا

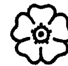
غیر کی لیتا خبر تو لطف تھا تاثیر کا
اُن کو چونکایا بُرا ہو نالۂ شب گیر کا

بن گیا سرمایہ رشک غیر کی تقدیر کا
وقت آخر ایک وہ نالہ جو تھا تاثیر کا

میں کچھ اُن سے عرض کرتے کرتے بیخود ہوگیا
عین موقع پر ہی ٹوٹا سلسلہ تقریر کا

اس کے صدقے میں بڑھے دردِ محبت کے مزے — دوسرا دل ہے مجھے پیکاں تمھارے تیر کا
زخمِ دل کس کو دکھاؤں دردِ دل کس سے کہوں — پھل محبت کا ہے گویا پھل کسی کے تیر کا
آج تک جیتا نہ چھوٹا کوئی دامِ عشق سے — موت ہی انجام ہے اس قید بے زنجیر کا
میں تو میں ہوں اپنا لکھا وہ بھی پڑھ سکتے نہیں — ہر جوابِ خط نوشتہ ہے مری تقدیر کا
ساری دنیا بھی مجھے دیوانہ اب کہنے لگی — آپ کا لکھا نوشتہ بن گیا تقدیر کا
دو گھڑی اول نہیں وہ دو گھڑی کے بعد آئے — شامت آئی ہے جو میں پوچھوں سبب تاخیر کا
عشق کی غارت گری نے گھر کو صحرا کر دیا — واہ کیا انجام نکلا حسرت تعمیر کا
ہم تو مر جاتے ہیں یوں بھی دل میں کٹتے ہیں عدو — کم نہیں چلنے سے کچھ رُکنا تری شمشیر کا
چشم بد دور ان اداؤں کو تو اپنی دیکھیے — کیا ہوا آئینہ جو حیراں ہوا تصویر کا
صورتیں تکتے ہیں لیکن منہ سے کہہ سکتے نہیں — اُن کی محفل پر ہے عالم ۔ عالم تصویر کا
ضبط سے اب کام لیتے ہیں عدو بھی ہائے ہائے — ان کو کیسا مل گیا جو تھا مری تقدیر کا
اے صفی ہم پیر و طرزِ جنابِ داغ ہیں — بندشیں یہ میرزا کی ہیں نہ لہجہ میر کا

میں تو ہر صورت میں اُن پر جان دیتا ہوں صفی
وہ سمجھتے ہیں یہ عاشق ہے مری تصویر کا



صبر کے قابل بنے احسان ہجرِ یار کا — سہل کرنا تھا بہت دشوار ہر دشوار کا
حسن پر دیں دار کا جو حق وہ دنیا دار کا — حجتی لوگوں کو ناحق شوق ہے تکرار کا
یہ جو کہیے کوہ کن نے جان دی سر پھوڑ کر — کیوں نہ کہیے دردِ سر جاتا رہا ہر بار کا
ہے یہ روشن پہلے گھر کو بعد مسجد کو چراغ — عاشقی میں کام پڑتا ہی نہیں ایثار کا
اپنے سچے دوستوں کو جو دکھا سکتے نہیں — نام ہی لے لو ہمارے سامنے دو چار کا
چڑھتے جاتے ہیں نظر پر آپ کی یاقوت و لعل — ہم لہو پیتے ہیں اپنے دیدہ خوں بار کا

صرف مجھ سے بحث ہے منظور؟ یا اے ہم نشیں
کوئی دیکھا بھی ہے اس رفتار اس گفتار کا

وجدِ صوفی پر خدا بخشے ہمیں یاد آ گیا
دردِ دل سے لوٹنا وہ آپ کے بیمار کا

چاند ڈوبا اور ان کی سیر پوری ہو چکی
کھو چکے ہم لطف تھا دیدار میں دیدار کا

کیا خبر تھی آپ کو ہوتے ہیں عاشق دل فروش
لے لیا تھا اس کو میوہ جان کر بازار کا

خاکسارانِ محبت کو کمی کیا عیش کی
ایک سایہ دوسرا ٹیکا تری دیوار کا

چاہیے دل کی صفائی اور اتنی چاہیے
آئینہ بن جائے یہ اس آئینہ رخسار کا

تیرے کُھلوانے سے دیکھا کھل گئی دل کی زباں
کون اب منہ بند کر سکتا ہے اس طرّار کا

عاشقی میں بدگمانی دل دُکھاتی ہی رہی
ڈنک چلتا ہی رہا اس بے سبب آزار کا

دوست دشمن کی زبانی ہی تسلی دے مجھے
حق پہنچ جائے کسی صورت سے اس حق دار کا

تازگی کب تک غریبوں کے دلِ صد چاک میں
پھول سمجھے آپ کیا اس کو بھی اپنے ہار کا

آنکھ ملتے ہی مرض کیسا سمجھ میں آ گیا
آپ کیوں منہ دیکھتے ہی ہنس پڑے بیمار کا

گریۂ بلبل سے ہے سب لالۂ وگل کا نکھار
مل نہیں سکتا بھگوٹہ دیدہ خوں بار کا

دستِ رنگیں دوست نے دیکھا شفق کو دیکھ کر
کیوں خیال آیا؟ کسی کے دیدہ خوں بار کا

میں وفا کرتا ہوں وہ مشہور ہوتے ہیں صفی
کام کرتا ہے سپاہی نام ہے سرکار کا



وہ ہر انداز میرے آشنا کا
زمانہ تھا زمانہ ابتداء کا

دمِ آخر نگاہِ واپسیں تھی
وصیت نامہ تیرے مبتلا کا

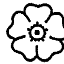
اثر میری دعاؤں کا یہی ہے
کہ ہوں آمین گو اُن کی دعا کا

نصیحت کرنے والوں کی نصیحت
مجھے پینا ہے اک کڑوی دوا کا

کسی نے یاد فرمایا تھا لیکن
پتہ بھولا ہوں میں دولت سرا کا

نہ روؤں کس لئے میں نے سنا ہے
پرکھتے ہیں وہ دیدہ مبتلا کا
کبھی کھل کر نہیں ہنستا ستم گر
برتتا ہے تکلف اِس بلا کا
نہ دو للہ اب کوئی نیا دُکھ
نہ پوچھو نام تم میری دوا کا
لیا بیمارِ غم نے جب سنبھالا
وہ سمجھے وقت آیا ہے شفا کا
رقیبوں کی نگاہوں کے تصدق
اُسے تاکا ہے میں نے جس کو تاکا
رہی دونوں طرف ناواقفیت
عجب گزرا زمانہ ابتدا کا
یہ ظالم عشق ایسی بد بلا ہے
اُسے زندہ نہ چھوڑا جس کو تاکا
جہاں ہم تم رہیں گھر ہو کہ بازار
وہاں کیا کام ہے ماوشما کا
پھر اس کی شان کیا باقی رہے گی
اگر ہو جائے وہ ہر مبتلا کا
صفؔی کے بعد ہی معلوم ہوگا
اکیلا پن تمھاری ہر ادا کا

صفؔی کی بھی محبت مانتے ہیں
بھلا کیا عشق اس تکڑ گدا کا



گلہ اب کیا کروں جور و جفا کا
خیال آئے گا اُن کو ابتدا کا
نہ توڑو دل تم اپنے مبتلا کا
بگڑنے میں بھی ہو پہلو ادا کا
کوئی ان جان سب کچھ جانتا ہے
جو حق ہے آشنا پر آشنا کا
ڈراتا ہے خدا سے مجھ کو واعظ
گنہ کس سے نہیں ہوتا خدا کا
بھلا کس کام کی وہ آشنائی
تکے جب آشنا مُنہہ آشنا کا
گوارا ہے مجھے ہر رائے اُن کی
مزہ دیکھا نہیں کرتے دوا کا
ہزاروں دولتوں کی ایک دولت
بھروسا آشنا کو آشنا کا
کوئی ناسور ہو، پھر دل کا ناسور
نہ سمجھو کم جو ہو سوئی کا ناکا

وہ اپنے وقت پر تشریف لائیں
تو گویا وقت ہے میری شفا کا

نہیں معلوم کیا کیا رنگ لائے
نکھرتا رنگ میرے خود نما کا

وہ ہر ایک بات کرلیتے ہیں منظور
سلیقہ دیکھتے ہیں التجا کا

ادھر جاؤں مگر کیسے سہا روں
مرے آگے چلی - چلنا ہوا کا

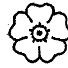
مجھے وہ خاک کا پیوند کردے
اگر بوسہ ہی لے لوں نقشِ پا کا

کسی بے کس کی ٹھنڈی سانس کیا ہے
اُنھیں جھونکا ہے اک ٹھنڈی ہوا کا

خدائی چاہتا ہے بندگی کر
خدا اس، کا جو بندہ ہے خدا کا

بگڑنے کے لئے یہ بھی بنے ہیں
بھگوٹا مل گیا ارض و سما کا

حقیقت میں نہ بن کچھ دیکھ اندھے
صفؔی یہ ہے زمانہ سینما کا



گھر بنا جب دل میں عشقِ خان و ماں برباد کا
مدرسے کی دل لگی پتھر بنی بنیاد کا

ہو دھواں اتنا تو آہِ بلبلِ ناشاد کا
بس غبارہ بن کے اُڑ جائے قفس صیاد کا

مسکراہٹ لب پہ خنجر ہاتھ میں فولاد کا
میں تصدق منہ تو بنوالو ذرا صیاد کا

زور گھٹتا جارہا ہے نالہ و فریاد کا
کوئی میرا دل دُکھا دے وقت ہے امداد کا

خوف دل میں جم گیا ہر فطرتی آزاد کا
میں قفس سے کیا چھٹا جی چھٹ گیا صیاد کا

سب سہی لیکن دل پر داغ سے کیا فائدہ
باغ اگر ہے بھی تو گویا باغ ہے شداد کا

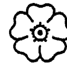
ہنے والے جو تھے بے موت آخر مرگئے
کچھ تمھارا اور کچھ صدقہ تمھاری یاد کا

ہ لب پر آگئی قربان دردِ عشق کے
اشک آنکھوں سے گرے صدقہ تمھاری یاد کا

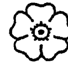
نموں نے بے وفائی دوست سے کی اے ندیم
آج دن ہے تیری جانب سے مبارک باد کا

ن کی محفل میں رسائی بھی ہوئی تو کیا ہوئی
میری کیا توقیر ساتھی ہوں دلِ ناشاد کا

زندگانی کا سبب کیا آمدورفتِ نفس آمدورفتِ نفس کیا تار اس کی یاد کا
پی کے بے رحمی کی دھن میں پیار کے قابل بنا پینترا کیا - پاؤں بھی جمتا نہیں جلاد کا
ہے مسلسل یاد میری وارداتِ عاشقی حافظوں سے بڑھ گیا نمبر تمھاری یاد کا
وہ مری نقلوں سے عاشق کس طرح بن جائینگے پیار کا منہ کس طرح بن جائے گا فریاد کا
کس طرح وہ ظلم کرنے لگ گئے مجھ پر صفیؔ
موم کا دل ہائے کیسا بن گیا فولاد کا



خوب ہاتوں ہاتھ بدلہ مل گیا بے داد کا آشیاں میرا جلا گھر جل گیا صیاد کا
یہ خلاصہ مختصر ہے عشق کی روداد کا شوق ہے اُن کو ستانے کا ہمیں فریاد کا
ہر گرفتارِ قفس قیدی ہے بے میعاد کا چھوڑ بھی دیتا ہے جی چاہے اگر صیاد کا
واہ مجھ ایسے مقید کو لقب آنزاء کا مصلحت صیاد کی ہے یا کرم صیاد کا
اب کیا کرتا ہے ماتم بلبلِ ناشاد کا دل لرزتا ہے تقیہ دیکھ کر صیاد کا
حشر اس دن دیکھنا ہر بانیٔ بے داد کا ''جب زمیں تانبے کی ہوگی آسماں فولاد کا''
کیا مری فریاد کا اُن پر اثر ہوتا نہیں جو اُنہیں معلوم ہوجاتا سبب فریاد کا
کہتے ہیں بے قاعدہ فردیا ہم سنتے نہیں پھر بتاتے بھی نہیں وہ قاعدہ فریاد کا
ایک خود بیں کو ہوا جس وقت خود بینی کا شوق بن گیا منڈان سارے عالمِ ایجاد کا
کچھ مری فریاد بھی اُن پر اثر کرتی نہیں اور کچھ وہ بھی اثر لیتے نہیں فریاد کا
عاشقی سر پھوڑ لینے کے سوا کچھ بھی نہیں ہم تو یہ سمجھے ہیں سن کر ماجرا فرہاد کا
دام کا کیا ذکر ہے میں بندۂ بے دام ہوں شامت آئی پھنس گیا منہ دیکھ کر صیاد کا
انتظام آب و دانہ ہے نہ تنظیم قفس مجھ سے پوچھو بولتا شہ کار ہوں صیاد کا
نالۂ و فریاد بہرِ عیش ہو جب اے صفیؔ
پھر کہاں تاثیر نالے کی ، اثر فریاد کا



نار کب تھی طور پر پرتو پڑا تھا نور کا
آپ اپنی آگ میں جلنا تھا جلنا طور کا

کوہ کن سے کھل گئی ناقدری سرکارِ حسن
نام لکھیں عاشقوں میں کام لیں مزدور کا

خوب صورت کے لئے ناز و ادا بھی چاہیئے
آدمی وہ کیا نیرا پتلا ہو جو کافور کا

دوست کو لانے گئے تفصیل بزم دوست لائے
ہم نشینو شکریہ اس سعیٔ نامشکور کا

کوثر و تسنیم کیا دونوں سے ہم جاتے رہے
اور وہ بھی ایک رس پی کر سڑے انگور کا

کیا کروں تجھ سا جو کوئی بھی نظر آتا نہیں
کر نظر انداز عیب اس آنکھ سے معذور کا

سب ہو یارب اس کے دیدے کی صفائی تو نہ ہو
ساری دنیا سے بڑا ہو جائے دیدہ حور کا

گریہ آدم کو سن کر بے تحاشا ہنس پڑے
آپ نے دیکھا کہاں رونا کسی مہجور کا

نقص ہوتا ہے کبھی انسان کو وجہ کمال
لنگ ہونا بادشہ بننا ہوا تیمور کا

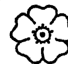
ہم تو یہ سمجھے تھے سن کر قصۂ اصحابِ کہف
ہے مثل نزدیک کا کتا نہ بھائی دور کا

عاشقی کو جو سمجھتے ہیں غرض کی دوستی
ایسے مردے پا چکے جینا کسی مجبور کا

سوچ میں وہ پڑ گئے میری گزارش دیکھ کر
کچھ پتہ چلتا نہیں منظور و نامنظور کا

اہلِ دولت کا حقیقی مرتبہ معلوم ہو
حق اگر پورا ملے مزدور کو مزدور کا

اُن کے آتے ہی صفی نے رکھ دیا سر پانو پر
التجا، یا اب اسے سجدہ کہو مسرور کا



تر نہو دیدہ ہنسی میں بھی جو اُس مغرور کا
کیا سمجھ میں آئے گا رونا کسی مہجور کا

وجہ فرط زہد ہے زاہد کو مژدہ حور کا
کام کرتا ہے بہت دل خوش جو ہو مزدور کا

حسن کرتا ہے وفا یا عشق سب سے پوچھئے
ہم بھی مانیں آپ بھی جو فیصلہ جمہور کا

آپ ہم دونو چھپائیں بھی تو چھپ سکتا نہیں
کھل کے ملنا اور پھر ہم ایسے دو مشہور کا

دل سے اک آواز آتی ہے کروں تو کیا کروں
نازنیں سے گفت و گو ہے فاصلہ ہے دور کا

قیس مجنوں ہوگیا مشہور یہ عزت ملی
اہلِ دولت کی ہنسی ہے عشق بے مقدور کا

آنکھ اس کی عاشقوں کی چشم تر پر کیوں رہے
جس نے رِسنا ہی نہ دیکھا ہو کبھی ناسور کا

آپ سے بھی اب دکھاوے کی محبت رہ گئی
رنج سہہ سہہ کر یہ عالم ہے کسی رنجور کا

آدمی کر ہی نہیں سکتا کبھی دل کے خلاف
یہ تعلق ہے تعلق آمر و مامور کا

غم کے آنسو اور ہیں ظالم خوشی کے اور ہیں
کیا سمجھ سکتا ہے تو رونا کسی مہجور کا

سرنگوں دل کو کیا بارِ غرورِ عشق نے
سچ ہے سر نیچا ہوا کرتا ہے ہر مغرور کا

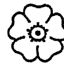
دُھن کا پکا ہے تو اپنے کو نہ بھولے آدمی
ہوگیا کاتا کپاس آخر میاں منصور کا

داورِ محشر کے آگے کیا کہوں گا حالِ دل
سامنا کیا ایک مختار اور اک مجبور کا

حور کی خاطر سے زاہد شوخ چشموں کو نہ چھوڑ
جنتی جنت میں کام آئے گا دیدہ حور کا

جانتے ہیں بے سمجھ بندے اسے مختار بھی
اور پھر پابند بھی کرتے ہیں ہر دستور کا

اے صفیؔ اس کو سمجھتے ہیں کچھ اہلِ ذوق ہی
دل نہ اٹکائے کہیں اللہ بے مقدور کا



الٰہی روزنِ دیوار سے کس شوخ نے جھانکا
پتہ ملتا نہیں پہلو میں دل کا جسم میں جاں کا

جو سکہ بیٹھ جاتا اُن پہ عشق فتنہ ساماں کا
الٰہی بند کرتا ناطقہ یہ جِن سلیمانؑ کا

جنوں میں تھا خدا کے ہاتھ پردہ جسم عریاں کا
غبار راہ نے صد شکر اپنا عیب تو ڈھانکا

انھیں معلوم ہے بس ایک چشمہ آبِ حیواں کا
خضر کیا جانے رستہ ہے کدھر شہرِ خموشاں کا

خدا کی دین ہے اس میں مجال دم زدن کس کو
اندھیرے گھپ میں چشمہ خضر پائے آبِ حیواں کا

خلش جاتی رہے زخمِ جگر بھر آئیں منت تھی
شکر سے ہر برس بھرتا ہوں منہ اپنے نمک داں کا

جو ہیں اہل مروت جان کی پروا نہیں رکھتے
مکوڑے نے دیا سر جب لگا ہے زخم کو ٹانکا

زمانے سے الگ گردش سے باہر رشک سے خارج
مقدر میرے دشمن کا نصیبا تیرے درباں کا

بہ ہر حالت وہی وحشت برسنے کی برستی ہے
اندھیرا یا اُجالا ایک ہے گور غریباں کا

جسے جو دیکھ سکتا ہی نہو پھر اس کو کیا دے گا
بڑا ہونا ہے ناممکن دل کوتاہ بیناں کا

طریق عشق و آئینِ شباب اِس سے کوئی پوچھے
کہ اس فن میں مرا دل باب پنجم ہے گلستاں کا

اسے بھی ہوگیا ہے خبط کیا اس کے بھی لتّے لوں
رفو گر نے مرے دامن کا ٹکڑا جیب میں ٹانکا

خدا سے شرمِ عصیاں اس سے غیرت بے وفائی کی
جزا اس کو ملے مرنے پہ جس نے منہ مرا ڈھانکا

شگونِ نیک تھا دیدِ ریا حیں اے صفؔی لیکن
خزاں کے ہی دنوں میں چاند نکلا ماہِ شعباں کا



اڑائی دھجیاں ایسی کہیں لگتا نہیں ٹانکا
جنوں نے فیصلہ ہی کردیا اپنے گریباں کا

غضب ہے قہر ہے چلنا کسی کے تیرِ مژگاں کا
جگر کی تو جگر کے ساتھ رونا پڑگیا جاں کا

نہیں اس میں کوئی رخنہ جنونِ فتنہ ساماں کا
صفؔی دشمن ہے اپنا ہاتھ ہی اپنے گریباں کا

جنوں کے جوش نے کچھ ایسا بے ترکیب پھاڑا ہے
رفو گر کو سرا ملتا نہیں میرے گریباں کا

علاج دردِ دل کو ہم نے مٹی تک نہیں چھوڑی
غرض صاحب غرض مجنون، جس نے جو دیا پھانکا

کسی ظالم نے میری حسرتوں کا خون کر ڈالا
فقط ارمان ہی ارمان ہے اب دل میں ارماں کا

مرے جاتے ہیں سب لیکن اسے کچھ بھی نہیں ہوتا
فرشتہ موت کا شائد سگا ہے تیرے درباں کا

کھلے بندوں پھریں اب سارے دیوانے اجازت ہے
کہ ٹھیکا لے لیا ہے مابدولت نے بیاباں کا

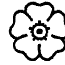
مثل مشہور ہے کہتے ہیں ''لینا اک نہ دینا دو''
کروں تم سے محبت میں نہیں دشمن دل و جاں کا

بتوں سے عشق چھوڑوں میں جو ملتا ہو خدا واعظ
نہیں تو آپ سے تاوان لوں گا اپنے ایماں کا

جنوں کے دن ہیں جنگل میں لگی ہے لام کانٹوں کی
تبرک بٹنے والا ہے مرے جیب و گریباں کا

بھلا کیوں کر برا لگتا نہ اے ناصح مرے جی کو
جتانا اور وہ بھی آپ سے سیدھے مسلماں کا

صفی کا دم بھی اس چوکھٹ پہ نکلے بات تو جب ہے
الٰہی خاتمہ بالخیر ہو ہر اک مسلماں کا



غل ہائے ہائے کا ہے نہ شور آہ آہ کا
کیا نام اُٹھ گیا ہے زمانے سے چاہ کا

لازم ہے دیدہ ور کو چھپانا نگاہ کا
کر چھپ کے اور دیکھ مزہ اس گناہ کا

کچھ حال کھل نہ جائے تری جلوہ گاہ کا
آتا نہیں ہے ہم کو چُرانا نگاہ کا

کوئی سکھائے کچھ بھی تجھے اس کا غم نہیں
پہچانا تو سیکھ لے ہم سے نگاہ کا

چشم کرم ہے عام تو اللہ کے لئے
مجھ کو نگاہ بان بنا لو نگاہ کا

اس مہروش کو دیکھ کے روتے نہیں ہیں ہم
صدقہ اُتار لیتے ہیں اپنی نگاہ کا

نالے زمین والوں کے ہیں آسمان پر
اونچا ہو مرتبہ تری نیچی نگاہ کا

عشاق کے تڑپنے کا اندازہ دیکھئے
اندازہ آپ کو تو نہیں ہے نگاہ کا

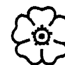
جس کو روا سمجھتے ہو تم اے جنابِ شیخ
مارا ہوا ہوں میں اسی پہلی نگاہ کا

آساں ہے کاٹ لینا گلا اپنے ہاتھ سے
آساں نہیں ہے تیر بچانا نگاہ کا

دنیا کے عیش کی نہیں اب دل کو آرزو
کھایا ہے اس نے تیر تمھاری نگاہ کا

کیا کیا ذلیل شکوۂ معشوق نے کیا
سمجھے تھے ہم یہ کام ہے سب کی رفاہ کا

ایسے سے کیا ملاپ کی امید ہو صفی
جو دیکھتا نہ ہو کبھی لڑنا نگاہ کا



ایسا برا نہ مان مری ایک آہ کا
موقع محل بھی دیکھ ذرا اشتباہ کا

جادو پھر اس نگاہ قیامت پناہ کا
جو حال ہے فقیر کا وہ بادشاہ کا

مجھ کو کیا تباہ مرے اعتبار نے
دل پر سلوک نقش ہے ہر خیرخواہ کا

جو دوست کی خوشی ہو وہ اپنی خوشی رہے
ہے تو یہی ہے ایک طریقہ نباہ کا

رخسار سے نقاب ذرا دور کیجئے
اندھوں میں مرتبہ ہے بہت مہر و ماہ کا

دشمن کے تم وکیل تو پھر کون مدعی؟
حاضر ہوں اب جو کام ہو جھوٹے گواہ کا

ہم نیک و بد جتائیں تو کیا خاک نبھ سکے
اُن کو تو آدمی ہو فقط واہ واہ کا

میں اور اُن کا چاہنے والا کہیں مجھے؟
اقبال ہے یہ سب مرے حال تباہ کا

دیکھا ہے تیری آنکھ کا پھرنا ستم شعار
سب کُھل گیا فریب سفید و سیاہ کا

مجھ سے کچھ اشتباہ نہیں ہے تو کیا کروں
دنیا میں تو علاج نہیں اشتباہ کا

تیرے گدا کو دونوں جہاں سے غرض نہیں
صورت فقیر کی ہے تو دل بادشاہ کا

قسمت بُری ہے ورنہ عدو کیا فریب دے
مردود اور وہ بھی تری بارگاہ کا

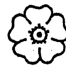
میں اُن کو یاد ہوں تو بھلا اس کا کیا ثبوت
اب وہ عتاب بھی تو نہیں گاہ گاہ کا

بے احتیاط اس کو بھی برباد کر گئے
بدنام ہے زمانے میں اب نام چاہ کا

دنیا کہے جنون ہے یہ عاشقی نہیں
سودا اِسے سمجھتے ہیں ہم تیری راہ کا

چوری نہیں کسی کی مگر کیا کہے صفؔی
اللہ تو ہے بخشنے والا گناہ کا

مخلوق ہاتھ چومتی ہے ان کی اے صفؔی
حیلہ تراش لیتے ہیں جو ہر گناہ کا



خیال بھی کبھی آئے نہ چاہ کرنے کا
الٰہی عشق ہے نام اب گناہ کرنے کا

اسے جو موقع ملا اشتباہ کرنے کا
جناب دل یہ نتیجہ ہے آہ کرنے کا

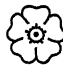
کسی کے دل کو لیا ہے تو اس کو دل سمجھو
نہیں ہے مال یہ ایسا تباہ کرنے کا

سراہ کر انھیں مغرور کر دیا سب نے
نتیجہ خوب ہوا واہ واہ کرنے کا

نہ پوچھ ہم سے حقیقت شراب کی واعظ
نہیں ہے تجھ میں سلیقہ گناہ کرنے کا
خیال میں کسی کافر کے ظلم بے جا پر
خیال آیا خدا کو گواہ کرنے کا
صفؔی وہ کب کسی خط کا جواب دیتے ہیں
مرض ہے تجھ کو بھی کاغذ سیاہ کرنے کا



وہ قدر داں ہے اپنے ہر انداز و ناز کا
ہے ہے نیاز مند ہوں کس بے نیاز کا
رکھوائیں شمع بزم میں وہ کیوں مرے قریب
روشن جب اشتراک ہو سوز و گداز کا
اس نقشِ پا کے سجدے پہ پڑتی ہے کس کی آنکھ
بالائے نقش پا تو ہے مہرہ نماز کا
چمکے گا بندگی کا ستارہ تو دیکھنا
داغِ جبیں بنے گا نشاں امتیاز کا
تقدیر کے بگاڑ پہ کیسی ہنسی نہ آئے
پکڑا ہے کس نے ہاتھ مرے کارساز کا
دامن ہر اک گدا کا جو بھرتا ہے بے سوال
بندہ صفؔی بھی ہے اُسی بندہ نواز کا



تم کو کہیں رونا نہ پڑے اہلِ وفا کا
دم کی نہیں کچھ آس یہ جھونکا ہے ہوا کا
اے بخشنے والے کوئی اس کی بھی سزا سوچ
مجھ کو پس بخشش جو ہو اقرار خطا کا
یہ نیند کے آثار نہیں تیرے تصدق
انداز ہی کچھ اور ہے اس لغزش پا کا
اے کاش کوئی عشق کی تصویر بنا دے
پھر چاہے بنا لے وہ مری خاک سے خاکا
نکلا تھا ابھی لفظِ رقیب اُن کی زباں سے
چھینک آئی مجھے بول اُٹھے ''سچ نام خدا کا''
دانستہ جو میں اُن کا گرفتار ہوا ہوں
یوں سمجھو کہ نخچیر نے صیاد کو تاکا
جو رنگ ترے کاکلِ سرکش کا ہے کافر
یہ طور نہ تھا حضرت موسیٰ کے عصا کا

گھٹ جاتا ہے زور خفقاں آتش تر سے
لیتے ہیں اب اس آگ سے ہم کام ہوا کا

الجھا ہوں تمناؤں میں یا بھول گیا ہوں
بندہ میں بتوں کا ہوں کہ بندہ ہوں خدا کا

ہے شاعری و عشق تو اب لازم و ملزوم
عشاق کا جو ہے وہی مذہب شعرا کا

دنیا میں جو دیدار بتاں سے رہے محروم
عقبیٰ میں اسے خاک ہو دیدار خدا کا

جھکتا تو ہے کچھ اس کی طرف یہ دل بے تاب
قبلے کی طرف رُخ تو ہے اس قبلہ نما کا

ہر حال میں بے چارے صفؔی کو ہے مصیبت
ملنا بھی ادا کا ترا کھنچنا بھی ادا کا



اُن سے بھی میرے درد کا درماں نہ ہو سکا
بندہ کسی کا بندۂ احساں نہ ہو سکا

ظاہر کسی طرح غمِ پنہاں نہ ہو سکا
ناداں! میں تیری جوڑ کا ناداں نہ ہو سکا

بے درد واقفِ غمِ ہجراں نہ ہو سکا
کوراہی بچ گیا کوئی مہماں نہ ہو سکا

بھڑکاتی کیوں نہ آتشِ دل باغ کی بہار
جانِ بہار تو ہی خراماں نہ ہو سکا

وہ اُڑ گیا تو ساری نزاکت دھری رہی
قائل کسی طرح کسی عنواں نہ ہو سکا

ایسے تو سب ہیں اس میں حسینوں کا کیا قصور
کوئی نہیں جو اپنے پہ نازاں نہ ہو سکا

روتا ہوں اس لئے کہ وہ بے درد کہہ نہ دے
تو خود بھی اپنے حال پہ گریاں نہ ہو سکا

غصے میں خود ہی بن گئے درباں واہ وا
جب سدِّ باب آپ کا درباں نہ ہو سکا

اچھا ہوا جو آپ خفا ہو کے ہنس پڑے
میں اور کچھ زیادہ پریشاں نہ ہو سکا

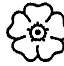
کس طرح دن بسر ہوئے اس بدنصیب کے
جو زخمی نگاہ حسیناں نہ ہو سکا

میری تڑپ کا رنج نہیں ان کو رنج ہے
زخمِ جگر نمک سے نمک داں نہ ہو سکا

افسوس ہم دوبارہ گلہ ہی نہ کر سکے
پیماں شکن سے پھر کوئی پیماں نہ ہو سکا

مانا کہ مجھ سے دست و گریباں ہوا جنوں
میں تو کسی سے دست و گریباں نہ ہو سکا

انساں سے جس کو کوئی غرض ہی نہیں رہے — ایسا تو آج تک کوئی انساں نہ ہو سکا
کچھ ایسی بے رخی سے وہ محفل میں پیش آئے — مجھ کو پھر اُن کے ملنے کا ارماں نہ ہو سکا
تسکین تک بھی تم نے نہ دی اک مریض کو — رشکِ مسیح بن گئے درماں نہ ہو سکا
جھوٹا بھی وعدہ آپ صفؔی سے نہ کر سکے
اتنا بھی اس غریب پہ احساں نہ ہو سکا

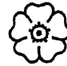


چنگا کوئی بلا کشِ ہجراں نہ ہو سکا — غم بڑھ گیا تو اُن سے بھی درماں نہ ہو سکا
فرقت میں کچھ سکونِ دل و جاں نہ ہو سکا — مشکل تو ہو سکا مگر آساں نہ ہو سکا
دے دے کے لاکھ بار زباں اپنی پھیر لی — یہ کام تو حضور کے شایاں نہ ہو سکا
بے وقت آ ڑے آ گئی رونق پڑوس کی — اجڑا بھی میرا گھر تو بیاباں نہ ہو سکا
ہوگا وہ حشر میں بھی پشیمان یا نہیں — جو میری جان لے کے پشیماں نہ ہو سکا
کم مائگی سے ڈھک نہ سکی وحشت فراق — دامن رفو ہوا تو گریباں نہ ہو سکا
عالم تمہاری زلف پریشاں کا ہائے ہائے — اس رنگ سے تو میں بھی پریشاں نہ ہو سکا
سب کچھ قبول موت کسی کو نہیں قبول — بے آس بھی تو اپنے سے بے جان نہ ہو سکا
کیا جانے کیسی کٹتی ہے دو دوستوں کی رات — بدظن جو عمر بھر کہیں مہماں نہ ہو سکا
فرصت نہ پائی عیش پسندوں نے شام سے — روشن چراغِ گورِ غریباں نہ ہو سکا
کیوں ہم کلامِ خلق ہوا ہے زبان روک — دیوانہ تیرے آگے تو عریاں نہ ہو سکا
جس بے حسے کو عشق کی لذت نہ مل سکی — گوبر گنیش ہی رہا انساں نہ ہو سکا
دنیا میں رونے والے تو ہر وقت ہی رہے — پھر بعدِ نوح کیوں کوئی طوفاں نہ ہو سکا
دنیا مرے لئے جو پریشاں ہوئی تو کیا — ہونا تھا جس کو وہ تو پریشاں نہ ہو سکا
وہ سب سے برتے ایک ہی برتاؤ کس طرح — سب کے لئے خدا بھی تو یکساں نہ ہو سکا

آفت کشانِ عشق کے دل ٹوٹ جائیں گے　　میرا اخیر وقت جو آساں نہ ہو سکا
میرے جنون ہی کا نتیجہ ہے اے صفؔی
شائع جو آج تک مرا دیواں نہ ہو سکا



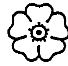
اوروں نے کی تمھاری خطا ہم نے کیا کیا　　تم ہم سے کیوں ہوئے ہو خفا ہم نے کیا کیا
تعریف کی، حسین کہا، ہم نے کیا کیا　　اچھا تمھیں کہا تو برا ہم نے کیا کیا
ہم کو بھی کچھ تو اپنی خطا کی تمیز ہو　　یہ تو کہو کہ کیا نہ کیا ہم نے؟ کیا کیا
تجویز اس کے ملنے کی کرتے فراق میں　　نالہ اگر کیا تو بھلا ہم نے کیا کیا
اُن کی ہماری بات زمانے پہ کھل گئی　　افسوس ایک رنجشِ باہم نے کیا کیا
یہ سیکھ کر وہ ساری بلاؤں سے چھُٹ گئے　　فقرہ تو خوب یاد کیا ''ہم نے کیا کیا''
پہلے تو اس سے ترک محبت کی کہہ چکے　　اب کہہ رہے ہیں ''ہائے خدا ہم نے کیا کیا''
بدنام ہم کو کرنے سے بدنام تم ہوئے　　تم کہہ رہے ہو ''ہم نے کیا'' ہم نے کیا کیا؟
اس ایک کی طرف سے چھُٹے ہم بھی اے صفؔی
ہم تیرے دوست مرد خدا ہم نے کیا کیا



ملی جب آنکھ سے آنکھ اُس نے بے قرار کیا　　کیا بھی ہائے تو کیسے کو ہم نے پیار کیا
سنی سنائی پہ کیا جلد اعتبار کیا　　مرے جواب کا بھی تم نے انتظار کیا؟
الٰہی خیر ہو آج اس نے بے قرار کیا　　جو ایک بار کیا تو ہزار بار کیا
پھر اس نے وعدہ کیا ہم نے انتظار کیا　　زبان پر نہیں صورت پر اعتبار کیا
صلاح کار نہیں ہے جو مجھ فدائی میں　　چلو تو آج سے تم کو صلاح کار کیا

نظر تو کیا ہے کبھی سر بھی اُٹھ نہیں سکتا گلے لگا کے مجھے خوب شرمسار کیا
بتا تو اور خطا کون سی ہوئی ظالم یہی کہ تو نے کہا میں نے اعتبار کیا
وہ شوق کیا جو ادب ہی ادب میں جان رہی وہ عشق کیا جو تجھے دل ہی دل میں پیار کیا
غریب چاہنے والوں کی ریس کرتا ہے تصدق آپ کے کن میں مجھے شمار کیا
نہیں ہے ہم کو تو منظور دوست کی خاطر کہ اب عدو نے بھی یہ ڈھنگ اختیار کیا
یہ کوئی آنکھیں ہیں اللہ ری شریر آنکھیں نہ جانے آپ نے کتنوں کو بے قرار کیا
نہ کہنے کی کہیں معشوق منہ سے کہتے ہیں عجیب وقت کا ہم نے بھی انتظار کیا
یہ دل بھی ہائے عجب زود آشنا دل ہے پھر اُس نے وعدہ کیا اس نے اعتبار کیا
حسین کہہ کے اُنھیں اک عذاب میں ہوں میں غضب ہوا مجھے سچ نے گناہ گار کیا
مریض ہجر میں جب آہ کی سکت نہ رہی تو اس غریب نے بس آ پہ اختصار کیا
خلاف وضع تنزل ہے دل فریب سہی ادا گئی تو خوشامد کو اختیار کیا
صفؔی کے سینے میں کیا جانے کون سا دل ہے پھر اس نے ہائے اسی بے وفا کو پیار کیا

صفؔی کی دیدہ وری آج کھل گئی اُن پر
بہت دماغ بڑھا تھا خدا نے خوار کیا

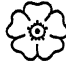


چھوڑ ہر ایک کو برا کہنا ایسی صورت پہ تجھ کو کیا کہنا
بے وفاؤں کو باوفا کہنا آپ کی بات واہ کیا کہنا
تم نے کیا عیب ہم میں دیکھا ہے دیکھو اچھا نہیں بُرا کہنا
میں نے کیا کیا کہا ہے لوگوں سے ایک بار اور پھر ذرا کہنا
جانتے کب ہیں مجھ کو اپنا دوست مانتے کب ہیں وہ مرا کہنا
مجھ کو غصے سے دیکھ کر نہ رکو دل میں جو کچھ بھی آ گیا کہنا

میں محبت میں کیا کروں انصاف کوئی انصاف سے ذرا کہنا
آپ کو آج تک نہیں آیا واقعہ سب سے ایک سا کہنا
خوب نقلیں اُتارتے ہیں آپ آفریں واہ واہ کیا کہنا
کیا کہا میں کبھی نہیں سنتا اور پھر اس پہ آپ کا کہنا
اُن کو کہنا سلام اے قاصد اور دربان کو دعا کہنا
اے صفی ہے ابھی تو دِلّی دور
کون کہتا ہے آ گیا کہنا

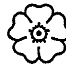


ترا بے مدعا مانگے دعا کیا مرض ہے تندرستی میں دوا کیا
کہیں کیا کیا، کیا ہے ہم نے کیا کیا تجھے اے بے وفا قدرِ وفا کیا
تبسم ہو جواب مدعا کیا کہا کیا آپ نے میں نے سنا کیا
کہو آخر ذرا میں بھی تو سن لوں مری نسبت سنا ہے تم نے کیا کیا
تمھاری مہربانی ہے تو سب ہے مرا ارمان میرا مدعا کیا
نہ دیکھیں وہ تو اپنا گریہ بے سود نہ پوچھیں وہ تو اپنا مدعا کیا؟
چلا تو بھی جو اے دل لینے والے ہمارے پاس پھر باقی رہا کیا
ادائیں تم کو بخشیں ہم کو آنکھیں کرے گا اور بندوں سے خدا کیا
جو مجھ کو آپ ہی در سے اُٹھا دیں کوئی رکھے کسی کا آسرا کیا
سمجھتے ہو جو اپنے آپ کو تم اسے سمجھے گا کوئی دوسرا کیا
کھلاتے ہو قسم ضبطِ فغاں پر ذرا سوچو مرض کیا ہے دوا کیا
مرے گھر کو تم اپنا گھر نہ سمجھو تو ایسی میہمانی کا مزا کیا
صفی خود بینی ٹھہرے جن کا شیوہ
نظر آئے گا اُن کو دوسرا کیا



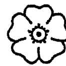
کسی نے ہائے کی مجھ سے وفا کیا | مگر دنیا میں بھی ہیں لوگ کیا کیا
محبت میں تمنائے وفا کیا | غرض کے دوستانے میں مزا کیا
رسا ہو میری آہِ نارسا کیا | زمانہ کیا زمانے کی ہوا کیا
مرے نالے نہیں دبتے فلک سے | مگر بوڑھے بڑوں کا سامنا کیا
اگر ہے ابتدائے عشق مرنا | تو پھر اس ابتدا کی انتہا کیا
دم آخر مری پرسش کو آئے | بڑے ہمدرد، اُن کا پوچھنا کیا
ہم اپنا اوجھ بھر لیتے ہیں ساقی | بھکاری بھیک میں ڈھونڈھے مزا کیا
جہاں ہو سرفروشی خود فروشی | وہاں ہم کیا ہماری التجا کیا
بُرے جو ہیں برا کہتے ہیں سب کو | شکایت کرنے والوں کا گلہ کیا
بھلا اے بے مروت زود برہم | بجز تیرے ہمارے پاس تھا کیا
یہ ہے سب جان کر اَن جان بننا | سکھائے ورنہ اُن کو دوسرا کیا

صفؔی صاحب اگر ہے شاعری جھوٹ
تو پھر اس جھوٹ کی آخر سزا کیا

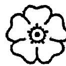


یہ ہے مری آہ میں اثر کیا | سب دیکھتے ہیں اِدھر اُدھر کیا
اُن سے تو نباہ دی خدا نے | میرا دل کیا مرا جگر کیا
عاشق ہیں تو چناں چنیں کیوں | مرنا ہے تو اگر مگر کیا
سمجھاؤ نہ مجھ کو ہم نشینو | اے بے خبرو تمھیں خبر کیا
جو کچھ گزری کہیں گے سب سے | جب منہ میں زبان ہے تو ڈر کیا

ہوتے ہیں ہزار طرح کے غم میرے دل کی اُنھیں خبر کیا
تم سے کہیں جی اُتر نہ جائے اتنا بھی غرور حسن پر کیا
رہتا نہیں ایک سا زمانہ اب بھی ملتے ہیں وہ مگر کیا!
پھر دن نکلا کہ گھر سے نکلے ہم سوچ رہے تھے رات بھر کیا
رنجیدہ ہو کیوں خلافِ معمول آئینہ میں آگیا نظر کیا
دن کیا آیا قیامت آئی مانگی تھیں دعائیں رات بھر کیا
کیوں یاد رہیں صفؔی کے اشعار
مفلس کے کلام میں اثر کیا



جو یہ نہیں تو بھلا لطف آشنائی کیا مزے کی چیز ہے یارب غم جدائی کیا
تو اپنے عکس سے بھی بچ تو ہم کریں تسلیم اِدھر تو دیکھ کہ خود بیں یہ خودنمائی کیا
کسی سے حسرتِ دیدار تو چھپا نہ سکے یہ دیکھنا ہے کہ دیتا ہے اب دکھائی کیا
اُسی ادائے تغافل پہ جان دیتا ہوں ملال بڑھ گیا اُن سے ہوئی صفائی کیا
لیا تھا مشورہ تم نے جو اے صفؔی ہم سے
ہے زیرِ غور ابھی تک وہ کارروائی کیا



ہوئی ان کی مری انکار پر اصرار کیا کیا بدی دونوں دلوں میں آئی اس تکرار پر کیا کیا
نظر ہے ہر قدم پر اور ہے کچھ مسکرانا بھی خوشی ہوتی ہے اُن کی شوخی رفتار پر کیا کیا
شب فرقت دلاسا دینے مجھ کو کوئی کیوں آے برس پڑتے ہیں میرے مونس وغم خوار پر کیا کیا
نہو جس کو خدا کو خوف وہ بندے سے کیا جھجکے قسم ہے اس نے قسمیں کھائی تھیں اقرار پر کیا کیا

ہمیں بے پر کیا جیتے اگر ہیں تو دکھا دیں گے
قیامت ڈھائیں گے صیاد یہ دو چار پر کیا کیا

تری ٹیڑھی نظر نے بےکسوں کی جان لے ڈالی
لگے ہیں عیب اس بے نیام کی تلوار پر کیا کیا

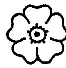
سر محفل ذرا دیکھو نگاہیں اہل محفل کی
اتر جاتے ہیں صدقے چاند سے رخسار پر کیا کیا

سمجھتا تھا کہ ارمانِ نمک پاشی چھپائے گا
مجھے بھرّا تھا اپنے زخمِ دامن دار پر کیا کیا

نہیں شیخ و برہمن شاہدِ مقصود سے واقف
لڑائی ہو رہی ہے سبحہ و زنار پر کیا کیا

جگہ اچھی نکالی شیخ نے مسواک رکھنے کی
کھلا ہے یہ کلس بھی گند دستار پر کیا کیا

صفی اپنا دل پر داغ گویا باغ جنت ہے
عدو کھاتے ہیں خار اس گلشنِ بے خار پر کیا کیا



مسرت چھا گئی دیکھو دلِ اغیار پر کیا کیا
چڑھے ہیں حاشیے ان کی مری تکرار پر کیا کیا

نئی سوجھی ہے دردِ عشق کے اظہار پر کیا کیا
لکھا ہے یار لوگوں نے تری دیوار پر کیا کیا

مرا معشوق ہو یا اُن کا عاشق تو ستائے بھی
مجھے آتا ہے غصہ چرخ نا ہنجار پر کیا کیا

سنبھل کر چل سنبھل کچھ تو سنبھل او نیند کے ماتے
گماں ہوتا ہے لوگوں کو تری رفتار پر کیا کیا

جگر، دل، جان، سب کچھ کام آئے حسن والوں کے
نکلتے ہیں ہمارے حق بھی اس سرکار پر کیا کیا

مجھے کیا کام کوئی بات میں کیوں چار سے پوچھوں
تمھیں جانو کہ رکھ چھوڑا ہے تم نے چار پر کیا کیا

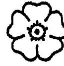
مصیبت عاشقی کی کوچہ گردوں سے کوئی پوچھے
کہ پیش آتی ہے ہر اک منزلِ دشوار پر کیا کیا

کوئی سو بار اُس نے روزن در بند کر ڈالا
پڑے پتھر ہماری حسرتِ دیدار پر کیا کیا

ہوس کو عشق سمجھا ہے مجھے افسوس ہوتا ہے
تری کٹ حجتی پر، بحث پر، تکرار پر کیا کیا

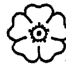
کسی کی حسرتوں کا خون جب ہوتا ہے اے قاتل!
تو سرخی دوڑ جاتی ہے ترے رخسار پر کیا کیا!!

تجھے یہ صاف گوئی اے صفی بدنام کردے گی
لگائی جائیں گی رائیں ترے اشعار پر کیا کیا



وہ نام نہ لے سلام ہی کیا　　مجھ سے اب اس کو کام ہی کیا
مجھ جیسے غریب آدمی کو　　ہر وقت بلا ہے شام ہی کیا
آگے بھی تو کچھ ہو سرفرازی　　رٹتا رہوں تیرا نام ہی کیا
دن میں سو بار کچھ سے کچھ ہے　　دل کیا؟ دل کا نظام ہی کیا
تیری دولت سرا کے آگے　　محشر کا ازدحام ہی کیا
میرے کاموں کا جائزہ لو　　تم کو آتا ہے کام ہی کیا
دیوانہ ہوں میں تو میرے سرکار　　دیوانے کی روک تھام ہی کیا
آنکھیں آنسو بغیر بے آب　　لب ریز نہوں تو جام ہی کیا

کیوں رکھے صفی خیالِ جنت
چھوٹی نگری کا نام ہی کیا



ے لوگوں سے لے لے کر مجھے رسوا کیا　　واہ تجھ سے آس کیا تھی اور تو نے کیا کیا
بلا ہے چاہ پھر چاہے وہ ہو اولاد کی　　دیکھئے تو حضرت یعقوب کو اندھا کیا
ں سے پوچھ تیرے منہ پہ تو آنکھیں نہیں　　کس نظر سے ہم نے تجھ کو آج تک دیکھا کیا
وں جب اسے طرار شکوہ کیا کروں　　جانتا ہوں میرے آگے آئے گا میرا کیا
ی تاثیر اگر یہ ہے کہ ہو دونوں طرف　　پھر یہ پوچھو آج تک ہم نے کیا تو کیا کیا
ا پست ہمت جو کہو سب کچھ سہی　　تم کو اپنا دوست کرنے کے لئے کیا کیا کیا
یمانی ہے کچھ حیرت کہیں تو کیا کہیں　　آپ اس کے ہوگئے ہم، یا اسے اپنا کیا
ے حسرت نکلنے کی تو حسرت ہی رہی　　میری خاموشی نے گویا اس کو بے پروا کیا

دوست کا جلوہ کہاں، یہ بدنصیب آنکھیں کہاں
جو دکھایا میری قسمت نے اسے دیکھا کیا

اُف ری ضد اللہ ری ہٹ یہ طبیعت یہ مزاج
جو کہا تھا آپ نے آخر اسے پورا کیا

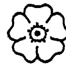
میں برا ہوں غم نہیں لیکن میرے اللہ نے
آپ کو اچھا بنایا یہ بہت اچھا کیا

ہم رہے بھی اُن کی محفل میں تو بس ایسے رہے
ضبط نے گونگا بنایا صبر نے اندھا کیا

اب تمہاری دوستی کو دونوں ہاتھوں سے سلام
جو ہوا اچھا ہوا جو کچھ کیا اچھا کیا

آئے دن کی سیکڑوں بدنامیوں سے بچ گئے
مارڈالا آپ نے بیمار کو اچھا کیا

اب تو جینے کی دعائیں مانگتا ہوں رات دن
اے صفی اس کی قسم جس نے مجھے پیدا کیا



کچھ نہ پائی دل نے تسکین او کچھ پائی تو کیا
ایسی صورت سے تری صورت نظر آئی تو کیا

ایک دشمن کے کہے پر ناز وہ بھی اس قدر
اپنے مطلب کو کسی نے آپ کی گائی تو کیا

ہوش آنا تھا کہ وہ خاصے ستم گر بن گئے
ہائے ری قسمت کہ اُن کو عقل بھی آئی تو کیا

او جفا پیشہ شگفتہ خاطری ہے اور شئے
یوں ہنسی آنے کو رونے میں ہنسی آئی تو کیا

آپ اپنے دل سے پوچھیں آپ ہی سوچیں ذرا
میری آہوں میں اگر تاثیر بھی آئی تو کیا؟

میرے لاشے پر اگر تشریف بھی لائے تو ہیچ
بعد میرے اُن کو میری یاد بھی آئی تو کیا

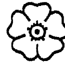
اپنی عادت سے وہ باز آجائیں ممکن ہی نہیں
کہنے سننے سے گھڑی بھر کو حیا آئی تو کیا

کچھ نہ کچھ اغیار نے پٹی پڑھائی ہے ضرور
تم نے کھانے کو مرے سر کی قسم کھائی تو کیا

تھا جو کچھ تقدیر کا ہونا وہ ہوکر ہی رہا
کرنے والوں نے جو کی بھی چارہ فرمائی تو کیا

بے وفاؤں میں تو کچھ گنتی نہیں تیری طرح
ہم کو کہتی ہے اگر مخلوق سودائی تو کیا

اے صفی ترکِ تعلق کر کے اتراتے ہو کیوں
عمر بھر میں یہ ہوئی ہے تم سے دانائی تو کیا



ان کی سننا ترا کہا کرنا — دل مضطر بتا کہ کیا کرنا
عشق میں دل کو مبتلا کرنا — زندگی کو ہے بے مزا کرنا
بارِ خاطر نہو کسی پر بھی — آدمی اس طرح رہا کرنا
بات سننی ہے ناگوار انہیں — کس طرح عرض مدعا کرنا
آسماں کو تو خوب آتا ہے — ایک سے ایک کو جدا کرنا
پوچھنے والا کون ہے تم کو — شوق سے ظلم ناروا کرنا
کونسا تنگ ہے اے دل مضطر — خود کو آفت میں مبتلا کرنا
وہی کرنا جو تم کو کرنا ہے — بات ہر ایک کی سنا کرنا
زخم پر وہ نمک چھڑکتے ہیں — ہم بھی حقِ نمک ادا کرنا
پوچھنا کیا کسی سے الفت میں — دل میں جو آئے وہ کیا کرنا
دوستوں سے یہ التجا ہے مری — مغفرت کے لئے دعا کرنا
ہم کو آیا تو بس یہی آیا — جان و دل آپ پر فدا کرنا
ان حسینوں کا اعتبار نہیں — سب کی فطرت میں ہے دغا کرنا
میرے دشمن تو چاہتے ہیں یہی — مجھ کو ہر ایک سے برا کرنا
کون ایسا ہے راہِ الفت میں — ہم جسے اپنا رہ نما کرنا
مقتضا ہے یہ آدمیت کا — سب سے اخلاق سے ملا کرنا
نگہِ دوست اور دشمن پر؟ — ہائے اس تیر کا خطا کرنا

چارہ گر سے یہ پوچھ لیجے صفی
درد دل کا علاج کیا کرنا



اُن کو خوش کر کے پھر خفا کرنا
یہ مقدر کا تھا برا کرنا

عمر بھر تو صنم پرستی کی
وقتِ آخر خدا خدا کرنا

وہ ہماری تو کچھ نہیں سنتے
ان کی ہر بات ہم سنا کرنا

مجھ کو آتا ہے تو یہ آتا ہے
تیرے حق میں فقط دعا کرنا

تجھ کو آیا نہ اے دلِ ناداں
اُن سے اظہارِ مدعا کرنا

ہم تو نازِ بتاں اُٹھاتے ہیں
ستمِ آسماں کو کیا کرنا

طبع جدت پسند رکھتا ہوں
تم ستم بھی نیا نیا کرنا

چھوڑ کر اپنی کج ادائی کو
سیدھے منہ گفتگو کیا کرنا

بے خودوں کی بھی کچھ خبر گیری
نگہِ غفلت آشنا کرنا

اُٹھ گئی ہے جہاں سے رسمِ وفا
وہ نہیں جانتے وفا کرنا

اس ستم گر نے ہائے چھوڑ دیا
گاہے ماہے کا بھی ملا کرنا

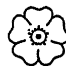
ہائے وہ سختیاں شبِ غم کی
ٹوٹے ہم پر پہاڑ کیا کرنا

آپ کا کام بخش دینا ہے
اور مرا کام ہے خطا کرنا

ہائے اظہارِ بے رخی میں ترا
پھیر کر منہ کو ہنس دیا کرنا

اس کی رفتار ہی قیامت ہے
حشر کا انتظار کیا کرنا

ترک کرتے ہو کیوں صفؔی سے کلام
ہے یہ سنت اسے ادا کرنا

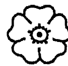


میں، اور شکوہ، صبر کے قابل نہیں رہا
آزردہ دیکھتے ہی اُسے، دل نہیں رہا

توہینِ عشق کا متحمل نہیں رہا
اُن کے تو اُن کے اپنے بھی قابل نہیں رہا

حاتم کی ہے نظیر نہ قارون کا جواب — کوئی بھی اس زمانے میں کامل نہیں رہا
زخمِ نگاہِ ناز نہیں ہے تو زہر کھا — کر خودکشی اگر کوئی مائل نہیں رہا
اُن تک تو دردِ عشق نے پہنچا دیا مجھے — مرنا بھی جن کے واسطے مشکل نہیں رہا
اکثر خلافِ وعدہ بھی ہم اس کے گھر گئے — سب کچھ رہا خیال، مگر دل نہیں رہا
منزل پہ جب پہنچ گئے، ہم اور شیخ جی — آپس میں اختلافِ مسائل نہیں رہا
ہم ذلتِ سوال گوارا نہ کر سکے — اور اُن کے ذہن میں کوئی سائل نہیں رہا
ہو کوئی انقلاب، قیامت ہی کیا ضرور — یہ دیکھ لوں، کہ اب کوئی حائل نہیں رہا
دل، اور آرزو نہ ہو، کیا واہیات ہے — میں ایسے لغویات کا قائل نہیں رہا
ہر دم نفس کی آمد و شد پر رہا خیال — اس چالئے سے میں کبھی غافل نہیں رہا

بس بس، فریبِ ترکِ تعلق نہ دے صفی
چھوڑا ہے اس کو تو نے، جو حاصل نہیں رہا



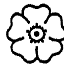
دل جب سے دردِ عشق کے قابل نہیں رہا — اک ناگوار چیز ہے، اب دل نہیں رہا
وہ میں نہیں رہا وہ مرا دل نہیں رہا — اب اُن کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہا
کیا التجائے دید کروں، دیکھتا ہوں میں — آئینہ بھی ہمیشہ مقابل نہیں رہا
اب وہ اگر خفا ہیں تو یوں بھی ہے اک خوشی — مرنا، ہمارے واسطے مشکل نہیں رہا
دنیا غرض کی رہ گئی، اب اس سے کیا غرض — چلیئے کہ لطفِ شرکتِ محفل نہیں رہا
سن سن کے اہلِ عشق و محبت کے واقعات — دنیا کا کوئی کام بھی مشکل نہیں رہا
دنیا کے نیک و بد پہ مری رائے کچھ نہیں — اب تک اِدھر خیال ہی مائل نہیں رہا
مجھ سے نہ پوچھو حسرتِ آرائشِ جمال — آئینہ بن کے اُن کے مقابل نہیں رہا
اک ناامید کے لئے اتنا نہ سوچئے — آزردہ دل رہا بھی تو بے دل نہیں رہا

وہ جان لے چکیں، تو کوئی ان سے پوچھ لے
اب تو کچھ اس غریب پہ فاضل نہیں رہا؟

آیا نہ خواب میں بھی کبھی غیر کا خیال
غفلت میں بھی میں آپ سے غافل نہیں رہا

بے بندگی بھی اس کی رہی بندہ پروری
ملتا رہا ، اگرچہ میں سائل نہیں رہا

وہ ہاتھ ہیں صفی، مجھے اک آستیں کا سانپ
گردن میں دوست کے جو حمائل نہیں رہا



کیا کہوں برتاؤ اس محفل میں کیا برتا گیا
شکر ہے جیسا گیا ویسا وہاں سے آ گیا

ناروا ناحق یہ ٹڈی دل مرا سر کھا گیا
دل گیا میرا تو اس میں دوستوں کا کیا گیا

کس کو سچا جانیئے جو اُن کی بزم ناز میں
کوئی چیخے دل گیا کوئی کہے دل آ گیا

اب حسینوں کو یہ خواہش ہے کوئی چاہے ہمیں
یہ ہوا کیسی چلی کیسا زمانہ آ گیا

وصل میں ایسی ہوئی ناقدریٔ حالِ فراق
یعنے میں کہتا گیا افسانہ وہ سنتا گیا

اپنے ترکش ہی میں ڈھونڈیں آپ اپنے تیر کو
وہ بھی کچھ کھانے کی شئے تھی جو اُسے میں کھا گیا

ہائے ماتھے پر شکن آنکھوں میں رس لب پر ہنسی
آپ جو چاہیں سزا دیں پھر مجھے پیار آ گیا

پرسش اعمال میں ہو ذکر حسن و عشق بھی
یہ نہیں پوچھا گیا تو ہم سے کیا پوچھا گیا

اپنی آنکھوں ہی کو رو بیٹھا ہر اک مشتاقِ دید
بس جہاں دیکھا گیا اب تک یہی دیکھا گیا

زندگانی کے مزے سب ایک دل کے ساتھ تھے
دل گیا ، رونا گیا ، ہنسنا گیا ، جینا گیا

ضبط کی ناتجربہ کاروں نے مجھ کو رائے دی
میرے دم پر بن گئی ان بے ہُدوں کا کیا گیا

آپ سے کس کو ملی آخر دوائے درد دل
کون سا روتا ہوا آیا تھا جو ہنستا گیا

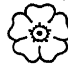
تو دوا لانے کو جائے تو کفن بھی ساتھ لائے
واہ وا شاباش ہے اے چارہ گر اچھا گیا

حال سن کر مسکرانا ایک استعجاب تھا
اور میں نادان یہ سمجھا وہ سب کچھ پا گیا

رازِ حسن و عشق تو اک انکشافی چیز ہے
یہ معمہ اہلِ حکمت سے کہاں بوجھا گیا

اُف رے طوفانِ محبت لاکھ مارے ہاتھ پانو یہ جدھر مجھ کو بہاتا لے گیا بہتا گیا
ہر نظر میں اک محبت ہر ادا میں اک خلوص کیا کہوں وہ میرے گھر سے کس طرح کیسا گیا
وعدہ، دھوکہ، اور اطمینان، حِیل، قسمیں فریب دل ہی دل ہے اُسکے دل میں آ گیا تو آ گیا
دل میں اک لذت ہے لیکن یاد تو کچھ بھی نہیں کیا میں سمجھا اور کافر کیا مجھے سمجھا گیا
دیدنی تو تھے ہمارے واقعاتِ زندگی دم کا کیا بے چارہ جیسا آیا تھا ویسا گیا
اُدبدا کر تم نے کیوں باہیں گلے میں ڈال دیں آج تک ایسی عنایت سے تو میں بچتا گیا
کیوں کہا اربابِ ہمت التجا کرتے نہیں اس پہ میں شرما گیا تو خود بھی کیوں شرما گیا
ہر طرف عاشق نوازی کی جو شہرت ہوگئی تم نے گویا مجھ کو بلوایا، میں بلوایا گیا
سب کو بلوایا تھا لیکن کس سے وہ کھُل کر ملے ٹھہرنا تھا جسکو ٹھہرا جسکو جانا تھا گیا

ہیں صفیؔ کے ناز، تم ہم سے، ذرا دیکھے کوئی
بے بُلائے آج ان کی بزم میں کیسا گیا



اہ ری آب و ہوا جو میکدے میں آ گیا پی نہیں۔ دل سے مگر اندیشۂ فردا گیا
کیوں رکوں سجدے سے میں جب پانوان کے پا گیا سر کی عزت ہے جگہ پر یہ اگر رکھا گیا
جاتے جاتے دل میں اک چٹکی جو وہ لیتا گیا کیا کہوں کس خوابِ غفلت سے مجھے چونکا گیا
حاسدوں میں اک اضافہ روز وہ کرتا گیا جب گیا میرے گلے مل کر مجھے مہکا گیا
دل کا کیسا رنج جس دم ہاتھ دل بر آ گیا میں نے جو کچھ کھویا بدلے میں بہت کچھ پا گیا
وہ کچھ اخلاقاً ہمارا حال بھی سنتے گئے ناگوارِ خاطرِ نازک بھی کچھ برتا گیا
دل کی بربادی ذرا سی پختہ کاری پر ہوئی کوئی کافر اینٹ کی خاطر یہ مسجد ڈھا گیا
یا کہ میرا دل مجھے دے یا تو میری جان لے بے دلی کی زندگی سے جی بہت اُکتا گیا
حسن کو دیکھے کوئی کتنوں کی اُس نے جان لی عشق سے پوچھے کوئی کتنے کلیجے کھا گیا
وہ یہاں آئے تو مجھ بدبخت نے شکوے کیے میہمانی کیا رہی جب میہماں شرما گیا

ایک دل ہے اور لاکھوں آرزوؤں کا ہجوم
ان بلاؤں سے جہاں تک ہوسکا بچتا گیا

جھک گئی میری نظر ہوتے ہی اُن سے چار آنکھ
حسن کے آگے ہمیشہ عشق ہی شرما گیا

اپنے بارے میں کسی سے رائے اب کیا خاک لوں
کچھ نہ کچھ اپنا ہی دکھ روئے جو ہر آیا گیا

مجھ سے بے صبرے کو عادت صبر کی پڑ ہی گئی
اُن کے وعدے پر نہ آنے سے بڑا کام آ گیا

آپ کیا جانیں غریبوں بے کسوں کی زندگی
ایک آنسو بھی گیا میرا تو اک دریا گیا

میں نے خواب ناز دیکھا وہ مجھے کیا دیکھتے
یعنے جو سویا سو کھویا اور جاگا پا گیا

آپ جیسے بھی زمانے کا گلہ کرنے لگے
دیکھتے ہی دیکھتے کیسا زمانہ آ گیا

میری کس تعریف پر اب تک نہ آیا تھا یقیں
آئینے میں آخر اتنی دیر کیا دیکھا گیا

آپ جو کہتے گئے اس پر کیا میں نے عمل
لوگ جو کہتے گئے وہ آپ سے کہتا گیا

کہتے ہیں ''جس کا کیا آتا ہے اس کے سامنے''
میں نے جب نالہ کیا تو سامنے وہ آ گیا

ظلم پر محجوب کر کے اس کو خود محجوب ہوں
وہ جو کچھ شرما گیا گویا مجھے شرما گیا

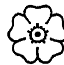
دردِ دل کہتے ہوئے تیور پہ تھی میری نظر
ناگوارِ خاطرِ نازک بھی کچھ ہوتا گیا

واقعی بار امانت کے لئے موزوں بھی ہوں
یا فقط سرکار کی بیگار میں پکڑا گیا

جان لے تیری شکایت ہوچکی پیر مغاں
ایک دن اپنے ٹھکانے جو کوئی سیدھا گیا

یوسف اک حسن مکمل اور قیمت کچھ درم
ہائے ناقدری کہ کیسا مال کیا سستا گیا

شاعری کی آڑ اچھی مل گئی تجھ کو صفی
بات رکھ لی جھوٹ کے پردے میں سچ کہتا گیا



غم جگر نہ دوائے غمِ جگر لینا
جسے پسند کریں وہ پسند کر لینا

خبر نہ تھی کہ یہ دنیا ہے عیش سے خالی
دن اپنی عمر کے بھرنے ہیں جب تو بھر لینا

ہوئی ہے خانہ بدوشی غمِ محبت کی
زمانہ آپ سے سیکھے کسی کا گھر لینا

تمھاری طرح کا اک آئینے کے گھر میں ہے
جو ہو سکے تو ذرا دیکھنا خبر لینا

کوئی گھرا ہے اکیلا تری اداؤں میں
شکار ہاتھ سے جانے نہ پائے دھر لینا

اگرچہ اس کی جدائی کی دل کو تاب نہیں
جو آ پڑی ہے تو اب صبر و شکر کر لینا

ہمارے داؤ ہمیں پر چلائے جاتے ہیں
بھلا وہ اور کسی بات کا اثر لینا

دعا ہماری دعا کیا، دعا کہاں کی دعا
نہیں ہے چیز یہ لینے کی، تم مگر لینا

خدا نے صبر دیا لاکھ لاکھ شکر صفؔی
کسی دن اُن کو بھی جھک کر سلام کر لینا



نہ ہوگا دوسرا حائل جو وہ جلوہ نما ہوگا
ہماری آنکھ کو خود ہی پلک کا آسرا ہوگا

نہیں آیا جو وہ اب تک تو آیا چاہتا ہوگا
پیامی رات کا اب کیا عمل ہے کیا بجا ہوگا

کسی عالم میں ہو آس آدمی سے چھوٹ نہیں سکتی
قیامت میں بھی شاید اس ہی کا آسرا ہوگا

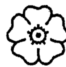
تسلی اور تشفی مجھ کو زندہ رکھ نہیں سکتی
ذرا انصاف کرنا ایسی تھپتھپیوں سے کیا ہوگا

اسی کا لالچی بنتا ہے روکو جس سے انساں کو
ہمیں کب صبر آئے گا جو وہ صبر آزما ہوگا

اُدھر سے اک ذرا اعلانِ جلوہ ہو تو جانے دو
دکھا دیں گے ہماری چھانو سے دن بھاگتا ہوگا

ہنسی مشکل سے روکی اس نے میری موت کو سن کر
نہ سمجھا مرتے مرتے آج شاید مر چکا ہوگا

سمجھ لے گا وہ ظالم یوں ہمیں بدنام کرتا ہے
صفؔی آجائے گی شامت اگر نالہ رسا ہوگا



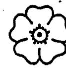
غریب و ناتواں ہوں مجھ پہ کیا اُن کا ستم ہوگا
کسی کی دوستی کا دم بھرے گا جس میں دم ہوگا

اسی سے چین پاؤں گا جو دل مانوسِ غم ہوگا
ستم ہوگا جو کوئی غم گھڑی بھر کو بھی کم ہوگا

ستم بھی ہے تعلق یہ بھی ہوگا تو کرم ہوگا
ترا ترکِ ستم بے آس بندوں کو ستم ہوگا

رہے گی بانکپن کی شان امیدوں کے ماروں سے — جواباً بھی کبھی وہ جو پئے تسلیم خم ہوگا
بنے ہو خاک سے تن پرورد پھر خاک ہونا ہے — وجود جسم کیا ہے چار دن میں کلعدم ہوگا
وہ سچی بات بھی میری زباں سے سن نہیں سکتے — ستم کا نام بھی منہ سے نکالوں تو ستم ہوگا
مرادیں آرزوئیں مانگنے والوں کی نکلیں گی — اگر کج کولِ سائل زینتِ دست کرم ہوگا
یُنہی ڈھکاؤں کب تک دل میں کچھ تو سوچ اے ساقی — خیالِ بیش و کم ہر آدمی کو بیش و کم ہوگا
گنہ جتنے بھی دنیا بھر کے ہیں سب میرے سر پر ہیں — نہ سمجھا تھا کرم کی التجا کرنا ستم ہوگا
یُنہی چلتے رہیں گے تیر جو تیری نگاہوں گے — تو بھرنا بھی مرے دل کی جراحت کا بھرم ہوگا
نہ ہوگی تو نہ ہوگی سرد دل کی آگ رونے سے — ذرا پنکھا جھلیں گے ہم ذرا دامن تو نم ہوگا
خبر کیا تھی کہ ہوگی ضبطِ غم سے زندگی دو بھر — مجھے اپنا لہو پینا کلیجے کا ورم ہوگا
کہاں فریاد کا دم مجھ میں لیکن اس پہ مرتا ہوں — جگر کا درد تھوڑے چیخنے سے کچھ تو کم ہوگا
یقین آتا نہیں مجھ کو قیامت کے بھی وعدے پر — وہاں کیا پانو رکھوگے جہاں میرا قدم ہوگا
جہاں اعزاز برتے جائیں گے اہلِ محبت پر — وہ شاید اس جنم سے دوسرا کوئی جنم ہوگا
ذرا گھر سے نکلنے کی جھجک دل سے نکل جائے — ہزاروں سر رہیں گے جس جگہ اُن کا قدم ہوگا
پرستاروں کو اندھا کردیا تیری محبت نے — نظر ہوگی تو فرقِ عظمتِ دیر و حرم ہوگا

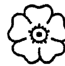
خوشی کے مارے شاید اے صفیؔ پھٹ جائے گا دل ہی
اگر میری طرف رجحان اُن کا ایک دم ہوگا



مرے مرنے سے وہ محجوب ہوگا — اگر ایسا ہوا تو خوب ہوگا
کوئی شاداں کوئی محجوب ہوگا — قیامت کا بھی میلہ خوب ہوگا
نہ تھی امید اے نازک طبیعت — کہ دشمن اس طرح معتوب ہوگا
غرض کیا تیرے آنسو پوچھنے سے — جو رونا ہی ہمیں مرغوب ہوگا

یہ دل پیدا کرے گا دل فریبی　　یہ اُس محبوب کا محبوب ہوگا
نہ ہو آئینہ اس پر حال میرا　　کہ وہ بر خود غلط مجوب ہوگا
چھپایا آپ نے خط کیوں یہی نا؟　　کوئی کاتب کوئی مکتوب ہوگا
اسے چاہیں گے سب جو تم کو چاہے　　یہ طالب ایک دن مطلوب ہوگا
غضب ہوگا جو میرا شکریہ بھی　　شکایت میں وہاں محسوب ہوگا
تری صبر آزمائی کے تو صدقے　　مگر ہر شخص کیا ایوبؑ ہوگا

صفی کی بڑ پتہ دیتی ہے ہم کو
یہی شاعر کبھی مجذوب ہوگا



قیامت میں بھی وہ جو اَن جان ہوگا　　مرا ہاتھ اس کا گریبان ہوگا
تمھیں دے کے دل جو پشیمان ہوگا　　بھلا کوئی ایسا بھی نادان ہوگا
جسے آنکھ ہوگی جو انسان ہوگا　　وہ سو جان سے تجھ پہ قربان ہوگا
نہ رکھ آس ہر ایک سے فائدے کی　　جتاتے ہیں ہم دیکھ نقصان ہوگا
مری طرح بے حوصلوں کو نہ برتو　　تمھارا بڑا مجھ پہ احسان ہوگا
پریشان کر مجھ کو لیکن سمجھ لے　　کہ جب میں نہوں گا پریشان ہوگا
جیئے گا ترے کل کے وعدے پہ وہ کیوں　　گھڑی دو گھڑی کا جو مہمان ہوگا
نہوگی جسے آدمی سے محبت　　وہ لاکھوں میں اک آدھ انسان ہوگا
وہاں بھی اگر صلح کُل میں رہے تم　　تو محشر لڑائی کا میدان ہوگا
ستم پر نہ ٹوکو جفا سے نہ روکو　　وہ آزردہ ہوگا پشیمان ہوگا
وہ کیسے مصیبت کے مارے نہوں گے　　تری چاہ کا جن کو ارمان ہوگا
کہوں کیا وہ آئینہ کیوں دیکھتے ہیں　　اِسے جو سُنے گا وہ حیران ہوگا

کھلا کر پلائیں گے ہم محتسب کو
یہ کافر کوئی یوں مسلمان ہوگا

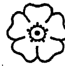
غضب ہو جو تم مار ڈالو عدو کو
یہ شیطان مر کے بھی شیطان ہوگا

ذری سی تو رکھے گا اس سے محبت
وہ خشخاش بھر جس کو ایمان ہوگا

سر راہ اَن جان ہوجانے والے
کہیں وقت پر یوں ہی ان جان ہوگا

رہے گی جو اُن کی یہی مہربانی
تو مرنا بہت مجھ کو آسان ہوگا

صفی وصل میں ہجر کا خوف کیسا؟
جو ہونا ہے کل وہ مری جان ہوگا



قتل کیا آسان ہے یوں ہی مرا جائے گا
ہاتھ رہ جائیں گے خنجر آپ کا گر جائے گا

یہ ترے حالی موالی لمِ لگا دیں گے تجھے
ایک دن مخلوق کی نظروں سے تو گر جائے گا

رنج دیں تکلیف پہنچائیں ستائیں کچھ کریں
یہ ہمارا دل نہیں جو آپ سے پھر جائے گا

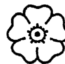
تم تو کرنے کو کروگے قتل سے میرے گریز
حشر میں یہ بے سرا بندہ بھی بے سر جائے گا

دشمنوں کو روکیے بس طعنے اُن کے سن چکا
میں بھی پھر ایسی سناؤں گا کہ منہ پھر جائے گا

ہجو مے میں شیخ تو آپے سے باہر ہوگیا
دیکھنا بے چارہ ممبر سے کہیں گر جائے گا

یوں نہ توڑیں دل کسی کا آپ میرے روبرو
ہے تو دشمن ہی مگر آزردہ خاطر جائے گا

کھائی تھی سوگند اُن کے گھر نہ جانے کی صفی
یہ بھی سمجھے تھے وہاں تو ایک دن پھر جائے گا



جس دن مرے دل میں کوئی ارماں نہ رہے گا
یہ سلسلۂ گردشِ دوراں نہ رہے گا

بجلی قفسوں پر یونہی گرتی ہی رہے گی
کیا ہم نہ رہیں گے تو گلستاں نہ رہے گا

برتے گا اگر آج محبت تو ہٹیلے
ہر ایک سے کل تو ہی پشیماں نہ رہے گا

کیا جان کے وہ زندہ رہے گا نہیں معلوم قاتل کی اداؤں پہ جو قرباں نہ رہے گا
جینے سے زیادہ رہے مرجانے سے جو خوش ایسا ہی قیامت میں پشیماں نہ رہے گا
رہتا ہی نہیں راز کبھی رازِ محبت پنہاں جو رکھوں گا بھی تو پنہاں نہ رہے گا
ہو جائیں گے آوارہ یہ عشاق ستم کش جب کوئی ستم آپ کے شایاں نہ رہے گا
ایسی ہی لگاوٹ کی ادائیں ہیں تو کافر بے خوف مسلماں سے مسلماں نہ رہے گا
اتنا تو سمجھ اے مرے آرام کے دشمن آرام تجھے بھی کسی عنواں نہ رہے گا
ہر خاک نشیں پر نگہِ قہر غضب ہے سایہ بھی ترے ساتھ مری جاں نہ رہے گا
ایسا بھی کرم مجھ پہ کروگے کبھی اوہو! اچھا مرے دل میں کوئی ارماں نہ رہے گا
جھوٹی ہی تسلی ترے بے تاب کو بس ہے کچھ روز تو بے چارہ پریشاں نہ رہے گا
مفہومِ محبت بھی جو مرنا ہے تو مر بھی یہ کام پھر اتنا بھی تو آساں نہ رہے گا
ہے صبح میں کچھ شام میں کچھ پھولوں کا جوبن یہ رنگ بہارِ چمنستاں نہ رہے گا
کیا ہوگا جو عشاق نہوں گے یہ نہ پوچھو کوئی بھی خریدارِ حسیناں نہ رہے گا
زخموں پہ مرے آپ نمک پاش بنے ہیں دنیا میں نمک یا تو نمک داں نہ رہے گا
انساں کبھی خاطرِ احباب نہ توڑے ایسا جو کرے گا وہ پشیماں نہ رہے گا
دیوانہ بنا دیں گے تجھے بھی ترے وحشی دامن جو رہے گا تو گریباں نہ رہے گا

چل جائے گی یونہی جو کھلی جھوٹ صفؔی کی
کوئی بھی سخن گو و سخن داں نہ رہے گا



خیال آپ کا جب ذرا آگیا تڑپنے میں ہم کو مزا آگیا
نہ ہم دوسرے ہیں نہ وہ دوسرے زمانہ مگر دوسرا آگیا
ہَوا تو نہیں ہے تو اے نامہ بر ابھی کی ابھی میں گیا آگیا
مرے دل میں آنے کو تھی ایک بات کہ اِتنے میں وہ بے وفا آگیا
نہ آنا ہی اُن کا بس اب ٹھیک ہے خیالِ دلِ مبتلا آگیا

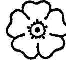
وہ بے وعدہ تشریف لائے ہیں آج　　خدا جانے دل میں یہ کیا آ گیا
ابھی ذکر تھا جس کا یادش بخیر　　وہی آ گیا ۔ آ گیا ۔ آ گیا
خدا کی قسم کھا کے وہ ہنس پڑے　　خدا کی قسم ہے مزا آ گیا
اُنہیں ہم سے ملنے کی فرصت کہاں　　گیا ایک تو دوسرا آ گیا
سمجھتا ہوں سب کچھ مگر دوستو　　یہ دل ہے جدھر آ گیا آ گیا
صفؔی کو بھی اچھا سمجھنے لگے　　زمانہ اب ایسا بُرا آ گیا

صفؔی تجھ کو اللہ جیتا رکھے
غزل کیا سنائی مزا آ گیا



چل دیا وہ رشکِ مہ گھر اپنا سونا ہوگیا　　پھر وہی اگلا اندھیرے کا اندھیرا ہوگیا
اُن کا دامن کیا پھٹا اک حشر برپا ہوگیا　　اپنا قصہ قصۂ عشق زلیخا ہوگیا
قابل حیرت نہ ٹھہری زندگی تیرے بغیر　　میرا مرنا یار لوگوں کو اچنبھا ہوگیا
عین استغراق میں صوفی کو یاد آئی خِلال　　ڈوبتے کو خوب تنکے کا سہارا ہوگیا
جس کو پہلے پہلے دل آزار ہم سمجھا کئے　　رفتہ رفتہ اب وہی دل کی تمنا ہوگیا
میری آنکھیں تو لگی تھیں شوخیِ رفتار پر　　اور وہ چلتا ہوا دل لے کے چلتا ہوگیا
وقت بے وقت آئے بے شک آئے لاکھوں بار آئے　　دھوپ میں پھرنے سے دیکھو رنگ کالا ہوگیا
تابِ نظارہ رہے ہر ایک کو ممکن نہیں　　اُن کا بے پردہ نکل آنا ہی پردا ہوگیا
چاہنے والوں کو دیوانہ بنایا آپ نے　　اور بن پیسے کا لوگوں کو تماشا ہوگیا
اپنے دل کا خون کر ڈالوں تو شاید چین ہو　　وہ تو جس کا ہوگیا کم بخت اس کا ہوگیا
اُن کو دیکھو وہ نظر آیا کیے ہر رنگ میں　　مجھ کو دیکھو دیدہ و دانستہ اندھا ہوگیا

عشق میں اچھا بُرا کب سوجھتا ہے اے صفؔی
اِس بَلا نے آلیا جس کو وہ اندھا ہوگیا



پوچھتے کیا ہو ترا یہ حال کیسا ہو گیا
تم نہ جانو تو خدا جانے مجھے کیا ہو گیا

عاشقی میں وہم بڑھتے بڑھتے سودا ہو گیا
قطرہ قطرہ جمع ہوتے ہوتے دریا ہو گیا

وہ سراپا ناز ہے مجھ سے بُرا تو کیا کروں
چار نے اچھا کہا جس کو وہ اچھا ہو گیا

عاشقی میں نام اگر درکار ہے بدنام ہو
دیکھ سب کچھ ہو گیا جب قیس رُسوا ہو گیا

کچھ ہو لیکن اب مرا دل تم سے پھر سکتا نہیں
یہ تو جس کا ہو گیا کم بخت اس کا ہو گیا

اپنے پہلو میں بٹھایا آپ نے اغیار کو
دیکھیے بیٹھے بٹھائے کا یہ جھگڑا ہو گیا

لے لیا یادِ مژہ نے مجھ کو سیلِ اشک سے
ڈوبنے والے کو تنکے کا سہارا ہو گیا

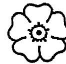
داغ ہائے ہجر بھی دل میں ہیں خارِ شوق بھی
باغ کا باغ اور یہ صحرا کا صحرا ہو گیا

لے کے دل اِلزام دیتے ہو غنیمت ہے یہی
مال کا مول آ گیا اَدلے کا بدلا ہو گیا

دل کی گھبراہٹ نسیمِ صبح دم سے کم ہوئی
وہ نہ آئے غیب سے سامان پیدا ہو گیا

کیا یہی ہے شرم تیرے بھولے پن کے میں نثار
منہ پہ دونوں ہاتھ رکھ لینے سے پردا ہو گیا

میری ہر اک بات قانونِ محبت ہے مگر
اے صفی میں شاعری کرنے سے جھوٹا ہو گیا



شبِ ہجر آہ کدھر گئی کہوں کس سے نالہ کدھر گیا
جو گزر گئی وہ گزر گئی جو گزر گیا وہ گزر گیا

جو تمھاری آنکھ سے گر پڑا جو تمھارے دل سے اُتر گیا
وہ غریب جیتے جی مر گیا وہ کہاں گیا وہ کدھر گیا

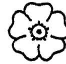
کوئی اپنے بچنے کا ڈھب نہیں کوئی زندگی کا سبب نہیں
مرے پاس دل بھی تو اب نہیں وہ اُدھر گئے یہ اِدھر گیا

کوئی درد ہو تو دوا کروں نہ بنے دوا تو دعا کروں
اسے کیا کہوں اسے کیا کروں کہ میں اُن کے دل سے اتر گیا

اُسے دل لگی کا مزا ملا اُسے عاشقی کا مزا ملا
اُسے زندگی کا مزا ملا جو تری اداؤں پہ مر گیا

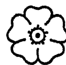
کوئی دوست ہے کہ غلام ہے کوئی یہ بھی طرزِ کلام ہے — وہ کہاں گیا وہ کہاں گیا وہ کدھر گیا وہ کدھر گیا
ترے ظلم اور ستم سہے ترے جاں نثار بھی ہم رہے — نہ رقیب جس کو ہر اک کہے کہ تری جفاؤں سے ڈر گیا

رہے کیوں نہ سینے میں دم خفا یہ نیا ستم ہے نئی جفا
کہوں کیا صفی کوئی بے وفا مرے دل کو لے کے مکر گیا



دل عشق میں تباہ ہوا یا کہ جل گیا — اچھا ہوا خلش گئی کانٹا نکل گیا
الفتِ میں اس کی جان گئی دل بھی جل گیا — دشمن کا دو ہی دن میں دِوالہ نکل گیا
دل اپنا اس سے مانگنے کو میں جو کل گیا — آنکھیں نکالیں لڑنے کو فوراً بدل گیا
جلتے ہیں غیر اپنا تو مطلب نکل گیا — قسمت سے بات بن بھی گئی داؤں چل گیا
تعریفِ حسن یار نے اس کو کیا رقیب — رہبر بھی بیچ رستے میں ہم سے بدل گیا
کرتا ہوں عرض اُن سے جو چلنے کی میں کہیں — کہتے ہیں کیا دماغ تمھارا بھی چل گیا
بھاری ہے رات ہجر کی بیمار پر ترے — پھر اس کو خوف کچھ نہیں یہ دن جو ٹل گیا
دشمن کے نقشِ پا کو جو دیتے ہو گالیاں — پیٹو لکیر سانپ تو آیا نکل گیا
کس رنگ میں وہ رہتے ہیں اس کی خبر نہیں — محفل میں اُن کی آج میں پہلے پہل گیا
ارمان کیا گئے کہ گیا دل بھی عشق میں — یہ وہ جُوا ہے جس میں ہمارا مُدل گیا
وہ جلوہ گاہِ ناز ہو یا بزمِ غیر ہو — جنت ہمیں وہیں ہے جہاں دل بہل گیا
دشمن بھی جاں نثار بنے دے کے اپنا دل — حیرت ہے مجھ کو روپیہ کھوٹا بھی چل گیا

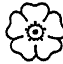
انجامِ عشق دیکھ لیا اپنی آنکھ سے
اب تو صفی دماغ کا تیرے خلل گیا



اشک کی بے آبروئی سے کلیجا جل گیا — شیخ زمزم برہمن لینے کو گنگا جل گیا
ہوں تمھارے بس میں یا مردہ بدستِ زندہ ہوں — خوش رکھا تو خوش رہا تم نے جلایا جل گیا

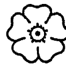
دل تو ٹھنڈا ہو رہے گو تشنہ کامی ہی رہے — کاش اپنی آنکھ سے دیکھوں کہ دریا جل گیا
جس نے وہ بجلی گرائی تھی اُسی سے پوچھئے — کیوں ہوئے بے ہوش موسیٰ طور کیسا جل گیا
یا تو وہ گرمی نہیں اب حُسنِ عالم سوز میں — یا مری آنکھوں کا شاید کوئی پردا جل گیا

دل کو ضبط اشکِ سوزاں نے کیا خاکِ سیاہ
گرم پانی سے صفؔی گھر اپنا گویا جل گیا



کام دیگا رات بھر دن بھر تڑپنا لوٹنا — ہو سکے جب تک دل مضطر تڑپنا لوٹنا
وہ مری بے تابیوں کے یوں تو قائل ہی نہیں — آج اُن کے سامنے چل کر تڑپنا لوٹنا
لذتِ دردِ جگر آخر کہوں تو کیا کہوں — جی میں آتا ہے کہ رہ رہ کر تڑپنا لوٹنا
وہ تڑپنا لوٹنا دیکھیں کلیجہ چاہئے — یہ تڑپنا لوٹنا سن کر تڑپنا لوٹنا

میرے اکثر دوستوں کو بعد میرے اے صفؔی
یاد آئے گا مرا اکثر تڑپنا لوٹنا



انھیں معلوم ہوگا حال جو تھا رات بھر میرا — نہ تھے کچھ کالے کوسوں پر یہ گھر اُن کا یہ گھر میرا
الٰہی کس طرح جائے گا اب دردِ جگر میرا — دعائیں میری بے تاثیر نالہ بے اثر میرا
وہ آئے بھی گئے بھی خیر ہو کچھ اور سمجھے ہوں — شگونِ بد ہے ایسے وقت رہنا بے خبر میرا
یہ مانا آسماں سو ظالموں کا ایک ظالم ہے — مگر میں کیا کروں جب ہو عقیدہ آپ پر میرا
اُسی کو تُو دلاسا دے تسلّی دے تشفّی دے — عدد کا دل تو دل ہے اور اے بے داد گر میرا
اُسے افسوس تو ہوگا یہ جان اک روز جانی ہے — بَلا سے دیکھ لے کوئی کلیجہ چیر کر میرا
تری ناقدردانی کا عوض ناقدردانی تھی — مزہ آتا ذرا اپنے پہ بس چلتا اگر میرا

ستم توڑے ستایا پھر پشیماں بھی ہوا دل میں
غلط فہمی ہوئی آخر ہے میرا فتنہ گر میرا

خلافِ واقعہ دنیا کو کچھ باور کرانا ہے
نئے بن کر جواب وہ پوچھتے پھرتے ہیں گھر میرا

مجھے اقبال ہے کوئی کہے تو لاکھ میں کہہ دوں
کہ غم اُن کا ہے دل میرا ہے درد اُن کا جگر میرا

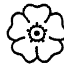
سمجھ والے اب ایسے آدمی کا نام خود رکھ لیں
جو ظالم دوست بنتا ہو اُدھر اُن کا اِدھر میرا

وہی غصہ وہی تیور بتا اے بے خودی کیا تھا
اٹھایا اُن کے قدموں پر سے آخر کس نے سر میرا

وہاں کیا اُس نے دیکھا اُس پہ کیا بیتی خدا جانے
جو میری جان کا دشمن بنا ہے نامہ بر میرا

وہ اب تو بے غرض بے واسطہ تھے بے تعلق تھے
نہیں معلوم نکلا نام پھر کس بات پر میرا

صفؔی میری قسم کس نے تجھے باور کرایا ہے
بھلا وہ خود غرض خود کام اور اُس پر اثر میرا



سناؤں کس کو حسرت ناک قصہ مختصر میرا
کہ میں اس فتنہ گر کا ہوں کہ ہے وہ فتنہ گر میرا

نہ بت خانہ جگہ میری نہ کعبہ کوئی گھر میرا
اُدھر چلتا ہوں اب اللہ لے جائے جدھر میرا

مبارک دوستوں کو تذکرہ شام و سحر میرا
مگر نقصان ہے اس میں اُدھر اُن کا اِدھر میرا

وہ شوخ آیا مگر آزردہ آیا جان پر آیا
بس اب کم ہوگیا جاتا رہا دردِ جگر میرا

سنبھالا ہوش چاہا تم کو رسوا ہوگیا سب میں
گیا دل ، جان کھوئی ، ہے یہ قصہ مختصر میرا

اگر کچھ بھی نہیں قسمت میں گردش پانو میں چکر
تو پھر یہ کیا ہے مارے مارے پھرنا دربدر میرا

تمھارے تیر ٹوٹے لوٹنے والے مزے لوٹے
برائی کیا ہے یوں بھی بھر گیا زخم جگر میرا

جگر کے داغ دل کے آبلے بڑھتے ہی جاتے ہیں
پھلے پھولے گا اب نخلِ تمنا کس قدر میرا

عدو کی بات تم مانو تمھارے صدمے میں جھیلوں
تمھارا دل تمھارا دل ہوا میرا جگر میرا

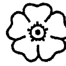
کسی کا غم نہیں ہوتا یہ اُن کا فیضِ صحبت ہے
نہیں تو ہائے یہ میں اور پتھر کا جگر میرا

نہ تھے دشمن محبت کی نظر سے دیکھنے والے
یہ سب ظالم چرا کر لے گئے ذوقِ نظر میرا

ترا محجوب کرنا ، اور ہنس کر ، وہ بھی رستے میں
پھر اس پر قہقہے لوگوں کے اللہ رے جگر میرا

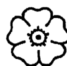
وہ چھوٹے، دل گیا، احباب روٹھے، آبرو کھوئی	نہیں معلوم، پھر جینا ہے کس اُمید پر میرا

بھلا ہر دل عزیزی تو کہاں محسودِ عالم ہوں
صفیؔ اِس دور میں تو عیب ہے گویا ہنر میرا



وہاں گئے تو بُلانے کا مدعا نہ ملا	نہ کچھ سنا نہ ہمیں اس نے کچھ کہا نہ ملا
کوئی جب اپنے برابر کا مبتلا نہ ملا	کسی نے کیا نہ دیا اور ہم کو کیا نہ ملا
نظر تو اس نے ملائی ہے میں نے دیکھا ہے	اب اس کو لوگ ہی سمجھیں گے وہ ملا نہ ملا
یہ اجنبی تری محفل میں پھوٹ ڈالیں گے	تری خوشی اُنھیں آپس میں اب ملا نہ ملا
ملے بھی مجھ سے وہ بیباک اور پوچھے بھی	تمھیں تلاش تھی جس کی کہو ملا نہ ملا
ارے جو اپنی ہی بھگتان میں نے بھگتی ہے	خدا کا شکر کوئی درد آشنا نہ ملا
ترے بُلانے پہ جو آس لے کے آیا تھا	کسی سے خیر مگر اس سے تو ملا نہ ملا
الجھ کے تم نے کچھ اس طرح ڈال دی گُتھی	کسی غریب کو پھر بات کا سِرا نہ ملا
خدا کو پوج کے جنت ملی تو کیا خوش ہو	معاوضہ یہ ہمیں اپنے کام کا نہ ملا
ملے ہی کیوں کوئی مجبور تو نہیں ہے وہ	نہ ملنے کا بھی اسے اختیار تھا نہ ملا
چلے بھی اور مجھے لے چلے بھی اندھا دھند	طریقِ عشق میں ایسا تو رہ نما نہ ملا
کسی کے جاتے ہی بے کیف ہوگئی محفل	رُکا نہ دَور مگر خاک بھی مزا نہ ملا

رہے نہ چین سے اظہارِ دردِ دل میں صفیؔ
تڑپ گئے کوئی پہلو اگر نیا نہ ملا



نہ پوچھ مجھ سے زمانہ کی وہ ملا نہ ملا	مجھے زمانے سے کیا تو ملا زمانہ ملا
سفید جھوٹ ہے یہ کوئی آشنا نہ ملا	ملا ضرور ہمارے مذاق کا نہ ملا

وہاں خدا بھی ملے گا نہ ہم غریبوں سے
جو ایک آدھ یہاں بندۂ خدا نہ ملا

کبھی کیا مری دیوانگی نے ہنگامہ
تو دیکھنا پھر اُنھیں گھر میں راستا نہ ملا

پسند ہوں تو بہکتی ہوئی نگاہ نہ ڈال
شکار کر تو ذرا تاک کر نشانہ ملا

برا سمجھتے ہو مجھ کو تو بے شک اچھے ہو
یقین ہے تمھیں اب تک کوئی برا نہ ملا

ملے ہیں آپ جس انداز سے خدا کی قسم
غریب سے کوئی اس طرح دوسرا نہ ملا

جفا کرو کہ وفا تم پہ حرف آئے گا
مرے فسانے سے کوئی اگر فسانہ ملا

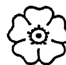
ترے فقیر تو بھوکے ہیں تیری صورت کے
جو تو ملا تو سمجھ لے اُنھیں خزانہ ملا

ہمیں جو زیست ملی رزق کو ملا حیلہ
ملا جو زیست کو غم موت کو بہانہ ملا

تمام باغ کا جو بن بہار تک ہی تھا
خزاں جو آئی تو پتّے کا بھی پتا نہ ملا

گلی گلی کی مقدر نے خاک چھنوائی
ہمیں تو رنج بھی جی بھر کے ایک جا نہ ملا

کسی سے ملنے کی عزت ملی صفی جب سے
ہزار رنگ سے آ آ کے اک زمانہ ملا



ہماری کچھ نہ سنی دل سے دل ذرا نہ ملا
ملا تو کیا ترے ملنے سے کچھ مزا نہ ملا

نبی تھے حضرت ایوبؑ کی تو بات کہاں
مگر ہمیں بھی کوئی صبر آزما نہ ملا

یہ کیا ہے ناصحِ مشفق نہ قافیہ نہ ردیف
کہو گے پھر کوئی ایسا تو بے تکا نہ ملا

جو ہاں میں ہاں بھی ملائی تو وہ برس ہی پڑے
گھُرک کے کہہ دیا خاموش بس گلا نہ ملا

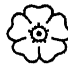
محبتی تو اشارے پہ جان دیتے ہیں
ابھی تک آپ کو اندازہ کچھ ملا نہ ملا

ملاپ ایسے برے دوست سے بھی پیدا کر
ترے لحاظ سے جو چار میں برا نہ ملا

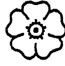
کسی سے عاشق و معشوق تو کھلے تو سہی
ملا موافقِ مرضی بھی کوئی یا نہ ملا

نگاہ ملتے ہی اس نے چھپا لیا منہ کو
یہ وقت تھا مگر اندازۂ حیا نہ ملا

جواب وعدہ پہ وہ سر جھکائے سوچ میں تھے ملائی آنکھ تو شاید کوئی بہانہ ملا
پناہ لی جو تری دل فریب صورت کی ازل سے حسن کو ایسا تو آسرا نہ ملا
یہ مسئلہ تو بہت صاف تھا خدا والو خدا کو ہم نہ ملے یا ہمیں خدا نہ ملا
زمانہ علم و ہنر کا ہے سیکھ علم و ہنر گیا وہ دور کہ ٹھوکر لگی خزانہ ملا
صفیؔ کے کام میں خوبی کہاں سے آئے گی
بُرے مزاج کا تھا پھر بُرا زمانہ ملا

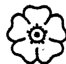


یوں تو ملنے کو اک زمانہ ملا نہ ملا ہاں وہ بے وفا نہ ملا
آشنائی میں کچھ مزا نہ ملا آشنا درد آشنا نہ ملا
جب ملے وہ کھچے تنے ہی ملے لطف ملنے کا اک ذرا نہ ملا
ہم نواسب خزاں کے آتے ہی ایسے پتّہ ہوئے پتہ نہ ملا
کھو کے دل کو ہم اس قدر خوش ہیں جیسے قارون کا خزانہ ملا
شاد کیا ہوں حصولِ جنت پر کہ رُپے میں سے ایک آنہ ملا
عاشقی کیا ہے سچ جو پوچھو تو ہم کو مرنے کا اک بہانہ ملا
زندگانی تھی یا پریشانی سب کیا اور کچھ مزا نہ ملا
روئیے اس کی بدنصیبی پر ڈھونڈھنے پر جسے خدا نہ ملا
مجھ سے ملنے میں کیا برائی ہے آپ کے دل کا مدعا نہ ملا
مل گیا دل جو ہم سے ملنا تھا آنکھ اب ہم سے تو ملا نہ ملا
کھچ کے ملنا بھی کوئی ملنا ہے ایک ہے وہ جو یوں ملا نہ ملا
پھر سمائی صفیؔ سے ملنے کی کیوں تمھیں کوئی دوسرا نہ ملا
قدر کرتا ہوں اپنی آپ صفیؔ
واہ مجھ کو بھی کیا زمانہ ملا



وہ اگر کچھ بھی مہرباں ہوتا کیا کہوں آج میں کہاں ہوتا
مرنے والو تمھاری بے صبری وہ کسی دن تو مہرباں ہوتا
تھی جو پستی ہی میری قسمت میں کم سے کم کوئی آسماں ہوتا
وہ نہیں ہے تو میں ہوں اپنے میں وہ جو ہوتا تو میں کہاں ہوتا
میرے دل میں اگر کشش ہوتی اپنے گھر میں جو ہے یہاں ہوتا
جی بہلتا جو آپ کا ہم سے آپ جو چاہتے یہاں ہوتا
آج کِس کی زبان اُٹھ سکتی تو اگر میرا ہم زباں ہوتا
دوست بننا جو سیکھ بھی لیتے ہیچ تھا! آپ سے کہاں ہوتا
مجھ کو پامال کرکے پچتاتے آپ کا مال رائے گاں ہوتا
طاقتِ صبر غم سے بڑھ جاتی خون گھٹتا تو دل جواں ہوتا
گھُور کر دیکھتا جو میں اس کو بدگماں اور بدگماں ہوتا
گر نہ ہوتے سراہنے والے تُو ہی کیا اپنا مدح خواں ہوتا
حسن ہوتا تو کیوں نہ ہوتا عشق راز ہوتا تو رازداں ہوتا
خیر گزری جو ہم ہوئے ورنہ تو خود اپنے سے بدگماں ہوتا
کیوں ہوا ہائے مجھ سا ناشدنی کوئی اپنے سے بدگماں ہوتا
ان کی گانے لگے یہ بے ہنگام ہم نشیں میرا ہم زباں ہوتا

دشمنوں نے مری شکایت کی
اے صفؔی کاش میں وہاں ہوتا



یہ دیکھو غیر اگر مطلب کا دیوانہ نہیں ہوتا
قبا بے جیب ہوتی پیرہن بے آستیں ہوتا

خدا رکھے مری دیوانگی میری محافظ ہے
جو ہوتی آستیں تو کوئی مارِ آستیں ہوتا

حجاب آیا تجھے ہم کو دلِ گم گشتہ یاد آیا
اگر ہوتا تو قربانِ نگاہِ شرم گیں ہوتا

بلائیں لیتے سینے سے لگاتے آرزو کہتے
ہمارا دل نشیں یا رب اگر پہلو نشیں ہوتا

نہ سہتا ناز بے جا بزم میں میری طرح دشمن
جو تم چیں بر جبیں ہوتے تو وہ چیں بر جبیں ہوتا

شبِ فرقت جو قبل از مرگ آئی شکر کرتا ہوں
برا ہوتا اگر یہ صدمہ وقت واپسیں ہوتا

وہ دشمن دوست ہے نامہرباں ہے سب سمجھتا ہوں
مگر میں کیا کروں جب چھوڑنے کو دل نہیں ہوتا

نہیں معلوم کیا کیا اور ہم گستاخیاں کرتے
غضب ہوتا اگر وہ زود برہم دور بیں ہوتا

کوئی وعدہ وفا ہو اُن کی عادت ہی نہیں لیکن
جو ہوتا بھی تو میری بات کا کس کو یقیں ہوتا

اگر اک آن مل کر خاک اڑاتے تیرے دیوانے
زمیں تاجِ فلک بنتی فلک کفشِ زمیں ہوتا

عدیم الفرصتی یا اب اسے مردہ دلی کہیئے
صفی سے آج کل تو شعر کہنا بھی نہیں ہوتا



اگر دشمن نہ ہوتے بھی تو وہ میرا نہیں ہوتا
یہ سب کہنے کی باتیں ہیں چناں ہوتا چنیں ہوتا

مجھے احباب سے کیا کام بننے کا یقیں ہوتا
یہ باتونی ہیں ان کے ہاتھ سے کچھ بھی نہیں ہوتا

علاجِ دردِ دل پہ اتنی شرطیں کیوں لگائی ہیں
نہیں ہوتا تو بس کہہ دیجے یہ ہم سے نہیں ہوتا

ازل میں وہ جو اک سرمایۂ دردِ محبت تھا
نہ ہوتا دل تو پھر کیا آسماں ہوتا زمیں ہوتا

جو کہتے تھے تمھارے واسطے ہے جان تک حاضر
وہ فرماتے ہیں اب یہ روز کا ملنا نہیں ہوتا

نہ وہ ان جان بن جاتے نہ وحشت جامہ در ہوتی
نہ اپنا ہاتھ میرے حق میں مارِ آستیں ہوتا

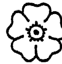
حسینوں کی کوئی کافر ادا ایسی بھی ہوتی ہے
کہ جو کچھ ہم سمجھ لیں اس کا مطلب وہ نہیں ہوتا

وہ روٹھے تھے تو میں بھی جان دیتا بات رہ جاتی
زمانے کی زباں پر آج شورِ آفریں ہوتا

دلِ بے مدعا پاتے تو تاثیر دعا پاتے
نکلتا جو ہمارے منہ سے اُن کے دل نشیں ہوتا

الٰہی مجھ کو دل دینے میں آخر مصلحت کیا تھی
اگر یہ چار انگل گوشت کا ٹکڑا نہیں ہوتا

صفؔی بھی اب گنا جانے لگا نازک مزاجوں میں
نہیں معلوم کیا کرتا اگر ظالم حسیں ہوتا



مرا ہر ایک نالہ اک نئے انداز میں ہوتا
جگر کا درد تھوڑا سا اگر آواز میں ہوتا

اُنھیں معلوم ہوجاتا قیامت ایسی ہوتی ہے
اگر کچھ ہوش پامال خرامِ ناز میں ہوتا

ترا دیوانہ بن کر اس قدر توقیر پائی ہے
جو دیتا جان اضافہ اور بھی اعزاز میں ہوتا

بدن میں خون تھا کرتے غمِ فرقت کی خاطر بھی
نہ روتے یوں اگر یہ دکھ ہمیں آغاز میں ہوتا

منایا کیا کہ اُن کو جان کا دشمن بنایا ہے
سلیقہ گفتگو کا کچھ مرے دم ساز میں ہوتا

مجھے تھوڑی بہت کچھ ناز برداری تو آجاتی
اگر اول سے آخر تک وہ اپنے ناز میں ہوتا

صفؔی کی شاعری کو ساحری تسلیم کر لیتے
تو اس کی ساحری کا بھی شمار اعجاز میں ہوتا



وہی ہے دل کا شبِ وصل بھی خفا ہونا
اب اس کو کیا کرے کوئی اب اس کو کیا ہونا

نہیں ہے عیب ترا روٹھنا خفا ہونا
کمال آدمی میں سب ذرا ذرا ہونا

تمھیں پسند ہے کیا عیش بد مزا ہونا
ہنسی ہنسی میں یہ کیا روٹھنا خفا ہونا

سنو بھی یہ کوئی بازار کی تو چیز نہیں
کہاں سے لاؤں جو دل تم کو دوسرا ہونا

وہ خود ملے ہیں تو اترا رہی ہے عقل مری
غضب ہے کام کا بھی حسب مدعا ہونا

جنون عشق کا آغاز ہو تو موت انجام
اس ابتدا کی تو ایسی ہی انتہا ہونا

چلو تمھارے ہی شاگرد ہیں ہم اس فن میں
مگر بتاؤ تو کس طرح بے وفا ہونا

اُٹھائے ہاتھ بھی آج اس سے مانگنے کے لئے
مگر یہ یاد نہیں ہے کہ ہم کو کیا ہونا

وہ بھول جائے تو کیا ہم بھی بھول جائیں اسے
وہ بے وفا ہے تو کیا ہم بھی بے وفا ہونا

نہ تم سے کان کے کچے سے دوستی رکھتی
نہ روز ایک نئے غم میں مبتلا ہونا

بھروسہ، آس، توقع، امید، اب کچھ ہے
کسی نے مان لیا میرا بے خطا ہونا

تم اپنے چاہنے والوں کو مانتے بھی نہیں
اسی کا نام ہے کیا عالم آشنا ہونا

حضور جس کو نہ ہو اپنی جان کی پروا
اسے محال نہیں آپ سے جدا ہونا

نہ جانے مجھ میں اثر ہے یہ کس کی صحبت کا
تلاش رہتی ہے ہر بات میں ادا ہونا

یہ کیا سناتے ہیں عاشق ہیں قدر کے قابل
تو آپ بھول گئے روٹھنا خفا ہونا

کسی سے صلح بھی ہے اب مخالفت بھی نہیں
نہ جانے کیوں ہے طبیعت کا بدمزا ہونا

صفی کو فکر نہیں دین اور دنیا کی
اسے تو آٹھ پہر دوست آشنا ہونا



ممنون کس کا کوئی غریب الوطن ہوا
مر کر بھی جس کا پیرہن اس کا کفن ہوا

صحرا میں بھی جو ساتھ وہ غنچہ دہن ہوا
کانٹے ہوئے جو پھول تو جنگل چمن ہوا

دیوانے پنج شاخ بنا کر جلائیں گے
جنگل میں چاک چاک مرا پیرہن ہوا

ناحق پھٹے میں پانو دیا بخیہ ساز نے
آخر گلے کا ہار مرا پیرہن ہوا

ہر ایک چیز پھر گئی آنکھوں کے سامنے
اس انجمن کا ذکر مجھے انجمن ہوا

ہر ایک گھور گھور کے دیکھا کیا مجھے
میں اُن کے پاس آئینہ انجمن ہوا

انسان سے ہے رونقِ گلزارِ کائنات
یہ پھول کِھل کے پھول کے جان چمن ہوا

کس کو پسند ہوتی ہے تکلیف دوست کی
فرش آگ کا خلیل کی خاطر چمن ہوا

عاشق کو جاں نثار بنانا بھی چاہئے
معشوق کیا وہ جس میں ذرا بانکپن ہوا

بے آسرے اسی کو غنیمت سمجھ گئے
لب پر ترے ہر ایک تبسم سخن ہوا

ناصح غریب کیا ہے بھلا اس کی رائے کیا
کیا یہ بھی میرے دوست کے منہ کا سخن ہوا

کہتا ہے رنگ اُن کے لبِ جاں نواز کا
توہین ہونٹ کی ہے جو لعل یمن ہوا

جب آگئی بہار تری یاد آگئی
ہر سالِ نو پہ تازہ یہ زخم کہن ہوا

یہ حسن و عشق ایک کے پھر ایک ہوگئے
نادان تھا جو بیچ میں میرا مرن ہوا

بدخواہ تیری فتنہ خرامی سے ڈر گئے
افواہ یہ اُڑائی کہ وہ بدچلن ہوا

تھی ناگوار شرکتِ محفل غریب کی
دل کا ملال اُن کی جبیں کا شکن ہوا

ساقی نے پھر سے عہد کیا میں نے پھر سے پی
پیماں شکن کے واسطے پیماں شکن ہوا

تکتا رہوں میں اس کو مجھے اس پہ پیار آئے
غنچہ نہیں صفی مجھے اُن کا دہن ہوا



بڑبول کیا ہوا جو بہار چمن ہوا
غنچے کے منہ میں خاک یہ اُن کا دہن ہوا

ایسی ہے ایک عاشق بے کس کی موت بھی
جیسا کوئی غریب غریب الوطن ہوا

آتے ہی موت دیس نکالا ہوا مرا
پردیس میرے واسطے میرا وطن ہوا

ہم دم نے حقِ دوستی برتا مزار پر
ناداں گرہ کشا نہ ہوا گورکن ہوا

غم بھی نہیں گیا تری فرقت میں رائیگاں
حیران ہوں کہ زہر بھی جز و بدن ہوا

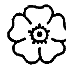
دل جس کے ایک گوشے میں کل کائنات ہے
کس طرح مجھ غریب کا جزوِ بدن ہوا

تیزی کر اپنے کام میں ہاں اے نگاہ یار
سکہ ہے اس کے نام جو شمشیر زن ہوا

داغِ فراق بھی دلِ صد چاک میں پڑے
یہ پھول مجھ کو پھول نہیں پھول بن ہوا

دنیائے عاشقی کی ہوا تک نہیں لگی
کورے ہیں دونوں شیخ ہوا برہمن ہوا

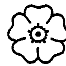
دم پر بنی تو بھول گئے اپنی چوکڑی آئی اجل تو نشۂ ہستی ہرن ہوا
فرقت میں اور آگ لگادی بہار نے جھونکا نسیم کا مرے دل کی جلن ہوا
اک حیلہ مل گیا ہے ہوائے بہار کا میں قدرِ توبہ جان کے توبہ شکن ہوا
پوچھو نہ اس غریب مسافر کی بے کسی دشمن بھی جس کے واسطے خار وطن ہوا
عاشقی کے حق میں جان کا دینا بھی شرط ہے کیا ہر پہاڑ کاٹ کہیں کوہ کن ہوا
آتا ہے یاد ہائے زمانہ شباب کا میں تھا کہ غم بھی کھایا تو جزوِ بدن ہوا
نادان بن کے بارِ امانت اُٹھا لیا گو اس میں چوُر چوُر ہمارا بدن ہوا
دل نے تڑپ کے بات ہماری بگاڑ دی جو راہ بر بنا تھا وہی راہ زن ہوا
گلشن کا یہ سماں کوئی گل چیں کو اب دکھائے گھر میرا آشیانۂ زاغ و زغن ہوا
ہر خودغرض کو دوست سمجھتا رہا صفی
میرے لئے عذاب مرا حسنِ ظن ہوا



ہر عیش اُس کے واسطے رنج و محن ہوا جس وقت بے وطن کو خیالِ وطن ہوا
ایسا فراق و وصل میں رنگِ وطن ہوا جنگل کا جنگل اور چمن کا چمن ہوا
یوں بھی تو ایک دن اُسے پھٹنا تھا شکر ہے نذرِ جنونِ عشق مرا پیرہن ہوا
محفل میں حال کہہ نہ سکا میں حجاب سے یہ پوچھنا تو مفت کرم داشتن ہوا
ناداں قمیص حضرتِ یوسفؑ تو یہ نہیں ہونے بھی دے جو چاک مرا پیرہن ہوا
کیوں فکر دوستوں کو ہو میرے جنون کی کس کے گلے کا ہار مرا پیرہن ہوا
کپڑا نہیں غبار سہی کوئے یار کا تن جس سے ڈھک گیا وہ مرا پیرہن ہوا
تھی اُن سے دوبدو کی ملاقات بھی تو کیا سو بار مجھ سے تذکرۂ انجمن ہوا
بدخواہ کی بھی شکل مجھے دیکھنی پڑی میں اُن کے پاس آئینہ انجمن ہوا

تھا وصل میں شگفتہ دلِ داغ دار بھی جادو کا باغ سحر کا گویا چمن ہوا
ہے قلب تفتہ سینۂ پر داغ کی بہار یہ ایک پھول روح روانِ چمن ہوا
اب تک اَنا سے کام کسی کا کہاں بنا مجنوں سے اُس سرے کا یہ دیوانہ پن ہوا
باتونیوں کی بات کوئی مانتا نہیں ناصح سے وقت کٹنے کو میں ہم سخن ہوا
ہاں بھی نہیں، نہیں بھی نہیں عرض شوق پر اُن سا کہاں جہاں میں کوئی کم سخن ہوا
منظور غیر کی بھی نہیں مجھ سے بات چیت اُس سے نہ بولے مجھ سے اگر ہم سخن ہوا
مجھ کو سنی سنائی پہ کب آیا اعتبار رنگِ بہار دیکھ کے توبہ شکن ہوا
پیرِ مغاں پہ دوش نہ احساں بہار پر اپنی غرض کے تحت میں توبہ شکن ہوا

آدھی صدی کو پانچ برس ہی تو کم رہے
شاباش کب صفی کو خیالِ وطن ہوا



وہ واقعات کسے یاد اِک زمانہ ہوا کسی نے کیا نہ کیا اور ہم پہ کیا نہ ہوا
مرا برا تو مرے حسبِ مدعا نہ ہوا بھلا ہوا بھی تو کوئی مرا برا نہ ہوا
دکھاتے ہم دلِ پُر داغ کی بہار اُسے یہ منظر اور ذرا سا بھی خوش نما نہ ہوا
کسی کا دردِ محبت اگر تھا کم مایہ تو ٹھیر ٹھیر کے پھر کیوں ذرا ذرا نہ ہوا
ترا ارادہ مبارک تجھے مگر اے دل یہ نقش پا اگر اُس کا ہی نقش پا نہ ہوا
ستم کرے بھی تو سمجھوں کہ یہ ستم ہی نہیں خفا ہوا بھی تو جانوں کہ تو خفا نہ ہوا
کیا جب آنے کا اقرار آپ بھول گئے یہ ایک وعدہ تو شاید کبھی وفا نہ ہوا
زمانہ آپ کو عاشق نواز کہتا ہے یہ سچ بھی ہو تو کبھی ہم کو کچھ عطا نہ ہوا
وہ کیا کہیں گے جو اقبال ہی نہ ہو مجھ کو وہ کیا کریں گے جو میں قابلِ خطا نہ ہوا
اگرچہ شیخ میں لاکھوں کرامتیں آئیں مگر یہ بندے کا بندہ رہا خدا نہ ہوا

رضائے دوست کے ہوتے ہیں اور کیا معنی — کہ مجھ سے اُن کا کبھی آج تک گلا نہ ہوا
وہ خود ملے تو بتا کیا جواب دوں اے دل — یہ عذرِ لنگ ہے کوئی بھی رہ نما نہ ہوا
صفی نصیب بُرے ہوں تو کیا کرے کوئی
نہیں تو قیس بھی کچھ آدمی بُرا نہ ہوا



خیال بھی کسی بیمار کا ذرا نہ ہوا — خوش آمدید کہاں تھے بہت زمانہ ہوا
ہم اُن کے سامنے مجبور ہو کے رو دیں گے — اگر زبان سے اک حرف بھی ادا نہ ہوا
زمانہ دیکھ نہ لے چشم دل سے کیا دیکھوں — اس آنکھ کو تو پلک کا بھی آسرا نہ ہوا
جواب اگر نہیں دیتے تو زہر دے دیتے — بڑے ہوئے بھی تو دل آپ کا بڑا نہ ہوا
فراقِ دوست سے بھی جان بچ گئی افسوس — یہ زہر بھی تو مرے درد کی دوا نہ ہوا
ترے سوال کا اب کیا جواب دوں ناصح — یہ کب کی بات ہے مدت ہوئی زمانہ ہوا
وہ خوش رہے کہ نہ رکھا مجھے کسی دن خوش — بھلا ہو اس کا کہ اس سے مرا بھلا نہ ہوا
وہ سب کے واسطے اچھا ہو میرے حق میں برا — ہزار شکر کہ جو کچھ ہوا بُرا نہ ہوا
جوابِ شکوہ بھی کیا خوب میں ترے صدقے — یہ میرا وہم ہے تُو تو کبھی خفا نہ ہوا
مجھے کیا ہے اچٹتی نگاہ نے بسمل — مبارک آپ کا یہ تیر بھی خطا نہ ہوا
یہ میرا قول نہیں تم کو لوگ کہتے ہیں — کہ آج تک وہ کسی کا بھی آشنا نہ ہوا
اگرچہ اور ہزاروں مسرتیں پائیں — وصالِ یار مگر تو کبھی مرا نہ ہوا
خدا سے دولتِ دنیا صفی میں کیا مانگوں
غضب ہوا جو مرا کام بے دعا نہ ہوا



عدو نے جرم کیا اور تو خفا نہ ہوا
یہ سچ ہے یا نہیں ایسا کبھی ہوا نہ ہوا

ہماری بے ادبی کا اثر برا نہ ہوا
خدا کا شکر وہ شرما گیا خفا نہ ہوا

تمھارا عشق اُسے ہوگیا مقدر سے
جو آج تک کسی آفت میں مبتلا نہ ہوا

تمھارے واسطے کیا کیا نہیں کیا میں نے
تمھارے واسطے کس کس سے میں بُرا نہ ہوا

نہ جانے ہوتی ہے پھر اور عاجزی کیسی
یہ سر کبھی ترے قدموں سے تو جدا نہ ہوا

غمِ فراق بھی تھی کس مزے کی چیز کہ ہائے
کبھی زباں سے ترا شکریہ ادا نہ ہوا

وہ اب نہ آئے تو جانو کہ موت ہی آئی
ہمیں پہنچ گئے نالہ اگر رسا نہ ہوا

جنابِ دل! یہ لب و لہجہ اور وہ دعوے
خطا معاف ، خوشامد ہوئی گلا نہ ہوا

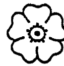
جو روئے بھی تو دکھانے کو دوست کے روئے
اگر ہوا بھی تو یہ کام بے ریا نہ ہوا

جنونِ عشق تجھے یاد کرکے روتا ہوں
گئے دنوں میں کبھی قصد التجا نہ ہوا

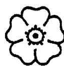
دکھاتے ہم کسی کافر کی شوخیاں دم نزع
اب ایسے وقت کوئی بندۂ خدا نہ ہوا

زمانہ دوسرا، دن دوسرے ہوئے تو ہوئے
وہ دوسرے نہ ہوئے میں تو دوسرا نہ ہوا

صفؔی نہ تھی کوئی مسجد جنابِ ناصح کو
پسند خاطرِ اقدس غریب خانہ ہوا



"ب"



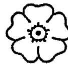
وہ لاجواب ہوکے بھی کہلائیں لاجواب
خاموشی بھی ادا میں ہو شامل تو کیا جواب

سو سو جواب ہیں تری ایک ایک بات کے
انجام پر نظر ہے جو بنتا ہوں لاجواب

کیا جانتا ہوں ان کو میں لوگوں سے کیا کہوں
ممکن نہیں کسی سے بھی ہر بات کا جواب

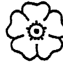
مانگی ہے موت اور نہ مانگی دعائے وصل — دیں گے لبِ سوال قیامت میں کیا جواب
گویا ہیں یہ حسین بھی چینی کی مورتیں — ملتا نہیں ہے ان سے کسی بات کا جواب
جب سے وہ میرے دل میں ہیں میں خود پرست ہوں — کیا بات لاجواب کی ہر بات لاجواب
کیا دوستوں میں ہوتی ہے ایسی ہی بات چیت — دے دیتے ہیں وہ صرف مری بات کا جواب
دشمن بھی تیز ہو تو میں عاشق بنا رہوں — سب کچھ دیا جو تڑ سے دیا بات کا جواب

آیا ہے خط میں اک ورقِ سادہ اے صفؔی
گویا اب اس نے صاف مجھے دے دیا جواب



وہ دور اور دور کی اپنی نظر خراب — اے طالبانِ دید رہے عمر بھر خراب
کی میں نے بددعا مگر اچھا رہا رقیب — یعنے ہوا خراب دعا کا اثر خراب
پہلے سے تھے وہ کون سے اچھے مزاج کے — تقدیر سے پھر اس پہ ملا نامہ بر خراب
وہ بدسلوک تھے نہ مرے دوست بدزباں — تو نے مجھے کیا مگر اے چشمِ تر خراب
چھوڑو خدا کے واسطے یہ بدگمانیاں — میں بھی اِدھر خراب ہوں تم بھی اُدھر خراب
دل خانۂ خدا ہے نگہ داشت اسکی کر — اچھا نہیں رہے گا ہوا یہ اگر خراب
ہر ایک کو نہ دیکھ محبت کی آنکھ سے — بے احتیاط کرتے ہیں اپنی نظر خراب
بندوں پہ رحم چاہئے بندے خدا سے ڈر — ہوتا ہے ایک آن میں ظالم کا گھر خراب
ساقی ترے اُلش کا مزہ اور رنگ اور — جھوٹی ہر ایک منہ کی نہ دے منہ نہ کر خراب
بیمارِ عشق کا کہیں اچھا ہوا بھی ہے — اوقات اپنی کرتے ہیں کیوں چارہ گر خراب
ذوقِ نظر نواز کے جلوے تلاش کر — کچھ تو نظر کی لاج بھی ہاں اے نظر خراب

اب مے کدے کی خیر ہو اے پیرِ مے کدہ
سنتے ہیں ہو چکا ہے صفؔی کا جگر خراب

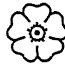


مٹی ہوی جو کوہ کن و قیس کی خراب
دونو میں ایک بات بھی ایسی نہ تھی خراب

حالت ہماری دردِ جدائی نے کی خراب
کیا موت ٹھیک ہو جو رہے زندگی خراب

کیوں میرے چاند چاند گہن کا ملال کیوں
کیا تیری انجمن کی ہوئی روشنی خراب

مرتے کے ساتھ کوئی بھی مرتا نہیں صفؔی
ہوتا نہیں خراب کی خاطر کوئی خراب



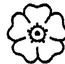
ادھورا ہی کیا ہر اک سے وعدہ
کسی کو تم نے دی پوری زباں کب

کب آئے گی قیامت کیا بتاؤں
چلے گا چال اُن کی آسماں کب

کدھر کو بہ گئے تم؟ بات یہ تھی
ہمارے میہماں ہو گے تو ہاں کب

ڈھنڈورا آپ ہی پیٹا کیے ہیں
کیا میں نے کسی کو رازداں کب

صفؔی کی آرزو سب سے نئی ہے
ملا ہے حسبِ مرضی قدرداں کب



منظور آپ کو جو میرا امتحاں ہے اب
آنکھوں میں پیار دل میں محبت کہاں ہے اب

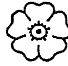
وہ ہم کہاں وہ تیری محبت کہاں ہے اب
اِک دوستی کی لاج فقط درمیاں ہے اب

وہ کیا بدل گئے کہ زمانہ بدل گیا
دیکھو وہی زمین ہے وہی آسماں ہے اب

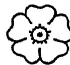
رونے میں کچھ اثر ہے نہ ہنسنے میں کچھ مزا
غم ناگہاں ہے اب نہ خوشی ناگہاں ہے اب

سو بار ترکِ عشق پہ وعدہ خلاف ہوں
گویا مری زبان تمہاری زباں ہے اب

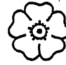
تعریف غیر کی ہے وہاں رات رات بھر — وہ فتنہ گر ہے اور وہی داستاں ہے اب
برہم ہوئے ہیں وہ مرے عرضِ وصال پر — دیکھے کوئی کہ دید کے قابل سماں ہے اب
لوگوں سے میل تھا وہ طبیعت نہیں رہی — ہر آدمی پہ مجھ کو تمہارا گماں ہے اب
لب پر فغاں نہ آنکھ میں آنسو نہ دل میں درد — میں کیا کروں زمانہ اگر مہرباں ہے اب
نا مہربانیوں کی ادا عام ہوگئی — کچھ اپنے آپ پر وہ بہت مہرباں ہے اب
میں اب بھی اُن کی آس رکھوں لیکن اے صفی
وہ صلح کل پسند طبیعت کہاں ہے اب



وہ ہم کہاں، وہ تیری طبیعت کہاں ہے اب — اک دوستی کی لاج فقط درمیاں ہے اب
اس کی روش اُڑائی ہے ہر ایک ظلم میں — یہ چرخ پیر، پیر نہیں ہے جواں ہے اب
وہ رشکِ ماہ، غیرتِ خورشید، اور میں — گویا زمین میرے لئے آسماں ہے اب
عُشاق کے مزار کی یہ پائے مالیاں — تو اے عدو کے نام، عدوے نشاں ہے اب
سُنتے ہیں ایک وہ، تو سناتے ہیں دس مجھے — برداشت ہی مزاج میں ان کی کہاں ہے اب
یہ دل وہ ہے کہ اس سے کبھی بدگماں تھے آپ — وہ آپ ہیں، کہ آپ سے دل بدگماں ہے اب
تیری ''نہیں'' بھی سننے کی طاقت نہیں رہی — اتنا سا غم بھی، مجھ کو غمِ دو جہاں ہے اب
داغوں نے گُل کھلائے نگینے سے جڑ دیئے — عاشق کا دل نہیں یہ تمہارا مکاں ہے اب
کس کو ملالِ عشرتِ اغیار اے صفی
دل کو خیالِ بے دلیٔ دوستاں ہے اب



"پ"



کیوں ہٹے اُس رخِ روشن سے نظر آپ سے آپ
جس کی دہلیز پہ جھک جاتا ہے سر آپ سے آپ

تیر ہوتی ہے حسینوں کی نظر آپ سے آپ
زد میں آجاتے ہیں دل اور جگر آپ سے آپ

خیر ہے کیوں یہ عنایت کی نظر آپ سے آپ
میرے غم خانے میں آج آپ کدھر آپ سے آپ

دل میں ہر شخص کے کرتے ہیں یہ گھر آپ سے آپ
نازنین ہوتے ہیں منظور نظر آپ سے آپ

دور بیں ہوتی نہیں کوئی نظر آپ سے آپ
چھوڑتا ہے کہیں جی کوئی بشر آپ سے آپ

نازنینوں کی نگاہوں میں کھٹک جاتی ہے
پیار کی آنکھ محبت کی نظر آپ سے آپ

یاس انسان کی ہمت نہیں بڑھنے دیتی
بیٹھی جاتی ہے کچھ اس طرح کمر آپ سے آپ

عاشقی میں کوئی استاد نہ کوئی شاگرد
طاق اس کام میں ہوتا ہے بشر آپ سے آپ

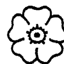
نہ تکلم نہ تبسم نہ اشارہ نہ ادا
ماہ وش ہوتے ہیں منظورِ نظر آپ سے آپ

بن سنورنا ہی ضروری نہیں مہ پاروں کا
چشم بددور انہیں ہوتی ہے نظر آپ سے آپ

حسن والوں کو ضرورت ہی نہیں پردے کی
جھینپ جاتی ہے گنہ گار نظر آپ سے آپ

آپ جو روز اِدھر سے نہیں گزرا کرتے
کیا مہکتی ہے مری راہ گزر آپ سے آپ؟

آپ سے آپ صفؔی کو نہیں آتا رونا!
اور آجاتا ہے رونے میں اثر آپ سے آپ



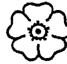
چور بھی آپ بنیں پھر خفگی آپ ہی آپ
کیا کہا؟ "کس نے لیا دل کو؟" اجی آپ ہی آپ

نام لینے سے کبھی تو وہ بگڑ جاتے ہیں
اور پھر چھیڑ بھی کرتے ہیں کبھی آپ ہی آپ

رشکِ دشمن نے جلایا نہیں مجھ کو نہ سہی
آپ ہی کہیے کہ یہ آگ لگی آپ ہی آپ

تیرے عشاق بھی کچھ کم نہیں دیوانوں سے — آپ ہی آپ ہے رونا تو ہنسی آپ ہی آپ
آپ کا عکس ہے آئینے میں کچھ میں تو نہیں — یہ اشارے یہ تبسم یہ ہنسی آپ ہی آپ
حالِ دل کہنے سے مطلب ہے سنانے سے غرض — اور کوئی نہ سہی تو نہ سہی آپ ہی آپ

نہ لیاقت ہے نہ صورت ہے نہ کچھ زور نہ زر
اینڈتے پھرتے ہیں پھر کیوں یہ صفی آپ ہی آپ



کیوں رہے منہ میں زباں رکھ کر لوئی ناچار چپ — رہ چکے اک بار چپ، دس بار چپ، سو بار چپ
میں ہی چپ رہتا ہوں جو رہتے نہیں اغیار چپ — آپ کی خاطر ہے مجھ کو، خیر، اور اِک بار چپ
چُپ رہا اب تک تو، چندے اور میرے یار چپ — چپ کی داد اللہ دیتا ہے دلِ بیمار چپ
یہ متانت اس طرح چپ سادھ لے کچھ ہوں نہ ہاں — ایک کے دس جو سنائے ہائے وہ طرار چپ
دی صلاحِ نیک تو کہتے ہو بس چپ بیٹھئے — اس میں میرا خرچ کیا ہوتا ہے لو سو بار چپ
میں نے آنکھیں بند کرلیں تو وہ سمجھے سو گیا — اور میں دم سادھ کر دیکھا کیا ہشیار چپ
دیکھ لینے کا سماں ہے دیکھ، محوِ انتظار — شکل درِ آغوش وا ہے، صورتِ دیوار چپ
منہ میں رکھتا ہے زباں، ہے طاقتِ گفتار بھی — کون میری طرح بیٹھے گا مرے سرکار چپ

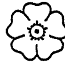
چھیڑ کر کچھ اور بھی باتیں ابھی سننے کی تھیں
اے صفی میں عین موقع پر ہوا بے کار چپ



کس طرح ہر سوال کا دیں گے جواب آپ — کیا خود کو جانتے ہیں خدا کی کتاب آپ
دیتے نہیں کسی کو کسی بات کا جواب — اب ہم بھی مانتے ہیں کہ ہیں لاجواب آپ

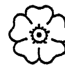
اچھا ہے یا بُرا ہے صفی یہ نہ پوچھئے
چپ سادھ کر بنا تو ہے اپنا جواب آپ

"ت"



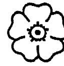
سر دُھنے، جو سنے تمہاری بات ‏ چاہئے پیارے منہ سے پیاری بات
وجہ گریہ نہ پوچھو محفل میں ‏ عام ہو جائے گی تمہاری بات
بات کا تو جواب دو مجھ کو ‏ کہ نہیں غیر اختیاری بات
آدمی کی ہو بول چال ایسی ‏ نہ ہو دل پر کسی کے بھاری بات
لوگ سب ہاں میں ہاں ملاتے ہیں ‏ کاٹتا کون ہے تمہاری بات
میری ہر بات زہر لگتی ہے ‏ بس یہی آپ کی ہے ساری بات
بات میں لطف جب نہ دیکھو گے ‏ تم کو یاد آئے گی ہماری بات
کبھی اک آدھ بات ہم سے بھی! ‏ ورنہ کھل جائے گی تمہاری بات
بات کرنے کے ہیں ہزار طریق ‏ تم سنو تو سہی ہماری بات
آپ کی بات سب میں رہ جائے ‏ آپ رکھ لیں اگر ہماری بات
وہ کہیں چوکتے ہیں طعنوں سے ‏ کوئی موقع ملا، کہ ماری بات
"ہے محبت کو حوصلہ لازم" ‏ چھین لی آپ نے ہماری بات

نہیں رکھتے ذرا لگی لپٹی
کون مانے صفؔی تمہاری بات

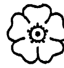


نہیں یہ بات میری جھوٹی بات ‏ بات کی تم نے اور چھوٹی بات
مجھ سے شکوہ ہے آپ کا پھر کیوں ‏ یاد رہتی نہیں جو جھوٹی بات
ہم بڑی بات اس کو سمجھے تھے ‏ بات کرتے میں اس سے چھوٹی بات

جھوٹ کو وہ سمجھتے ہیں سچ ہے　　سچ کو وہ جانتے ہیں جھوٹی بات
بات میں بات آپ کرتے ہیں　　کیا کہوں سو جگہ سے ٹوٹی بات
لوگ سب سن کے مجھ سے کہتے ہیں　　ہاں! ملاقات اس سے جھوٹی بات
مرحبا، واہ، آفریں، شاباش　　آپ کے منہ سے اور جھوٹی بات
اے صفی شاعری میں یہ پایا
میری ہر بات اب ہے جھوٹی بات



نہ کر بات سن لے مگر ایک بات　　نہیں ہوتی کہنے کی ہر ایک بات
اُسے تو ہے دل کی لگی۔ دل لگی　　کہی میری ہر بات پر ایک بات
کسی بات پر جب چھڑی حیص بیص　　رہی اُن سے دو دوپہر ایک بات
یہ اے حضرتِ عشق کیا طور ہیں　　اِدھر ایک بات اور اُدھر ایک بات
ستانا تجھے فتنہ گر اک ہنسی　　بہانہ تجھے، حیلہ گر ایک بات
کسی کی بدی میں نہ پڑ اے صفی
مری جان سب کر نہ کر ایک بات

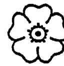


شمع پر روشن ہوئی جس رات پروانے کی بات　　جل مرا بے چارہ! تھی بھی جل کے مرجانے کی بات
ایک بھی بے جا نہیں مجنوں کے افسانے کی بات　　عام دیوانے نہ سمجھے خاص دیوانے کی بات
کرتے ہیں معشوق ہر عاشق سے تڑپانے کی بات　　اختلاجِ دل نہیں کچھ ایسے گھبرانے کی بات
میں انہیں جو کچھ سمجھتا ہوں سمجھ لو دوستو!　　بے کہے بھی کوئی، ہوتی ہے سمجھ جانے کی بات
یوں برے تیور بنا کر دل لگی اچھی نہیں　　خوف کے مارے کسی کا دم نکل جانے کی بات



الٰہی ایک ہے اُس رشکِ ماہ کی صورت نکال دے کوئی، مجھ سے نباہ کی صورت
نہ پوچھ مجھ سے کہ تو نے عدو کو دیکھا ہے خدا دکھائے نہ اس روسیاہ کی صورت
گئے جوان کے وہ دن سن تو یہ ہوا بدلی نظر نہ آئی کسی خیر خواہ کی صورت
یہ بے کسی ہے رقیبوں سے رو کے کہتا ہوں تمہی نکال دو کوئی نباہ کی صورت

صفیؔ ارادہ ہوا ہے جو ڈوب مرنے کا
دکھائی چاہ[1] نے آخر کو چاہ[2] کی صورت

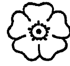


کرے کیا ترا قدردانِ محبت عداوت پہ جب ہو گمانِ محبت
پڑھے جو مری داستانِ محبت تو دشمن بھی ہو مدح خوانِ محبت
نہ کر ترک آہ و فغانِ محبت نشانِ محبت ہے شانِ محبت
ملا کس کو ذوقِ بیانِ محبت زبانِ محبت، دہانِ محبت
محبت کرے حکمرانِ محبت تو پھر اللہ اللہ شانِ محبت
اجازت مجھے در پہ رہنے کی دے دی سلامت مرے قدردانِ محبت
نہیں ایسی پر لطف کوئی کہانی پڑھو دوستو داستانِ محبت
پکار اٹھی عقلِ بشر مَا عَرَفْنَا نہ بوجھی گئی چیستانِ محبت
بہ ظاہر عداوت کا ہوتا ہے دھوکہ وہ لیتے ہیں جب امتحانِ محبت
مرے رازدانوں پہ وہ کیوں نہ بگڑیں یہ ناداں نہیں رازدانِ محبت
جو شہرت ہوئی قیس و فرہاد ہی کی یہی دو تھے کیا واقفانِ محبت
محبت نہ ہو جان کی آدمی کو یہی ہے محبت میں جانِ محبت

صفیؔ کی طبیعت نے جب زور باندھا
غزل بن گئی داستانِ محبت

---

[1] محبت [2] کنواں



ہر طرح بے احتیاجی، دیکھنے کو رُوئے دوست
ساکنانِ خلد ہیں یا ساکنانِ کوئے دوست

سرفروشی کے مزے لیتا ہے ہر اک جاں نثار
واہ کیا میٹھی چُھری ہے خنجرِ ابروئے دوست

موت بھی آتی تو مجھ کو ہوش میں آنا نہ تھا
اب کہاں وہ سرفرازی اور وہ زانوئے دوست

یاد ہیں وہ رنگ جب ساغر اٹھایا ہاتھ میں
ابرِ رحمت بن گئے میرے لئے گیسوئے دوست

بے ادب دو دو قدم آگے نکل جاتا ہوں میں
حوصلہ اس کا جو لے جاتا ہے مجھ کو سوئے دوست

لو چراغ داغ دل بھی اب تو ٹھنڈا ہو گیا
اور وہ سمجھے ہیں شاید گرم ہے پہلوئے دوست

یا وہ چھپ کر آ گیا ہے یا ہوا کا ہے فریب
دوستو آخر ذرا دیکھو یہ کیسی بوئے دوست

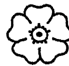
آج رونے میں رہا ناصح برابر کا شریک
آج گویا مجھ کو اک دشمن سے آئی بوئے دوست

لطف آ جائیں محبت کے عداوت کے مزے
دل پہ میرا بس ہو جیسا مجھ پہ ہے قابوئے دوست

میری ہر آفت کا ساتھی ہر مصیبت کا شریک
ہائے وہ دل دوست جیسا قوتِ بازوئے دوست

سونگھتا پھرتا ہوں باغِ دہر کا ایک ایک پھول
اس تمنا میں کہ آ جائے کسی سے بوئے دوست

دوست کو دشمن سمجھنا بے وقوفی ہے صفی
کیا نہیں پہچانتے وہ خوئے دشمن خوئے دوست



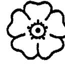
اُن کو سکھائے کون درست اور نادرست
وہ جو کہیں تو سب کہیں جی ہاں بجا درست

باقی حکایتِ دلِ مہجور پھر کبھی
اس وقت کچھ نہیں ہے مزاج آپ کا درست

ساقی عطائے خاص پہ ہے مجھ سے دادخواہ
اور آج ہی نہیں مرے منہ کا مزا درست

جیسے سے ویسی بات ہے کیا تجربے کی بات
دشمن کو جب درست کیا تو ہوا درست

اپنے کمال پر ہے اگر ناز اے صفی
ظاہر بھی رکھ بہ قدرِ ضرورت ذرا درست



اپنی خطا سمجھتے ہیں اب تک خطائے دوست　　اللہ رے ہجومِ خیالِ رضائے دوست

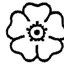
رسوا ہوں اپنی دیدہ وری سے جہان میں　　لیکن ضرور ہے ادبِ نقشِ پائے دوست

اب یہ ہوا کہ آمد و رفت اپنی بند ہے　　وہ دن کہ ہم تھے زینۂ دولت سرائے دوست

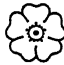
ہم نام لے کے اور بھی کیوں دشمنی بڑھائیں　　جو خود نہ بن سکے وہ تجھے کیا بنائے دوست

بستی کے باہر اور کہیں جا کے رہ صفؔی

ظالم یہ رات دن کی سنے کون ہائے دوست



"ط"



سچا نہ بن نہ کھا قسم اے میرے یار جھوٹ　　کہتے ہیں ایک جھوٹ کی بیچ میں ہزار جھوٹ

کس کو سراہتے تھے وہ محفل میں کیا کہوں　　منہ سے نکل گیا مرے بے اختیار جھوٹ

سنتا ہوں جھوٹے وعدے بھی کرنے لگے ہیں وہ　　کر اس خبر کو اے مرے پروردگار جھوٹ

مجھ سے وہ بل کی لیتے ہیں کچھ خواہ مخواہ بھی　　شائد کہی کسی نے کوئی پیچ دار جھوٹ

قاصد تو اس غلام سے بھی کچھ سوا ملا　　کہتا تھا سال بھر میں جو بس ایک بار جھوٹ

سچ کو کبھی فروغ نہ ہو جھوٹ پر تو کیا　　سچ پھر بھی سچ ہے جھوٹ ہے اے میرے یار جھوٹ

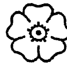
ترکِ محبت آپ سے کر کے دکھا دیا　　دیکھا کہ ہے یہ جھوٹ بھی کیا وضع دار جھوٹ

رو کر بھی ہم نے دیکھ لیا سچ ہے اے صفؔی

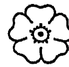
تاثیر آہ و زاریٔ شب ہائے تار جھوٹ

دلِ پُر درد پر دنیا کی ہر چوٹ　　ارے صدمے پہ صدمہ چوٹ پر چوٹ
تبسم نے کسی کے مار ڈالا　　قیامت ڈھا گئی یہ مختصر چوٹ
وہ کیوں آئے مری باتوں کی زد میں　　کہیں دانستہ کھاتا ہے بشر چوٹ
جوانی اور ایسی بھر جوانی　　نہ چل دے تم پہ کوئی بدنظر چوٹ
دُکھا کرتا ہے اکثر دُکھ بھرا دل　　لگا کرتی ہے اکثر چوٹ پر چوٹ

صفی دانستہ کیوں کھاتے ہو دل پر
پرانی پڑ کے کر لیتی ہے گھر چوٹ



"ث"

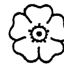


پھر آج عاشقی پہ ہے کیوں میرے یار بحث　　اس ایک بات پر تو ہوئی لاکھ بار بحث
دیکھو بہت برا ہے بروں کو سراہنا　　پھر تم نے چھیڑ دی ہے وہی ناگوار بحث
ہے بحثنا تو اپنے مقابل سے بحثیے　　کیا کر سکے بھلا یہ اطاعت گزار بحث
تم آج میہمان ہو میں میزبان ہوں　　میں کچھ نہیں کہوں گا کرو تم ہزار بحث
بے دل خدا کے واسطے اے بدگماں نہ کر　　ایسا نہ بات بات پہ تو بار بار بحث
یہ کوئی مدرسہ نہیں اے پیرِ مئے کدہ　　ہرگز نہ کرنے پائے کوئی مئے گسار بحث
عشق اور صبر ٹک نہ سکا ایک دم رقیب　　ناپائدار مسئلہ ناپائدار بحث
بے حیص بیص کام ہو یا حیص بیص سے　　اب تجھ کو اس سے کیا کیا ہے دل بے قرار بحث
دم ناک میں ہے قائل و معقول سے مرا　　کرتا ہے روز مجھ سے مرا راز دار بحث

بھرتا نہیں نگاہ میں زاہد ہے منحنی — کم زور کیا کرے گا بھلا زور دار بحث
معشوق بے نیاز تو عاشق نیاز مند — یہ بحث واقعی ہے ذرا پیچ دار بحث
ناصح ذرا وہاں بھی یہ قانون چھانٹنا — ہے منکر و نکیر سے زیرِ مزار بحث
عاشق تو بحث و حث کبھی جانتے نہیں — کرتے ہیں جان دینے میں کب جاں نثار بحث
کیا عام ہوگئے ہیں محبت کے واقعات — کرنے لگا ہے ان پہ تو اب ہر گنوار بحث

وجہِ غزل یہ مصرعِ صائبؔ ہے اے صفؔی
"تا صلح ممکن است مکن اختیار بحث"

"ج"



اپنا دلِ مایوس بہل جائے کہیں آج — افسوس جو امید تھی کل تک وہ نہیں آج
تھیں پیار کے قابل ترے غصے کی ادائیں — شرمندہ تجھے کرکے ہیں شرمندہ ہمیں آج
اپنا جو وہ سمجھیں تو عنایت ہے یہ اُن کی — میں تو یہ سمجھتا ہوں کسی کا میں نہیں آج
زندہ ہوں ابھی کس لئے تکلیف اٹھائی — کل تک بھی جہاں آپ تھے رہنا تھا وہیں آج
دیکھے تو کہاں دیکھے کوئی دیکھنے والا — اُن کی تو یہ حالت ہے کہیں کل ہیں کہیں آج
اس کو بھی سمجھتا تھا تری ایک ادا میں — دیکھی نہ گئی دیکھ مری چینِ جبیں آج
اے رشکِ عدو تُل نہ سفارش پہ کسی کی — میں خوب سمجھتا ہوں مرا کوئی نہیں آج

تھا ایک جہاں گردِ صفؔی تم کو خبر کیا
ہم سے اسے پوچھو یہ ہوا گوشہ نشیں آج



"ح"

عشق کی کرتے اطاعت لوگ طاعت کی طرح
کاش ہوتا یہ بھی حسنِ خوبصورت کی طرح

سہل ہوتی موت بھی مجھ کو محبت کی طرح
صاف ہوتا دوست کا دل بھی جو صورت کی طرح

اُن کے آنے کو سمجھ لوں کس طرح برحق ندیم
آئیں گے کیا موت کی صورت قیامت کی طرح

کنج عزلت دوستوں میں قید خانے کا ہے نام
اور ہے یہ قید خانہ ہم کو جنت کی طرح

اتفاقاً عیش کی کچھ آس جو ہو بھی گئی
یاد اُس کی آگئی ہے میری شامت کی طرح

صاف آنکھیں پھیرلیں اے چارہ گر شاباش واہ
کر گیا یہ کام تو اس بے مروت کی طرح

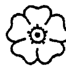
حق نگر کے واسطے ہر آن نازک وقت ہے
اور نازک بھی حسینوں کی طبیعت کی طرح

کچھ اسی کے دل سے پوچھو عمر کے دن کاٹنا
زندگی پڑ جائے جس کے سر مصیبت کی طرح

ٹک نہیں ہوتا پریشاں خاطروں کی بات میں
شکر کر جاتے ہیں بے چارے شکایت کی طرح

ختم ہوجاتے جو حسن و عشق کے راز و نیاز
شاعری بھی ختم ہوجاتی نبوت کی طرح

کس طرح دے دوں طرح میں اس طرح کو اے صفؔی
یہ طرح دے کر تو ڈالی تو نے آفت کی طرح



پڑی ہے کیا جو وہ پیش آئے مہرباں کی طرح
یہاں تو بات بھی کرتے ہیں ہم فغاں کی طرح

نہ اُس سے آس ہے کوئی نہ اُس سے کچھ امید
تری نظر بھی بدل جاتی ہے زباں کی طرح

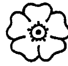
شبِ وصال نہ نکلی کچھ آرزو دل کی
وہ آئے اشک کی صورت گئے گماں کی طرح

رقیب اور نہو بے ادب، سراسر جھوٹ
خطا معاف ہو پھر اس پہ مہرباں کی طرح

نصیب اوج پر آئے تو رشک نے مارا
تری گلی میں رہے بھی تو پاسباں کی طرح

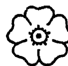
نہ تابِ جلوہ ہے مجھ میں نہ طاقتِ گفتار
نظر بھی اُٹھ نہیں سکتی مری زباں کی طرح

نہو خطا بھی تو وہ مجھ پہ چھائے رہتے ہیں — گزر رہی ہے زمیں اور آسماں کی طرح
چھپائے سے کہیں چھپتا ہے دردِ عشق مرا — جو بات منہ سے نکلتی ہے تو فغاں کی طرح
خدا گواہ بہ قولِ جناب داغ صفی
بگڑگئی ہے عجب بے طرح جہاں کی طرح

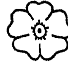


”خ“

شوخ بے باک بے ادب گستاخ — دیکھئے دل ہے منتخب گستاخ
اک ہنسی بھی تھی کوئی گستاخی؟ — رکھ دیا ہے مرا لقب گستاخ
دیکھئے نالہ رک نہیں سکتا — میں ہوا چاہتا ہوں اب گستاخ
کیا کروں تجھ سے بات اے ہم دم — طور بے باک اور ڈھب گستاخ
کیوں سمجھتے ہیں چاہنے والا — آپ گنتے ہیں مجھ کو جب گستاخ
میرے غم خوار اُن سے بحث کریں — سب کے سب شوخ سب کے سب گستاخ
اُن کی نقلیں اُتارتا ہے دل — ہے یہ گستاخ بھی عجب گستاخ
ترک آدابِ عشق و پروانہ؟ — نہ رہا زندہ ایک شب گستاخ
غش پہ ہے نیند کا یقین اُنہیں — ہائے سمجھے ہیں مجھ کو کب گستاخ
رہ کے خاموش بزم میں وہ متیں — بات کر کے میں بے سبب گستاخ
بے تکلف بھی میں نہیں ہوں صفی
اور مشہور ”بے ادب گستاخ“



"د"



جا کر ہی رہا اس نے ذرا بھی جو کیا یاد
اچھا ہی ہے مجھے یاد رہا کچھ نہ برا یاد

ہر عاشق و معشوق میں کیا بھول ہے کیا یاد
وہ اِس کی بنا بھول تو یہ اُس کی بنا یاد

وعدوں میں تمہارے یہ ذرا بھول ذرا یاد
واللہ مزہ آ گیا کیا بھول ہے کیا یاد

اس یاد کے پورے کو دلائے کوئی کیا یاد
میرا ہی کہا یاد نہ اپنا ہی کہا یاد

کہتے ہیں بتا ہم کو ترا درد ترا دکھ
گویا انہیں ہر اک کی دوا یاد دُعا یاد

تم خاک نبھاؤ گے بھلا اہلِ وفا سے
تم کو ہے ستم یاد وفا یاد جفا یاد

وابستۂ دیرینہ کو کچھ خوف نہیں ہے
ہر جرم کی ہے آپ کے مجرم کو سزا یاد

حاصل نہ ہوا عیش تو تکلیف میں گزری
تم یاد نہیں آئے تو آیا ہے خدا یاد

حیرت میں ہیں سب آپ سے بیگانے یگانے
ہر بھول الگ بھول ہے ہر یاد جدا یاد

منظور دکھانی تھی بلائے شبِ فرقت
کرتی مجھے پھر وعدے پہ کیوں ان کی بلا یاد

بے کار ہوئی جاتی ہیں وہ کام کی باتیں
جو تم کو نہیں یاد جو ہیں بھی تو ذرا یاد

بندوں نے مری جان پہ ڈالی تھی مصیبت
صد شکر جو آیا نہیں ویسے میں خدا یاد

وعدہ شکنی کا جو گلہ میں نے کیا تھا
اے وعدہ فراموش یہ کس طرح رہا یاد

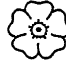
ہیں یاد مجھے آپ کے وہ عیش کے جلسے
پھر اس پہ ہے وہ یاد نہ رکھنا بھی، مرا یاد

کیا خاک علاجِ دلِ مہجور کرے گا
ہم دم کو دوا یاد ہے کوئی نہ دعا یاد

جس دن سے نہیں دیدۂ عشاق میں آنسو
ہے کال کا ڈر کرتے ہیں پانی کی دعا یاد

اس بھول کے قرباں ہوں خطا اپنی فراموش
اس یاد کے صدقے ہوں فقط میری خطا یاد

یاد آئیں صفیؔ کی جو اوائل کی خطائیں
اُس اپنے زمانے کو بھی کر لیجے ذرا یاد



ناچیز کو کرتے تھے کبھی صبح و مسا یاد
یہ اُن کی نوازش ہے جو اتنا بھی رہا یاد

ایک ایک کو ہر عیش کی محفل میں کیا یاد
اے دوست فراموش کبھی میں نہوا یاد

تم کو مری ہر عرض کا لہجہ بھی رہا یاد
اُفوہ غضب یاد۔ ستم یاد۔ بلا یاد

آپس کے...... میں تجھے کچھ نہ رہا یاد
کیا یاد ہے کیا یاد ہے کیا یاد ہے کیا یاد

میں آپ شراب اور وہ احباب وہ بارش
پھر باغ بھلا کیوں نہ رہے ایسی فضا یاد

آیا نہ بلایا نہ کوئی کام بنایا
اے بھولنے والے تجھے کچھ بھی نہ رہا یاد

اُس نے تو ملاقات بھی کی بات بھی کی ہے
آنکھوں کو جھلک یاد ہے کانوں کو صدا یاد

بیگانوں کی صورت درِ دولت پہ کھڑا ہوں
کیوں یاد کیا تھا انہیں کچھ بھی نہ رہا یاد

کرتے ہو گئی عید ملاقات کی تعریف
آ جائے مزہ اور جو آ جائے ذرا یاد

ظالم کو نہ خالق کی نہ مخلوق کی پروا
خود بیں کو بجز اپنے نہ بندہ نہ خدا یاد

بندے تو کبھی یاد خدا کو نہیں کرتے
اب اس کا کرم ہے جو خود آ جائے خدا یاد

وہ پیار وہ اخلاص وہ وعدے وہ دلاسے
کیا کیا نہ کہا تھا مجھے کیجیے تو ذرا یاد

مشکل سے ترا نام مرے ذہن میں بیٹھا
دن رات رٹا جب کہیں جا کر یہ ہوا یاد

یوں ہی نہیں معشوق کی دوری و حضوری
دوری کی بنا بھول حضوری کی بنا یاد

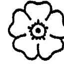
دیکھا تجھے یاد آ گئی اللہ کی قدرت
پھر کیوں نہ کہوں میں جسے تو یاد خدا یاد

میں کونسا احسان ترا بھول گیا ہوں
اے دشمنِ اربابِ وفا کچھ تو دلا یاد

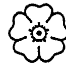
تو سب کی خوشی کر نہ سکے گا مرے ساقی
ایک ایک بلاکش کو ہے ایک ایک مزا یاد

روتا ہوں تو آخر کوئی دیوانے کو کیا دے
طالب ہوں مگر نام فراموش مزا یاد

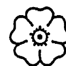
مقطع میں صفؔی بھول گیا مقصدِ آخر
تھا ٹیپ کا جو بند وہ اُس کو نہ رہا یاد



تم خود پسند ہو کے ہوے کیوں عدو پسند کیا مہربان ہم کو نہیں آبرو پسند
دل کو ہے سب پسند ہوا جب سے تو پسند حسرت پسند رنج پسند آرزو پسند
لوگوں کو دیکھ دیکھ کے آتا ہے یہ خیال تھا وہ بھی اک زمانہ کہ تھا ہم کو تُو پسند
رسوائیوں کے خوف نے بے باک کر دیا ہم کو بھی آج تک تھی بہت آبرو پسند
دل کی پسند میں نہ کرو غیر کو شریک یہ اک معاملہ تو کرو دوبدو پسند
وہ آنکھ۔ آنکھ جس کو ترے دیکھنے کا شوق وہ کان۔ کان جن کو تری گفت وگو پسند
اتنا سمجھ لے اور تو ہم منہ سے کیا کہیں آیا ہے ایک شخص ترے ہو بہو پسند
سب ہو مگر زبان کا اچھا ہو آدمی ہے مجھ کو تو پسند۔ نہیں مجھ کو "تُو" پسند
رہ رہ کے آج گریۂ بے اختیار ہے کیا روئیں تجھ کو ہائے دلِ آبرو پسند
تیرے تصدق اپنی نگاہوں کے میں نثار اب نام پڑ گیا ہے مرا خوب رو پسند
تھا رعبِ حسن بھی مگر انداز شوق دیکھ ہم نے کیا ہے تجھ کو ترے روبرو پسند
کیوں دوستوں سے طالب عزت ہے اے صفؔی
تو خوب رو پسند ہے یا آبرو پسند



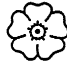
"ذ"



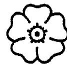
خط، وہ کیا، سادہ، جو ملفوف ہو اندر کاغذ لے کے خالی کوئی کیا مار لے سر پر کاغذ
کیا لکھوں وصف، یہ تیرا ہی کرم ہے ساقی کانپتا ہے جو مرے ہاتھ میں تھر تھر کاغذ

چارہ گر، جب نہیں دنیا میں دوا ہی میری! خیر، نسخہ نہ سہی، لکھ دے اسی پر کاغذ
ہوں گنہ گار، مگر جمع ہے ساری خلقت کھول ایسے میں نہ اے داورِ محشر کاغذ
کیا بنے اس سے کوئی طَور جوابِ خط کا پھینک دیتا ہے جو بے طوری سے پڑھ کر کاغذ
ہم نشیں، کاتبِ اعمال بنا ہے میرا ہاتھ سے اس کے نہیں چھوٹتا دم بھر کاغذ
ہم نے جب اپنے اوائل کے نوشتے دیکھے نکل آئے ہیں بڑے کام کے اکثر کاغذ
انتظار، ایک تعلق ہے، اگر حد کا ہو وہ نہ آئیں نہ سہی، بھیج دیں لکھ کر کاغذ
غیر کیا جانے، بڑی چیز ہے ان کا خط بھی دیکھنے میں تو ہے کاغذ کے برابر کاغذ
سگِ دنیا سے نہ کر خوف، یہ روباہ خصال شیر ہے، شیر کے مکھٹے کا لگا کر کاغذ

فکرِ دیواں میں پریشان ہوں دن رات صفؔی
آج کل ہے مجھے چاندی کا ورق، ہر کاغذ



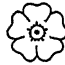
''ر''



نظر میری نہ ہو کیوں دل رُبا پر ''مرض کا نام لکھتے ہیں دوا پر''
محبت میں ضروری ہے ہمیشہ بھروسہ آشنا کو آشنا پر
کیا کرتا ہوں سیدھی سیدھی باتیں نہ کیجئے غور میری التجا پر
نصیحت پر ہوا کرتی ہے ہم کو کراہت جس طرح نامِ دوا پر
بھروسہ ناخدا کا بھی تو دیکھو بھروسہ کرنے والو ناخدا پر
نہیں ہے سانس پر قابو تو کیا ہے سلیماںؑ کی طرح قابو ہوا پر

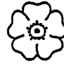
ہوا مجھ کو بتا کر وہ یہ سمجھے — ''بشر کی زندگانی ہے ہوا پر''
شریکِ کار بھی ناصح بھی ہم دم بھی — خدا کی مار ایسے پارسا پر
ہُوا کرتی ہے دل میں گدگدی سی — تڑپ جاتا ہوں اس کی ہر صدا پر
کچھ اپنے دوستوں سے رائے لے لو — کرو جلدی نہ عاشق کی سزا پر
خوشی ہم دل جلوں کی بھی خوشی کیا — کھِلے جاتے ہیں ٹھنڈی سی ہوا پر
رضائے دوست میں دی جان میں نے — بڑی لاگت لگی ہے اس دوا پر
خدا کو یاد کرتے ہیں جو بندے — بڑا احسان کرتے ہیں خدا پر
تمہیں جس نے کہا ہے دشمنِ جاں — لگا دی زہر کی چٹھی دوا پر

صفی بندے جو ہوتے ہیں خدا کے
بھروسہ اُن کو ہوتا ہے خدا پر



محروم ہوں جواب سے تجھ کو پکار کر — پروردگار دُور مرا خلفشار کر
کچھ اختیار ہے تو وہ کام اختیار کر — ہر کام کو دلہن جو بناوے سنوار کر
کر دی تری ادائے کرم نے زبان بند — امیدوار رہ گئے دامن پسار کر
دستِ جنوں سے چھٹتی اگر اپنی آستیں — دامن کی خیر مانگتے دامن پسار کر
بے فائدہ کسی کو ستانے سے فائدہ — تجھ کو قرار ہو تو مجھے بے قرار کر
سینے کے زخم تو نہیں میرے جگر کے داغ — ہم دم دکھاؤں کیا تجھے کرتا اُتار کر
مل کر گلے۔ مزاج ہی ان کا نہیں ملا — تیور بگڑ گئے مری بگڑی سنوار کر
بھٹی کے ہیں عروج و زوال ایسے پیر جی — مے کش چڑھا کے خوش ہے تو مے گرا تار کر

ہوتے ہیں بے گناہ صفی سارقانِ شعر
لکھتے ہیں جس قلم سے وہ ہوتا ہے ''پار کر''



اخلاص پہ بھروسہ ہے اسکے نہ پیار پر
دریا کبھی چڑھاؤ کبھی ہے اتار پر

کیوں کر نہ آئے پیار مجھے حسنِ یار پر
جو ایک پر اثر ہے وہی ہے ہزار پر

کرتا ہے جلوہ اپنا اثر جاں نثار پر
بلبل کے لاکھ پر نہ پتنگے کے چار پر

اے دردِ دل ذلیل نہ کر اور بھی مجھے
وہ ہنس پڑے نہ گریۂ بے اختیار پر

ہے زندگی تو پائیں گے اک دن گلِ مراد
اب کی بہار پر نہیں اب کی بہار پر

کھلتے نہیں ہیں اب دلِ بے حس پہ داغ بھی
مرجھائے پھول رکھے ہیں گویا مزار پر

سوزِ فراق کیلئے کافی ثبوت ہے
مہریں ہیں داغ کب ہیں دلِ داغ دار پر

تیرا ہی آسرا ہے بس اے میرِ قافلہ
بانگِ جرس پہ آس نہ گرد و غبار پر

وہ اُن کا لطف وہ مری دیوانگی کہاں
اُٹھتی ہے ہُوک سی تو مگر ہر بہار پر

ڈھونگی سہی رقیب مگر میں ہوں بے خطا
تڑپے گا بے قرار کا دل بے قرار پر

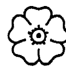
بلبل کا بس ہے خانہ صیاد میں نشاں
اُڑتے ہوئے دکھائی جو دیں تین چار پر

صیاد کو میں دوست سمجھتا ہوں آج سے
احسان ہے جو چھوڑ دئے اُس نے چار پر

جورِ خزاں سے ہم نے جو کچھ کی بھی ہائے ہائے
پھوٹے شگوفے اور کھلے گل بہار پر

دل دیدیا ہے اُن کو گواہی نہ شاہدی
اب تک تو سارے کام چلے اعتبار پر

ہوں ایسے بادشاہ کے در کا گدا صفیؔ
ہے وہم دستِ غیب مرے پُشتِ خار پر

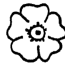


ہے گُل تو گُل برستا ہے اک روپ خار پر
یا رب کھلے گی دل کی کلی کس بہار پر

کھایا اُدھار زندگیٔ مستعار پر
لاکھوں نے نقد وار دیا اس اُدھار پر

کھائی نہ تھی اکیلی قسم ہی قرار پر — اپنی قسم بھی دی تھی مجھے انتظار پر
میں اک دکھی ہوں چھوڑ نہ دے مجھ کو ہم نشیں — بیمار ناز کرتے ہیں بیمار دار پر
وہ باغ باں نہ وہ روشیں اور ہم صفیر — بھولے ہوئے ہیں پچھلے برس کی بہار پر
پایانِ عشق موت ہے یا کم سے کم جنوں — کیا لوں کسی سے مشورہ انجام کار پر
نااہل کچھ تو کر نہ سکے اور مر گئے — الزام رکھ کے زندگی مستعار پر
مزدور ایسے سیکڑوں آئے چلے گئے — احسان کوہ کن کا نہیں کوہ سار پر
کرتا ہے سیر باغ کی وہ رشکِ آفتاب — شبنم کی بوندیں ناچتی ہیں نوکِ خار پر
صیاد بھی تو خوش نہیں مجھ بدنصیب سے — اتنے ہزار عیب ہیں جتنے ہزار پر
آتی ہے جب بہار تو پھولوں کو دیکھئے — پھر ہائے گل رخوں کی جوانی بہار پر
مجھ کو جنہوں نے دل سے اتارا۔ یہی کبھی — پورے اترنے والے تھے قول و قرار پر
کیوں پھینکتے ہو پھول گلے سے اتار کے — چڑھ جائیں کم سے کم یہ کسی کی مزار پر
پروانہ کیا جلے گا محبت کی آگ میں — اک جانور غریب بساط اسکی چار پر

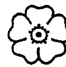
لاشہ بھی، باردوش ہے احباب کو صفی
گویا میں ایک اب بھی ہوں بھاری ہزار پر



جلتے ہیں آسمان ترے جاں نثار پر — بے جان ظلم کرنے لگے جان دار پر
تارے ہیں یا ہیں داغ دلِ داغ دار پر — حیران ہوں ترے کرمِ بے شمار پر
جاتی ہے جان حسرتِ دیدارِ یار پر — مرتا ہوں ایک آرزوئے خوش گوار پر
گن گن کے اس نے میری خطائیں نکال دیں — جیتا تھا میں توقع روزِ شمار پر
ہر رنگ میں عزیز ہے گلشن کی سرزمیں — جاتا نہیں خیال خزاں و بہار پر
صدموں سے چھوٹتے ہی نہیں صاحبانِ فیض — پتھر برستے ہیں شجرِ میوہ دار پر

فکرِ بتاں و ذکرِ خدا واہ واہ واہ مرتا ہوں اس مجاز حقیقت مدار پر
کچھ دیکھنا جو ہے تو مرا دوست بن کے دیکھ تنقید کرنے والے مرے کاروبار پر
دُکھا بہت جو دل تو بس اک آہ کھینچ لی میری نظر ہمیشہ رہی اختصار پر
جو فاتحہ کو آئے وہ لکھ جائے اپنی رائے میری طرف سے کچھ نہو لوحِ مزار پر
لے ایک کام تو مری آنکھوں کا رنگ دیکھ مامور گریہ پر رہیں یا انتظار پر
کیا پوچھنا ہے آپ کے حسن و شباب کا جیسا کوئی بہار کا موسم بہار پر
دنیا تو ایک بھول بھلیاں کا نام ہے ریجھے ہیں لوگ ظاہری نقش و نگار پر
پایا نشانِ منزلِ مقصود بھی تو کیا قابو نہیں ہے ابلقِ لیل و نہار پر
تم نے تو اور بھی مجھے بے چین کر دیا ڈالی بھی تھی نگاہ کسی بے قرار پر
مارے خوشی کے آنکھ سے آنسو نکل پڑے کتنا ہنسو گے گریۂ بے اختیار پر

منصور جاتے جاتے یہ کہتے گئے صفیؔ
جو حق کہے تو کھینچتے ہیں اس کو دار پر



اے دل نہ عقیدہ ہے دوا پر نہ دعا پر کم بخت تجھے چھوڑ دیا ہم نے خدا پر
اس طرح سنی عشق میں ناصح کی ہر اک بات پرہیز کیا کرتے ہیں جس طرح دوا پر
اب تک تو کبھی بے مے و معشوق نہ گزری آئندہ رضامند ہوں مالک کی رضا پر
اتنے تو گنہ گار ہیں بدنام محبت آنکھیں تو ملی ہیں ترے نقش کف پا پر
دل لینے کے انداز کا کچھ نام نہیں ہے موقوف ہے یہ چیز ادا پر نہ حیا پر
اللہ مجھے کم سے کم اتنا تو بنا دے ایک ایک تو دل دوں تری ایک ایک ادا پر
دیکھیں ترے کوچے کی ذرا آب و ہوا بھی چلتے ہیں جو پانی پہ جو اُڑتے ہیں ہوا پر
آج آپ کو دیکھا مگر اب تک تو سنا تھا قائل نہیں ہوتا کبھی انسان خطا پر

معلوم نہیں کون سی مٹی سے بنے ہیں — وہ لوگ جو غش ہیں ترے نقشِ کفِ پا پر
ہم اپنے خیالات کی اصلاح کریں گے — کوشش تو بہت کی ہے بھروسہ ہے خدا پر
ہوتا ہوں تری شانِ کریمی کے تصدق — مرنے کیلئے ہوتے ہیں چیونٹی کو عطا پر
اے دوست فراموش یہ ہے حال ہمارا — آمین کہا کرتے ہیں دشمن کی دعا پر
کیا آہ سے ارمان نکلتے ہیں کسی کے — "پل باندھتے ہیں باندھنے والے تو ہوا پر"
تکلیف ہمیشہ دل خودسر نے اٹھائی — آئی ہیں بلائیں بہت اس ایک بلا پر
اللہ نے کیا کیا ترے منہ سے نہ سنایا — ہم شکر بھی کرتے ہیں شکایت کی بنا پر
تاکا تھا مجھے اور چھدا غیر کا سینہ — اے واہ نکالے ہیں ترے تیر نے کیا پر
عاشق ہوں تو کیا آپ کی صحبت میں رہا ہوں — ہنسنا ہی پڑے گا مرے رونے کی ادا پر
وہ کون ہیں، میں کون ہوں کیا منہ سے نکالوں — منصور کو سولی ملی ایسی ہی خطا پر
ایسے ترے عاشق کبھی دیکھے نہ سنے تھے — پہرے تو بٹھائے نہیں نقشِ کفِ پا پر
عشاق سے بھولے کہیں دیکھے بھی ہیں تم نے — مرمٹتے ہیں یہ لوگ فقط نامِ وفا پر

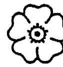
تم سے تو صفی نے فقط اک ڈھونگ کیا ہے
کھاتا ہے نہ پیتا ہے تو جیتا ہے ہوا پر



رے دشمن بھی رو دیتے ہیں اب تو میری حالت پر — محبت کا برا ہو، خاک پڑ جائے محبت پر
لئے وہ دن کہ آتی تھی محبت تیری صورت پر — ہماری اب یہ صورت ہے کہ مرتے ہیں محبت پر
بس دو اشک بھی صدقہ کروں کیا دردِ فرقت پر — الٰہی تھک گیا میں زور دے دے کر طبیعت پر
، آیا بھی تو آیا ہائے کس بے درد پر اپنا — طبیعت آئی بھی تو آئی کیسے بے مروت پر
کسی کی یاد آئی ہم کو اپنا دل بھی یاد آیا — بہت سچ ہے کہ ہر شے یاد آتی ہے ضرورت پر
خبر کیا تھی کہ پانی بن کے بہہ جائے گا آنکھوں سے — کیا تھا ہم نے تیرا دوستانہ دل کی ہمت پر

تری محفل کی باتیں اس طرح خوش ہو کے سنتا ہوں — کہ جیسے نیک بندے کان رکھیں ذکرِ جنت پر
ابھی تک تو تری رفتار کا عالم نظر میں ہے — ابھی تک تو نہیں ہے اعتقاد اپنا قیامت پر
طبیعت آپکی ہم سے نہیں ملتی "خدا حافظ" — نہوگا صبر تو ہم جبر کرلیں گے طبیعت پر
یہ دنیا ہے یہاں آفت رسیدوں کی کمی کیا ہے — بہت ایسے ہیں رو دیتے ہیں جو نام محبت پر
ہماری خاک تم برباد کرڈالو مگر دیکھو — سنا کرتے ہیں "مٹی بھی نہیں ملتی ضرورت پر"
کن انکھیوں سے کسی کے دیکھنے پر دل دیا ہم نے — یہ لعلِ بے بہا بیچا ہے اونی پونی قیمت پر

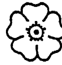
محبت میں تو ذلت اے صفی ہے نام عزت کا
وہ کیوں جیتے ہیں جو مرتے ہیں اپنی شان وشوکت پر



آتا کہاں سے نور بھلا مہر وماہ پر — حاضر نہوتے یہ جو کسی جلوہ گاہ پر
ہے یہ خیال بھی تری نیچی نگاہ پر — ہوتی ہے آدمی کو خجالت گناہ پر
عاشق نہیں سمجھتے یہ معشوق آہ پر — بے دید آنکھ رکھتے ہیں ہر دم نگاہ پر
ممکن نہیں کسی سے علاج اس کی چوٹ کا — جو گر گیا ہو چڑھ کے کسی کی نگاہ پر
جلوہ ہی وجہ عشق جو ہوتا تو دیکھئے — آتا کبھی کسی کا تو دل مہر وماہ پر
محفل میں سب پہ رہتی تھی جب آپکی نگاہ — جلوہ نما بھی آتے تھے اس جلوہ گاہ پر
بے دید ایک آنکھ اگر سب کو دیکھتا — اندھے بھی آج آتے تری جلوہ گاہ پر
ہر ایک باریاب ہے اب واہ واہ واہ — گویا ہمیں تھے بار تری بارگاہ پر
رہنا ہے جو مزے میں تو دنیا کے سب مزے — کردے نثار دوست کی میٹھی نگاہ پر
کچھ اُن پہ رحم کرتے نظر آتا ہے ہم نشیں — پروردگار! رحم کرے بے گناہ پر
عاشق بھی اس نے جان لیا جاں نثار بھی — پھر ایک پہلی اور اُچٹتی نگاہ پر
سائل نہ تھا مگر مری صورت سوال تھی — گانٹھا گیا ہوں صرف اسی اشتباہ پر

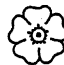
ہر دیدہ ور کو حسرتِ پابوس ہے یہاں — تلووں کا تیرے نور کہاں مہر و ماہ پر

دے دیں گے اپنی جان سب اہلِ دوَل صفی
بیٹھیں گے مانگنے کو جو ہم شاہ راہ پر



کتنوں کو رشک ہے مرے حالِ تباہ پر — تم نے جو مڑ کے دیکھ لیا ایک آہ پر
عاشق رکھیں گے آنکھ تری ہر نگاہ پر — گم راہ آ ہی جائیں گے اک روز راہ پر
اس انجمن میں ایک کو ہے ایک تاکتا — جب دیکھئے نگاہ لگی ہے نگاہ پر
عاشق نے ان سے آنکھ چرائی برا کیا — پکڑا گیا یہ چور فقط اشتباہ پر
اہلِ جمال ہم سے مکدر بھی ہیں تو کیا — رہتی نہیں ہمیش گھٹا مہر و ماہ پر
یہ سن کے مطمئن ہے مرا بادشاہِ حسن — ولیوں کا سایہ ہوتا ہے ہر بادشاہ پر
انجامِ عاشقی میں کبھی سُوجھتا نہیں — جاتا نہیں خیال کسی کا نباہ پر
فریاد کا یقین جو ہوتا ہے کس لئے — ارماں کا کیوں گماں نہیں ہوتا ہے آہ پر
ہم دم تجھے بھی دوست نے شیدا سمجھ لیا — الزام مدعی کا لگا ہے گواہ پر
دنیا کی جلوہ گاہ پر آئے گا وہ بھی دن — جب ہوگا صرف جلوہ نما جلوہ گاہ پر
آتے ہیں سیکڑوں ترے جلوے کو مہ جمال — جلووں کی کیوں کمی ہو تری جلوہ گاہ پر
پایا نہ اک ذرا بھی کبھی مے کدے کا رنگ — بستر لگا کے دیکھ لیا خانقاہ پر
عالم نواز حسن کی سرکار ہی ملی — سب کی مراد ملتی ہے اس بارگاہ پر

اترا گئے سے ہوتے ہیں تعریف پر صفی
سرکار پھول جانے لگے واہ واہ پر



شاد ماں ہو کے گئے آئے پشیماں ہوکر
دوست کے ہم نہ رہے دوست کے مہماں ہوکر

رنگ دے جائے محبت جو ہو ارماں کا لہو
اشک آنکھوں سے بہیں خونِ شہیداں ہوکر

داغ بھی ہوں تو رہے میرا دلِ صد پارہ
پھول کا پھول۔ گلستاں کا گلستاں ہوکر

باغِ عالم سے نکلنا ہے تو جی کھول کے ہنس
گل کا رنگ ہوا دیکھ لے خنداں ہوکر

بس وہی صبر کی تاکید۔ وہی ضبط کا حکم
اور کیا ہم کو ملا تابعِ فرماں ہوکر

اب حسینوں کی ادا قابلِ تحسیں نہ رہی
ناز ہی بھول گئے اپنے پہ نازاں ہوکر

مارڈالا ہے جنہیں وہ تو نہیں جی سکتے
اب جو زندہ ہیں نہ مار اُن کو پشیماں ہوکر

میں رہوں دیدہ و دانستہ تری محفل میں
اور بے باک نگاہوں کا نگہباں ہوکر

نہ بلانے کا گلہ ٹالنے بلوایا تھا
دوستی دیکھ چکے، دوست کے مہماں ہوکر

موت برحق، مگر اچھا سا بہانہ مل جائے
دم نکل جائے مگر آپ کا ارماں ہوکر

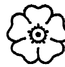
عشق میں زینتِ ظاہر کا نہ بن دیوانہ
قیس مجنوں نہ بنا چاک گریباں ہوکر

تھا ہر اک عیش مگر فرقِ مراتب ہی نہ تھا
آپ کی بزم میں سب رہ گئے یکساں ہوکر

اور پچھتاؤ گے لے لے گا جو کوئی تصویر
فکر اچھی نہیں انگشت بدنداں ہوکر

ہوگیا یاس کا طوفان ہوا کا طوفان
بجھ گیا دل ہی چراغِ تہ داماں ہوکر

دیکھنا روشنیٔ طبع صفی کے جوہر
یوں چمکتے ہیں فدائے رخِ تاباں ہوکر



نکلیں ارماں تو رہ جاؤ پریشاں ہوکر
میرے دل میں تو وہی ہیں مرے ارماں ہوکر

کم نہیں مرگِ مفاجات سے حکمِ حاکم
زندگی سہل نہیں تابعِ فرماں ہوکر

ہوں پشیمان کیا کیوں گلۂ ناقدری
اس نے ملنا بھی کیا ترک پشیماں ہوکر

کس طرح دوست کو مہمان کیا کرتے ہیں
سیکھ لو یہ بھی کسی دن مرے مہماں ہوکر

ہے نصیحت ہی جو اے حضرتِ ناصح منظور
اُن کے دروازے پہ رہ جایئے درباں ہوکر

ہم کو وحشت ہو بھلا چاک گریبانی سے
اور پھر آپ کے وابستۂ داماں ہوکر

حُسن آلام بھی دیتا ہے بجائے آرام
یہ کبھی درد بھی ہوجاتا ہے درماں ہوکر

دیکھیے کتنے پریشانوں کے جی چھوٹ گئے
آزمائش نہ کیا کیجیے پریشاں ہوکر

بزم میں بوالہوسوں کو نہ بٹھایا کیجیے
یہ جہاں بیٹھتے ہیں اٹھتے ہیں طوفاں ہوکر

دم بدم جلوہ دکھاکر مجھے دیکھا کیجیے
آپ کا آئینہ بن جاؤں میں حیراں ہوکر

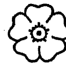
عشقِ پروانہ و بلبل تو مسلم ناصح
اُنس میں ہی نہ کروں اور پھر انساں ہوکر

مجرمِ بارگہِ حسن ہوئے نادمِ عشق
ہم کہیں کے نہ رہے چاک گریباں ہوکر

میری جانب کبھی دیکھا تو یہ مشکل دیکھا
رہ چکی آپ سے مشکل مری آساں ہوکر

بدظنی رکھتی ہے انسان کو زندہ درگور
جب بھی لپٹی ہے بلائے شبِ ہجراں ہوکر

دوست نے آکے جو مرنے سے بچایا تو صفی
مرگیا اور بھی شرمندۂ احساں ہوکر



بزم میں انجان بن اے آفتِ جاں دیکھ کر
لوگ ہنستے ہیں مجھے ناخواندہ مہماں دیکھ کر

سب پریشاں ہوگئے مجھ کو پریشاں دیکھ کر
دیکھنا مری طرف اب کے مری جاں دیکھ کر

کیا ابھی تک اُن کے مرنے کا تمہیں باور نہیں
مسکرائے کیوں سوئے گورِ غریباں دیکھ کر

میں تصدق واہ وا کیا ظاہری اخلاق ہیں
آپ کو افسوس ہے میرا گریباں دیکھ کر

حسرتِ دیدار کیا نکلی۔ مرا یہ حال ہے
جس طرح اُٹھے کوئی خواب پریشاں دیکھ کر

کیوں ہوا حیران کہہ دیتا ہوں اول یہ کہو
تم کو حیرت کیوں ہوی ہے مجھ کو حیراں دیکھ کر

ہم دوائے دردِ دل کے کچھ تو قائل ہی نہیں
اور بھی جی پھر گیا لوگوں کی ہوں ہاں دیکھ کر

غیر بھی میری طرح تڑپا تو وہ کہنے لگے
سیکھ ہی لیتا ہے کچھ انساں کو انساں دیکھ کر

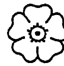
لاکھ غم دنیا میں ہوں لیکن الٰہی خوش رہے
آدمی کو آدمی، انساں کو انساں دیکھ کر

نام پر بھی آپ کے عاشق ہے اک دنیا مگر
دیکھنے والے جو ہیں ہوتے ہیں قرباں دیکھ کر

روٹھنا، کھچنا، خفا ہونا، بگڑنا چاہئے
ہاں مگر اپنے پرائے کو مری جاں دیکھ کر

بندہ پرور کی نگاہِ مہر بھی اک قہر ہے
دیکھ کر کہتے ہیں ہم یہ بات، ہاں ہاں دیکھ کر

رنج ہو یا عیش ہو بھولا نہیں جاتا صفی
یاد آجاتا ہے سب کچھ اپنا دیواں دیکھ کر



خیر ہو چین نہیں پانو کو اندر باہر
آج کس پر وہ خفا گھر میں ہیں کس پر باہر

اپنے گھر سے جسے کردے وہ ستم گر باہر
ایک ہے اُس نگھرے کے تو لئے گھر باہر

دل میں کھاتا ہے ترس منہ سے گھُرکتا ہے مجھے
ہم نشیں موم جو اندر ہے تو پتھر باہر

سنگِ در سے کسی سرکش نے جو سر پھوڑ لیا
شہر سے اس کو ہٹادو کئی پتھر باہر

گھر پر آنے کا لیا وعدہ، قسم دی مجھ کو
چل گیا چال غضب کی کوئی مل کر باہر

گھر کے اندر ہی رہے ناز سے چلنا تیرا
نہ سنے گا تو کبھی کھائے گا ٹھوکر باہر

گھر سے باہر تو کسی روز نکل کر دیکھو
ہے ہزاروں کے لئے خاک کا بستر باہر

دن میں سو بار وہ اب جائیں مرے گھر پر سے
بیٹھنا چھوڑ دیا میں نے نکل کر باہر

یار لوگوں نے لگائے ہیں ہزاروں الزام
اور راتوں کو پھرا کیجئے باہر باہر

گھر کا اخلاص ذرا بھی نہیں باقی رہتا
کیوں بدل جاتے ہیں کافر ترے تیور باہر

اُن سے کوئی بھی کہیں کھُل کے نہیں مل سکتا
دوست گھر میں ہیں نگہ بان تو نوکر باہر

خود نمائی میں وہ غافل نہیں سوتے میں بھی
منہ دکھانے کے لئے شال سے ہے سر باہر

مر کے دیکھو تو ذرا تم بھی کسی پر ناصح
مرد ہو مردِ خدا، کیوں ہے دم اندر باہر

نہ وہ ہم ہیں نہ وہ گلشن نہ وہ ساقی نہ وہ دور
رنگ بدلا ہے برس بھر ہی کے اندر باہر

دیکھئے حاشیے لوگوں نے چڑھائے کیا کیا
گھر سے جو بات گئی بن گئی دفتر باہر

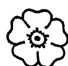
کب سے ہیں کیوں ہیں ترے در پہ یہ معلوم تو کر
لے غریبوں کی دعا، بیٹھ گھڑی بھر باہر

تیرے دیوانے تری حد میں بسر کیوں نہ کریں
ان کو سر پھوڑنے ملتا نہیں پتھر باہر

دیکھئے رات کی یہ سیر برا دن نہ دکھائے
گشت کچھ ٹھیک نہیں بھیس بدل کر باہر

آپ کی جس پہ ذرا سی خفگی ہوتی ہے
بزم کی بزم اُسے کہتی ہے باہر، باہر

ہند میں ہے مرے اشعار کی تعریف صفؔی
واہ وا میں تو وطن میں ہوں مقدر باہر



دلِ عاشق سے رہے کیوں کوئی دل بر باہر
نہو محشر سے اگر فتنۂ محشر باہر

وہ جو دم بھر مرے دل میں ہیں تو دم بھر باہر
سانس کی طرح رہا کرتے ہیں اندر باہر

خانہ بردوشِ محبت کو نہو کوئی ملال
شہر سے اس کو جو کردو کئی پتھر باہر

گھر میں جو آئے وہ نام اپنا لکھا کر آئے
آپ نے خوب تو رکھا ہے یہ دفتر باہر

وہ مجھے گھر میں قدم تک نہیں رکھنے دیتے
مل لیا کرتے ہیں ہر وقت نکل کر باہر

تھے وہ جلوے میری آنکھوں میں تو اللہ اللہ
نور ہی نور کی برسات تھی اندر باہر

حسن والوں کو کہاں عیش کا سامان نہیں
جو میسر انہیں گھر میں وہ میسر باہر

میری آہیں جو سنیں ڈانٹ کے اس نے یہ کہا
''ہائے وائے ایسی جو کرنی ہو تجھے کر باہر''

بدگمانی کی ہے کیا شے مرے غم خانے میں
آکے لیتے ہیں تلاشی جو وہ اندر باہر

دل اس انداز سے تڑپا مجھے معلوم ہوا
ہوگیا وہ مرے پہلو سے تڑپ کر باہر

تیرے صدقے میں بہت بھیک ملے گی داتا
ہم اگر بیٹھ چکے گھر سے نکل کر باہر

خوبیاں دل کی بھلا اور کسی گھر میں کہاں
اس میں ٹھیرا ہے کوئی دیکھ کے اندر باہر

لامکاں بننے کو پہنچا ہے مرا غم خانہ
دیکھ بھی جاؤ نہ دیکھوگے یہ منظر باہر

کون کیا کیا انہیں لکھتا ہے خدا کو معلوم
پرزے ملتے ہیں مرے نام کے اکثر باہر

مجھ کو ترسا کے جو شیشوں میں بھرے پیرِ مغاں
باغض النخل کی طرح آئے پلٹ کر باہر

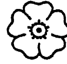
رات بھر جو تری محفل میں نہیں آسکتے
روندوالوں کی طرح پھرتے ہیں باہر باہر

نامۂ شوق کسی کا بھی نہ دیکھا پڑھ کر
اس نے پھنکوادیا باہر کا اٹمبر باہر

اپنی دہلیز سے کیا اس نے اٹھایا ہم کو
کردیا شہر سے گویا کئی پتھر باہر

دونو عالم کی سمائی ہے بشر کے دل میں
اس کی دنیا نہیں اندر کے برابر باہر

دم کے چڑھنے سے صفیؔ ٹوٹ گیا بیٹھ گیا
ورنہ ہوگا یہ کوئی ساٹھ[٦٠] کے اندر باہر



فریاد پہ ہوتا ہے انہیں قصدِ جفا اور
کہتے ہیں گھرک کر مجھے کیوں خیر ہے کیا اور

روتے کو ہنسانے کی نکالی یہ ادا اور
ہر چیخ پہ کہتا ہے ذرا اور ذرا اور

''تڑپا تو کہا خیر'' جو رویا تو کہا ''اور''
خیر اور تو جانے دو یہ کیا خیر ہے کیا اور

پکڑے گی اگر زور مری آہ رسا اور
آج اور ہے کل ہوگی زمانے کی ہوا اور

کوثر ہے الگ اور مئے ہوش ربا اور
کچھ اس کا مزا اور ہے اور اس کا مزا

احباب بھی ہیں اب مرے زخموں پہ نمک ریز
سنتے تھے کہ بھرتوں ہی کو بھرتا ہے خدا

شاہی سے سوا ہے تری دیوار کا سایہ
یہ چھانو ہے اور۔ اور اثرِ ظلِ ہما

کہیئے بھی تو مشکل ہے نہ کہیئے بھی تو مشکل
خاموش بھی رہیئے تو وہ ہوتے ہیں خفا

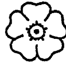
مے خوار سے ممکن نہیں مقدار سے پینا
تاثیرِ شراب اور ہے تدبیرِ دوا

کس بات پہ زاہد کو ہے جنت کا بھروسہ
کیا میرا خدا اور ہے اور اس کا خدا ا

جینے کے طلب گار ہوئے کس کے بھروسے
ہم جیسے بزاسوں کو تو کرنا تھا دعا ا

مختار ہیں وہ حسن کی دولت کو لٹادیں
ہم تو یہ دعا دیتے ہیں دے اُن کو خدا ا

وہ اور صفیؔ کیوں رہیں محشر میں برابر
چاہیتے کا جرم اور چہیتے کی خطا اور



گلے لپٹا لیا ہے بے خودی چھائی ہے بسمل پر
الٰہی نقشِ حُب لکھا ہوا ہے تیغِ قاتل پر

تمہارا اُٹھ کے جانا تھا کہ اُٹھا درد بھی فوراً
بڑی تسکین تھی جب تک تمہارا ہاتھ تھا دل پر

کہاں کی رسم، یہ کس ملک کا دستور ہے پیارے
جھڑک دیتے ہیں سائل کو برس پڑتے ہیں سائل پر

ہمیں سے بحث کرنے پر تُلے ہیں حضرتِ واعظ
کوئی سمجھائے کس سے گفت و گو پھر کن مسائل پر

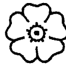
حسینوں کی نصیحت کا مزا ہر ایک کیا جانے
لگے ہیں کان میرے قول پر آنکھیں ہیں قائل پر

خدا نا کردہ سچ مچ بھی کوئی آفت نہ آ جائے
سراپا درد ہوں کیا ہاتھ رکھوں میں ترے دل پر

مسافر چیخ! شائد ناخدا کو رحم آ جائے
ابھی لنگر نہیں اٹھا، ابھی کشتی ہے ساحل پر

ادا نے نیمچہ مارا تھا لیکن شرم نے روکا
کلیجے پر چلا تھا وار لیکن آ پڑا دل پر

شب وعدہ صفؔی کی بے قراری دیکھنے کی تھی
کلیجے پر اگر اک ہاتھ تھا تو دوسرا دل پر



اب تو ایسوں پر بھی اخلاقاً طبیعت لوٹ ہے
جن کو کرتے تھے تصدق ہم تری تصویر پر

میرے منہ کی بات اب تک بھی نہیں پہچانتے
آپ کو سچ کا بھروسہ غیر کی تقریر پر

پھر گئے گزرے دنوں کی یاد تڑپانے لگی
پڑ گئی پھر آنکھ بھولے سے تری تصویر پر

او سنور کر آنے والے چھوڑ یہ اٹکھیلیاں
دیر میں دیر اور بھی تاخیر ہے تاخیر پر

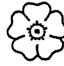
میرے پہلو میں دل از کار رفتہ ہی نہیں
خیر سے ہیں اور بھی لاکھوں گلے تقدیر پر

بیٹھئے بس بیٹھئے آپ اُٹھ چکے بس اُٹھ چکے
یہ مصیبت کیوں۔ پڑیں پتھر مری توقیر پر

پانو باہر رکھ نہیں سکتا ہوں اُن کے حکم سے
میں بھی خود حیران ہوں اس قیدِ بے زنجیر پر

ہو گی اُن سے دوستی جب ہو گی لیکن اے صفؔی
لوگ اب تک رشک کرتے ہیں مری تقدیر پر

"ز"



خواب میں آئے نہ آئی اُن کو آنے کی تمیز
خوب ہے لیکن یہ سوتے کو جگانے کی تمیز

دشمن اچھا ہے جو اُس کو دشمنی کا لطف آئے
دوست کیا جس میں نہو کچھ دوستانے کی تمیز

آج تم پہلے پہل ساقی بنے چلنے بھی دو
دیکھتا ہے کون پیمانہ بڑھانے کی تمیز

ہم نہ مانیں گے کہ مجنوں عقل سے بیگانہ تھا
کیا نہ تھی لیلیٰ کو دیوانے سیانے کی تمیز

دوست سے بدظن نہیں ہوں لیکن اس کو کیا کروں
غیر میں ہے، غیر کو اپنا بنانے کی تمیز

آ نہیں سکتا کسی میں نازنینوں کا چلن
واہ آنے کا قرینہ ہائے جانے کی تمیز

گریۂ عاشق کی نقلیں اور پھر تم واہ واہ
کس میں آئے گی یہ روتے کو ہنسانے کی تمیز

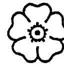
مجمعِ احباب میں تم غیر بن جانے لگے
خوب پیدا کی محبت آزمانے کی تمیز

جان دوں میں آپ پر اور آسماں کو لے مروں
یہ بلا کیا جانے عاشق کو ستانے کی تمیز

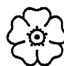
غنچہ کیا اس کا تبسم کیا تمہیں سوجھی ہے کیا
اس میں کب ہے مسکرا کے منہ چھپانے کی تمیز

ایک میں بھی رنگ اہلِ حسن کا دیکھا نہیں
اس گھرانے کا سلیقہ اس گھرانے کی تمیز

فرقتِ ساقی میں اب تک زہر کھا لیتا صفی
اس کو پینے کا سلیقہ ہے نہ کھانے کی تمیز



"س"



دردِ دل تو ڈھونگ ہے اُس بے وفا بے حس کے پاس
روئیں کس کے آگے ہم فریاد جائیں کس کے پاس

غم غلط ہونا کہاں کا اور اک غم مول لائے
اس کو اپنے سے سوا پایا، گئے ہم جس کے پاس

قدر کی جس نے محبت کی نہ بھولے عمر بھر
ہم تو اس کے ہو رہے، یہ چیز دیکھی جس کے پاس

یہ شریکِ غم بھی دیکھے گا کسی دن شامِ غم
دل رہے گا اور کتنے دن مرے مونس کے پاس

سیکڑوں بہروپ دیکھے سیکڑوں بہروپیے
ہم تمہارے پاس آنے تک پھرے کس کس کے پاس

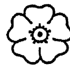
وہ گھڑی بھر پاس بیٹھے بھی تو بالکل اس طرح
جس طرح مغرور دولت منداک مفلس کے پاس

کیا کروں دل بر کا شکوہ دل سے کب پاتا ہوں چین
میری ناقدری جو اُس کے پاس ہے وہ اس کے پاس

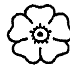
تم نہ آؤ اپنی مجلس میں تو آنے دو مجھے
اور مجلس میں نہیں تو کم سے کم مجلس کے پاس

سیر میں میری نظر سے کون دیکھے گا تمہیں
باغ میں دو لاکھ آنکھیں بھی سہی نرگس کے پاس

کچھ نئے پرٗ پر بھی گزرے یاس کے دن اے صفؔی
ساری ساری رات ہم بیٹھے ہیں تار آفس کے پاس



"ش"



گھڑی بھر آج وہ مجھ سے رہا خوش
خدا رکھے اُسے اِس سے سوا خوش

یہ میں جو ہر طرح ناشاد و ناخوش
پھر ایسے سے رہے اُن کی بلا خوش

کبھی خوش ہے کبھی وہ مجھ سے ناخوش
ہمیشہ کون دنیا میں رہا خوش

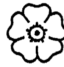
تمہیں تم خوش تو پھر کیا لطفِ صحبت
مزہ ملنے کا ہے، ہو دوسرا خوش

خوشی کی مل گئیں دو چار سانسیں
کہ وہ بدعہد آیا خوش، گیا خوش

جو وہ باتوں سے خوش کرنے پہ آتے
تو ہوتے بندۂ درگاہ کیا خوش

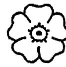
سمجھتے ہیں کہ یہ گستاخ بھی ہے
ذرا ناخوش ہیں وہ مجھ سے ذرا خوش

کہاں تک ضبط، اب کرتا ہوں نالہ ستم گر خوش رہے مجھ سے کہ ناخوش
درِ دولت پہ تھے لاکھوں بھکاری نہ پلٹا کوئی محروم اور ناخوش
''الٰہی بختِ تُو بیدار بادا'' عدو ناخوش رہیں اور آشنا خوش
سنی ہے بارہا میری تمنا کیا ہے اُس نے مجھ کو بارہا خوش
خوشی سے آج اُس نے بات کرلی طبیعت ہوگئی بے انتہا خوش
کرو وہ کام جو کل کام آئے چلو وہ چال جس سے ہو خدا خوش
الٰہی دور عثمانی ہو دائم کہ ہے اس عہد میں چھوٹا بڑا خوش
خوشی میری کسی کے ہاتھ میں ہے ہوا خوش جو کسی نے کردیا خوش
صفیؔ میری خوشی و ناخوشی کیا
رکھا جس حال میں اُس نے رہا خوش

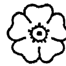


ہے محبت کو کسی دل کی تلاش یا ہے مئے کو ظرفِ قابل کی تلاش
اس طرح جلووں کو ہے دل کی تلاش جس طرح موجوں کو ساحل کی تلاش
ہر نئے دن ہے نئے دل کی تلاش کیجئے اپنے سے غافل کی تلاش
دل کو دل بر کی اسے دل کی تلاش میرے قاتل کو ہے قاتل کی تلاش
مل چکا پتھر تری دہلیز کا ظاہرا ہے سنگِ منزل کی تلاش
کچھ تمیزِ رہ زن و رہ بر نہ تھی توبہ توبہ وہ اوائل کی تلاش
جب تری باہیں گلے کا ہار ہوں کیوں ہو زاہد کو حمائل کی تلاش
بیٹھنا اُٹھ اُٹھ کے دیکھ امواج کا تھک گئیں کرکر کے ساحل کی تلاش
حسن کے صدقے میں ہم کو آگئی داخلِ فطرت مشاغل کی تلاش
بہرِ قاتل بس تڑپ کر رہ گیا اس کے آگے کیا ہو بسمل کی تلاش

دیکھتا جاتا ہے آئینہ کی پیٹھ واہ رے بھولے! مقابل کی تلاش
بار ہے جب گرمیٔ پہلوئے دوست ہو چکی اُن سے مرے دل کی تلاش
گرمیٔ بازار ہے منشائے حُسن شمع کو ہے ایک محفل کی تلاش
لے تو شادیٔ مرگ کر کے جان لے مجھ پہ چھوڑو میرے قاتل کی تلاش
اب خدا جانے کہاں ہوگا صفی
ان کو ہے اس گھر سے فاضل کی تلاش

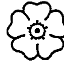


"ص"

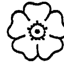


اے دل سمجھ ہوا جو عدو پر عتاب خاص ہو جاتے ہیں بس ایک خطا پر خراب خاص
برتاؤ سے تو اُن کے یہ ظاہر نہیں کبھی نا کامیاب خاص ہیں یا کامیاب خاص
معشوق با نیاز ہوں عشاق بے نیاز ایسا بھی ہو خدا کرے اک انقلاب خاص
اک دن تو اپنے خاصے کی پیرِ مغاں پلا یا آنکھ تیری خاص ہے یا ہے شراب خاص
بے جوڑ گفتگو ہے یہ صحبت بھی دیکھنا اُن کا سوال خاص نہ میرا جواب خاص
مرنا وفائے وعدہ اگر ہے خوشی سے مر پھر وہ بھی خوش رہے تو ہے اس کا ثواب خاص
اُن تک پہنچ گیا بھی جو کوئی تو فائدہ آنکھوں میں پیار عام ہے دل میں حجاب خاص
سب کچھ ہوں بارِ خاطرِ احباب تو نہیں رکھتا ہے ایک رنگ مرا اضطراب خاص
دل کی شکایت اور کسی کو نہیں سنی شائد ہے آدمی کیلئے یہ عذاب خاص
میں اور غیر دو ہیں مگر اُن کے پاس ایک ہے اُن کی ذات ہی کے لئے یہ حساب خاص

صبحِ شبِ فراق کی اُمید تو نہ تھی نکلا ہے آج کس کے لئے آفتاب خاص
بے وعدہ انتظار عبث ہے مگر ندیم دیکھا ہے صبح صبح کو آج ایک خواب خاص
دیوان کو مرے نہ پڑھیں عام اے صفؔی
ہر خاص اعتبار سے ہے یہ کتاب خاص

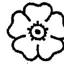


”ض“



کیا کریں گے شیخ صاحب زندگی بھر اعتراض ہر کسی کی عیب چینی ہر کسی پر اعتراض
پہلے اس کو تو سمجھئے دوستی کیا چیز ہے جو سمجھ والے ہیں کرتے ہیں سمجھ کر اعتراض
مشورہ تھا رائے تھی میری صلاحِ نیک تھی آپ سمجھے ہیں جسے اے بندہ پرور اعتراض
دس گنا بدلا ملے واعظ کو اے مالک مرے اس پہ ہوں دنیا میں دس عُقبیٰ میں ستر اعتراض
پھر نہ کہہ ایسا خدا نے کیوں بنایا ہے تجھے توبہ توبہ کر ارے بندے! یہ کس پر اعتراض
میں کروں ترکِ فغاں تم بھی تغافل چھوڑ دو تم کو مجھ پر ہے تو مجھ کو بھی ہے تم پر اعتراض
قطعہ
آج کل مشہور ہونے کی یہی ترکیب ہے چھاپتے جائیں سخن ور پر سخن ور اعتراض
نکتہ چینیوں کی جماعت بڑھ رہی ہے خیر ہو وہ دن آتے ہیں کہ ہوں پیسے میں سترّ اعتراض
آپ کا گھر سے نکلنا اک قیامت ہوگیا ہو رہے ہیں آج کل اس پر تو گھر گھر اعتراض
ہے بہترّ مِلتوں سے عشق کی ملت جُدا اُن میں ہیں ہر ایک ملت پر بہترّ اعتراض
بس خدا کی ذات ہے بے عیب ہم تم کیا صفؔی
آج تک ہوتے نہیں آئے ہیں کس پر اعتراض

"ظ"



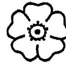
نہ ہو جب کسی کو زباں کا لحاظ کہاں کی مروّت کہاں کا لحاظ
ذرا تیز پیرِ مغاں ابر ہے تجھے چاہیئے ہر سماں کا لحاظ
زبردست مارے تو رونے نہ دے زمیں کیوں کرے آسماں کا لحاظ
ذراسی بھی پی لی جو کم ظرف نے کہاں کا ادب پھر کہاں کا لحاظ
محبت میں تقلیدِ مجنوں نہ کر نہیں کرتے بے خانماں کا لحاظ
تعجب ہے کیسے پھرے میرے دن ہوا کس کو آہ و فغاں کا لحاظ
کیا ترک، جس پر اسے شک ہوا کروں اور کیا بدگماں کا لحاظ
خزاں باغ میں آچکی ہم صفیر تو کیا جاچکا باغ باں کا لحاظ
نہ سن دل کی، دلدار کی بات سن مکیں سے زیادہ مکاں کا لحاظ
جنونِ محبت کی توہین ہے اگر دل میں ہے این وآں کا لحاظ
مجھے کون جھوٹا کہے گا صفی
غزل میں بھی رکھا زباں کا لحاظ



مارا مجھے کیا نہ ذرا جان کا لحاظ رکھنا کچھ اس غریب کے نقصان کا لحاظ
رکھ غیر کی بھی شان کا اور آن کا لحاظ انسان کو ضرور ہے انسان کا لحاظ
گیسو کبھی ہوا سے بھی بکھرے نہ آپ کے رکھا ہے ایک مجھ سے پریشان کا لحاظ
سب کے حقوق ایک ہیں سرکارِ عشق میں کافر کا پاس ہے نہ مسلمان کا لحاظ

کیوں حاضرین بزم پہ تاکید خامشی؟ | ہوتا نہیں حضور کے فرمان کا لحاظ
آتے نہیں ہیں اُس سے اجازت لئے بغیر | کہیئے اب اور کیا کریں دربان کا لحاظ
ہم کو بلا کے آج وہ ان جان ہو گیا | آ ہی گیا ہمیں بھی اس ان جان کا لحاظ
اخبار لَایَمَسُّهٗ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنْ | اس کا لحاظ وہ ہے جو قرآن کا لحاظ

کوتاہی کیوں ہے غم کی مدارات میں صفی
ہے فرض میزبان پہ مہمان کا لحاظ

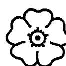


"ع"

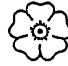


اُن سے ہے تعریف کی خواہش نہ عزت کی طمع | میں محبت کا ہوں بھوکا ہے محبت کی طمع
خوش رہا فرہاد جب تک تھی محبت کی طمع | سر پر آفت آئی دل میں کی جو اُجرت کی طمع
جس طرح بیمار کو ہوتی ہے صحت کی طمع | ہے تری رفتار کی خاطر قیامت کی طمع
آدمی مجھ کو بنانا چاہتا ہے پندگو | اب نہیں اس آدمی سے آدمیت کی طمع
اُن کو وعدے پر بلانا کس کے بس کی بات ہے | ہے بُری ہم دم محبت میں حکومت کی طمع
کیوں رکھوں بے نالہ و زاری عطا کی آرزو | کام سب سے کم زیادہ سب سے اجرت کی طمع
آپ پر قربان کی ہے سیکڑوں راتوں کی نیند | ہم بھی رکھتے تھے کبھی صاحب سلامت کی طمع
دوستوں کو رشک سوجھا اب نصیحت چھوڑ دی | اُن فرشتوں کو ہوئی ہے آدمیت کی طمع

اب یہ ملنے والے کیوں بدنام کرتے ہیں صفی
کیوں سمجھتے ہیں کہ میں رکھتا ہوں شہرت کی طمع



"غ"



تیرا مکاں جو دل ہو تری رہ گزر دماغ
ایسے بشر کا حق ہے کرے جس قدر دماغ

دے ایک تو جواب پریشاں نہ کر دماغ
نازک دماغ ٹھیک نہیں اسقدر دماغ

ہوتا نہیں جنونِ محبت ہر ایک کو
رکھتا نہیں صلاحیتِ کار ہر دماغ

ہنس بول کر ہی مجھ سے کوئی شب گزار دو
اتنا تو ہو کہ تازہ رہے رات بھر دماغ

واعظ کو بزمِ وعظ میں دیکھے ذرا کوئی
یا تخت پر جلوس ہے یا عرش پر دماغ

بس کہہ دیا کہ تجھ کو خلل ہے دماغ کا
تیرا بھی کچھ صحیح نہیں چارہ گر دماغ

مجھ سے زیادہ ہیں مرے غم خوار فکر میں
بیٹھے ہوئے لڑاتے ہیں شام و سحر دماغ

دل میں نہیں ہے داغِ محبت تو ہیچ ہے
ناصح ملا ہے لاکھ روپے کا اگر دماغ

کچھ غم نہ کوئی درد نہ کچھ فکر دوستو
آخر یہ کیوں ملے ہیں تمہیں دل جگر دماغ

میرے دماغ میں تو ہو تم پوچھتے ہو کیا
اب ہے کدھر دماغ جدھر تم اُدھر دماغ

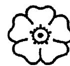
اس کام میں ہر آدمی ہوتا ہے کامیاب
جس کام میں لگا رہے آٹھوں پہر دماغ

اپنی بکے سنے نہ کسی کی جو ہم نشیں
ایسے دماغ والے کو کہتے ہیں خر دماغ

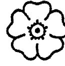
قدرت کے کاروبار میں بندے نہ ہو دخیل
تُو مختصر غریب ترا مختصر دماغ

نیند اُڑ گئی کبھی جو مرے رازدار کی
نادان دوست چاٹ گیا رات بھر دماغ

زر ہے نہ زور اور نہ کچھ اور ہے صفؔی
پھر کیوں یہ اے دماغ چلے پیچ اُدھر دماغ



"ف"

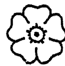


میری حالت سے آپ کیا واقف — میں ہوں یا ہے مرا خدا واقف
غیر آدابِ عشق کیا جانے — محض نااہل محض ناواقف
مسکرا کر تو جان لی میری — کیسے بیٹھے ہیں جیسے ناواقف
ملنے والے سب ایک جیسے نہیں — ابھی لوگوں سے آپ کیا واقف
غیر ایسا ملا ہے محفل میں — جیسا پہلے سے مجھ سے تھا واقف
خود کو جب آپ نے نہیں سمجھا — آپ سے کیا ہو دوسرا واقف
جو ملے مجھ سے پوچھتے ہیں وہ — دوست؟ معشوق؟ آشنا؟ واقف؟

دل گیا کھل گئیں صفی آنکھیں
اب تو اس شوخ سے ہوا واقف



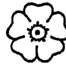
"ق"



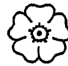
کیا قیامت ہے کہ وہ ہم کو نہ جانے عاشق — اور عاشق بھی بھلا ہم سے پرانے عاشق
میں نے جو بات کہی غیر سے اس نے سن لی — یہ کوئی بات ہے عاشق کی نہ مانے عاشق
بات تو حضرتِ ناصح کی ہے ایسی ہر بات — قبلہ و کعبہ ہیں جیسے کہ پرانے عاشق

میری تعریف نہ فرماؤ بھری محفل میں — کہیں ایسا نہ ہو تم کو کوئی جانے عاشق
ناز اٹھتے ہیں کہیں ظلم سہے جاتے ہیں — شکر ہے ہم کو بنایا ہے خدا نے عاشق

بے خودی اب وہ کہاں اب وہ کہاں کی وحشت
اے صفی ہو گئے اب ہم تو پرانے عاشق



"ک"



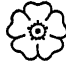
متفنی تری محفل میں ہے ہر ایک سے ایک — فتنہ جو ایک سے ایک، بانیٔ شر ایک سے ایک
دل اڑا لیتی ہیں آنکھیں تری ہر ایک سے ایک — دونوں کے دونوں بھی چوری میں ہیں ور ایک سے ایک
اک زمانے کو عدو تو نے کیا آپس میں — منہ پہ ملنے کو تو مل لیتا ہے ہر ایک سے ایک
دوست کا دوست بھی ہے دوست مثل ہے مشہور — اُس کے عشاق کشیدہ ہیں مگر ایک سے ایک
کوئی اب تک نہوا بات سے اُن کی واقف — یہ نئی بات ہے سن لیجیے ہر ایک سے ایک
ظلم نے تیرے رقیبوں کی رقابت کھودی — مشورے کرتے ہیں اب آٹھ پہر ایک سے ایک

ہم تو سمجھے تھے صفی ہوگی نہ تفریق ایسی
دل گیا ہم سے تو جاتا ہے مگر ایک سے ایک



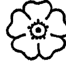
ہمارا نام تو آئے زباں تک — کہاں تک بدظنی آخر کہاں تک
تمہارے دل کی حالت کیا چھپے گی — پہنچتی ہیں نگاہیں آسماں تک
نصیبِ دشمناں ہو جور تیرا — نباہی بس نبھی ہم سے جہاں تک

صفی ہوتے ہیں پھیرے روز لاکھوں
کسی کی بزم سے اپنے مکاں تک

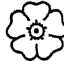


پاسِ قول و قرار کب تک — کب تک، بے اعتبار کب تک
عشاق نہوں گے خوار کب تک — عزت کب تک وقار کب تک
کب تک یہی انتظار کب تک — کوئی رہے بے قرار کب تک
منہ پھیر لیا تو اجنبی ہے — اس کا اخلاص پیار کب تک
دم کیا ہے اک ہوا کا جھوکا — جینے کا اعتبار کب تک
اچھا، اک باغ ہے یہ دنیا؟ — اچھا، اس کی بہار کب تک
میں جبر تو دل پہ کر رہا ہوں — لیکن یہ اختیار کب تک
معشوق ہے یا ہے موت وہ بھی — ہم دم یہ انتظار کب تک
اُکتا جائے گا اِک نہ اِک دن — غم خواریٔ غم گسار کب تک
کب تک دنیا کا روگ پالوں — میرے پروردگار کب تک
دنیا کل کچھ تھی آج کچھ ہے — دیکھو ہر جاں نثار کب تک
انصاف کرو ذرا حسینو — کوئی امیدوار کب تک
کڑوی ہی دوا میں فائدہ ہے — ناصح مجھے ناگوار کب تک
دیوانوں کو اپنے مار ڈالو — زندہ یہ خدائی خوار کب تک
اے مالک حسن روز افزوں — میں اور صلاح کار کب تک
دل ٹوٹ نہ جائے بخش دیجے — توبہ میں گناہ گار کب تک
بادل کی طرح برسنے والے — کھل کر مل، خاکسار کب تک
توبہ کی طرح سے دل نہ ٹوٹے — بخشو! میں گناہ گار کب تک
اب تک گزرے ہیں سیکڑوں دور — دورِ لیل و نہار کب تک
دنیا اندھیر ہو رہی ہے — میری شمع مزار کب تک
کب تک گونگا بنا رہے گا — خاموشیٔ رازدار کب تک
لاکھوں کے کام رک گئے ہیں — برتوگے انکسار کب تک

پیری میں صفؔی یہ شوخ باتیں
بس، چھوڑ بھی میرے یار کب تک



محبت کے مزے ملتے تھے آغازِ محبت تک
مگر توبہ ہے اب جو نام لوں اس کا قیامت تک
کسی پر دل کا آنا اور ایسا ٹوٹ کر آنا
رہے گی یادگار اپنی زمانے میں قیامت تک
تری تعلیم ہے جو دوسرے کو پیار کرتا ہوں
تری صورت کو میں تکتا تھا اب تُو میری صورت تک
وہی تم ہو کہ اب ہنس ہنس کے سنتے ہو مرے نالے
یہی تم تھے کبھی دیکھی نہ تم نے میری وحشت تک
کوئی ملتا رہے، تو بے تکلف ہو ہی جاتا ہے
بڑی آفت بڑی مشکل تو ہے صاحب سلامت تک
اِدھر لعنت ملامت عقل کی کچھ ہوش پیدا کر
اُدھر دل کا تقاضہ روز کی ایک خوبصورت "تک"
عدو کی جھوٹی باتوں کا یقیں پھر اسقدر وہ بھی
کہ ہم سے چھوڑ دی تھی آپ نے صاحب سلامت تک
تمہارے شعر پڑھ کر جی بہلتا ہے ہزاروں کا
صفیؔ صاحب خدا زندہ رکھے تم کو قیامت تک



کیا برق نے جب مرا آشیاں پاک
تو گل چیں پکارا کہ خس کم جہاں پاک
دکھاوے کی تعریف سے بھی میں خوش ہوا ہوں
مری جاں ترا دل تو میلا زباں پاک
ترے نقشِ پا کو کروں سجدہ کیوں کر
جبیں میری ناپاک ہے یہ نشاں پاک
محبت میں ہم جان سے ہاتھ دھوتے
یہ کیوں یاد رکھا کہ آبِ رواں پاک
ترا عشق رکھتے ترا نام رٹتے
اگر ہوتا دل صاف ستھرا زباں پاک
صفیؔ بندہ گندہ ہے کیا اس کی ہستی
جو ہے تو خدائے زمیں وزماں پاک



میرے زخمِ دل میں اُتنا درد ہے
آپ کی صورت پہ ہے جتنا نمک
ہو چکی ارزانیٔ حُسنِ ملیح
ہائے اتنا بھی نہو مہنگا نمک
بس ہے تیرا مسکرا دینا مجھے
زخمِ دل کو چاہئے کتنا نمک؟

مے تو ہے اے شیخ اک پینے کی چیز
بے تمیز اس میں بھی کھانے کا نمک

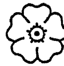
دل بگڑ جاتا ہے ضبطِ اشک سے
اس نمک داں میں نہ بھر ایسا نمک

ہم کو آنسو پی کے باور آ گیا
واقعی بنتا ہے پانی کا نمک

چرخ کب تارے بنانے کیلئے
اُن کے صدقے کا اٹھالایا نمک



"گ"



گل رخوں کا نہ پوچھ ہے کیا رنگ
کوئی پیدا تو کر لے ایسا رنگ

وہ ہیں پھر دوستانِ رنگارنگ
کیا جماؤں وہاں پر اپنا رنگ

حسن ہے ایک خاص کیفیت
نہ سمجھ اس کو صرف گورا رنگ

مل گیا جس میں ہوگیا ویسا
پانی ہوں کیا بتاؤں اپنا رنگ

چاند میں کون سی ہے اُن کی بات
نہ یہ بوٹا سا قد، نہ چہرا، رنگ

ہر نظر موجِ مے ہو پیرِ مغاں
رنگنا ہے تو مجھ کو ایسا رنگ

تو ہمارا حبیب ہے نہ رقیب
رحم اے آسمان ملنا رنگ

کیوں بھبوکا بنے ہو محفل میں
رنگ میں بھنگ ہو تو کیسا رنگ

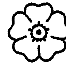
جو بنالیتا آپ کا سا مزاج
میں بھی دن بھر میں تنوٗ بدلتا رنگ

مجھ کو چاہا بڑا کمال کیا
واہ اے یوسفِ زلیخا رنگ

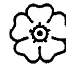
ہے تقاضائے احتیاط یہی
سو میں بیٹھو نہ چھوڑو اپنا رنگ

اب بھی کچھ کم نہیں مگر ساقی
ہائے وہ جلسہ ہائے رنگارنگ

ہم کو آتی نہیں سخن سازی ظاہری دیکھتی ہے دنیا رنگ
چاندتم سا۔ نہ پھول تم سا ہے ہائے یہ سانولا سلونا رنگ
بانیٔ طرزِ خاص ہے وہ صفی
سب سے کرلے الگ جواپنا رنگ



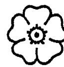
ہائے اس بےخودِشباب کا رنگ لال انگارہ سا شراب کا رنگ
ہوگیا خونِ حسرتِ دیدار دے دیا اشک نے شہاب کا رنگ
اسکی خوش بو گلاب کی خوش بو رنگ اس شوخ کا گلاب کا رنگ
ستیاناس ہوگیا دل کا کیا کہوں اس جلے کباب کا رنگ
بجلیاں دشمنوں پہ گرتی ہیں دیکھ کر میرے اضطراب کا رنگ
وہ سرِ شام سیر کو نکلے پڑگیا زرد آفتاب کا رنگ
اس کے رخ پر نکھر گئی سرخی اللہ اللہ اس حجاب کا رنگ
ماند ہے رات دن ترے آگے ماہ تاب اور آفتاب کا رنگ
اتنی شوخی صفی کسی میں کہاں
رنگ میں رنگ تو شراب کا رنگ



عاشق بنا بھی لیتے ہیں اپنے کو یار لوگ دنیا میں ہیں ہزار طرح کے ہزار لوگ
دی جان کوہ کن نے مگر آن تو نہ دی گذرے ہیں عاشقوں میں بھی کیا وضعدار لوگ
اب عشق و عاشقی کو ہمارا سلام ہے اس کام کو بگاڑ چکے ہیں گنوار لوگ
تم ہم جو مل کے بیٹھیں تو اٹھتی ہیں انگلیاں کیا مل کے بیٹھتے نہیں دنیا میں چار لوگ

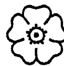
تیرِ نظر سے اُس کے حسیں بھی نہ بچ سکے | کرتے ہیں اس طرح کا بھی دیکھو شکار لوگ
ہم سے ہزار چیخیں تو پوچھے نہ ایک بھی | وہ ایک کو بلائیں تو دوڑیں ہزار لوگ
وہ میری مانتے تو بھلا کس کی مانتے | ناحق ہیں روز کیوں مرے سر پر سوار لوگ
موقوف ہے جو آپ کا دیدار حشر پر | بس آج ہی سے مرگئے امیدوار لوگ
ہوں بدگمان میری سمجھ کا قصور ہے | بے اعتبار آپ نہ بے اعتبار لوگ
رونے پہ آ تو آنکھ میں آنسو اٹھا نہ رکھ | کرتے ہیں ایسا کام کفایت شعار لوگ
جس سے نہ مل سکے اُسے بدنام کردیا | کیا کیا تماشے کرتے ہیں دنیا میں یار لوگ
حاسد ہیں اتفاق کے دشمن سخن تراش | اُٹھیں ہزار تہمتیں بیٹھیں جو چار لوگ
آداب اور ادب نہیں محفل میں آپ کی | لائے ہیں مانگے تانگے کے گویا اُدھار لوگ
رونا بغیر درد بھلا کس سے ہوسکے | ہم بے قرار لوگ ہیں بے اختیار لوگ
لوگوں سے اُٹھتی جاتی ہیں ایمان داریاں | دنیا سے اُٹھتے جاتے ہیں ایمان دار لوگ
دشمن پہ حالِ قبرِ صفؔی منکشف جو ہو | کھل جائے یہ کہ پوجتے ہیں کیوں مزار لوگ

دل کیا لگاؤں حسن فروشوں سے اے صفؔی
ملتے ہیں روز ایسے تو باون[۵۲] ہزار لوگ



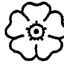
حسیں کیا ہوئے ہیں ذرا آپ لوگ | سمجھتے ہیں خود کو خدا آپ لوگ
سراپا اگر درد ہم لوگ ہیں | تو گویا سراپا دوا آپ لوگ
زمانہ سراپا الم کیوں نہو | ہوئے کیوں سراپا دوا آپ لوگ

یہی جھوٹ کو سچ کریں سچ کو جھوٹ
صفؔی اور کرتے ہیں کیا آپ لوگ



کام ڈالے خدا نہ ان سے کوئی لوگ پھر اُس کی انجمن کے لوگ
خُلق و تہذیب میں خدا رکھے ہیں غنیمت بہت دکن کے لوگ

شاعری کھیل ہوگئی ہے صفی
اِکّے دُکّے رہے ہیں فن کے لوگ



"ل"



فیصلہ کر یا تو ارمانِ دل مضطر نکال یا تو میں حاضر ہوں بسم اللہ چل خنجر نکال
اے دلِ وحشی نکل گھر سے تو اس کا گھر نکال پانو کے چکر نہیں تقدیر کے چکر نکال
کون کہتا ہے کہ ارمانِ دلِ مضطر نکال باتوں باتوں میں بگڑ جا بیٹھے بیٹھے شر نکال
اس کے طعنے یاد آ کر مجھ کو تڑپایا کریں چارہ گر سے میں کہوں دل سے مرے نشتر نکال
اے جنونِ عشق تیری قدر اب ہونے لگی ضعف کہتا ہے کہ گھر سے پانو تو باہر نکال
تیرے ملنے میں بھی اب ہم کو مزہ ملتا نہیں کچھ نئے انداز پیدا کر نئے تیور نکال
تجھ کو گننے کی ضرورت کیا ہے اب میرے قصور ظلم تو ہے ایک کے دس سات کے ستر نکال
دل کے دینے میں ششش و پنج اسقدر بے سود ہے مجھ پہ تیرا کچھ نکلتا ہے تو غارت گر نکال
یہ نیا غم ہے کہ تجھ سے مل کے پچھتانا پڑا بس ستم گر بس شکایت کے نہ اب دفتر نکال
یہ تلوّن تو ترا اے دل نہیں ہے کام کا یا تو اس سے ڈر ہمیشہ یا تو اس کا ڈر نکال
تجربہ کہتا ہے نام اس بے وفا کا اب نہ لے آس یہ کہتی ہے اس کا تذکرہ اکثر نکال
تیرا دیوانہ ہوں تو اپنا مجھے سایہ سمجھ گھر میں رہ تو گھر میں رکھ، باہر نکل باہر نکال
جرمِ عاشق دیکھ خود کو دیکھ اپنی شان دیکھ جانے دے ان جان ہو جا چشم پوشی کر نکال
اللہ اللہ کسر نفسی کی کوئی حد ہی نہیں تیرے صدقے کوئی اپنا سا پری پیکر نکال

دل کی چوٹیں دیکھ کر اس سخت گو نے یہ کہا
تو مرے نزدیک سے ایک آدھ تو پتھر نکال

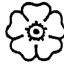
مجھ کو جو کہنا ہے کہہ، میری خطا میرا قصور
نام اس کا تو نہ منہہ سے اے ملامت گر نکال

میں یہ کہتا ہوں کہ نام اس بے وفا کا اب نہ لوں
دل یہ کہتا ہے کہ اس کا تذکرہ اکثر نکال

مجھ کو رونے سے غرض، مطلب، تعلق، واسطہ
صرف جی میں آئی تھی، ارمانِ چشمِ تر نکال

بے دلی کی زندگی سے جی بہت اکتا گیا
دیکھ ظالم غیر کا غصہ نہ تو ہم پر نکال

اے صفی پھر اُس کی محفل کی تمنا ہے تجھے
یاد ہے وہ ''اس کو باہر کر، اسے باہر نکال''



کوئی غمِ فراق سے بھوکا ضرور ہے
آیا جو ہر نوالۂ لختِ جگر میں بال

بگڑے تمہاری زلف سے سنبل مجال کیا
ایسا بناؤں اک نہ رہے اس کے سر میں بال

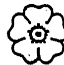
اللہ کس کے سر کی بلا کس کے سر پڑی
سودا ہمارے سر میں ہے اور اس کے سر میں بال

تدبیرِ قتل اس کی مسّے کا ہے کانٹا
باندھو گلوئے عاشق خستہ جگر میں بال

جادو نگاہ آئنہ رخسار شوخ چشم
پھر اس پہ لمبے لمبے ہیں کافر کے سر میں بال

بے رحمیٔ فلک کا بھلا اور کیا ثبوت
ہوتا نہیں ہے سینۂ بے دادگر میں بال

ہے میرا بال بال گنہ گار اے صفی
اِتنے گنہ کیے کہ نہیں اُتنے سر میں بال



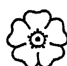
وہ ہے دل بر بنا لینے کے قابل
کلیجے سے لگا لینے کے قابل

جوانی آ چکی! اللہ رکھے
ہوئے ہو اب دعا لینے کے قابل

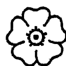
جو ہو تم سا تو پھر ہر چارہ گر ہو
دوا دینے دعا لینے کے قابل

کروں کیوں رشک سے مرنا گوارا
نہیں ہر زہر کھا لینے کے قابل

ہم اپنی جان کیوں دیں دوسرے پر
کہاں ہے دوسرا، لینے کے قابل
مزا دنیا کی ہر شے میں ہے موجود
بنا خود کو مزا لینے کے قابل
مزا ہر حال میں آئے گا اس کو
صفی جو ہو مزا لینے کے قابل



عشق میں جنگل کے کانٹے تھے تجھے جنت کے پھول
واہ وا اے قیس تیری قبر پر رحمت کے پھول
ہم کہاں پھر اور سیرِ داغ ہائے دل کہاں
آؤ دیکھو ہوتے ہیں یہ پھول کس رنگت کے پھول
اک زمانہ تھا حسیں اپنے گلے کا ہار تھے
ہم نے پہنے ہیں کبھی انسان کی صورت کے پھول
کچھ ہوا سے اُڑ گئے کچھ دھوپ سے مرجھا گئے
سب کی آنکھوں میں کھٹکتے تھے مری تربت کے پھول
اے صفی پھولا سماتے ہی نہیں ہم اس لئے
آج پہنے ہیں مرے سرکار نے صحت کے پھول



"م"



سب کچھ درست شوخ ہیں ہم بے وفا ہیں ہم
اچھا یہ کہیئے آپ ہیں معشوق یا ہیں ہم
اس رکھ رکھاؤ نے تو کہیں کا نہیں رکھا
اس نے سمجھ لیا ہے کسی پر فدا ہیں ہم
کوئی علاج وحشتِ دل بھی تو کچھ بتائے
لوگوں کو دیکھنے میں اگر بدنما ہیں ہم
ناقدردانِ اہلِ وفا ہوتو خوش رہو
تم سے نہیں ہیں زیست سے اپنی خفا ہیں ہم
اُن کو ہُوا کرے دلِ پرسوز کا خیال
اب تو رہینِ منتِ بادِ صبا ہیں ہم

اپنے پہ ناز تھا جو اُٹھاتے تھے اس کے ناز
اے توبہ! کوئی خوگرِ جورو جفا ہیں ہم

مانا کہ تم نے اک غلطی اپنی مان لی
پھر بھی تو بے قصور ہیں ہم بے خطا ہیں ہم

سب جان بوجھ کر بھی ہیں ان جان آج تک
او آشنا فریب! فریب آشنا ہیں ہم

اب تو رضائے دوست کو بس دور سے سلام
سب یہ سمجھ گئے ہیں کہ بے دست و پا ہیں ہم

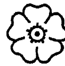
ہر اک ستانے والا ہمیں شوق سے ستائے
بے کس ہیں بے زبان ہیں بے آسرا ہیں ہم

نالوں سے شامِ ہجر کی بھی صبح ہوگئی
ہم سے بلائیں بھاگتی ہیں، وہ بلا ہیں ہم

دے کر تسلیاں نہ کوئی اور دل دُکھائے
معلوم ہوچکا ہے ہمیں لادوا ہیں ہم

دنیا میں کیسے کیسے تماشے کے لوگ ہیں
اب یہ خبر اڑائی کہ اس سے خفا ہیں ہم

شائد یہی اثر ہے محبت میں اے صفؔی
جتنے کسی سے خوش تھے اب اتنے خفا ہیں ہم



اتنے تو ہم خیال دلِ مبتلا ہیں ہم
کل جس سے خوش تھے آج اُسی سے خفا ہیں ہم

تجھ سے جدا نہیں ہیں جو تجھ سے جدا ہیں ہم
تیرے ہی ہیں اگر چہ ترے نقشِ پا ہیں ہم

کہتے ہیں ہم کو نیک بھی بد بھی ہزارہا
اس کی خبر نہیں ہے کہ دراصل کیا ہیں ہم

رتبہ بڑھادیا ہے جنونِ فراق نے
ہم سے جدا ہیں آپ تو سب سے جدا ہیں ہم

تاثیرِ اشک و آہ نے بدلا نہیں مزاج
مدت ہوئی کہ شاکیٔ آب و ہوا ہیں ہم

لاکھوں جفائیں سہہ کے اب آیا ہے یہ خیال
ملتے ہی کیوں ہیں اس سے جو بے مدعا ہیں ہم

وہ یاس بن گئی جو زمانے کی آس تھی
آزردہ آج اپنے سے بے انتہا ہیں ہم

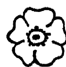
جمتا ہے اپنے ذکر سے اب محفلوں کا رنگ
رہتے ہیں اپنے گھر میں مگر جابجا ہیں ہم

کیا کیا عنایتیں ہیں بس اے چرخِ پیر بس
تیرا تصدق اب بھی کسی سے جدا ہیں ہم

اب اتفاقِ اہلِ وفا تم کو کیا دکھائیں
محشر میں دیکھنا کہ یہ سب ایک جا ہیں ہم

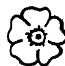
منظور امتحان دلِ عشق باز ہے   اب اپنے واسطے بھی تو صبر آزما ہیں ہم

اس پر مٹے ہوئے ہیں مٹاتا ہے جو صفیؔ
دشمن کی گا رہے ہیں بڑے خوش نوا ہیں ہم



وہ جو لیتا ہے تو لے اپنی ستم گاری سے کام   ہم کو فعلوں سے غرض کیا یار کی یاری سے کام
دردِ دل سے ہم اگر مرتے ہیں مرنے دو ہمیں   کیا غرض، کیا واسطہ، کیا تم کو غم خواری سے کام
آنکھ روے میں کروں کوشش تو دل تڑپا کرے   کام کی تو بات ہے جو سب کریں باری سے کام
کوہ کن نے گلشنِ عالم میں ثابت کر دیا   پھول ہے عشاق کو بھاری ہو جو بھاری سے کام
بات بگڑی جب بنائی بات اُن کے روبرو   کام نکلا جب نکالا ناز برداری سے کام
وہ یہ کیوں پوچھے؟ کہ "مجھ سے آپ کو کیا کام ہے"   اس کو دل لینے سے مطلب اس کو عیاری سے کام
گل ہوا باغی تو اس کے گال پر کھاتا ہے خار   دیکھنا اب آ پڑا ہے ایک بازاری سے کام
ناگوار طبع تھی منت مگر کرنی پڑی   کاش بن جاتا ہماری نالہ وزاری سے کام
وہ اچانک سامنے آیا تو بے خود ہو گئے   گو لیا اتنے دنوں ہم نے بھی ہشیاری سے کام

اے صفیؔ ملتی حکومت گر محبت کے عوض
پھر تو لیتے خط کے بدلے نیم سرکاری سے کام



لائے ہیں ذوقِ دیدہ و دل جس کے گھر سے ہم   دیکھیں برابری کا اُسے کس نظر سے ہم
عاشق ہوئے تو فلسفۂ حسن حل ہوا   محسن شناس ہو گئے درد جگر سے ہم
تھا دوستی کا لطف نہ تھے جب تکلفات   کچھ بے خبر سے آپ تھے کچھ بے خبر سے ہم
پوری تو رائے گاں نہ گئی عمرِ جست و جو   واقف تو ہو گئے تری ہر رہ گزر سے ہم

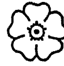
جو بھی سلوک آپ کریں اختیار ہے
واقف نہیں ہیں مسئلۂ خیر وشر سے ہم
منظور کیا ہے کوئی اسے دیکھتا نہیں
بدنام ہیں زمانے میں اپنی نظر سے ہم
ہر رنگ میں لگی ہے تلاشِ نظر نواز
اب ایک کام لیتے ہیں اپنی نظر سے ہم
دیکھا ہے آرزو سے محبت سے یاس سے
اس کے علاوہ دیکھیں اسے کس نظر سے ہم
اب تک پڑی ہے جس پہ اسے بدگماں کیا
ازخود بھی بدگمان ہیں اپنی نظر سے ہم
تکنے لگے گا آپ کو ہر ایک دیکھئے
لیں گے زباں کا کام جو اپنی نظر سے ہم
شائد سمجھ چکے ہیں وہ کچھ حسن و عشق کو
جو پوچھتے ہیں آپ ہیں یا پیشتر سے ہم

اللہ دشمنوں کی نظر سے اِسے بچائے
رُسوا ہوے جنابِ صفؔی جس نظر سے ہم

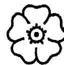


ہیں جب سے ہم خیال دل مبتلا کے ہم
جاتے ہیں اسکے سامنے سے منہ چھپا کے ہم
محفل میں تیری اپنے رقیبوں کو پا کے ہم
الفاظ یاد کرتے ہیں اپنی دعا کے ہم
کیوں ہتھکنڈوں میں آئے دلِ مبتلا کے ہم
کیوں منفعل ہیں اسکو گلے سے لگا کے ہم
عاشق نہیں ہیں آپ کے ناز و ادا کے ہم
انداز دیکھتے ہیں دل مبتلا کے ہم
تکلیف ہو کسی کو گوارا نہیں ہمیں
روتے ہیں غیر کو بھی گلے سے لگا کے ہم
بے صبر دل نے ساری بگاڑی بنی بنائی
رستے پہ لائے تھے اسے سمجھا بُجھا کے ہم
ہر بات پر تمہیں بھی جتاتے ہیں اسلئے
خودسر کسی زمانے میں تھے انتہا کے ہم
یہ شوخیاں کہ چور بھی ہو سینہ زور بھی
کہتے بھی ہو کہ لے گئے دل کو چرا کے ہم
پائی نصیحتیں بھی نصیحت نہیں ہوی
پھر آزما رہے ہیں اسے آزما کے ہم
رسوائیوں کی روک جواب ہو تو خاک ہو
قربان ہو رہے ہیں ترے نقشِ پائے ہم

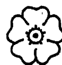
غم دوست کا جو کھائیں تو اظہار ہو مدام　　ہو روپیہ تو آج مکر جائیں کھا کے ہم
بس اور کیا کہیں کسی امید پر صفی
بندے بنے ہوئے ہیں دلِ مبتلا کے ہم



جی نہیں سکتے بن تمہارے ہم　　آؤ تم جیتے اور ہارے ہم
اپنے مطلب کے دوست ہیں سب دوست　　ہو نہیں سکتے یہ ہمارے ہم
کاش مل جائے موت قابو کی　　پھر رہے ہیں جو مارے مارے ہم
مٹ چکے داغ ہائے بدنامی　　آج کل گن رہے ہیں تارے ہم
نہ کرو اب کنارہ آجاؤ　　لگ چکے گور کے کنارے ہم
اے صفی ہم سے اُن کو کام نہیں
ہو گئے اس قدر نکارے ہم



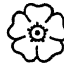
اب کسی اور کو ستاؤ تم　　وہ زمانہ تو بھول جاؤ تم
روز آتے نہیں تو یوں ہی سہی　　دوسرے تیسرے تو آؤ تم
اے صفی وہ کسی کی سنتا ہے
بڑبڑانے کی بڑبڑاؤ تم



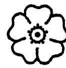
سو بار عدو کے گھر گئے ہم　　وحشت میں کدھر کدھر گئے ہم
دنیا ہی سے گزر گئے ہم　　جیتے رہیں آپ مر گئے ہم

دی جان کسی پہ مر گئے ہم ۔۔۔ جو کچھ کرنا تھا کر گئے ہم
بہروپ بنا کے غیر آئیں ۔۔۔ ایسوں کے ڈرائے ڈر گئے ہم
بے تابیٔ دل ترے تصدق ۔۔۔ پہلے پہلے تو ڈر گئے ہم
گھر سے نکلے تھے تم کو دیکھا ۔۔۔ معلوم نہیں کدھر گئے ہم
رسوائی چڑھے نہ اور جھنڈے ۔۔۔ اس کے دل سے اتر گئے ہم
اُمید بندھی تو جان نکلی ۔۔۔ جینے کے دنوں میں مر گئے ہم
بخشش کیلئے دیا نہ دھوکا ۔۔۔ بادامنِ چشمِ تر گئے ہم

سچ سمجھے صفیؔ فسانۂ قیس
دیوانے کی بات پر گئے ہم

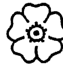


"ن"

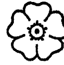


کچھ عرض، التماس تو لایا نہیں ہوں میں ۔۔۔ کچھ تم سے مانگنے کو تو آیا نہیں ہوں میں
عاشق نہ جان، خیر مجھے حرص بھی نہیں ۔۔۔ اتنا تو جان لے کہ پرایا نہیں ہوں میں
کیا خاک پھر کسی کی نظر میں سماؤں گا ۔۔۔ جب آپ کی نظر میں سمایا نہیں ہوں میں
بے چارہ آسمان مجھے کیا ستائے گا ۔۔۔ سچ کہیے آپ کا تو ستایا نہیں ہوں میں
ایسی ہی بے رُخی ہے تو آداب لیجئے ۔۔۔ محفل میں بے بلائے تو آیا نہیں ہوں میں
کس کو سناؤں دیدہ و دل کی خرابیاں ۔۔۔ بندے کے ہاتھ کا تو بنایا نہیں ہوں میں
تم پہلے امتحان مرا کر کے دیکھ لو ۔۔۔ پابند ہوں زبان کا آیا نہیں ہوں میں

کیوں بارگاہِ عشق میں اتنا ذلیل ہوں سرکار کی خلاف رعایا نہیں ہوں میں
دنیا کے رہنے والوں پہ میرا بھرم نہ کھول ایسا گناہگار خدایا نہیں ہوں میں
خاموش ساتھ ساتھ کہاں تک چلا چلوں انسان ہوں کچھ آپ کا سایا نہیں ہوں میں
آسودہ حال تم نے صفی کو سمجھ لیا
اے اہلِ شہر کوئی پرایا نہیں ہوں میں

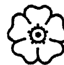


خوش ہوں یا دوست سے خفا ہوں میں آج کل کچھ نیا نیا ہوں میں
تم پہ سو جان سے فدا ہوں میں تم جسے چاہو اس کو چاہوں میں
ہر ادا پر تری فدا ہوں میں آئینہ بن کے دیکھتا ہوں میں
اُن کو یہ آرزو ارے توبہ میں کہوں آرزو بھرا ہوں میں
اے عطا کوش کر عطائی نظر اے خطا پوش بے خطا ہوں میں
ابتدا ہی غلط ہے بسم اللہ اپنا انجام سوچتا ہوں میں
ایک نادان دوست کی خاطر دشمنوں سے ملا ہوا ہوں میں
کس مپرسی ہے خاک ہونے تک خاک ہوتے ہی کیمیا ہوں میں
عشق بازی ہے زندہ درگوری موت سے پہلے مرچکا ہوں میں
کسی صورت بھی کامیاب نہیں کس نراسے کا مدعا ہوں میں
ہجر میں موسمِ ہجومِ گل اور دیوانہ بن گیا ہوں میں
مجھ کو کیوں جانتے ہو مستغنی نہیں بندہ نہیں، خدا ہوں میں؟
عشق نے کردیا نکما سا اب ترے کام کا بنا ہوں میں
طلبِ حق ہے ایسے عجز کے ساتھ جیسا خیرات مانگتا ہوں میں
ابھی سب کچھ ابھی نہیں کچھ بھی
اے صفی کیا بتاؤں کیا ہوں میں



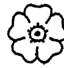
کیا ہوں جو اُن کا نقش پا ہوں میں | ٹھوکروں میں پڑا ہوا ہوں میں
مسلکِ عام سے جدا ہوں میں | کچھ تو رستے پر آ گیا ہوں میں
ایک بے درد پر فدا ہوں میں | روز اک درد مانگتا ہوں میں
تو نے کتنے خدا بنائے ہیں | بندگی! تیری انتہا ہوں میں
اس سے پوچھو کہ اس نے کھویا ہے | مجھ کو ڈھونڈو کہ کھو گیا ہوں میں
دل میں جلوے نظر میں انجمنیں | ایک ہوں اور جابجا ہوں میں
تڑپ اے دل کہاں کی خودداری | وہ سمجھتے ہیں دوسرا ہوں میں
عاشقی عیب ہی سہی لیکن | بے بنائے نہیں بنا ہوں میں
دیکھنا رنگ اُن کی محفل کا | بے بلائے جو آ گیا ہوں میں
لوگ کیوں دیکھتے ہیں رُخ میرا | چار دن کی اگر ہوا ہوں میں
پیار آتا چلا ہے اپنے پر | وہ مرے بھیس میں ہے یا ہوں میں
یاد فرما کے وہ تو بھول گئے | سر جھکائے کھڑا ہوا ہوں میں
مجھ سے اُن کا پتہ چلاتے ہیں | آدمی ہوں کہ نقش پا ہوں میں

اے صفی حسن و عشق سے واقف
ایک وہ ہیں تو دوسرا ہوں میں

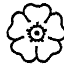


سرخ رو کیوں ہو میرے ماتم میں | پان کھاتے نہیں محرم میں
اور کے ساتھ کیا چلو گے چال | یہ ہمیں تھے جو آ گئے دم میں

ہیں گنہ گار اے صفی ورنہ
کون سی بات ہے بری ہم میں



اس کے جلوؤں کی خبر عام ہوئی یاروں میں بٹ گئی ایک دوا سیکڑوں بیماروں میں
ایسے بے درد بھی گذرے ہیں زمانے میں صفی
زندہ لوگوں کو جو چُن دیتے تھے دیواروں میں



آرزو خاک بتائے ترا شیدا دل میں نہو دل ہی کا ٹھکانہ جو سراپا دل میں
بدظنی دل میں، حسد دل میں، تمنا دل میں گھامڑے شوق سے بھر لیتے ہیں کیا کیا دل میں
درد میں ہو نہ سکا، درد کے قابل رونا موج زن شرم و خجالت کا ہے دریا دل میں
دل میں ہے اس کی جگہ، دل کی جگہ پہلو میں کوئی بوجھے! مرے پہلو میں ہے وہ یا دل میں
بہہ گئے آنکھ سے آنسو ہی خوشی کے مارے تم کو دیکھا تو ہوا حشر ہی برپا دل میں
ہر تمنا میں مری ایک نہ ایک عیب نکال ہاں مرے دوست نہ رہ جائے تمنا دل میں
آپ تشریف نہیں لائے تو ہم آئے تھے کیا کہیں کس کیلئے آئے تھے کیا تھا دل میں
عیش بھی طیش بھی راحت بھی جراحت بھی ہے آپ کی یاد کا صدقہ نہیں کیا کیا دل میں
اشک خونیں پہ نہ پڑ جائے کہیں دوست کی آنکھ دل کا سب رنگ ہے اس قطرۂ دریا دل میں
واہ کیا جشن نوازش ہے یہ اے نکتہ نواز اُن کو رخسار پہ تِل، مجھ کو سویدا دل میں
حرص کی جتنی برائی بھی صفی کی ہم نے
اتنی بڑھتی ہی گئی حرص کی دنیا دل میں



کیا کہا یاد کسی کی بھی نہ آئے دل میں آپ کا کوئی اجارہ ہے پرائے دل میں
دردِ فرقت کے مزے لوٹ رہا ہوں دن رات آرزو، شوق، بس اب کوئی نہ آئے دل میں

بند کردیں گے رہِ عشق ہی ہم رو رو کر
آئے آنکھوں سے اگر کوئی تو جائے دل میں

اثرِ عشق نے کچھ چین ہی لینے نہ دیا
اِدھر اُن سے ہوئی رنجش اُدھر آئے دل میں

تاکنے والے کی آنکھیں تو نہیں سی سکتا
کس بھروسے پہ کوئی تم کو چھپائے دل میں

وہ زمانہ بھی تو کچھ، یاد ہو تم کو آخر
دن میں سو بار گئے دل سے کہ آئے دل میں

عشق اک ضد ہے جو وابستہ ہوئی ہے تم سے
ورنہ ہم جس کو کہیں آنکھوں سے آئے دل میں

برطرف ضبط، کھلے راز، بلا سے کچھ ہو
روئیں گے آج تری یاد تو آئے دل میں

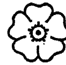
ہائے اظہارِ محبت میں بڑی چوک ہوئی
کیوں رکھا اس کو زمانے سے چھپائے دل میں

دوستی میں جو ہو سو طرح کی آفت ہو جائے
شک بری چیز ہے اللہ نہ آئے دل میں

متبرک ہیں دل و دیدہ کے لاکھوں معشوق
دل سے آنکھوں میں گئے آنکھوں سے آئے دل میں

اپنا دل اُن سے جو مانگا تو وہ فرماتے ہیں
فرق ہوتا ہے بہت اپنے پرائے دل میں

اے صفؔی دل میں ہے کچھ تیری زباں پر کچھ ہے
کیا کہیں گے تجھے سب اپنے پرائے دل میں



یہ سب دکھ درد آمنا ہے مجھ کو بیٹھ کر گھر میں
کہ مئے بازار میں ملتی ہے تو خونِ جگر گھر میں

جنابِ دل مبارک تم کو یہ ذہنی سفر گھر میں
خیالی گھوڑے دوڑایا کرو بس بیٹھ کر گھر میں

گھڑی بھر بھی کہاں رہتا ہے تو اے فتنہ گر گھر میں
کہ ہم رکھتے ہیں دنیا بھر کی خبریں بیٹھ کر گھر میں

ہمیں عقبیٰ کا دھڑکا اور دنیا بھر کی فکریں ہیں
اُدھر آدھے ہیں گویا گور میں آدھے اِدھر گھر میں

ہم آوارہ سہی لیکن انہیں بھی کم نہیں پایا
رہا کرتے ہیں جو چونسٹھ گھڑی آٹھوں پہر گھر میں

نہ راتوں کا مزہ آیا نہ باتوں کا مزہ آیا
ہوا ہر وقت ایسا وہ یہاں تھے دل مگر گھر میں

قیامت میں بھلا وہ آنکھ ہم سے کیا ملائیں گے
رہے ہوں جو خدا کے نیک بندے عمر بھر گھر میں

یہ کیوں سوزِ جگر نے خانۂ تن پھونک ڈالا ہے
اگر مٹی ہی کے چولھے ہوا کرتے ہیں ہر گھر میں

تم اپنے گھر میں رہنا سیکھ لو تصویر سے اپنی
کہ اپنے گھر سے باہر بھی نہیں ہے اور ہر گھر میں
جو ٹھیرے چرخ تو ہم گفت وگو سن لیں فرشتوں کی
سمجھ میں کچھ نہیں آتا ہے اس چکّی کی گھر گھر میں
ترے بیمار گو چل پھر نہیں سکتے مگر پھر بھی
اُٹھا لیتے ہیں اُٹھتے بیٹھتے لطفِ سفر گھر میں
شبِ فرقت مرے گھر کا اُجالا ہے مگر کیا ہے
رہا کرتی ہے دن بھر گھر کے باہر رات بھر گھر میں
صفؔی وہ تو نہ آئے تھے، نہ آئے ہیں نہ آئیں گے
یہ کس کو ڈھونڈتی پھرتی ہے پھر اپنی نظر گھر میں



کٹ جھجتی عدو کی پھر اُن کے حضور میں
مارا گیا یہ آگ کا پُتلا غرور میں
پہنچا نہ بے قصور تو ان کے حضور میں
اب ہوں قصور وار جو چوکوں قصور میں
اے تیری شان نار کی تاثیر نور میں
یہ کس نے اپنی دل کی لگا دی ہے طور میں
عشاق کے دلوں کو نہ معلوم کیجئے
صوفی کی طرح پڑیئے نہ کشف قبور میں
یہ اختلافِ طبع خدا جانے کیا دکھائے
میں اپنی وضع میں ہوں وہ اپنے غرور میں
ہے فکر آبروئے دل و داغ ہائے دل
ڈوبا ہوا ہوں ملکی و مالی امور میں
کیوں نا امید ہے دلِ ایدوار وصل
کیا جانے آئے غیب سے کل کیا ظہور میں
اندھا بنا دیا مجھے ساقی ترے نثار
آنکھوں کا نور مل گیا دل کے سرور میں
با وصفِ سعی کامل و وافر خفیف ہوں
بحرِ کرم نہیں مرے فن کی بحور میں
ہاروؔن اور قاسؔم و یوسفؔ سے اے صفؔی
اپنی وطن کی طرح کٹی بنگلور میں
کیا لطفِ سیر و ذوقِ تماشا کہیں صفؔی
کل سات آٹھ دن تو رہے بنگلور میں



بڑھی جاتی ہیں روزانہ ہزاروں حسرتیں دل میں
مری مشکل کشائی کر کے ڈالا تم نے مشکل میں

کریں کیوں قدردانی کیوں پھنسائیں خود کو مشکل میں
نہیں کہتے زباں سے جو وہ سمجھے ہیں مجھے دل میں

اُٹھا دے فرق نیک و بد محبت ہے اگر دل میں
دو عملی میں پھنسا وہ جو پھنسا حق اور باطل میں

نہ چھوڑیں کیوں ہمارا ساتھ احباب اس کی محفل میں
تقرب خواہ کوشش کرتے ہیں ترکِ وسائل میں

نہ دیکھو مسکرا کر شرم سے یوں اپنے بسمل کو
بھلا یہ خاص معشوقوں کے انداز ایک قاتل میں

علاجِ داغِ دل اک روشنیٔ طبع تھی میری
میسر اب کہاں ہے وہ جو تھی اِک روشنی دل میں

محبت کرنے والے منزلِ مقصود پر پہنچے
کتابی سب الجھ کر رہ گئے عقلی دلائل میں

وہ جیسا سب سے سنتا ہے مجھے ویسا سمجھتا ہے
مرے دل میں ہے کیا کچھ گھس کے دیکھا تو نہیں دل میں

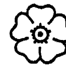
محبت کا تقاضہ کچھ سمجھ ہی میں نہیں آتا
زیادہ سے زیادہ یہ کہ رکھ لوں بس تجھے دل میں

کسی نے جب سے اپنے کام کا مجھ کو بنایا ہے
بڑھا ہے شغلِ بے کاری ہمارے سب مشاغل میں

ٹھکانے کی کرے کیا بات جو خود بے ٹھکانہ ہو
سلیقہ مانگنے کا تو نہ دیکھو اپنے سائل میں

جتائی عاشقی آہیں بھریں اُن کی شکایت کی
ہوئے ہیں کیسے کیسے جرم ہم سے بھی اوائل میں

بلا سے میری ہر مشکل پیامِ موت بن جائے
صفی دیکھوں تو اس کو جو مدد کرتا ہے مشکل میں



ذرا اُن کی نظر بے جا کہیں دیکھی جو محفل میں
محبت نے ہزاروں وسوسے ڈالے مرے دل میں

اُسے چین آ گیا بے چین کر کے ہم کو محفل میں
ہمارا دل جلایا جب کہیں ٹھنڈک پڑی دل میں

حکومت کا اثر رکھتی ہے بے تابی مرے دل میں
جہاں چاہا وہیں میں نے جگہ لی اُن کی محفل میں

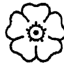
خدارا میری فہمائش کے بدلے حضرتِ ناصح
کوئی تصنیف اپنی چھوڑ جائیں اِن مسائل میں

قیامت ماسوائے قدِ جاناں کیا ہے اے واعظ
خدا کی مار یہ بد اعتقادی پھر ترے دل میں

مری گردن میں باہیں اور اک حسنِ مجسم کی
بھلا کیا فال دیکھوں اس حمائل کی حمائل میں

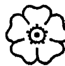
چمک جاتی ہے ایسی کون سی بجلی خدا جانے — کبھی پاتا ہوں سورج سے زیادہ روشنی دل میں
پتہ مل جائے اپنی منزلِ مقصود کا شاید — اگر ڈھونڈوں کلام اللہ کی ہر ایک منزل میں
نہ ہٹیے آئینے کے سامنے سے بات تو جب ہے — نکالیں کسر کوئی آپ اپنے اس مقابل میں
بہت کچھ میں نے اپنے کو بنایا ہے بگاڑا ہے — مگر وہ ہیں کہ اب بھی ہیں وہی جو تھے اوائل میں
فنا فی العشق تک کہنا نہ آیا شیخ صاحب کو — اٹک کر رہ گئے بس قبلہ و کعبہ فنا فِل میں
ہنر آتا تو ایسا بھیک کا ٹکڑا یہ کیوں کھاتا — خدا کے واسطے حسنِ طلب ڈھونڈو نہ سائل میں

صفی استاد بننا ہے تو استادانِ عالم کی
اُٹھاؤ جوتیاں، تازہ کرو حقے بھرو چلمیں



ہمارے ملنے والے یا تمھارے ملنے والوں میں — کوئی اک آدھ ہوگا دوست سارے ملنے والوں میں
مقدر سے کسی دن وہ جو ہم سے کھل کے ملتے ہیں — تو ہوتے ہیں اشاروں پر اشارے ملنے والوں میں
اسے وہ بدگماں کرتے ہیں یہ تاثیرِ صحبت ہے — جو کوئی خوبصورت ہو ہمارے ملنے والوں میں
حسینوں کی جفا سن کے وحشت اور بڑھتی ہے — کہ ملتے ہیں بہت آفت کے مارے ملنے والوں میں
محبت میں تعلّی کی بھی اکثر لوگ لیتے ہیں — چلا کرتا ہے سچا جھوٹ سارے ملنے والوں میں
وہ کیوں دن سے زیادہ رات کو بشاش رہتے ہیں — سمجھتے ہوں گے ہیں یہ چاند تارے ملنے والوں میں

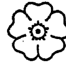
صفی مل کر کسی سے ہم نے ایسی زک اُٹھائی ہے
کہ اب جاتے نہیں غیرت کے مارے ملنے والوں میں



پہیلی، چیستاں ہے عشق اپنا بھی زمانے میں — نہ کہنے میں نہ سننے میں نہ پینے میں نہ کھانے میں
قیامت ڈھا رہے ہیں یہ پری چہرہ زمانے میں — مگر کیا دخل بندوں کو خدا کے کارخانے میں

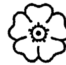
بغیر احباب کے دم بھر کسی دن دل نہیں بہلا
رہے ہم گھر میں ایسے کوئی جیسا قید خانے میں
جتا دیتے ہیں ہم راتوں کی یہ بیٹھک نہیں اچھی
رہا کرتا ہے جمگھٹ آپ کے دیوان خانے میں
قسم عہدِ وفا پر اور وہ بھی آپ کے سر کی
نہ آئی آج تک ایسی کوئی شئے اپنے کھانے میں
کسی نے دل لگی ہی دل لگی میں لے لیا دل کو
الٰہی لٹ گئے ہم دوستانے دوستانے میں
صفؔی سا آدمی اب تو نظر آتا نہیں کوئی
اگر ہوگا بھی ایسا شخص تو اگلے زمانے میں

حسیں اب بھی نظر آتے ہیں یوں تو اے صفؔی صاحب
مگر دو چار شکلیں خوب تھیں اپنے زمانے میں



اکیلے تم نے سیکھے یا کہیں پر بیٹھ کر دس میں
طریقے ظلم کے پہلو ستم کے جور کی رسمیں
تمھاری تیغ ابرو کا بھی لوہا مانتے ہیں سب
کہ یہ بھی ایک ہے تلوار بل میں دھار میں کس میں
لڑائی آپ کی میری ہے اس میں دخلِ دشمن کیا
کہ جو کچھ فیصلہ ہونا ہے ہو جائے گا آپس میں

صفؔی کو ہم سے پوچھو ہم سے بڑھ کر کوئی کیا جانے
غلط ہیں سارے دعوے جھوٹ ہیں سب آپ کی قسمیں



بنے ہو خاک سے تو خاک ساری ہو طبیعت میں
طبیعت ایسی بنتی ہے تو بنتی ہے محبت میں
بہائے جاؤ آنسو عمر بھر اس کی محبت میں
کہ ایسے لوگ موتی کے محل پاتے ہیں جنّت میں
کہا حاضر میں کچھ حجت نہیں پھر مدعا پوچھا
ستم گر نے پلٹ دی بات اب حاضر ہے حجّت میں
کسی سے اپنے حق میں کچھ سنا بھی ہے تو جانے دو
بُرا تو بادشہ کو بھی کہا کرتے ہیں غیبت میں
محبت کی ذرا سی بات پر اتنے خفا کیوں ہو
ہوا کرتی ہیں آخر سیکڑوں باتیں محبت میں
نہیں لا سکتا ہر اک کوہ کن فرہاد کی قسمت
خدا بخشے بڑا انسان گزرا چھوٹی امّت میں

تری ہر ایک تصویر اک ادائے خاص رکھتی ہے
کرے کیا فرق اب کوئی ضرورت اور زینت میں

یہ کیا سائل کے منہ پر توڑ کر ٹکڑا سا رکھ دینا
ارے بندے خدا کو منہ دکھانا ہے قیامت مین

جو بدلے دوست کا بھیس اس کو دشمن کس طرح جانوں
گیا حضرت کلیم اللہ کا نقال جنّت میں

محبت بے اطاعت ایک دھوکہ ہے محبت کا
محبت کا جو دعویٰ ہے تو کوشش کر اطاعت میں

محبت اور محنت کو کہ کن نے یہ بھی کی وہ بھی
اُلٹ ہے ایک نقطے کی محبت اور محنت میں

صفؔی دنیا میں جینے کا مزہ کچھ بھی نہیں پایا
ہماری عمر کچھ غفلت میں گزری کچھ ندامت میں



ہزاروں لطف ملتے ہیں حسینوں کی محبت میں
کچھ استقلال ہو تھوڑی سی شوخی ہو طبیعت میں

یہ دنیا بھی الٰہی کیا طلسمی کارخانہ ہے
جسے دیکھو وہ بے چارہ نہیں ہے اپنی حالت میں

کبھی اس انجمن آرا کو چل کر دیکھ لے صوفی
تو پھر کھل جائے وحدت کس طرح ہوتی ہے کثرت میں

مجھے عاشق بنایا اس کو معشوق آپ کو ناصح
بھلا اے ہم نشیں کیا دخل ہے بندے کو قدرت میں

چمن ہو نوجواں احباب ہوں بے احتیاجی ہو
تو میں سمجھوں کہ دنیا میں بھی ہوں فی الحال جنت میں

نہ ملتے وہ تو اچھا تھا نہ آتے وہ تو بہتر تھا
غضب ہے عیش کی باتوں کا یاد آنا مصیبت میں

یہاں تو اُن کی رسوائی کے ڈر سے جھوٹ کہتے ہیں
وہ فرماتے ہیں یہ مجھ کو برا کہتا ہے غیبت میں

ہم اپنی چار دن کی زندگی میں کیا کریں یارب
یہ سوچا بھی نہیں جاتا ہے کچھ اتنی سی فرصت میں

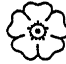
کبھی وعدے پہ سر تھیورا کے وہ یوں مسکراتے ہیں
جو ناواقف سمجھ لے کچھ فتور آیا ہے نیت میں

تمھارے سنگ در میں لعل ہیرے ہیں تو ہم کو کیا
پڑے جھولی میں پتھر آئے خطرہ جس کی نیت میں

الٰہی خیر یہ مجمع ہے مجمع نوجوانوں کا
بڑا بوڑھا زلیخا کے سوا ہو کون جنت میں

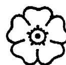
یہ دنیا خود غرض ہے حلوے مانڈے سے اسے مطلب
مرے کوئی تو مردہ جائے دوزخ میں کہ جنت میں

صفؔی قربان اس بندہ نواز و بندہ پرور کے
جو بھولو عیش میں تو یاد آتا ہے مصیبت میں



دید کی عید کیا قیامت میں | کون اس دن رہے گا فرصت میں
شیخ ہے مے کشوں کی سنگت میں | یا ہے گانجے کا جھاڑ جنت میں
وہ بھی ہو میرے ساتھ اے مالک | لُطفِ جنت بھی پاؤں، جنت میں
زندگی جس کی صلح کل پر ہے | روز ہے ایک تازہ آفت میں
اللہ اللہ اشرف المخلوق | شانِ معمار ہے عمارت میں
میری بے اعتدالیاں پکڑیں | خوب سوجھی اُنھیں عبادت میں
تہمتیں اور وہ بھی یوسفؑ پر | الاماں عشق ہو جو عورت میں
پسِ وعدہ وہ مسکراتے ہیں | کچھ نہ کچھ ہے فتور نیت میں
کم سے کم ہنس کے بات تو کیجئے | تھوڑی شوخی بھی ہو متانت میں
دوست ہوتا ہے دوست کا مجبور | اور ہوتا ہے کیا محبت میں
پھوٹ پڑتی ہے بدگمانی سے | پیچ پڑجاتے ہیں محبت میں
طالبِ دید کو نظر آجا | دیکھ دیدے تو لگ گئے چھت میں
نہیں آدابِ شرب سے واقف | جو رہے پی کے اپنی حالت میں
اس نے میری نظر سے تاڑ لیا | کچھ رکرک آگئی جو نیت میں
آپ کرتے ہیں چاندنی کی سیر | آسماں کم ہے اپنی زینت میں
میری نقلیں اُتارتے ہیں آپ | کوئی دیکھے جو ایسی حالت میں

لکھ رہے ہیں غزل جنابِ صفی
آج جانا ہے ایک دعوت میں



آنکھ میں اشک ہیں طوفانِ محبت دل میں
اب وہ جو چاہیں سمجھ لیں مری نسبت دل میں

تو نہیں جب سے نہیں ایک بھی لذت دل میں
عیش ہے طیش تو راحت ہے جراحت دل میں

بزم میں ہم نے لہو اپنا پیا ہے ساقی
تھی ترے ہاتھ سے پینے کی جو نیت دل میں

آج کس منہ سے کروں رنج و الم کا شکوہ
رہ چکے ہیں یہ کبھی تیری بدولت دل میں

اُن پہ مرتا نہیں اپنے پہ مرا جاتا ہوں
شکر لب پر ہے مرے اور شکایت دل میں

لوگ کیوں جان گئے دیکھنے والا تیرا
نہ کھلا، آنکھ میں ہے یا تری صورت دل میں

جب زمانے میں نہیں ایک بھی تم سا کوئی
پھر ہو یہ بھی نہ رکھو ایک بھی حسرت دل میں

گومگو میں ہوں اسے ہجر کہوں میں کہ وصال
نہ رہا وقت مگر رہ گئی حسرت دل میں

دل ہے اللہ کی قدرت کا نمونہ مانا
تجھ کو قابو میں رکھے یہ نہیں قدرت دل میں

آپ سے کیا یہ کسی سے بھی نہیں کہہ سکتا
آپ ہیں دل میں کہ ہے کوئی مصیبت دل میں

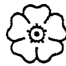
آتشِ حُسن نے پھونکا تو ہوا میں ٹھنڈا
یعنے دوزخ ہے مری آنکھ میں جنت دل میں

ناوکِ نازِ ستم گر کے میں قرباں جاؤں
عین راحت ہے مجھے ہے جو جراحت دل میں

آپ نے وعدہ کیا مجھ کو بھی باور آیا
وہ بھی کہہ دیجئے سوچی ہے جو مدت دل میں

اُن کے پیغام بَروں کو میں کہوں پیغمبر
پائے آرام جو ارمانوں کی اُمت دل میں

اُن پہ ظاہر غمِ پنہانِ صفی کیا ہوگا
ایک نالہ کرے اتنی نہیں طاقت دل میں



بات پیدا ہے ہر اک حسب ضرورت دل میں
آپ دل میں ہیں تو ہے ساری کرامت دل میں

یاد نے اس کی بپا کی ہے قیامت دل میں
پیار آنکھوں میں ہے جس کی نہ محبت دل میں

بزم میں قائل و معقول کیا کرتے ہیں
اور ہوتے ہیں وہ شرمندہ نہایت دل میں

ہائے اس آئینہ کا پارہ تو بے چینی تھی
چین ہے جب سے نہیں ہے تری صورت دل میں

نہ کوئی ڈھب نہ سلیقہ ہے نہ کوئی ترتیب
اُن کے ارمان ہیں یا مالِ غنیمت دل میں

غیر کے ذکر پہ سو بار اُنھیں انکار سہی
آنکھ کہتی ہے کہ کچھ آ گئی حیرت دل میں

دوست بن کے جو وہ دشمن ہوئے کس سے کہیے
آرزوؤں کی بنی کیسی بری گت دل میں

عاشقی اور تلوّن ہو تو کیا اُس پہ اثر
مرے اللہ نہ رکھ پت نہ رکھا پت دل میں

وہ بھی رکھتے ہیں ترے ناز اٹھانے کی ہوس
ایک نالے کی جو رکھتے نہیں طاقت دل میں

میں نے شکوہ بھی کیا اور وہ محجوب ہوئے
اب میں شرمندہ ہوں شرما کے نہایت دل میں

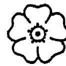
جان کھو کر بھی تو میں اس کو نہیں پا سکتا
آپ دل میں ہیں کہ ہے آپ کی خصلت دل میں

ایسے کورے کہیں دیکھے نہیں اے وعدہ خلاف
وسوسے آتے ہیں کیا کیا تری نسبت دل میں

غیر کو دل میں جگہ دوں تو گنہ گار ہوں میں
وہ ہیں دل میں تو رہے اُن کی حکومت دل میں

اُن کے منشا کے موافق مجھے سمجھاتا ہے
یک بیک آ گئی کیسی یہ لیاقت دل میں

تجھ کو جینا ہو صفؔی تو کوئی ارمان نہ رکھ
کر لے اصلاح بھی کچھ حسبِ ضرورت دل میں



کیا ہو تسکین جو ہو تیری سکونت دل میں
رہے آغوش میں یا پیار کی صورت دل میں

موت چاہوں تو کروں سوزِ محبت کا علاج
کیا رہے گا نہ رہے گی جو حرارت دل میں

دل نشیں ہے جو مجھے طالبِ عزت ہونا
چھپ کے بیٹھا ہے کوئی صاحبِ عزت دل میں

دل کو سب لوگ یہ کہتے ہیں خدا کا گھر ہے
میں سمجھتا ہوں کہ ہے تیری امانت دل میں

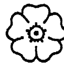
سن رہا ہوں وہ عیادت کے لئے آتے ہیں
آج ہے پرسشِ اعمال کی ہیبت دل میں

توبہ توبہ میں سمجھتا تھا کہ دل ہے بے تاب
خود وہ بے تاب ہے جس کی ہے سکونت دل میں

دل میں رہنے کا تجھے حق تو ہے لیکن اے شوخ
کاش ہوتی ترے چہرے کی متانت دل میں

جانتے ہیں مری بے راہ روی کے اسباب
مانتے ہیں مجھے یارانِ طریقت دل میں

ٹھن گئی تھی ترے اخلاق کی بے جا تعریف — اب نہ آتا تو یہ آئی تھی شرارت دل میں
ہے ابھی تک تو فقط شکوۂ دشمن اے دوست — کہیں پیدا نہو کچھ اور شکایت دل میں
چاہتا ہوں جسے بن جائے اگر وہ ساقی — بڑھتی جائے ہوسِ کوثر و جنت دل میں
ذوقِ دیدار بھی کیا چیز ہے اللہ اللہ — میری آنکھوں میں بصارت ہے بصیرت دل میں
کاش من جملۂ آزارِ محبت نکلے — کار فرما نظر آتی ہے جو قوت دل میں
ہیں ابھی تک تمھیں دنیا کے مزے یاد صفیؔ
عاشقی کرتے ہو رکھ کر یہ ملامت دل میں



گرمی نظر پڑی جو مجھے آفتاب میں — سمجھا نہیں ہے وہ رُخِ روشن نقاب میں
رہتی نہیں تمیز عذاب و ثواب میں — اپنے کو بھول جاتا ہے انساں شباب میں
کیا کیا خیال آئے مجھے اضطراب میں — دیری کبھی ہوئی ہے جو خط کے جواب میں
کچھ وضع اور شان نہ سوجھی عتاب میں — قاصد سے پہلے آئے وہ خط کے جواب میں
گیسو کی شان آ نہیں سکتی نقاب میں — اب آپکی پسند رہیں جس حجاب میں
طفلی کا رنگ کیوں ہو تمھارے شباب میں — دنیا بدلتی جاتی ہے ہر انقلاب میں
اتنے تو بس گئے دلِ خانہ خراب میں — آنے لگے ہیں رات کو وہ میرے خواب میں
لکھی تھی ایک بات اُسے اضطراب میں — میں کیا کہوں جو اُس نے لکھا ہے جواب میں
ہے لاکھ نعمتوں کا مزہ اک شراب میں — اچھی رہی یہ چیز جہانِ خراب میں
اتنا اثر تو ہو دلِ پُر اضطراب میں — جب چاہوں میں بلاؤں بھی جاؤں بھی خواب میں
پیش آئے گا جب اُن سے زبانی معاملہ — رہ جائیں گی کتاب کی باتیں کتاب میں
آنکھوں سے ٹوٹتا ہی نہیں آنسوؤں کا تار — کی ہے بہت بڑی غلطی انتخاب میں
چیخا بڑا گناہ کیا بخش دیجئے — میں بے لحاظ بھول گیا اضطراب میں

اُن سے کسی دن اپنی قسم دے کے پوچھیے — دیکھا ہے دشمنوں نے مجھے اضطراب میں
جو چیز بے نقاب ہوئی عام ہوگئی — تم کو حجاب چاہیئے رہیئے نقاب میں
ممنون دوست کیوں کہے رخسار کو گلاب — مَلیئے تو یہ نکھار بھلا کس گلاب میں
بے ربط ہوگئی تھی عبارت کہیں کہیں — ظالم نے نقل کی وہی خط کے جواب میں
میں نے کیا ہے اُن سے کوئی جان کا سوال — کیوں ہچکچا رہے ہیں وہ خط کے جواب میں

وہ بے خودیٔ عشق نہ پائے گا اے صفؔی
پینا تو کیا ہے ڈوب کے مرجا شراب میں



لختِ دل ہیں دیدۂ خوں بار میں — سو گئے تھے ہم خیالِ یار میں
جان کھوئی حسرتِ دیدار میں — ہم چلے کس منزلِ دشوار میں
کیا کرشمے تھے ترے دیدار میں — ہم تماشا بن گئے بازار میں
ہائے اب سمجھے تو کیا سمجھے کوئی — لاکھ پہلو ہیں ترے اقرار میں
اُن کے منہ کی گالیاں کھانے لگے — وہ جو کچھ کھاتے نہ تھے بازار میں
ہے خریداروں کا میلہ رات دن — اپنے گھر میں بھی ہیں وہ بازار میں
ہم ترے نزدیک آ کر کھو چکے — جو مزہ تھا دُور کے دیدار میں
ایک تازہ غم ہمیشہ مول لائے — ہم جو نکلے سیر کو بازار میں
کیا ہوا اے دردِ عشقِ عندلیب — پھول کیوں ہنسنے لگے گل زار میں
کچھ دنوں اے دل ذرا کر اور ضبط — بات رہ جائے ہماری چار میں
اور بھی مجرم بناتی ہیں مجھے — تیرے غصے کی نگاہیں پیار میں
مجھ کو روتا دیکھ کر کہنے لگے — آج شائد بڑھ گئی مقدار میں

عاشقی سے توبہ کرلے اے صفؔی
حسن اب بکنے لگا بازار میں

کہاں لاتا ہے تابِ بادہ نوشی چہرۂ نازک
ترت ہوتی ہے لالم لال صورت دو ہی چلو میں

وہ آئے ہیں تو اب کچھ حضرت دل رنگ لائے ہیں
عجب آفت میں ہوں دشمن بغل میں دوست پہلو میں

الٰہی جلوہ ہائے شش جہت پھر کون دیکھے گا
قیامت میں جو آنکھیں سب کی ہو جائیں گی تالو میں

تری جھوٹی محبت رکھنے والا بھی نہیں ملتا
ہم اس کے ہاتھ کو بوسہ دیں اس کے پانو کو چومیں

سخن سنجوں کے دل میں بھی ذرا سا چور ہوتا ہے
یہ بنیے کچھ نہ کچھ پاسنگ رکھتے ہیں ترازو میں

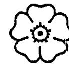
مجھے جس نے رلایا اس کے میں قربان ہو جاؤں
لہو کی چھینٹ کیا پیاری نظر آتی ہے آنسو میں

ذرا سی بھی کجی ہو نفس میں تو قہر ہی سمجھو
نہیں ہوتا ہے کچھ دو چار گز کا ڈنک بچھو میں

زمانہ اور پھر ناقدر دانی کس مپرسی کا
رکھا ہے کیسے کیسے وقت ہم نے دل کو قابو میں

مرے رونے سے اُس نے آرزو پہچان لی میری
بہت ہو یا نہو آتا ہے دل کا رنگ آنسو میں

صفیؔ ہم نے سنا تھا حشر میں اعمال کا تلنا
غضب ہے آج کل انسان تلتے ہیں ترازو میں



آپ کیا جانیں کہ دل کیا چیز ہے انسان میں
کچھ تو شوخی میں گزاری آپ نے کچھ شان میں

وصل ہو یا ہجر ہو لیکن ہو اپنی شان میں
یہ نہو تو فرق پڑ جاتا ہے اطمینان میں

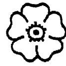
وہ جو سمجھیں اور کچھ تو بدظنی کا کیا علاج
راز کی اک بات کہنی تھی مجھے تو کان میں

اعتراضِ ''رطب و یابس'' وجہ حیرت ہے صفیؔ
میں کہاں ایسا کہ سب کچھ ہو میرے دیوان میں



دیکھا جو اس نے تیز نظر سے گلہ رکا
گویا کسی نے سوئیں چبھو دیں زبان میں

غزلیں نہیں کہی ہیں جوانی میں اے صفیؔ
لکھے ہیں یہ قصیدے حسینوں کی شان میں



رُکتا ہوں کس کے روکے سے اب کی بہار میں
بارہ مہینے کاٹ دیے انتظار میں

جو ایک رنگ پر ہو خزاں و بہار میں
وہ پھول ہی نہیں چمنِ روزگار میں

رہنا ہے چار دن چمنِ روزگار میں
دو دن خزاں میں جائیں گے دو دن بہار میں

دائم شگفتگی ہے دلِ داغ دار میں
سوکھا خزاں میں ہے نہ ہرا ہے بہار میں

اپنے سمے میں ہوتی ہے ہر شئے نکھار میں
پھولوں سے ہٹ کے گھاس کو دیکھو بہار میں

اس نے مجھے جواب دیا ہاتھ جوڑ کر
شوخی کا میل خوب کیا انکسار میں

شوق شکار ہے تو دلوں کا شکار کر
دھوکا کسی طرح کا نہیں اس شکار میں

شب بھر مزے اڑائیں جو دن بھر مزے سے سوئیں
آتے ہی کب ہیں گردش لیل و نہار میں

پیری میں ہوگا غفلت یاد خدا کا ورد
اُبھرے گی یہ بھی چوٹ لہو کے اُتار میں

دل کی لگی کی اُن کو ہوا تک نہیں لگی
سمجھے تو مبتلا مجھے سمجھے بخار میں

کوئی نہ پوچھے خیر نکیرین ہی سہی
پردے کی بات جا کے کہوں گا مزار میں

اچھی نہیں ہنسی کسی دل باختہ کے ساتھ
ہوتا ہے بدحواس جو ہوتا ہے ہار میں

آؤ تو اس طرح مرے مہماں رہا کرو
امید جس طرح دل امیدوار میں

میں جبر و اختیار کی الجھن میں پڑ گیا
کیا کہہ گئے وہ اِک نگہ شرمسار میں

اپنی اگر نہیں ہے تو اپنوں کی فکر ہے
ہر آدمی ہے ایک نہ اک خلفشار میں

سورج ستارے چاند ہوا ابر دھوپ چھانو
کیا شے بری ہے گردش لیل و نہار میں

صیاد نے اشارہ کیا میں سمجھ گیا
باتیں پکار کر نہیں کرتے شکار میں

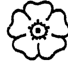
مجنوں اگر نہیں نہ سہی کوہ کن تو بن
اتنا تو ہو کہ موت رہے اختیار میں

وہ خون ہی ہماری رگوں میں نہیں رہا
دیوانگی کا خوف ہو جس سے بہار میں

ایسے کی انتظار کی گھڑیاں نہ پوچھیے
جس کا کوئی شریک نہیں انتظار میں

پیدا کرو کسی بھی طرح دل پہ اختیار دل اختیاز میں ہے تو سب اختیار میں

دولت پہ جان دیتی ہے دنیا تو اے صفؔی
تم کیوں نہتے پھنس گئے اس کارزار میں



سیر چمن ہے اور وہ گل رُو کنار میں
میں بے پئے بھی مست ہوں اب کی بہار میں

کب سے ہوں کیا بتاؤں تلاشِ بہار میں
اک پھول بھی نہ تھا چمن روزگار میں

چالیں نئی نئی سی ہیں رفتار یار میں
پڑجائے گا خلل روش روزگار میں

انجام کا خیال نہ آیا بہار میں
کر ہی گیا وہ کام جو تھا اختیار میں

دل اور جان دونوں بھی ہیں کس شمار میں
آپ اختیار میں ہیں تو سب اختیار میں

کیوں ناامید آپ کا امیدوار ہو
سب کچھ ہے کیا نہیں نگۂ شرمسار میں

مجھ کو جب اپنی بات کا رہتا نہیں خیال
کیوں بدظنی نہ آئے دل رازدار میں

اس سے زیادہ لطف کا طالب نہیں ہوں میں
امید بن کے رہ دل امیدوار میں

یا موت آئے گی مجھے یا نیند آئے گی
اور ایک شب گزار تو دوں انتظار میں

اے دردِ عشق بات تو جب ہے کہ میرے دوست
مرنے کے بعد چین نہ پاؤں مزار میں

نالہ خلاف وعدہ کیا ہائے کیا کیا
سن لے جو وہ تو فرق پڑا اعتبار میں

وہ کیوں بلائیں بزم میں مجھ بدنصیب کو
گھل مل کے بیٹھنا نہیں آتا ہے چار میں

میں نے بھی توبہ توڑ دی اپنی تو کیا ہوا
دنیا کے لوگ کیا نہیں کرتے بہار میں

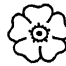
میرا وقار آپ کا آرام بھی گیا
آخر یہ کیا بلا ہے دل بے قرارا میں

اک تازہ واردات ہے ہر ایک دم کے ساتھ
میرے ارادے آ نہیں سکتے شمار میں

سو مہربانیوں کے عوض مسکرا دیا
سرکار نے کمال کیا اختصار میں

ہوگا جب اُن کا قہر قیامت ہی آئے گی
زندے رہیں گے گھر میں نہ مردے مزار میں

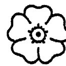
کہتے ہیں لوگ موت سے بدتر ہے انتظار
میری تمام عمر کٹی انتظار میں
نکلے گا اب کے جو بھی ترا اے مغاں نواز!
پھولوں میں رکھ کے دیں گے تجھے ہم بہار میں
ناصح بھی چارہ گر بھی یہ دو دو عذاب کیوں
منکر نکیر آتے ہیں وہ بھی مزار میں
کھائی ہوئی قسم تو خدا کے لئے نہ کھا
اپنی طرف سے فرق نہ ڈال اعتبار میں
زاہد کی طرح اور ہیں مسجد میں سیکڑوں
یہ کس شمار میں ہے وہاں کس قطار میں
عشق، اور آپ؟ واہ صفیؔ واہ واہ وا
غم اور ہائے زندگیٔ مستعار میں



ساری بہار اسی سے ہے فصلِ بہار میں
بس ایک پھول ہے چمن روزگار میں
کیا شعبدہ ہے زندگی مستعار میں
سب کچھ ہے اور کچھ بھی نہیں اختیار میں
لاکھوں برائیاں ہوں دل بیقرار میں
یہ میرے ساتھ دفن تو ہوگا مزار میں
جب تک نگاہ شوق رہی اختیار میں
وہ رات دن رہے ہیں مرے انتظار میں
زوروں پہ ہے خمار پرستش بہار میں
سورج مکھی ہوں میں چمن روزگار میں
دھوکا ہوا کہ ہنستے ہوئے آرہے ہیں آپ
بجلی چمک گئی جو کبھی انتظار میں
صیاد کے فریب میں آتے نہ ہم چمن
ظالم جو میری آڑ نہ لیتا شکار میں
ہیں منہ سے پھوٹنے کو یہ بے تاب و بیقرار
کھلتا ہے میرا راز دل رازدار میں
دنیا کو لوگ چھوڑ کے عقبیٰ پہ کیوں مریں
جو نقد میں مزہ ہے کہاں ہے اُدھار میں
اقرار کرکے وقت پہ تشریف لائیے
پیدا نہ کیجیے بدمزگی انتظار میں
آغاز دوستی میں اُٹھے کیا حجاب دوست
کھلتا ہے آدمی کہیں دو چار بار میں
جب دوست کا نہیں ہے تو کیا دشمنوں کا خوف
جو ایک سے کہا ہے کہوں گا ہزار میں
پھلنا کہاں ہماری امیدوں کے باغ کا
یہ مد نہیں موازنۂ آب یار میں

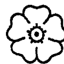
اے شیخ بحثِ حرمت و حلت پس بہار — اوقات کیوں خراب کروں میں بہار میں
رفتارِ ناز نے تری سب کچھ سکھا دیا — انداز آگئے روشِ روزگار میں
کہتے ہیں وہ ہم آئے تو تعظیم تک نہ دی — نکلا یہ عیب مجھ ہمہ تن انتظار میں
مرکز بنا ہے دولت و حسن و شباب کا — کافر ہے بے پئے بھی ہمیشہ خمار میں
آنکھوں میں اشک دیکھ کے پہچان جایئے — آواز تو نہیں مرے دل کی پکار میں
ہیں وقت کے غلام زمین اور آسماں — یہ کیا شریک ہوں گے مرے کاروبار میں
مجبور بندگی میں کہاں شانِ بندگی — رہنے دو کچھ نہ کچھ تو مرے اختیار میں
ساحل پہ رہ کے ڈوبنے والوں پہ پھبتیاں — کس بل ہے پیرنے کا تو پڑ منجدھار میں
آنا ضرور ہے کسی نازک دماغ کا — خوشبوئیں ڈالتے ہیں جو میرے مزار میں

گرمئ سوزِ عشق سے واقف نہیں صفی
اتنا تو ہے کہ آٹھ پہر ہوں بخار میں



بخشے گا آہ و ارشک بھی سوز و گداز میں — قدرت بہت بڑی ہے مرے کارساز میں
ہے بندگی تو فرض مگر کس کی بندگی — وہ کم سے کم امام ہی بنتے نماز میں
ہر بات اپنی راز میں رکھنی جو تھی حضور — خود کو بھی رہنے دیتے کسی طرح راز میں
عشق و ہوس کی جانچ بڑا سخت کام ہے — تائید غیب چاہئے اس امتیاز میں
کیا آئے ذہن میں جسے دیکھا نہو کبھی — کیسا کروں خدا کا تصور نماز میں

دل دادۂ جمال بشر کیوں نہو صفی
نیرنگِ جلوہائے حقیقت مجاز میں



اور ہوگا اضافہ نفرت میں　　جاؤں کیا اُن کے آگے وحشت میں
رو بھی دیتے ہیں وہ محبت میں　　یوں بھی آجاتی ہے طبیعت میں
جو مصیبت بھی ہے محبت میں　　کاش دنیا ہو اس مصیبت میں
میں تصدق مجھے برا کہیئے　　ہاں مگر میری طرح غیبت میں
ہے زمین اور آسمان کا فرق　　آدمی اور آدمیت میں
دل دُکھاتے ہیں نالے کرتا ہوں　　ہاتھ اُن کا ہے میری ہمت میں
ایک صورت جو میرے ذہن میں ہے　　ملتی جلتی ہے تیری صورت میں
وہ قیامت بپا اگر آیا　　تو قیامت ہوئی قیامت میں
عاشقی اور بدمزاجی حیف　　رہ کے پچھتائے تیری صحبت میں
تم نہیں تھے تو ہم میں سب کچھ تھا　　اب وہ شورش کہاں طبیعت میں
چھوڑ میری مصیبتوں کا خیال　　تو بھی پڑجائے گا مصیبت میں
اپنی قدرت پہ آپ غور کرے　　جس کو شک ہو خدا کی قدرت میں
عید کا چاند آپ نے دیکھا　　لگ گئے چار چاند شہرت میں
وہ جو آئیں خوشی سے مرجاؤں　　کیا کروں اور اس مسرت میں
مال ہو حسن ہو جوانی ہو　　بے وفائی ہے ان کی فطرت میں
کیوں وہ حیرت سے دیکھتے ہیں ادھر　　کیوں مجھے ڈالتے ہیں حیرت میں

خوگر صبر ہوگئے جو صفؔی
جیتے جی ہیں وہ لوگ جنت میں



انہی آنکھوں پہ ہیں بازار میں ساری آنکھیں　　کہیں بیمار نہو جائیں تمہاری آنکھیں
خیر ہے؟ آج ہیں کچھ اور تمہاری آنکھیں　　جاگنے سے تو نہیں ہوگئیں بھاری آنکھیں

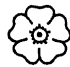
اب کوئی آنکھ تو جچتی ہی نہیں آنکھوں میں　　میری آنکھوں نے بھی دیکھی ہیں وہ پیاری آنکھیں
جس کو دیکھا پھر اسے جان کا دشمن دیکھا　　ہیں مجھے تو سبب ذلت و خواری آنکھیں

جو سبب سب نے بتائے ہیں صفی جھوٹ ہیں وہ
اور کیا دکھنے کو آئی ہیں تمہاری آنکھیں



ہوگئیں دوست کی آنکھوں کی گرفتار آنکھیں　　سب کی دو دو ہیں تو اپنی ہیں صفی چار آنکھیں
کالی آنکھوں پہ تری ناز ہے تجھ کو اتنا　　تو نے دیکھی ہی کہاں نرگس بیمار آنکھیں
ہائے ان حسن فروشوں کو کہوں کیا یا رب　　ہوگئیں دیدہ و دانستہ گرفتار آنکھیں
آیئے صلح بھی کرلیں گے لڑائی کیسی　　صبح کو اُٹھ کے ہوا کرتی ہیں جب چار آنکھیں
کیا خبر تھی کہ اُسے دیکھ کے دل آئے گا　　اور بھی مانگتے اللہ سے دوچار آنکھیں
دل دکھاتے ہو کسی شخص کا کیوں پڑھ گن کر　　شیخ جی آپ کو اللہ نے دیں چار آنکھیں
آگیا اگلے زمانے کی محبت کا خیال　　ہائے کیوں ہوگئیں آج اُن سے مری چار آنکھیں
خواہش وصل ہے اب ہم کو نہ شوق دیدار　　دل کا مختار ہے دل، آنکھوں کی مختار آنکھیں

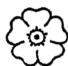
ہوگیا کال حسینوں کا دکھائی دینا
رہ گئیں اب تو صفی نام کو دو چار آنکھیں



تیرے قول و قرار کی باتیں　　کچھ نہیں اعتبار کی باتیں
آپ کا منہ ہے ورنہ ہم سنتے　　دشمن بدشعار کی باتیں
پورا کرنا نہ کرنا وعدے کا　　ہیں ترے اختیار کی باتیں
دیکھنے کو تو بھولے بھالے ہو　　ہیں مگر ہوشیار کی باتیں

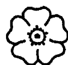
کام تیرے دغا فریب کے کام   باتیں ایمان دار کی باتیں

آپ کی باتیں اے صفؔی صاحب
سب کی سب ہیں خمار کی باتیں



رعنائیانِ حسن پہ اُن کی نظر کہاں   اپنی بسنت کی ابھی اُن کو خبر کہاں
حبل الورید سے بھی ہیں نزدیک تر کہاں   ہم اُن کو خود میں ڈھونڈ تو لیتے مگر کہاں
بے واسطہ نصیب ہے دیدار دوست کا   محتاجِ سرمہ چشم حقیقت نِگر کہاں
چیخوں جو میں تو فکر نہ کر اہل بزم کی   میری فغاں میں تیری نظر کا اثر کہاں
وہ عالم آشنا کبھی مجھ سے جدا نہیں   باہر بھی ہو تو آنکھ سے باہر مگر کہاں
درد جگر بیان تو کرتی ہے چشم تر   راوی ضرور ہے یہ مگر معتبر کہاں
ہیں آپ حور چشم بھی اقبال مند بھی   ہوتی ہے ورنہ تیر ہدف ہر نظر کہاں
روتا ہے خیر خواہ جو میرا تو بخش دو   دیکھے ہیں اس غریب نے بے داد گر کہاں

کل اس نے خبر کر کے بلایا تھا اے صفؔی
دیکھا مجھے تو کہنے لگا آج اِدھر کہاں



نالہ کہاں زمین کہاں آسماں کہاں   میں نے تمہاری دھاک بٹھادی کہاں کہاں
آزادگانِ عشق اسیر مکاں کہاں   ان کے لئے زمین کہاں آسماں کہاں
بھولا جو کچھ تو ٹوک دیا بزم عام میں   پکڑی ستم ظریف نے میری زباں کہاں
وہ اب کے میہمان اگر ہوں تو پوچھ لوں   وعدے پہ تم نہ آؤ تو ڈھونڈوں کہاں کہاں
عشاق کو تو حکم کی تعمیل چاہئے   احباب لے کے بیٹھیں ہیں سود و زیاں کہاں

اگلا سا وہ نمک نہیں انداز و ناز میں
زخمی تو آج بھی ہیں مگر قدرداں کہاں

بجلی بھی قفس کو چھوڑ کے کیوں باغ پر گرے
میں ہی وہاں نہیں تو مرا آشیاں کہاں

صورت دکھا کے دوست نے بے ہوش کردیا
میں ہی نہیں تو پھر مرے لب پر فغاں کہاں

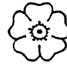
پامال ہوگئی ہے بلندی خیال کی
ہے آسماں زمین وہاں آسماں کہاں

تم ایسے خود پرست کو کیوں چاہتے ہیں لوگ
تم ایسے بوجھنے کی ہے یہ چیستاں کہاں

ٹوٹے غضب جو ایک سے دوبار دیکھ لوں
اتنی سی بات کی بھی رعایت وہاں کہاں

دل کی لگی نے ہم کو کیا ہے سیاہ دل
اس بند کوٹھری سے نکلتا دھواں کہاں

ہم گردشوں میں ایک بگولا بنے صفیؔ
بگڑی ہوا تو خاک اڑائی کہاں کہاں



اگلی سی اب عنایت پیرِ مغاں کہاں
پیتا ہوں اپنا خون مے ارغواں کہاں

ڈھونڈا ہے بندگانِ خدا نے کہاں کہاں
وہ تھا کہاں زمین کہاں آسماں کہاں

کوئی کہاں کہاں نہ چھپا یہ نہ پوچھئے
یہ پوچھئے غریب نے ڈھونڈا کہاں کہاں

سب نے بٹھادیا ہے تجھے آسمان پر
اب مجھ کو شکوۂ ستمِ آسماں کہاں

جن کو غرض ہو اپنے سرور و نشاط سے
اُن کے دلوں میں عظمتِ پیرِ مغاں کہاں

آساں نہیں حقیقت انساں کا بوجھنا
دونوں جہاں میں ایسی کوئی چیستاں کہاں

صوفی تو دَور میں ہے وجود و وجود کے
ہجے بھی اس غریب کو اب تک رواں کہاں

وہ کہہ کے چھوٹ جانے کو تھے تم وہاں ملو
چوکنّے ہوگئے جو یہ پوچھا وہاں کہاں

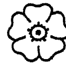
جنت سے کچھ زیادہ ہے دارالامان عشق
دنیائے عقل و ہوش کے جھگڑے یہاں کہاں

پڑتی ہے آنکھ اُس پہ جو لاکھوں میں ایک ہو
لیتے ہیں ایسے ویسوں سے وہ امتحاں کہاں

کیا پوچھتے ہیں آپ مکان اس غریب کا
بستر یہاں نصیب نہیں ہے مکاں کہاں

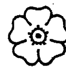
صیاد، باغبان، ہوا، برق سب خلاف — یہ چار اور ایک مرا آشیاں کہاں
کیا بات ناگوار ہوئی خیریت تو ہے — آخر یہ بیٹھے بیٹھے کہاں مہرباں کہاں

ہر شعر تیر بن کے نکلتا نہیں صفی
اگلی سی اب چڑھی ہوئی میری کماں کہاں



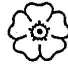
دل کے کھو جانے سے میں کس واسطے رویا کروں — کھو گیا تو آپ نے کھویا اسے میں کیا کروں
گریۂ بے ساختہ پر سوچ میں تھا کیا کروں — وہ بھی برہم ہو چلا تو ہائے اب کیسا کروں
کوئی مشرق میں بتاتا ہے تو مغرب میں کوئی — روز کس کس سے ترے گھر کا پتہ پوچھا کیا کروں
دردمندوں کو تسلی یا تشفی دیجئے — یہ کہاں کی بات سیکھی آپ نے میں کیا کروں
بات منہ میں ہے کہ مطلب تک پہنچ جاتا ہے وہ — کہئے پھر ایسے سے اظہار تمنا کیا کروں
سامنے آیا تو اس کو دیکھ سکتا بھی نہیں — آرزو ہی آرزو ہے بس اسے دیکھا کروں
کون سا آفت زدہ رہتا ہے کوچے میں ترے — شب کو اک آواز آتی ہے "الٰہی کیا کروں"
رات کو تکلیف مہمانی ہے صرف اس واسطے — صبح جب اُٹھوں تو صورت آپ کی دیکھا کروں

اے صفی بس اب تو میں نے ٹھان لی ہے ایک بات
سب کی سننے کو تو سن لوں کام کرنے کا کروں

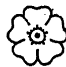


چوٹیں جو کھائیں دل پہ محبت میں کیا کہوں — پتھر پڑے ہیں کیا مری قسمت میں کیا کہوں
آرام میں ہوں میں کہ مصیبت میں کیا کہوں — آتی ہے شرم اُن سے محبت میں کیا کہوں
پتا کھڑک گیا تو مرا دل دھڑک گیا — کیا کیا مزے تھے ہائے طبیعت میں کیا کہوں
ایسی جگہ نہ کام نہ مطلب نہ واسطہ — جنت میں آپ ہوں گے تو جنت میں کیا کہوں

دل کھو کے میں نے لطف تصور بھی کھو دیا آتے ہیں غیر بھی تری صورت میں کیا کہوں
جی چاہتا ہے ایک زمانے کو چاہیئے لیکن کسی سے کل کو قیامت میں کیا کہوں
وہ کہہ رہے ہیں "کچھ تو کہو اپنا مدعا" میں ہوں کھڑا ہوا اسی حیرت میں کیا کہوں
پوچھی نہ جائے میری تمنا خدا کرے شائد کسی سے غلبۂ حسرت میں کیا کہوں
وہ دل ربا نہیں، ہے دل آزار سب سہی یہ تو کوئی کہے کہ مروت میں کیا کہوں
میں اپنے دل میں سوچ کے شرمندہ ہوں صفی
کہنے کی بات اُن سے حقیقت میں کیا کہوں



سرکار کے سِوِ دمِ گفتار کیا کہوں پھر اور آپ کو مرے سرکار کیا کہوں
دیوانہ ہوں خیال کہیں ہے نظر کہیں اپنے کو اُن کا طالب دیدار کیا کہوں
تکلیف سے نجات ہو اللہ موت دے اب تجھ کو اور اے دل بیمار کیا کہوں
اب تب پہ ہو چکا ہے تو کہنے سے فائدہ اب اُن سے حالت دل بیمار کیا کہوں
ہے جگ ہنسائی اور تو کچھ فائدہ نہیں اُن کو مسیح، اپنے کو بیمار کیا کہوں
اپنے کو بے قصور جتایا غضب ہوا عذر گناہ سے ہوں گنہ گار کیا کہوں
ظلم اور آپ خیر، مگر صبر اور میں ملتے ہیں کیسے کیسے طرح دار کیا کہوں
حد سے زیادہ ناز بھی ہوتا ہے ناگوار اس سے زیادہ اور مرے یار کیا کہوں
صیاد مہربان، قفس آشیاں فریب
میں خود صفی ہوا ہوں گرفتار کیا کہوں



ڈرتا ہوں گل کھلائیں نہ زخم جگر کہیں ہو بدگمان اور نہ وہ فتنہ گر کہیں
نقصان ہی اُٹھائے حسینوں سے ہر کہیں کھویا کہیں پہ دل تو جلایا جگر کہیں

تجھ سے ہزار لاکھ ملے ہم کو ہر کہیں
کیا چوکتی ہے چشم حقیقت نگر کہیں

جلوے سے اس کے ایسی طبیعت ہوئی ہے سیر
جیسے کہ کھو کے آئے ہیں ذوقِ نظر کہیں

گو تھا دروغ مصلحت آمیز وصف غیر
اُن کا عقیدہ آئے نہ اس بات پر کہیں

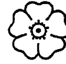
یہ کس کا شکوہ میں نے کیا ہائے بے خودی
جائے نہ رفتہ رفتہ وہاں تک خبر کہیں

ارمانِ دید جان کا جنجال ہوگیا
دن بھر کہیں خراب رہے، رات بھر کہیں

مجھ تک پلٹ کے آئے نہ پھر بے اثر دعا
رہ جائے یا الٰہی اُدھر کی ادھر کہیں

اب اپنے آپ پر ہی سے اندازہ کیجئے
پڑتی ہے ایسے ویسوں پہ میری نظر کہیں

بے چین بے سبب تو نہیں آج تم صفی
دیکھی ہے کوئی پیاری صورت مگر کہیں



ایسے مرے نصیب تم آتے ادھر کہیں
رستہ بھٹک گئے نہوں بھولے ہوں گھر کہیں

پاتا ہوں سیکڑوں ترے ہم شکل ہر کہیں
دھوکا کھلائے گی مجھے اپنی نظر کہیں

جو دوستی کا حق تھا، کہا روٹھتے ہو کیوں
میں کون؟ آپ روز رہیں رات بھر کہیں

عہدوفا پر آپ قسم تو نہ کھایئے
آجائے گی ہنسی مجھے اس بات پر کہیں

ہم کیا بتائیں بزم تصور کی خوبیاں
گویا کہ میہماں رہے رات بھر کہیں

میں محوِ حسن اور ہو تم دل کی تاک میں
میری نظر کہیں ہے تمہاری نظر کہیں

تلوا کھجا رہا ہے تو اس بزم میں چلیں
کیا شامت آئی ہے جو کریں ہم سفر کہیں

ہم سائیگی میں رشک محبت کی دشمنی
آپس میں کُشت وخوں نہ کریں دل جگر کہیں

نکلے صفی کو تیرا نمک پھوٹ پھوٹ کر
بھولے اگر وہ لذّتِ زخم جگر کہیں



منہ ہی منہ میں شکوہ ہائے عاشق دل خستہ کیوں
بات سچی ہے تو پھر فرمایئے آہستہ کیوں

عام ہے سب حال مجنوں، سرگذشت کوہ کن
پھر بھی اب تک حسن سے یہ عشق ہے وابستہ کیوں

درد ہے دل میں تو کچھ معقول کر اس کا علاج
نالہ و فریاد کا اندازہ ناشائستہ کیوں

کج ادائی، خود نمائی، بے وفائی، آپ میں
پھر ہوئی جاتی ہے خلقت آپ سے وابستہ کیوں

تھی کمی جو میری ذلت میں وہ پوری ہوگئی
دوست نے پوچھا یہ پھرتے ہیں خراب وخستہ کیوں

عاشقی بھی ہے اگر اک طرح کی دیوانگی
آپ کے عشاق کی ہر بات ہے برجستہ کیوں

دیکھ لینا حشر میں رنگ انتشار خلق کا
کیا کہوں بکھرے گا ایسا خوش نما گل دستہ کیوں

وہ محبت میں کریں گے گفت وگوکس سے صفیؔ
یاد ہوتے ہیں ہمارے شعر جستہ جستہ کیوں



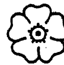
ہم ایک ہیں کریں تو شب وصل کیا کریں
تم کو منائیں یا گلہ اغیار کا کریں

اپنی پڑی ہے اک بت کج فہم سے غرض
مجبور ہیں کریں نہ خوشامد تو کیا کریں

برگشتہ وہ، رقیب عدو، تاک میں فلک
اللہ اب کدھر کو نکل جائیں کیا کریں

مجھ کو برا جو کہتے ہیں دشمن تو کیا کروں
اُن کو زبان دی ہے خدا نے کہا کریں

بے لوث آدمی ہے صفیؔ جانتے ہیں آپ
دشمن جو اس کو کرتے ہیں رسوا کیا کریں



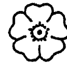
پھر تری چاہ کے ارمان کہاں سے لاؤں
اپنے کھوئے ہوئے اوسان کہاں سے لاؤں

دل بے تاب کی وہ شان کہاں سے لاؤں
کہیں بکتے نہیں ارمان کہاں سے لاؤں

مجھ کو خاطر میں نہ لا، خیر یہ انصاف تو کر
میں ترا رتبہ تری شان کہاں سے لاؤں

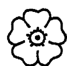
دوست دشمن پہ برابر کی پڑی جاتی ہیں ان نگاہوں کے نگہ بان کہاں سے لاؤں
خیر تم کچھ نہ کرو اتنا پتہ تو دے دو جی کے بہلانے کے سامان کہاں سے لاؤں

یہ ''پراگندہ'' ہے جو کچھ بھی غنیمت ہے صفؔی
میں غریب آدمی دیوان کہاں سے لاؤں



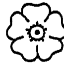
سچ کہا آپ نے ہر بات میں جھوٹا میں ہوں اور جیسا مجھے فرمایئے ویسا میں ہوں
لطف مجھ پر ہو، ترے واسطے رسوا میں ہوں میں ہوں میں ہوں ستم آرا ستم آرا میں ہوں
چاک دامن سے یہ کیوں خوف ہے رسوائی کا آپ کچھ حضرت یوسف نہ زلیخا میں ہوں
دل مرحوم کے اوصاف محبت سن لو ایک مردے پہ جو روتا ہے وہ زندا میں ہوں
فتنے اٹھیں گے نے اُٹھوایئے للہ مجھے ہوں تو در پر ہی مگر آپ کا پردا میں ہوں
ہونٹ ملنے سے تری بات کوئی کیا سمجھے جو ہیں نزدیک وہ سن لیتے ہیں بہرا میں ہوں
اپنے سائے سے تو ڈرنے کی کوئی بات نہ تھی میں سمجھتا ہوں، یہی آپ نے سمجھا، میں ہوں
یہ بھی کیا بھول ہے اے بھولنے والے میرے ق پھر وہی گھر ہے وہی غم ہے اکیلا میں ہوں
یاد آتا ہے کہ ایسے ہی کسی موقع پر تو نے سینے سے لپٹ کر یہ کہا تھا میں ہوں
شکوہ سن کر بھی کسی نے تمہیں سچا نہ کہا ایسی تصویر نہ کھینچی کہ سراپا میں ہوں
اندھی ہوتی ہے محبت تو پھر اے حضرت شیخ عینکیں آپ لگایا کریں اندھا میں ہوں
بہت ایسے ہیں تری شکل نہیں دیکھی ہے ہوں اگر سو سے برا لاکھ سے اچھا میں ہوں
خیر ہے کیا یہی پوشاک ہے معشوقوں کی آپ تو ایسے بنے بیٹھے ہیں گویا میں ہوں

اے صفؔی وہ تو نہیں آئے لیا دل کس نے
ہے تو اب ایک یہ صورت ہے کہ میں تھا میں ہوں



آ جاؤ کہ راہ دیکھتا ہوں　　جیسا ہونا تھا ہو چکا ہوں
کیوں ہوگی عدم کی راہ مشکل　　کس کے ارشاد پر چلا ہوں
جلوے کی گھڑی خدا ہی جانے　　آنکھیں جب تک ہیں دیکھتا ہوں
دیجے اب تو جواب دیجے　　دل ہی دل میں پکارتا ہوں
قابو میں نہیں دل شکستہ　　ٹوٹی کشتی کا ناخدا ہوں
دل میں کچھ ہے زبان پر کچھ　　میں اپنے لئے بھی دوسرا ہوں
پیشانی پر نہیں پسینہ　　اپنی قسمت کو رو رہا ہوں

اتنا ہی صفی وہ چاہتے ہیں
ان کو چاہوں تو کچھ نہ چاہوں



جن کے دلوں میں مَیں ہوں، میں خوب جانتا ہوں　　جن مشکلوں میں میں ہوں میں خوب جانتا ہوں

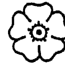
دنیا کے لوگ مجھ کو سمجھیں گے اے صفی کیا
کن منزلوں میں میں ہوں میں خوب جانتا ہوں



آیئے آیئے کوئی نہیں تنہا میں ہوں　　میرے مشفق، مرے مالک، میرے آقا میں ہوں
اب تو مجنون ہوں گستاخ ہوں رسوا میں ہوں　　کل کے دن یہ بھی وہ کہہ دیں گے کہ دنیا میں ہوں
او غریبوں سے خفا ہونے بگڑنے والے　　کہہ دیا کس نے ترا چاہنے والا میں ہوں
تم نہ مانو تو کوئی مصلحت اس میں ہوگی　　سب تو مجھ کو یہی کہتے ہیں تمہارا میں ہوں
حسن والو مجھے اللہ سلامت رکھے　　جی بہلتا ہے تمہارا وہ تماشا میں ہوں
ہے بشر خاک کا پتلا مگر اللہ رے غرور　　جس کو دیکھو یہ سمجھتا ہے کہ دنیا میں ہوں

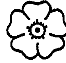
غم فردا نے مجھے مار ہی ڈالا ہوتا — ہائے یہ کس نے صدا دی کہ نہ گھبرا میں ہوں
دل ناداں مجھے ہاتوں میں لئے پھرتا ہے — اس مچلتے ہوئے بچے کا کھلونا میں ہوں
حسن والوں میں تو ہر اک نے خدائی کی ہے — نہیں معلوم کس اللہ کا بندا میں ہوں
بات کرنی ہے اگر صاف کہو صاف سنو — چیستاں تم جو بنوگے تو معما میں ہوں
وہ تماشے ترے جلوے نے دکھائے کافر — اب تو اللہ کی قدرت کا تماشا میں ہوں
آپ کیا دیں گے کسی بات پہ دنیا کی مثال — مجھ کو دیکھا ہے ابھی آپ کی دنیا میں ہوں
بات اوروں سے ہے، آنکھوں کے اشارے مجھ سے — تیری ایسی ہی اداؤں پہ تو شیدا میں ہوں

خاکساری تو صفیؔ ہی کے لئے زیبا ہے
آپ للہ نہ فرمایئے ایسا میں ہوں

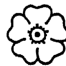


جوانی نہیں بن سنورنے کے دن — جھجکنے کی راتیں ہیں ڈرنے کے دن
عیادت کو وہ آکے یہ کہہ گیا — ابھی دور ہیں تیرے مرنے کے دن
یہ پابند اقرار ہونے کا منہ — یہ وعدے میں پورے اترنے کے دن
تصدق ترے بدگمانیِ عشق — صفائی ہوئی اُن سے مرنے کے دن
نہ بھولیں گے جنت میں بھی یہ سماں — کسی کا شباب اپنے مرنے کے دن
غنیمت ہے صاحب سلامت تری — رہے اب کہاں بات کرنے کے دن
تمہارے نہ ملنے سے کیا ہوگیا — گزر ہی رہے ہیں گزرنے کے دن
کبھی کچھ کبھی کچھ ہیں وہ کیا کروں — یہ جینے کے دن ہیں نہ مرنے کے دن
شباب اور پھر دل بروں کا شباب — نگاہوں کے صدقے اترنے کے دن
کسی کی عنایات کا دور ہائے — وہ باتوں میں راتیں گزرنے کے دن
جوانی گئی اور لے کر گئی — کسی یاد سے جی نے بھرنے کے دن

بڑھاپے میں بیکار ہیں شوق ذوق — یہ ہیں اللہ اللہ کرنے کے دن
مری چار لوگوں میں رہ جائے بات — مروں ترے دل سے اُترنے کے دن
صفی اب زمانہ ہے نازک بہت
یہ ہیں اپنے سائے سے ڈرنے کے دن



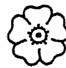
کیوں تڑپتا ہے حسین اور ہیں بہتر لاکھوں — ایک دو ہی نہیں لاکھوں دل مضطر لاکھوں
آپ کیوں ذکر حسینان جہاں پر بگڑے — ایسی باتیں تو ہوا کرتی ہیں اکثر لاکھوں
میں نے مانا کہ تری بزم میں سب اچھے ہیں — یہ بھی معلوم ہے؟ کیا کہتے ہیں باہر لاکھوں
ہم جسے دیکھ کے جیتے ہیں خدا کی قدرت — جی بہت خوش ہے کہ مرتے ہیں اُسی پر لاکھوں
واہ کیا پھوٹ کے نکلی ہے جوانی تیری — ہر نظر تیر چلادیتی ہے دل پر لاکھوں
کون دیتا نہیں، آزار کا کچھ کال نہیں — دل سلامت ہے تو ہیں تجھ سے ستم گر لاکھوں
تم مجھے عام اداؤں سے نہ دیکھو، دیکھو! — وسوسے دل میں گزر جاتے ہیں دن بھر لاکھوں
خوبصورت جو ہوں بدنام تو حیرت کیا ہے — تہمتیں لوگ لگادیتے ہیں ہم پر لاکھوں
میں کہاں اور کہاں اپنی مصیبت لکھنا — حاشیے یوں بھی چڑھادیتے ہیں اکثر لاکھوں
شوق نظارہ بھی روکے سے کہیں رکتا ہے
اے صفی آنکھ سلامت ہے تو منظر لاکھوں



نہیں پر جو پوچھا کہو کیا نہیں — کہا تڑسے، تیرا کلیجا نہیں
مزاج اُن کا بس ہم سے ملتا نہیں — لڑائی نہیں کوئی جھگڑا نہیں
یہ دل آہ و زاری سے رکتا نہیں — غلط ہے گرجتا برستا نہیں

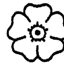
نہیں کیوں؟ عدو بھی ہے عاشق ترا — مگر صرف عاشق ہے رسوا نہیں
نہ گزری محبت میں عزت کے ساتھ — برے کا کوئی ساتھ دیتا نہیں
نہیں بے کسی بھی تو پوری نصیب — کوئی کام دنیا کا پورا نہیں
مری عرض پر چپ سے کیا فائدہ — کہے آدمی صاف ہاں یا نہیں
غم عشق بد ہے مگر چارہ گر — یہ بدنام جتنا ہے اتنا نہیں
بھلا میں ابھی تک اُنہیں یاد ہوں — مرا نام بھی یاد ہے یا نہیں
خفا ہو نہ اے باعث زندگی — مجھے زندگی کا بھروسا نہیں
جسے دیکھو اجنب جسے دیکھو غیر — یہ دنیا ہماری تو دنیا نہیں
حسینوں میں دیوانہ مشہور ہوں — میری بات کوئی سمجھتا نہیں
محبت میں جو شخص دھوکا نہ دے — تو ایسے کو پھر کوئی دھوکہ نہیں
صفیؔ کاہلی سے ہے افلاس میں — میسر ہے سب کچھ اسے کیا نہیں

کہاں نشۂ وصل سچ ہے صفیؔ
گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں

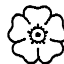


ہے کبھی اور اختلاج نہیں — عاشقوں کا کوئی مزاج نہیں
کیا کروں درد دل جو آج نہیں — تن درستی کا کچھ علاج نہیں
سچ کہا 'کل کی بات آج نہیں' — آج کل کا ترا مزاج نہیں
بات کرتے نہیں جو وہ ہم سے — یہ نئی بات کوئی آج نہیں
میں برے سے برا بھی ہوں تو کیا؟ — تم کو اپنا کہے کی لاج نہیں
وہی دستور عاشقوں کا ہے — حسن والوں میں جو رواج نہیں
ہم نے تعلیم دل کو ایسی دی — اب تمہاری بھی احتیاج نہیں

آپ کی دھن نے کر دیا بے کار اب مجھے کوئی کام کاج نہیں
آپ وہمی مجھے سمجھتے ہیں وہم کا تو کوئی علاج نہیں
اپنے در سے وہ کیوں اُٹھاتے ہیں
اے صفؔی حرص تخت و تاج نہیں



مآل سجدہ کسی کے بھی سنگ در میں نہیں ہمارے ذہن میں جو ہے زمانے بھر میں نہیں
جو ڈھونگ مجھ میں ہیں سچ ہے کسی بشر میں نہیں مرے جگر میں ہے درد آپ کے جگر میں نہیں
کریں گے پھر تو نہ سوز غم رقیب پسند جلانے جلنے کو کیا آگ اپنے گھر میں نہیں
خدا کے واسطے تو ہی جواب دے قاصد جنون کس کو ہے اب کون اپنے گھر میں نہیں
مجھے نکال کے حسرت نکال لی لیکن وہ ایک بھیڑ بھی اب تیری رہ گزر میں نہیں
حسین اور بھی دنیا میں ہیں نہیں کیوں ہیں مگر یہ بھیڑ کسی کی بھی رہ گزر میں نہیں
مرے بیان کو تسلیم کیوں کرے دنیا نشان سجدہ کچھ اُن کے تو سنگ در میں نہیں
تمہارا چاہنے والا ذلیل ہوتا ہے کسک بھی دل میں نہیں درد بھی جگر میں نہیں
یہ ایسا کون سا احسان تم پہ کرتے ہیں تمہارے چاہنے والے تمہارے ڈر میں نہیں
ہماری طرح سے کیوں آہ آہ کرتے ہو خدانا خواستہ کچھ درد تو جگر میں نہیں
نہ چشم کور میسر نہ گوش کر حاصل وطن میں ہم کو جو تکلیف ہے سفر میں نہیں
یہ کس مرض کی دوا ہیں بڑی بڑی آنکھیں ہماری قدر تو کچھ بھی تری نظر میں نہیں
صفؔی وہ ہم سے غریبوں کو کیا بتائیں گے
کہ اُن کی چاہ کے آنسو بھی چشم تر میں نہیں



سنتے سنتے تھک گئے ہر بات پر کچھ بھی نہیں پھر یہ ہم سے کیوں رکے ہو تم اگر کچھ بھی نہیں
آج تک تو حاصل درد جگر کچھ بھی نہیں آہ میں تاثیر رونے میں اثر کچھ بھی نہیں

لخلخہ تیرا ہے تیرا ذکر ہے، تیرا خیال
اور ہم کو کام دن بھر رات بھر کچھ بھی نہیں

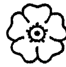
دل میں رکھ لینے کے قابل ہے کہاں کا چاہنا
تجھ کو اپنی بھی خبر اے بے خبر کچھ بھی نہیں

تم اگر ہو بات کے پورے یہی لکھ دو ہمیں
ہم کو دنیا بھر میں منظور نظر کچھ بھی نہیں

ہائے کیسی زندگی اب کٹ رہی ہے بے مزہ
دیدۂ تر، سوزِ دل، دردِ جگر کچھ بھی نہیں

بات سن کر بت بنے رہنا بھی کوئی بات ہے
منہ سے اتنا تو نکال اے فتنہ گر کچھ بھی نہیں

اے صفؔی ہم کو زمانے نے کیا پائے مال
اب تو یہ حالت ہے سب کچھ ہے مگر کچھ بھی نہیں



خانہ خراب دل یہ کسی کا مکاں نہیں
اک آس تھی تو وہ بھی کہاں ہے کہاں نہیں

اب نالہ و فغاں سے مرا جی اُتر گیا
کہنے کو منہ نہیں ہیکہ منہ میں زباں نہیں

سودائے جبہ سائی مرے سر ہوا تو کیا
اس پائے کا نظر میں کوئی آستاں نہیں

کہنے کی بات کس سے کہوں داد کون دے
میں جس کو دیکھتا ہوں مرا ہم زباں نہیں

اے یادِ رفتہ گاں تجھے جنت نصیب ہو
اب ہم میں قابلیت ضبطِ فغاں نہیں

جی میں ہے ناز پھر نہ کسی کے اُٹھایئے
گو کوہ غم نہیں کوئی بار گراں نہیں

وہ ایک خاص بات تھی جو عام ہوگئی
اب کوئی رازدار کوئی رازداں نہیں

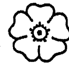
مجبوریوں نے صبر کے قابل بنا دیا
اب تو ہمیں ضرورت آہ و فغاں نہیں

سمجھے تھے ہم بغیر دوا کے مرض گیا
دل کیا نہیں کہ وہ نگہہ دل ستاں نہیں

یا یہ کہ جھوٹ موٹ ہیں لوگوں کے واقعات
یا یہ کہ اک ہمیں پہ کوئی مہرباں نہیں

اک عمر جست و جوئے وفا میں گزر گئی
ہم جس کا نام سنتے ہیں اس کا نشاں نہیں

عاشق سمجھ کے اس نے ستایا ہے اے صفؔی
یہ تو نہیں کہ ہم پہ کوئی مہرباں نہیں



دل پر مرے وہ ہوگا کبھی حکم راں نہیں
یہ خانۂ خدا ہے بتوں کا مکاں نہیں

مرمٹنے والے نام پر اس کے کہاں نہیں
اللہ والے لوگوں سے خالی جہاں نہیں

کل تک جو تھا وہ جلوہ نہیں وہ سماں نہیں
میری زمیں نہیں یہ مرا آسماں نہیں

تو کچھ سنے تو کام کی باتیں سناؤں میں
اس میں ذرا نمائش حسن بیاں نہیں

عشق اور ضبط ہائے مگر ان کا خوف ہے
لب پر فغاں نہیں مرے مُنھہ میں زباں نہیں

صوفی ہے آپ اور مجھے حکم ہے پیو
کچھ آج کل عنایت پیر مغاں نہیں

برحق ہے موت ہائے مگر بے کسی کی موت
روتا ہوں اس لئے کہ کوئی نوحہ خواں نہیں

دشمن کو بھی نصیب نہو ایسی زندگی
سینے میں دل ہے اور کوئی دل ستاں نہیں

ہر ذرہ کائنات کا سرمست عشق ہے
قربان جاؤں آپ کہاں ہیں کہاں نہیں

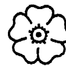
بل تھا مری نگاہ کا دنیا بری نہ تھی
وہ چیز کون سی ہے بھلا جو یہاں نہیں

میری بساط کیا ہے مرا شوق دید کیا
کیا دیکھوں کوئی جلوہ مکرر وہاں نہیں

میں آگیا تو روک نہ آرائش جمال
تو کیا سمجھ رہا ہے نہیں بدگماں نہیں

دنیا کے کاروبار سے کیا واسطہ مجھے
اے ہم نفس یہاں ہوں مگر دل یہاں نہیں

دیکھو صفی کی آنکھ سے آنسو نکل پڑے
اس سے زیادہ طاقت ضبط فغاں نہیں



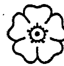
اب ہوں وہاں خیال کو جس جا اماں نہیں
چپ ہوں کہ عام فہم مری داستاں نہیں

کہہ لو کہ اُن کا راز ہوں میں رازداں نہیں
اتنی بڑی تو میرے بھی منہ میں زباں نہیں

چھوٹے بھی ہم قفس سے تو گھر کے نہ دار کے
گلزار ہے بہار ہے اور آشیاں نہیں

تیری گلی میں دفن ہوئے کشتگانِ ناز ایسی زمین جان کے بدلے گراں نہیں
عاشق سمجھ لیا ہے تو سب کچھ سمجھ لیا شکوہ نہیں وہ ہم پہ اگر مہرباں نہیں
پھر کس لئے طوالت گفت و شنید ہے منظور آپ کو جو مرا امتحاں نہیں
آنسو گرے جو آنکھ سے کہتا ہے بدگماں ہے انکشاف راز یہ ضبط فغاں نہیں
جب مل گیا ہے تو مجھے دنیا سے کیا غرض اب خواہشات لذت ہر دو جہاں نہیں
کیسے یقیں کروں کہ تری رہ گزر ہے یہ میں دیکھتا ہوں نقش قدم کا نشاں نہیں
واقف ہوں میں بھی لذت آزار سے بہت میں تجھ سے دبنے والوں میں اے آسماں نہیں
گلشن کی پائے مالی پہ روتے ہیں عندلیب اُجڑے ہوئے چمن کا کوئی باغباں نہیں

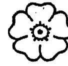
نا قدر دانیوں سے نراسا نہو صفی
کوئی نہیں تو کیا ترے اللہ میاں نہیں؟



ہم جنس ڈھونڈتے ہیں کہاں ہیں کہاں نہیں وہ خود فروش ہے کہیں اس کی دکاں نہیں
لے دے کے ایک داغ جبیں یادگار ہے وہ دُھن نہیں وہ ہم نہیں وہ آستاں نہیں
ان مہربانیوں کی تری انتہا بھی ہے سائے سے عار ہم سے مگر بدگماں نہیں
بے وقت اپنی جنبش مژگاں کو کیا کہیں ہم جس کو دیکھتے تھے ابھی وہ سماں نہیں
آتا ہے اپنی کوشش بے فائدہ پہ حیف دشمن وہی ہے جس پہ ہمارا گماں نہیں
لطف آئیگا کسی سے سوال و جواب کا اک یہ بھی دل لگی ہے مرا امتحاں نہیں
نالے مرے ہوا پہ؟ دعا شیخ کی قبول کیا اس کے ہاتھ ہیں تو مجھے بھی زباں نہیں
کیا دوربیں ہے حسرت دیدار کے نثار اب دیکھنے کو حد نظر آسماں نہیں
ہے دوست مہربان تو دشمن بھی مہربان وہ مہرباں نہیں تو کوئی مہرباں نہیں
تعریف اور پھر مرے پروردگار کی منہ میں زباں نہیں مرے منہ میں زباں نہیں

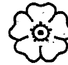
بڑھتے ہی جاتے ہیں خس وخاشاک آرزو　　دل اب تو اُن کے رہنے کے قابل مکاں نہیں

جو کچھ ہوا وہی بہت اچھا ہوا صفؔی
شکوہ کریں کسی کا ہماری زباں نہیں



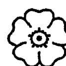
رات بے تیرے گزاروں مجھے منظور نہیں　　ورنہ جلووں کے لئے چاند تو کچھ دور نہیں
اب بھی کیا میری تسلی تجھے منظور نہیں　　دیکھ! نزدیک ہوں، پہلو میں ہوں، کچھ دور نہیں
کیا بڑا کام ہے اک رحم کے طالب کا جواب　　کہہ دے سو بات کی اِک بات یہ دستور نہیں
دل نہ دُکھے بھی تو روتا ہوں کہ وہ کچھ تو ہنسے　　چیخنے کے لئے مامور ہوں، مجبور نہیں

اے صفؔی میری غزل سن کے یہ ارشاد ہوا
جھوٹ کہنے سے ترے منہ پہ ذرا نور نہیں



کیا کہوں میں مجھے کب ہوش ہے کب ہوش نہیں　　تم کسی وقت مرے دل سے فراموش نہیں
اُن کی باتیں تو بہت صاف ہوا کرتی ہیں　　سننے والوں کی خطا ہے ہمہ تن گوش نہیں
گھر وہ کیا جس میں نہ ہو کوئی بھی گھر کی رونق　　کیا وہ آغوش جہاں زینتِ آغوش نہیں
قتل کرتے ہی مجھے منہ سے اُلٹ دی ہے نقاب　　کون قاتل اُسے سمجھے کہ وہ روپوش نہیں
ہم نے دیکھے ہیں بہت میکدۂ دہر کے رنگ　　چین کچھ ہے تو اُسی کو ہے جسے ہوش نہیں
کچھ نہ ہو کاتبِ اعمال کا دھڑکا تو ہے　　ایک انسان بھی دنیا میں سبکدوش نہیں

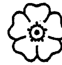
آج اُس بارگہِ ناز میں آیا تھا صفؔی
سر پہ دستار نہیں پاؤں میں پاپوش نہیں



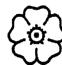
غیبت تمہاری کیا کبھی دشمن نے کی نہیں — ایسا نہیں تو آج سے میں بھی صفؔی نہیں
دل آپ نے لیا ہے، ہوی یہ بھی ایک ہی — اللہ کی قسم مجھے معلوم بھی نہیں
اغیار مجھ کو چھیڑتے کیوں ہیں جتایئے — غصے کے وقت دیکھئے میں آدمی نہیں
سب کو پسند کیوں ہو صفؔی دل کے آبلے
فولاد کے چنے ہیں کوئی دل لگی نہیں



ہم وہ مئے نوش ہیں اک لحظہ جو پینے کے نہیں — جان ہی دے دیں گے، مرجائیں گے جینے کے نہیں
توبہ کر شیخ! کہیں ہم سے بھی توبہ ہوگی — اور پھر کون سی توبہ، کبھی پینے کے نہیں
کیا کہیں آپ سے ہے حال صفؔی کا کیسا
سانس پر آس ہے آثار تو جینے کے نہیں

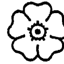


اب طبیعت تم پہ بھی مائل نہیں — ہم نہیں ہیں یا ہمارا دل نہیں
بے خطا ہے ہم کو اقرار خطا — وہ ستم کرکے بھی کچھ قائل نہیں
آپ میری بات کیوں سنتے نہیں — ہے ذرا سی بات کچھ مشکل نہیں
بدگمانی تا کجا اے بدگماں — میں ترے عشاق میں شامل نہیں
شاعری ہو یا طبابت کچھ بھی ہو
ایک فن میں بھی صفؔی کامل نہیں

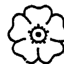


اُف اگر منہ سے نکل جائے ہمارے ہم نہیں — غم اگر دیتے ہیں وہ ہم کو تو کوئی غم نہیں
وہ شرارت سے یہ کہتے ہیں کسی کی لاش پر — دم چرایا ہے کوئی سمجھے کہ اس میں دم نہیں

تم اگر مل جاؤ گے ہم سے تو دیکھو تم نہو ہم اگر تم کو نہ منوالیں تو پھر یہ ہم نہیں
پھر گئی میری طبیعت تجھ سے اس کا کیا گلہ آئینہ تو دیکھ اب تیرا بھی وہ عالم نہیں
ایک ہی ہیں آپ جن کا نام سنتے ہیں صفؔی
دیکھنے کو پارسا ہیں ورنہ حضرت کم نہیں



جو ہوا بے ہوش وہ پھر ہوش میں آیا نہیں آج ساقی کا لہو کیوں جوش میں آیا نہیں
اس کی ٹھوکر سے ہوئی دنیا جو پامال خرام بال بھر کا بھی تو بل پاپوش میں آیا نہیں
تنگ دستی یا اسے کوتاہ دستی جانئے وہ چلاوہ جو میری آغوش میں آیا نہیں
دیکھنا بزم تصور کی بھی تصویروں کا رنگ تو کبھی اس محفل خاموش میں آیا نہیں
کیوں پڑا جنگل میں مجنوں چھوڑ کر لیلیٰ کا در کیوں دماغ خانماں بردوش میں آیا نہیں
اے صفؔی جو بے بسی بے کسی ہے آج کل
وقت ایسا تو ہمارے ہوش میں آیا نہیں



رنج کیا ہے اگر وہ پاس نہیں دور ہے دور از قیاس نہیں
جامہ زیبی جنوں کو راس نہیں اس کو الناس باللباس نہیں
ہم نشیں میرے جز حواس نہیں آیئے کوئی آس پاس نہیں
دوست پہلو میں ہے حواس نہیں اب کوئی ڈر کوئی ہراس نہیں
بات بھی زہر ہے نظر بھی زہر اس میں کچھ بھی اگر مٹھاس نہیں
اشک آنکھوں میں آئے جاتے ہیں میری عادت ہے یہ بھڑاس نہیں
گر اسی پر قناعت اے وحشت گھر بھی جنگل سے کم اداس نہیں

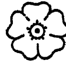
کون ہو اس کی آستیں کا سانپ آستیں ہی کی جس کو آس نہیں
میرے جینے کی آس چھٹ جائے اُن کے آنے کی یوں تو آس نہیں
تو نے بدلا جو بھیس دشمن کا کیا یہ اے دوست القیاس نہیں
آپ جیسوں کو آپ کہتے ہیں بندہ پرور یہ میرے پاس نہیں
پاس وہ بے لحاظ آ بیٹھا اب کسی کا لحاظ پاس نہیں
آنکھ میں اشک ہیں مسرت کے عشق اے حسن باسپاس نہیں
اپنی اپنی یہ زندگانی ہے مجھ میں ان میں کوئی براس نہیں
نہ سنا کیجیے التماس عوام اور بس کوئی التماس نہیں
نالہ کیوں ناگوار خاطر ہے آپ سے تو کچھ التماس نہیں
جب سے ان کا خیال دل میں ہے آس ہی آس ہے نراس نہیں
تم مجھے تنگ دل تو کہتے ہو اور ارمان کا نکاس نہیں
آج تک ان کو کس نے دیکھا ہے آئینہ بھی تو روشناس نہیں
تو بھی ناصح، بری سُنا مجھ کو دوستی راس دوست راس نہیں
نیک دل اور حق نگر شعرا پہلے سو تھے تو اب پچاس نہیں
رنگ و بو ہی کے ہوتے ہیں نیرنگ ورنہ کیا زعفران گھاس نہیں

کرتہ، سارون، دیسی کوٹ، کلاہ
اے صفؔی یہ تو کچھ لباس نہیں



کیا تجھی کو اے دل آشفتہ خوش حالی نہیں فکر سے دنیا میں کوئی آدمی خالی نہیں
شعر کیوں بے ساختہ نکلیں نہیں معشوق ہی کیوں ملے معشوق ہم کو فارغ البالی نہیں

لوگ کیوں گا گا کے پڑھتے ہیں صفؔی اپنی غزل
ہے یہ بزم شعر، کوئی بزم قوالی نہیں



ایمان ہے تمہارا کہ مجھ میں وفا نہیں
سچ ہے کہ منصفی کا زمانہ رہا نہیں

جو کچھ کہا ہے میں نے برا ہے؟ برا نہیں
لیکن جناب تم کو تو کچھ سوجھتا نہیں

رسوا کیا ہے آپ کو چالوں نے آپ کی
ہم بے خطا ہیں اِس میں ہماری خطا نہیں

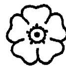
تو مجھ سے دور اور بہت دور ہی سہی
لیکن ترا خیال تو مجھ سے جدا نہیں

انکار وعدہ کرکے کرو تم تو کیا کروں
دنیا میں کہہ مکرنے کی کوئی دوا نہیں

کس واسطے وہ پوچھتے مجھ بے گناہ کو
بندہ جو نیک ہوتو خدا پوچھتا نہیں

ہے عاشقی بھی وہم تو اس کا علاج کیا
مشہور ہے کہ وہم کی کوئی دوا نہیں

کیا بات وہ جو آپ کی باتیں سنا کرے
سرکار یہ صفؔی ہے کوئی دوسرا نہیں



مجھ مضطرب پہ تیر جواُن کا پڑا نہیں
دونوں ہیں بے قصور کسی کی خطا نہیں

دے دے زبان اور کوئی التجا نہیں
سن مدعا بس اور کوئی مدعا نہیں

پیرِ مغاں جوتو ہے سلامت تو کیا نہیں
ممنون ہوں ضرور مگر دل بھرا نہیں

محفل میں کس مپرسیٔ احوالِ عشق ہائے
کیا ہوتے ہم خدا بھی اگر پوچھتا نہیں

بس ایک ہی دوا ہے کہ وہ مہربان ہو
کچھ اور تو علاج دلِ مبتلا نہیں

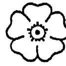
دیکھے تھے ایک دن جو مرے دیکھنے کے طور
اس روز سے وہ میری طرف دیکھتا نہیں

گردن پہ تیغ پھیر مگر مجھ سے منہ نہ پھیر
بس توبہ توبہ توبہ نہیں، بے وفا نہیں

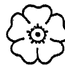
مجھ سے جدا بھی رہتے ہیں پھراس پہ یہ غضب
ملتے ہیں جب تو کہتے ہیں ہم تم جدا نہیں

دیتا نہیں ہوں اُن سے ہی کچھ مانگتا ہوں میں
دست سوال ہیں، مرے، دستِ دعا نہیں

وہ بات کون سی ہے جو ہم نے نہیں کہی	وہ کام کونسا ہے جو ہم نے کیا نہیں
آزار عشق جائے یہ ممکن نہیں صفؔی
سب جانتے ہیں موت کی کوئی دوا نہیں



چاند ہے چاند مہ جبیں تو نہیں	خیر یہ بھی سہی حسیں تو نہیں
نالہ کش رہ اثر نہیں تو نہیں	آج ان کو خبر نہیں تو نہیں
رکھ تمنائے دید مدنظر	دیکھ تاب نظر نہیں تو نہیں
فیض یکسوئی خیال میں ہے	اول اول ادھر نہیں تو نہیں
گریۂ خوں سے رنگ تو بھر دے	داستاں مختصر نہیں تو نہیں
میری صورت سوال ہے بس ہے	کوئی پیغام بر نہیں تو نہیں
خیروشر کی تمیز پیدا کر	قدرت خیروشر نہیں تو نہیں
جبر کر خود پہ صبر کی خاطر	دل جو اس کام پر نہیں تو نہیں
حق کو حق جاننا تو برحق ہے	دیدۂ حق مگر نہیں تو نہیں
سنگِ در پر تو جبہ سا ہے صفؔی
اس کے زانو پہ سر نہیں تو نہیں



دوست خوش ہوتے ہیں جب دوست کا غم دیکھتے ہیں	کیسی دنیا ہے الٰہی جسے ہم دیکھتے ہیں
دیکھتے ہیں جسے بادیدۂ نم دیکھتے ہیں	آپ کے دیکھنے والوں کو بھی ہم دیکھتے ہیں
بے محل اب تو ستم گر کے ستم دیکھتے ہیں	کیسے کیسوں کو برے حال میں ہم دیکھتے ہیں
ہنس کے تڑپا دے مگر غصے سے صورت نہ بگاڑ	یہ بھی معلوم ہے ظالم تجھے ہم دیکھتے ہیں

لوگ کیوں کہتے ہیں تو اُس کو نہ دیکھ اس کو نہ دیکھ
ہم کو اللہ دکھاتا ہے تو ہم دیکھتے ہیں

باغ کی سیر نہ بازار کی تفریح رہی
ہم تو برسوں میں کسی دن یہ قدم دیکھتے ہیں

لعل ہیرے سہی تیرے لب دنداں اِدھر آ
توڑ لیتے تو نہیں ہیں انہیں ہم دیکھتے ہیں

شل ہوئے دست طلب بھول گئے حرف سوال
آج ہم حوصلۂ اہل کرم دیکھتے ہیں

میں تماشا سہی لیکن یہ تماشا کیسا
مفت میں لوگ ترے ظلم و ستم دیکھتے ہیں

آپ کی کم نگہی حسن بھی ہے عیب بھی ہے
لوگ ایسا بھی سمجھتے ہیں کہ کم دیکھتے ہیں

ہم کو ٹھکراتے چلیں آپ کی محفل میں عدو
کیا انہیں کم نظر آتا ہے یہ کم دیکھتے ہیں

چار لوگوں کے دکھانے کو تو اخلاق سے مل
اور کچھ بھی نہیں دنیا میں بھرم دیکھتے ہیں

میرا ہونا بھی نہ ہونے کے برابر ہے وہاں
دیکھیں جو لوگ وجود اور عدم دیکھتے ہیں

آنکھ میں شرم کا پانی مگر اتنا بھی نہ ہو
دیکھ اُن کو جو تری آنکھ کو نم دیکھتے ہیں

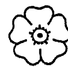
ہو تو جائے گا ترے دیکھنے والوں میں شمار
اول اول ہی مگر اپنے کو ہم دیکھتے ہیں

راستہ چلنے کی اک چھیڑ تھی تو آ کہ نہ آ
ہم تو یہ قول یہ وعدہ یہ قسم دیکھتے ہیں

دیکھنا جرم ہوا ظلم ہوا قہر ہوا
یہ نہ دیکھا تجھے کس آنکھ سے ہم دیکھتے ہیں

آنکھ اُن کی ہے دل اُن کا ہے کلیجہ اُن کا
رات دن جو مجھے بادیدۂ نم دیکھتے ہیں

اپنا رونا بھی صفیؔ راس نہ آیا ہم کو
اس کو شکوہ ہے کہ آنکھیں تری نم دیکھتے ہیں



ایک سے ایک مصیبت شبِ غم دیکھتے ہیں
یعنے سب سنتے ہیں جس بات کو ہم دیکھتے ہیں

دیر کافر تو مسلمان حرم دیکھتے ہیں
اس کا کیا نام ہے یارب جسے ہم دیکھتے ہیں

دیکھنے والے تو اس بات کو کم دیکھتے ہیں
تو نہ دیکھے تو نہ دیکھے تجھے ہم دیکھتے ہیں

اب جو بے مانگے کے مل جائے مقدر اپنا
آج تو حوصلہ اہل کرم دیکھتے ہیں

امتیاز حق و باطل میں تجھے آنکھ نہیں
داغ دل دیکھ کے دینار و درم دیکھتے ہیں

آپ سے کام کہیں رہئیے ہمیں ٹوہ سے کیا
ہم قدم دیکھتے ہیں نقشِ قدم دیکھتے ہیں

فاقہ مست آپ کے کچھ خیر سے بدمست بھی ہیں
اپنے کچکول کو یہ ساغرِ جم دیکھتے ہیں

شیخ صاحب سے بھی کنجوس نہ دیکھے نہ سنے
قبلہ و کعبہ تو کم سنتے ہیں کم دیکھتے ہیں

آمد و رفت نفس بھی ہے غنیمت شبِ ہجر
اب تو غم خوار یہ بس ایک ہی دم دیکھتے ہیں

ناز بے جا کے اٹھانے پہ بھی ہے ناز ہمیں
آپ کو دیکھ کے اپنے کو بھی ہم دیکھتے ہیں

ان حسینوں میں کوئی قاعدہ قانون نہیں
روز ہر ایک سے اک طرفہ ستم دیکھتے ہیں

تم بھی معشوق ہو، ہیں اور بھی معشوق مگر
لوٹ جاتے ہیں جب انداز ستم دیکھتے ہیں

لوگ تم کو بھی برا بولنے والے نکلے
یہ نہ دیکھا تھا کبھی آج جو ہم دیکھتے ہیں

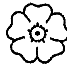
ایسی فرصت ہے تو قانون محبت لکھ ڈال
روز پیشی میں دوات اور قلم دیکھتے ہیں

یہی آنا ہے تو کب آئیں گے وہ کیا جانوں
جب اُٹھاتے ہیں قدم، نقش قدم دیکھتے ہیں

دیکھ کر آپ کو کچھ اور تو دیکھا ہی نہیں
یہ قیامت یہ مصیبت یہ الم دیکھتے ہیں

صبر کرنا ہی نہ آیا ہمیں سب کچھ آیا
دیکھتے ہیں تو یہی کام اہم دیکھتے ہیں

اُٹھ گئی ہائے زمانے سے عجب فرد صفی
آدمی حضرت کیفی سے بھی کم دیکھتے ہیں



جو لوگ ایک غم اپنا سنانے آتے ہیں
وہ چار غم تری محفل سے لے کے جاتے ہیں

مصیبتوں کو جو انسان بھول جاتے ہیں
یہی بھلاوے اُنھیں چار دن جلاتے ہیں

کسی طرح مرے غم خوار انہیں تو کیا لاتے
عنایت اُن کی جو خود جا کے لوٹ آتے ہیں

ہر آدمی سے محبت کی سرگذشت نہ پوچھ
سنائے جانے کے قصے سنائے جاتے ہیں

وہ اپنے جلووں کے رہتے ہیں خود بھی شیدائی
کسی کا ظرف ہو اتنا تو ہم دکھاتے ہیں

نہیں نصیب ملاقات ظاہری کے مزے
خیال میں تو وہ ہر وقت آئے جاتے ہیں

بَری ہیں پرسش اعمال سے جو دیوانے
تری نہیں میں نہیں ہاں میں ہاں ملاتے ہیں

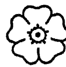
مجھے وہ عیش میں بھولے ہیں کیا بساط مری
خوشی میں لوگ خدا کو بھی بھول جاتے ہیں

کبھی ندیم، کبھی چارہ گر، کبھی معشوق
وہ روز ایک نیا روپ بھر کے آتے ہیں

طریقہ یہ بھی ہے عاشق کی آزمایش کا
تکلفات بیا پے اُٹھائے جاتے ہیں

کبھی اُدھر کو بڑھانے سے دل نہیں بڑھتا
قدم قدم پہ قدم ڈگمگائے جاتے ہیں

صفیؔ ہماری جگہ کیا ہو اُن کی محفل میں
ہزار آتے ہیں ایسے ہزار جاتے ہیں



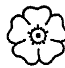
اب کہیں حضرت دل راستے پر آتے ہیں
پوت کے پالنے میں پاتو نظر آتے ہیں

ہائے اے رشک عدو تو کہیں غارت ہو جائے
رات بھر کیسے برے خواب نظر آتے ہیں

اس نے اتنا بھی نہ پوچھا کہ یہ صاحب ہیں کون
اس محلے میں جو آتے ہیں کدھر آتے ہیں

گو مجھے کام نہیں اب، مگر ان کا گھر ہے
کس نے روکا ہے چلے آئیں اگر آتے ہیں

کیا صفیؔ اُن کا تخلص ہے تعجب ہے مجھے
وہی دیوانے سے جو روز اِدھر آتے ہیں



وہ جو رو کر تجھے رلاتے ہیں
وقت سے فائدہ اُٹھاتے ہیں

کیوں ڈریں شیخ جی سے رندانے
اپنا پیتے ہیں اپنا کھاتے ہیں

تیری خاطر سے ہم ارے بے درد
دل بھی دکھے تو مسکراتے ہیں

موت پھر ہائے کوہ کن کی موت
لوگ ایسا بھی آزماتے ہیں

کیوں ہو شرمندہ یہ ہے کس کی زباں کی تاثیر
لوگ تو مجھ کو تمہارا ہی کہا کہتے ہیں

ہیں حسین ایسے بھی دنیا میں نہیں جن کو خبر
ناز کہتے ہیں کسے کس کو ادا کہتے ہیں

بے طرح مجھ پہ نہ اس طرح خفا ہو دیکھو
تم برا کہتے ہو سب لوگ برا کہتے ہیں

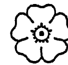
کبھی رستے میں بھی میں پانو پر اُن کے گر جاؤں
وہ خطا اب کے کروں جس کو خطا کہتے ہیں

تیری خاطر کریں اور اے دل کم حوصلہ کیا
رنج میں ہم کبھی اس کو بھی برا کہتے ہیں

اک بزرگ ایسے ملے ہیں کہ الٰہی توبہ! ق
جس کو جی چاہے برا اور بھلا کہتے ہیں

جی میں آتا ہے کہ خط میں کبھی اُن کو لکھ دوں
آپ کو حضرت ناصح بھی دعا کہتے ہیں

ایک خوراک صفیؔ ضعف میں ہے اے ساقی
یہ جو شیشوں میں ہے سب اس کو دوا کہتے ہیں



تمہاری آنکھ جو ہے چشم آہو اس کو کہتے ہیں
عمل، کرتوت، ٹونا، سحر، جادو، اس کو کہتے ہیں

محبت کا اثر خود سیکڑوں جادو کا جادو ہے
خدا سمجھے انہیں جو لوگ جادو اس کو کہتے ہیں

تری آنکھوں نے کیا بے وقت مارا ہم کو اے ظالم
قضا اس کو نہیں کہتے ہیں جادو اس کو کہتے ہیں

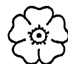
مرا رونا جو دیکھا تو وہ گھبرا کر لگے کہنے
لہو ہے یہ تو اے نادان! آنسو اس کو کہتے ہیں

مرے قابو میں دل جیسا ہے بس اس کو نہیں کہتے
تمہارے بس میں جیسا میں ہوں قابو اس کو کہتے ہیں

مجھے معلوم کیا تھا پوچھتے ہیں وہ پتہ دل کا
فقط اتنا بتایا تھا کہ پہلو اس کو کہتے ہیں

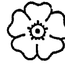
لڑائی مجھ سے تھی پوچھا جو ''تو'' کس کو کہا تم نے
تو دشمن کو بتا کر کہتے ہیں ''تو'' اس کو کہتے ہیں

نہ جانے ہند والے کون ہیں وہ بولتے کیا ہیں
صفیؔ ہم دکھنیوں کی صاف اُردو اس کو کہتے ہیں



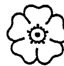
اُن کی باتوں کا پوچھنا کیا ہے — میری ہر بات بھول جاتے ہیں
تجھ کو رہ رہ کے آزمانا کیا — ہم تو تقدیر آزماتے ہیں
عام ہوتے ہیں تیری بزم کے رنگ — روز لاکھوں جو آتے جاتے ہیں
جاتے جاتے کچھ ایسی باتیں کیں — میں یہ سمجھا کہ پھر وہ آتے ہیں
اب بھی آتے ہیں وہ مگر ہم دم — کیسے آتے ہیں کیا؟ بس آتے ہیں
تیری خاطر نباہوں کتنوں سے — ناز اک آدھ کے اُٹھاتے ہیں
کون گائے تری غزل کو صفی — جس کا کھاتے ہیں اس کی گاتے ہیں

ان کی پیری صفی نہیں پیری
جو مقدر جوان پاتے ہیں



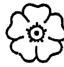
چاہنے والوں کو ایسے بھی الم دیتے ہیں — دیکھ بے چاروں کو کس طرح سے دم دیتے ہیں
دل جلا کے بھی تو احسان جتاتے ہیں وہ — داغ کیا دیتے ہیں جیسا کہ درم دیتے ہیں
سچ ہے ہوتی ہے ہر اک شخص کو جان اپنی عزیز — لیکن اس شکل سے پیش آو تو ہم دیتے ہیں
یہ بگڑنا ہی تمہارا تو مزہ دیتا ہے — دینے والے انہی باتوں پہ تو دم دیتے ہیں
لینا دینا بھی برابر نہیں آتا افسوس — دل تو وہ لیتے ہیں دیتے ہیں تو غم دیتے ہیں

اے صفی کون علاج دل بے تاب کرے
تنگ آتے ہیں تو بیمار کو سم دیتے ہیں

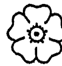


لوگ دنیا میں جب اچھوں کو برا کہتے ہیں — اس ستم گر کو خدا جانے یہ کیا کہتے ہیں
وہ اگر کہتے ہیں آوارہ تو کیا کہتے ہیں — کہنے والے تو مجھے اس سے سوا کہتے ہیں
میں برا ہوں مجھے سب لوگ برا کہتے ہیں — آج اے بندہ نواز آپ یہ کیا کہتے ہیں

اُن کو یہ ہے غرور کہتے ہیں　　آپ اپنے کو جور کہتے ہیں
پاس اُن کو مرا نہیں آتا　　دور سے دور دور کہتے ہیں
جانے بھی دو مجھے بھلا کہ برا　　کہتے ہیں بے شعور کہتے ہیں
جھوٹ کہتا ہوں میں مدام بجا　　سچ ہمیشہ حضور کہتے ہیں
اے صفیؔ ایک دن ادھر بھی سہی
جس کو سب طور طور کہتے ہیں



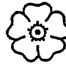
تمہیں جب سے کیا ہے پیار، بدنام خلائق ہیں　　ہر اک ہم کو بتاتا ہے کہ یہ بھی ان کے عاشق ہیں
ہمیشہ کچھ نہ کچھ ہر روز کی اک چھیڑ جاری ہے　　خدا رکھے عدو بھی اپنی مرضی کے موافق ہیں
ترے ہر چاہنے والے پہ ہم دیتے ہیں جان اپنی　　زمانہ تیرا عاشق، ہم زمانے بھر کے عاشق ہیں
لگا کر جھوٹ سچ اچھے دلوں میں دشمنی ڈالی　　تمہاری انجمن کے لوگ بھی کتنے منافق ہیں
اگر دنیا میں کوئی چیز ہے تو وضع داری ہے　　کبھی مشتاق میں جن تھا اب وہ میرے شائق ہیں
تمنائیں بھی برآئیں مگر اے شومیٔ قسمت　　جنونِ عشق کے انداز اب تک حسب سابق ہیں
غم جاگیر دل کے واسطے زخم جگر دیکھو　　یہ کیسے معتبر اسناد ہیں کیسے وثائق ہیں
صفیؔ اس اپنی شدبُد پر ہی تم کو ناز ہے اتنا
ذرا دنیا میں دیکھو لوگ کیسے کیسے لائق ہیں



کبھی دشمنوں کی بھی غم خواریاں ہیں　　محبت میں کیا کیا مزے داریاں ہیں
جہاں حسن کی گرم بازاریاں ہیں　　دل آزاریاں ہی دل آزاریاں ہیں
نہ اگلے سے وہ ہیں نہ اُن کی طبیعت　　وہی ہم وہی ناز برداریاں ہیں

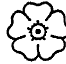
یہ کچھ اور ہی آج ہے تیری محفل — یہ کچھ اور ہی آج تیاریاں ہیں
حکومت کے الفاظ لکھے ہیں ہم کو — یہ نامے ہیں یا نیم سرکاریاں ہیں
مرے آنسوؤں نے جلایا عدو کو — تماشہ ہے پانی میں چنگاریاں ہیں

صفی اور دل دے کسی آدمی کو
اجی سب یہ حضرت کی مکاریاں ہیں



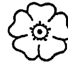
چرا کر دل کو بے پروائیاں ہیں — تری آنکھیں بھی کیسی کائیاں ہیں
بھرم دشمن کا کھل جائے نہ یا رب — محبت میں بڑی رسوائیاں ہیں
ہمارا گھر کہیں خالی رہے گا — نہیں ہے تو، تری پرچھائیاں ہیں

اُنہیں پہلے تو گرویدہ بنایا
صفی! اب ایسی بے پروائیاں ہیں

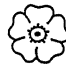


جب وہ کچھ لاجواب ہوتے ہیں — تو وفا کے حساب ہوتے ہیں
جب کہی شیخ نے پتے کی کہی — پیرومرشد کو خواب ہوتے ہیں
ہائے میں اُن کے شرم کے قرباں — سچ ہے فقرے عذاب ہوتے ہیں
بے تکلف رہیں یہ ارماں تھا — آپ تو بے حجاب ہوتے ہیں
میں ہی بے دل نہیں کہ دنیا میں — سیکڑوں انقلاب ہوتے ہیں
جب میں کچھ شکوہ سنج ہوتا ہوں ق — صرف عالی جناب ہوتے ہیں
پھر تصدق ہوں کیا مرے سرکار — یار لوگوں کو خواب ہوتے ہیں
نیند کا ہجر و وصل کیا اے دل — خواب آخر کو خواب ہوتے ہیں

اے تری شان اب تو اُن کے بھی
صاف سیدھے جواب ہوتے ہیں
آپ کے دل میں گھر صفؔی کا کیوں
ایسے خانہ خراب ہوتے ہیں



وار ایسے تری نظر کے ہیں
ٹکڑے ٹکڑے دل و جگر کے ہیں
بات سمجھیں نہ بات کو سوچیں
آپ تو بس اگر مگر کے ہیں
کہیں چھپتی ہے ان کے منہ کی بات
یہ تو فقرے پیام بر کے ہیں
تم ہو اچھے تو اپنے گھر کے ہو
ہم برے ہیں تو اپنے گھر کے ہیں
دیکھو جب یوں ہی پیار سے دیکھو
ہم تو کشتے اسی نظر کے ہیں
عید کے دن تو مل گلے ظالم
دل میں ارمان سال بھر کے ہیں
اے صفؔی آج کیوں ہیں یہ ساماں
کیا ارادے کہیں سفر کے ہیں



اسے کیا رات دن جو طالب دیدار پھرتے ہیں
غرض ہے تو غرض کے واسطے سو، بار پھرتے ہیں
اِدھر دیکھو بھلا ہم کو زمانہ کیا نہیں کہتا
تو کیا ہر ایک سے کرتے ہوئے تکرار پھرتے ہیں
جواب وحشت نہیں بھی ہے تو اپنی چال کیوں چھوڑیں
جدھر جی چاہے دن بھر رات بھر بے کار پھرتے ہیں
تری خاطر محبت ہوگئی ہے دل کی وحشت سے
ہمیں آوارہ پن پر آ گیا ہے پیار پھرتے ہیں
تڑپنے لوٹنے کی آج اُن تک بھی خبر پہنچی
مجھے بدنام کرنے کو مرے غم خوار پھرتے ہیں
اسے ہم مانتے ہیں تو زمانے بھر سے اچھا ہے
مگر اچھے بھی اپنے قول سے اے یار پھرتے ہیں
سمجھتے ہیں سمجھنے والے اس کو بھی ریاکاری
گلی کوچوں میں کیوں تیرے ستم بردار پھرتے ہیں

تمہیں افسوس کیوں ہے عاشقوں کی کوچہ گردی پر
پھراتا ہے مقدر، یہ خدائی خوار پھرتے ہیں

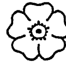
کہیں ایسا نہو اک روز تم بھی ہم سے پھر جاؤ
یہاں پہلے ہی اپنی جان سے بے زار پھرتے ہیں

وہ دل کی آرزو اب ہے نہ اس کی جست و جواب ہے
ہمارے پانو میں چکر ہے ہم بے کار پھرتے ہیں

کسی کافر کا گھر تھا یا نہیں معلوم جنت تھی
ابھی تک میری آنکھوں میں در و دیوار پھرتے ہیں

زمانے سے نرالا ہے چلن ان حسن والوں کا
لقب تو قاتلِ عالم ہے بے تلوار پھرتے ہیں

صفؔی کو تم نے تو کوئی بڑا پہنچا ہوا سمجھا
اجی رہنے بھی دو ایسے بہت مکار پھرتے ہیں



خوش رہیں گھر سے اگر مجھ سے خفا ہوتے ہیں
نہ میں بندہ ہوں، نہ وہ میرے خدا ہوتے ہیں

بے وفاؤں سے جو، پابند وفا ہوتے ہیں
کیسے ہوتے ہیں خدا جانے وہ کیا ہوتے ہیں

نہ ملانے سے کبھی ملتے ہیں دو دل باہم
نہ جدا کرنے سے ظالم یہ جدا ہوتے ہیں

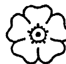
یہ پری زاد، پری چہرہ، پری وش، فتنے
اپنی والی پہ جب آتے ہیں بلا ہوتے ہیں

مجھ سے کہتے ہیں "کہو منہ سے تو کچھ دل کی بات"
اپنے مطلب تو اشاروں میں ادا ہوتے ہیں

سب تڑپتے ہیں بہ قدرِ خلشِ زخمِ جگر
حسن کے حق نمک کس سے ادا ہوتے ہیں

گھٹتے گھٹتے ہی گھٹا زور جنون ہستی
ہوتے ہوتے ہی تو سب کام روا ہوتے ہیں

جان کی پائے اماں تو یہ صفؔی عرض کرے
بے سبب بھی کبھی سرکار خفا ہوتے ہیں



مجھے اُن پر فدا پا کر عدو جل جل کے مرتے ہیں
ہوس کرتے ہیں، حسرت کرتے ہیں، ارمان کرتے ہیں

اُنہیں عاشق کہا کرتے ہیں جو بے موت مرتے ہیں
نہیں معلوم پہلے یہ کنائے کس نے برتے ہیں

مری تقدیر جو برتاؤ اس کافر نے برتے ہیں
شکایت اس طرح کرتا ہوں جیسا شکر کرتے ہیں

سنورتا دیکھ کر اُن کو مجھے ارمان ہوتا ہے
الٰہی اس طرح میرے مقدر کب سنورتے ہیں

جدائی کا زمانہ چین سے کٹ ہی نہیں سکتا
مصیبت ہی سے ہمدم دن مصیبت کے گزرتے ہیں

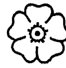
جو اُن کے کان بھرتے ہیں ہمارے زخم کیوں بھرتے
مثل مشہور ہے سب لوگ بھرتوں ہی کو بھرتے ہیں

کہاں وہ درد جو ہوتا ہے اہل اللہ کے دل میں
کہاں وہ نالہ جس سے عرش کے پائے ادھرتے ہیں

کسی کے دل سے ہم اترے تو سمجھے چڑھ بھی جائینگے
کریں کیا فکر دریا بھی تو چڑھتے ہیں اترتے ہیں

زباں دینا نہ دینا ایک ہے معشوق لوگوں کا
کبھی وعدہ بھی کرتے ہیں تو کیا پورے اُترتے ہیں

مزہ کیسا نہ دیں گی دھمکیاں ترک محبت کی
ڈراتے ہیں صفی کو اپنے سائے سے جو ڈرتے ہیں



تیرے دیوانے کس سے ڈرتے ہیں
سب کی سنتے ہیں اپنی کرتے ہیں

تم سے کیوں لوگ خوف کرتے ہیں
سب برے آدمی سے ڈرتے ہیں

اس کو چھوتے ہوئے بھی ڈرتے ہیں
حضرت دل کمال کرتے ہیں

تم نے جب دل نہیں چرایا ہے
پھر فرشتے یہاں اُترتے ہیں

کبھی لوگوں سے تم جھجکتے تھے
لوگ اب تم سے خوف کرتے ہیں

مجھ کو شکووں کا کچھ نہیں شکوہ
وہ مگر کہہ کے کیوں مکرتے ہیں

چارہ سازوں سے بس خدا سمجھے
مرنے دیتے ہیں یہ نہ مرتے ہیں

مجھ اکیلے کی رات کٹ جائے
یوں تو باتوں میں دن گزرتے ہیں

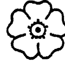
اب یہ سوجھی ہے دل کو یا وحشت
بیٹھے بیٹھے بھی پانو بُھرتے ہیں

واہ وا آفریں جزاک اللہ
کیسے برتاؤ تو نے برتے ہیں

ہم کہاں اور شان عشق کہاں
اگلے لوگوں کی نقل کرتے ہیں

دوستوں سے تو ناک میں دم ہے
ق پوچھتے ہیں کہ کس پہ مرتے ہیں

کیا کہوں یہ لکھے پڑھے احمق کیسے مہمل سوال کرتے ہیں
قافیہ بھی بدل گیا ہے صفیؔ
وقت نازک ہے یار ڈرتے ہیں

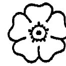


دیکھیں کب تک وہ عار کرتے ہیں وقت کا انتظار کرتے ہیں
آپ اپنے کو پیار کرتے ہیں یا مجھے شرمسار کرتے ہیں
دیکھنا اُن کے دیکھنے والے ہم کو کن میں شمار کرتے ہیں
یہی تیرے کبھی کبھی کے کرم ہم کو امیدوار کرتے ہیں
کیا کیا ہم نے دل جو اس کو دیا دوست کا اعتبار کرتے ہیں
ہائے تیرا کہا نہیں کرتے؟ اے دلِ بے قرار کرتے ہیں
اس میں کیا راز ہے نہیں معلوم وہ مجھے رازدار کرتے ہیں
تُو تُو مَیں مَیں! جنابِ دل اُن سے ایسی باتیں گنوار کرتے ہیں
عشق میں جان بیچنے والے سولہ سو کے ہزار کرتے ہیں
اُن کا ہر اک ہے بندۂ بے دام گھر میں بیٹھے شکار کرتے ہیں
قرض کی پی ہے ایک حضرت نے لو گنہ بھی اُدھار کرتے ہیں
دیکھ آئینہ دیکھنے والے ہم تو ایسوں کو پیار کرتے ہیں
اے صفیؔ وہ تو پوچھتے بھی نہیں
آپ کیوں ''یار یار'' کرتے ہیں



ہمیں وہ بھی نصیحت کر رہے ہیں شریکِ کار جو اکثر رہے ہیں
علاجِ زخمِ دل کیا کر رہے ہیں کیا ہے آپ نے ہم بھر رہے ہیں

نہ پوچھو ہم سے کیسی ہے طبیعت طبیعت کیا بتائیں مر رہے ہیں
مجھے آنے کا دھوکہ دینے والے ہزاروں بار خود آ کر رہے ہیں
وہاں ہم کیا ہماری عاجزی کیا جہاں قدموں پہ لاکھوں سر رہے ہیں
توکل یا قناعت کرنے والے ہمیشہ اپنی والی پر رہے ہیں
محبت میں شکایت بھی فغاں بھی جو ہم سے ہو رہا ہے کر رہے ہیں
ذرا تو دیکھ مایوسانِ دیدار نگاہوں سے اشارے کر رہے ہیں
ہمارا غم کدہ بھی دیکھ جاؤ نگاہوں میں بہت منظر رہے ہیں
یونہی دفناؤ تو معلوم ہوگا ہزاروں آپ کے در پر رہے ہیں
ہماری بے کسی پر ہنسنے والو برے دن عمر بھر کس پر رہے ہیں
ترا دیدار بعد مرگ ہوگا یہ بے صبرے ابھی سے مر رہے ہیں
خدا جانے صفی منشا خدا کا
ہمارے کام تو ہم کر رہے ہیں



اسے سب لوگ ظالم، بے وفا، قاتل سمجھتے ہیں مگر ہم ہیں کہ اپنی جان اپنا دل سمجھتے ہیں
ہزار افسوس ہم اپنے کو کس قابل سمجھتے ہیں کہ وہ تو بے کہے بھی آرزوئے دل سمجھتے ہیں
جو وہ پتھر کو پتھر اور دل کو دل سمجھتے ہیں تو پھر کیوں مجھ کو اپنے درد کے قابل سمجھتے ہیں
ستائیں اور پھر ایسا ستائیں کیا غرض اُن کو ہم اپنے دشمنوں میں دوست کو شامل سمجھتے ہیں
ہنر کیسا یہاں تو عیب بھی کرنا نہیں آتا مگر وہ تو مجھے ہر بات میں کامل سمجھتے ہیں
تعجب ہے مرے رونے پہ حیرت ہے تڑپنے پر مجھے شائد وہ اپنی یاد سے غافل سمجھتے ہیں
سمجھ لینے سے تو کوئی کسی کا ہو نہیں سکتا سمجھ لیں وہ جو میرے دل کو اپنا دل سمجھتے ہیں
تم اپنے بے دلوں کی بھی محبت کو ذرا دیکھو کہ سب آپس میں اپنا ایک کو اک دل سمجھتے ہیں

جو کوئی تم پہ مرتا اور تم پر جان دیتا ہے
تعجب ہے اُسی کو لوگ زندہ دل سمجھتے ہیں

برائی کیا ہے آخر دوستی میں کیا نہیں ہوتا
ہمارے دل کو ہم اپنا وہ اپنا دل سمجھتے ہیں

سمجھ آجائے جو سمجھانے والوں کو تو آجائے
مگر کیا اب قیامت تک جناب دل سمجھتے ہیں

نہ سمجھیں تو نہ سمجھیں حسن والے دردِ دل میرا
مرے اللہ نے جن کو دیا ہے دل سمجھتے ہیں

جو وہ بھی ایک ہی ہے شعبدہ گر ساری دنیا میں
تو آخر ہم بھی اپنا دل پرایا دل سمجھتے ہیں

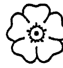
الٰہی کون سی شئے تو نے رکھی ہے حسینوں میں
کہ ان کو لوگ اپنی جان اپنا دل سمجھتے ہیں

کبھی فرصت سے سوچیں گے کہ اس کا حشر کیا ہوگا
ابھی ہم ایک کافر دِل کو اپنا دل سمجھتے ہیں

اُترتے ہیں جو فتنے آسماں سے آزمایا ہے
مرے ہی جھونپڑے کو آخری منزل سمجھتے ہیں

جو اپنی جان پیاری تھی تو اس پر پیار کیوں آیا
بہت آسان ہے وہ جس کو ہم مشکل سمجھتے ہیں

کسی کو کوئی کیا دیگا، کسی سے کوئی کیا لے گا
صفؔی ہم تو "حسابِ دوستاں دردِل" سمجھتے ہیں



یہاں تک ہم ترے ممنونِ احساں ہوتے جاتے ہیں
کہ جو ارمان پنہاں تھے نمایاں ہوتے جاتے ہیں

نہیں معلوم کیا دیکھیں گے وہ میری پریشانی
پریشانی مری سن کر پریشاں ہوتے جاتے ہیں

وہ نالے جن کو ہم اک مصلحت سے روک کر رکھیں
ہمارے حلق کے ہر وقت درباں ہوتے جاتے ہیں

کسی صورت جو پھولوں سے ہمارا جی نہیں بہلا
چمن کے شوق اب سوئے بیاباں ہوتے جاتے ہیں

کسی کو بھی جو ہم کو دیکھ کر روتا نہیں دیکھا
تو اپنے حال پر ہم خود ہی گریاں ہوتے جاتے ہیں

جہاں تک مشکلیں بے تابیوں کی بڑھتی جاتی ہیں
سمجھتا ہوں کہ میرے کام آساں ہوتے جاتے ہیں

یہ مقصد ہے کہ کم ہو جائے کچھ تو وحشت ظاہر
جب اُن کے پاس جاتے ہیں گلستاں ہوتے جاتے ہیں

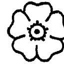
ثواب اس کا پہنچ جائے الٰہی روح یوسف کو
محبت میں جواب تک چاک داماں ہوتے جاتے ہیں

سمجھتے ہیں کب عزت اور ذلت چارہ ساز اپنی
فقط یہ رائے دے کر رائے زایاں ہوتے جاتے ہیں

یہ کس کو پوچھتے ہیں پوچھنا کیا حسن والوں کا
برا ہو یا بھلا اپنے پہ نازاں ہوتے جاتے ہیں

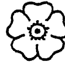
سرِ محفل جو بے ہوشی سے مجھ کو ہوش میں لائے ہوا دھوکا کہ وہ میرے نگہ باں ہوتے جاتے ہیں
وفورِ یاس میں تسکین دیتے جاتے ہیں دشمن چھچوروں کے ہمارے سر پہ احساں ہوتے جاتے ہیں
چھٹا آوارہ پن تو دیر و کعبہ زندگی ٹھہرے یہ کچے ڈھا گے اب میری رگِ جاں ہوتے جاتے ہیں
جگر کے داغ کب تک اور میں کیسا چھپاؤں گا یہ انگارے چراغ زیرِ داماں ہوتے جاتے ہیں
نہیں ہے وصل میں بھی ہائے آزادی مجھے حاصل سلاسل آپ کے گیسوئے پیچاں ہوتے جاتے ہیں
ہمارا آسرا کیا ہوں گے گھر سرمایہ داروں کے کہ یہ عشرت کدے شہرِ خموشاں ہوتے جاتے ہیں

سنو اشعار تم دل جب صفؔی صاحب کا جلتا ہے
کہ جتنی آگ لگتی ہے غزل خواں ہوتے جاتے ہیں



جگر کے داغ فراقِ بتاں میں رہتے ہیں یہ پھول وہ ہیں جو تازہ خزاں میں رہتے ہیں
خوشی سے کب وہ ہمارے مکاں میں رہتے ہیں اگر مگر میں چنیں و چناں میں رہتے ہیں
قصور مند نہیں اس میں حسن والے ہی غرور و ناز تو ہر اک جواں میں رہتے ہیں
تمھیں پڑھو تمہیں سمجھو خطوط غیروں کے مجھے تو کھوج ہے یہ کس زباں میں رہتے ہیں
حسین ہم نے وفادار تو نہیں دیکھے زمیں میں رہتے ہیں یا آسماں میں رہتے ہیں
رہیں بھی وہ تو دل اُن کا یہاں نہیں رہتا کہ میرے گھر میں بھی اپنے مکاں میں رہتے ہیں
کسی کا دل بھی نہیں صاف اس محبت میں ہم اپنے وہم وہ اپنے گماں میں رہتے ہیں
جسے ہے عشق وہ انجام کار کیا دیکھے وہ بوالہوس ہیں جو سود و زیاں میں رہتے ہیں
سمجھ کے برتو جو دنیا کو ہے یہی عقبیٰ کہ کچھ ہی فرق یہاں میں وہاں میں رہتے ہیں
یہاں ہے جسم وہاں جان شعبدہ ہے کہ موت ہمیں زمیں میں ہمیں آسماں میں رہتے ہیں
کرم نہ کیجیے پردے میں یہ ستم کیا ہے یقین میں تو کبھی ہم گماں میں رہتے ہیں

صفؔی کو خانہ بدوشوں میں گن چکے لیکن
ہمیشہ آپ تو شاید مکاں میں رہتے ہیں



جو حسن و عشق سے امن و اماں میں رہتے ہیں
کہاں کے لوگ ہیں وہ کس جہاں میں رہتے ہیں

کلام پاک میں ہے ذکر حضرت یوسف
یہ حسن و عشق ہر اک داستاں میں رہتے ہیں

الٰہی اب سے حسینوں کو مہربان بنا
کہ تیرے بندے انھیں کی اماں میں رہتے ہیں

تمھیں تو ہو وہ جو درد و الم میں رکھتے ہو
ہمیں تو ہیں وہ جو آہ و فغاں میں رہتے ہیں

مجھے تو آپ سے مطلب ہے چاند سورج کون
وہ اُن کو چاہیں گے جو آسماں میں رہتے ہیں

کدھر کدھر کے چلے آتے ہیں یہ بے وحدت
کہاں کہاں کے تمھارے مکاں میں رہتے ہیں

امید ، رنج ، الم ، ضبط ، درد ، صبر ، قلق
یہ سب ہمارے دل ناتواں میں رہتے ہیں

ہزاروں کام ہیں ایسے بھی دیکھ اے غافل
کہ بعد مرگ بھی لوگ اس جہاں میں رہتے ہیں

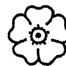
خدا سمجھ لے لگانے بجھانے والوں کو
یہ خواہ مخواہ یہاں میں وہاں میں رہتے ہیں

اشارے آپ کی ابرو کے کوئی کیا جانے
کہ کتنے زہر کے تیر اس کماں میں رہتے ہیں

ہماری خاص ترقی ہے خانہ ویرانی
کبھی مکاں میں تھے اب لامکاں میں رہتے ہیں

اگر سمجھ ہے تو دل دے کے لطف زیست اٹھا
ہزار فائدے اس اک زیاں میں رہتے ہیں

خیال دوست میں رہتے ہیں اے صفؔی جب تک
تو اس جہاں میں نہ ہم اُس جہاں میں رہتے ہیں



کیسی کیسی خواہشیں جینے میں ہیں
سیکڑوں بچھو مرے سینے میں ہیں

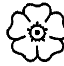
ہیں جناب عشق بھی اک چیستاں
یہ نہ کھانے میں نہ یہ پینے میں ہیں

اپنے گھر میں ہے کوئی شوخ و شریر
یا جناب دل مرے سینے میں ہیں

آج کیا تیور کی لی ہے واہ واہ
کچھ ادائیں بھی ترے کینے میں ہیں

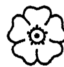
دل یہ داغ عشق سے بدنام ہے عیب ہیں جوہر جو آئینے میں ہیں

ڈھونڈھتے ہو کیوں صفؔی کو شہر میں
وہ تو بے چارے قرنطینے میں ہیں



سب اُن کی بزم میں دیوار و در کو دیکھتے ہیں — ہم اُن کو یا تو پھر اُن کی نظر کو دیکھتے ہیں
حضورِ دوست میں کچھ رنگ ہے غیاب میں کچھ — زمانہ سازیٔ شام و سحر کو دیکھتے ہیں
حسین اپنی ادا کا مآل کیا دیکھیں — حکیم اپنی دوا کے اثر کو دیکھتے ہیں
کہا ہے میں نے جو تلوار دشنہ خنجر تیر — وہ لے کے آئینہ اپنی نظر کو دیکھتے ہیں
رکھا تھا ہاتھ ابھی میرے دل پہ دست بخیر — یہ کیا ہوا جو وہ اپنے جگر کو دیکھتے ہیں
تجھے زمین پہ دیکھیں تو کیا خیال کریں — جو آسمان پہ شمس و قمر کو دیکھتے ہیں

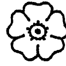
خیال ہمسریٔ کوہ کن ہے خبط صفؔی
عطائے زخم سے پہلے جگر کو دیکھتے ہیں



روبرو اُن کے ہم اب دل کو عیاں رکھتے ہیں — دیکھنا اب وہ اسے لے کے کہاں رکھتے ہیں
پہلے تم ایسے تو بن جاؤ کہ کچھ تم کو دکھائیں — رکھنے والے تو بہت دردِ نہاں رکھتے ہیں
آپ کی یاد، دل غیر، خدا کی قدرت — طرفہ اخلاق کہ رہتی ہے جہاں رکھتے ہیں
کھچ کے ملنے میں بھلا اور معما کیا ہے — میری جانب سے یقیناً وہ گماں رکھتے ہیں
اس نے ہم کو جو ستایا تو ستایا ہوگا — ایسی باتوں کو تو ہم یاد کہاں رکھتے ہیں
بے مروت ترے طعنے نہیں بھولے جاتے — ایسے کانٹوں کو تو ہم دل میں نہاں رکھتے ہیں
درد یا دل ہو مگر تم کو دکھانے کے نہیں — ایسی چیزیں تو حسینوں سے نہاں رکھتے ہیں

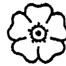
آئینہ دیکھ کے میں خود کو نہ پہچان سکا — رنج انسان کو انسان کہاں رکھتے ہیں

کیا کریں ہم مئے و معشوق کی تعریف صفی
آدمی کو یہ بڑھاپے میں جواں رکھتے ہیں



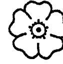
دُکھ میں چیخیں جو مارتے ہیں — گونگے کس کو پُکارتے ہیں
ہمت نہیں ہارتے کسی سے — جو اپنی زبان ہارتے ہیں
بیکس ہیں ہماری زندگی کیا — جیسی گزرے گزارتے ہیں
کرتے نہیں اُف کبھی زباں سے — جی کو جو لوگ مارتے ہیں
سُن کر انجان ہونے والے — کیسے کیسے پُکارتے ہیں
اُن کے قدموں میں رہنے والے — دُنیا کو لات مارتے ہیں

جھوٹی ہے صفی کی پارسائی
حضرت شیخی بگھارتے ہیں



کیا ہمیں اِک غریب آدمی ہیں — وہ مگر کچھ عجیب آدمی ہیں
آخر اُن سے مجھے لگا مارا — ہم نشیں بھی عجیب آدمی ہیں
اُن کی محفل میں ہم گئے تو کیا — کون پوچھے، غریب آدمی ہیں
دوستی اُن سے دشمنی ٹھیری — ہم بھی کیا بدنصیب آدمی ہیں
بخش دیجے خطا ہوئی ہم سے — آدمی ہیں غریب آدمی ہیں

اے صفی شاعری نہیں معلوم
بھائی ہم تو طبیب آدمی ہیں



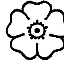
ذمہ داری دل کی لے کر عمر بھر رونا نہیں ہاتھ کا دینا مگر ضامن کبھی ہونا نہیں
ہوتے ہوتے ہی ہوا کرتا ہے اس کا تو اثر جذب دل ہے جذبِ دل، جادو نہیں ٹونا نہیں
جان دے دے اُن کا دامن ہے اے دل ناداں نہ چھوڑ دیکھ یہ آئی ہوئی شیَ ہاتھ سے کھونا نہیں
پانو پھیلا کر یہاں کیا سو سکو گے اے صفؔی
بھائی یہ دنیا ہے کوئی قبر کا کونا نہیں



دردِ دل مایوس کرتا ہی نہیں جو دیا اس کا ہے سرتا ہی نہیں
زندۂ جاوید ہوتے ہیں شہید مرنے والا اُن پہ مرتا ہی نہیں
چاہتے کا دل نہ ٹوٹے کس طرح تم نے وہ برتاؤ برتا ہی نہیں
کچھ نہ کچھ فن تھا جفا میں بھی تری بے غرض کچھ کوئی کرتا ہی نہیں
کیا پلائے گا ہمیں پیرِ مغاں یہ وہ دوزخ ہے کہ بھرتا ہی نہیں
عاشقی ہے دل کی مجبوری کا نام یوں خوشی سے کوئی مرتا ہی نہیں
صبحِ فرقت ہو کہ شامِ انتظار وقت ہم پر سے گزرتا ہی نہیں
موت اگر پیشِ نظر ہوتی صفؔی
آدمی کچھ کام کرتا ہی نہیں



"و"



عداوت اُن کو بہ اندازۂ محبت ہو — کہ میرے دیکھنے والوں کو کچھ تو عبرت ہو
کچھ اعتبار نہو۔ پھر ہجومِ حسرت ہو — اب اُن سے دوستی ہو تو بڑی مصیبت ہو
جفا شعار ہو۔ بدعہد۔ بے مروت ہو — بس ایک بات ہے اتنی کہ خوبصورت ہو
ذرا سنو جو محبت سے تم کو نفرت ہو — ہمارے دوست رہو دشمنِ محبت ہو
کبھی نہ غم ہو نہ تکلیف ہو نہ آفت ہو — ہر ایک کام میں انساں جو نیک نیت ہو
تمہاری نذر ہے دل کی اگر ضرورت ہو — وہ کون شخص ہے حاضر میں جس کو حجت ہو
ہزار جان سے تم پر ہزار ہیں صدقے — جو ہو سکے تو ذرا اور خوب صورت ہو
منائے خاک وہ کم بخت عید کی خوشیاں — کہ جسکے دل سے ہم آغوش تیری حسرت ہو
نگاہ ناز سے ڈرتا نہیں مگر ڈر ہے — نہ دردِ دل کی کہیں اس میں کچھ رعایت ہو
الٰہی یوں نہ ہو محدود اپنی دلچسپی — اُسے بھی چاہیں جو پتھر بھی خوبصورت ہو
نہ سوجھی ایک بھی مطلب کی ہائے نشۂ وصل — ترس رہے ہیں کہ اب کوئی لطفِ صحبت ہو
طبیعت آئی تو رکتی ہے، کس کے روکے سے — مری خطا نہیں کیوں کوئی خوبصورت ہو
ستائیں، ان کو ستانا ہی زیب دیتا ہے — نگاہِ پاس نہ اُن کو کہیں ندامت ہو
اب اپنے ذوقِ طبیعت پہ شکر کرتا ہوں — یہ خوف ہے غمِ فرقت سے بھی نہ فرصت ہو

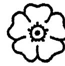
صفی خدا سے دعا ہے خدا قبول کرے
کہ پانچ وقت نماز اپنی باجماعت ہو



درد ہو جان کا وبال تو ہو — لیکن اس کا اُنہیں خیال تو ہو
اور بے خود کرائے ہجومِ شوق — وصل میں لذتِ وصال تو ہو

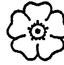
آپ خاصے ادا شناس سہی — پھر ہمارا بھی کچھ خیال تو ہو
جھوٹ ایسا کہو کہ سچ سمجھوں — نقص ہم پایۂ کمال تو ہو
خیر عشاق بے وفا ہی سہی — لیکن اسکی کوئی مثال تو ہو
پوری امید ہے نہ مایوسی — کام ممکن نہیں محال تو ہو
تو ستا اور یوں ستا ہم کو — زندگی جان کا وبال تو ہو
ہم کو وہ مستِ ناز کیا پوچھے — پہلے اپنا اُسے خیال تو ہو
تو ہماری کبھی نہ سن ظالم — دوستی باعثِ ملال تو ہو
اس کے آگے نہ ہوگی کوئی بات — غیر کو بزم سے نکال تو ہو
اس نے کیا حال کر دیا دل کا — اب ہو قسمت شریکِ حال تو ہو
دل ہے کیا ہم تو جان بھی دیدیں — تجھ میں اہلیتِ سوال تو ہو
دل ہمارا ہے صاف آئینہ — ہو ترے دل میں کچھ ملال تو ہو
مجھ سے دل گیر سے طلب دل کی — مانگنے والے کو خیال تو ہو

اے صفی جس کو قدرِ دوست نہیں
ہو بھی وہ کوئی بے مثال تو ہو

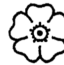


گذشتہ واقعات حسن سن کر آب دیدہ ہو — ذرا تو دیکھ نیچے، جھک کے چل، کچھ تو خمیدہ ہو
یہ باتیں ہوں، یہ شوخی ہو، یہ تیور ہوں، یہ دیدہ ہو — پھر اس پر دل نہ دے وہ کونسا آفت رسیدہ ہو
میں ہر اک کی نگاہِ مہر پر دل اپنا دے دیتا — مگر ممکن نہیں اتنا کسی کا شوخ دیدہ ہو
ہم اب سے آسماں کو راز دار اپنا بنالیں گے — بڑوں کا قول ہے جو ہم نشیں ہو سن رسیدہ ہو

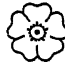
صفی بے ساختہ پن شعر میں کچھ اور ہی شے ہے
غزل ہو یا رباعی، مثنوی ہو یا قصیدہ ہو



محبت میں اس کوشش و پنج ہو جسے غم کا غم رنج کا رنج ہو
کہیں کیا کہ تم خودسخن سنج ہو مری جان! انسان بے رنج ہو
اکیلے تو رہنے کی عادت نہیں لحد بھی وہاں ہو جہاں منج ہو
مجھے عین راحت ہے آرام ہے اگر تم یہ چاہو اسے رنج ہو
حسیں یوں بھی ہوتے ہیں آفت مگر قیامت ہے وہ جو سخن سنج ہو
رکا اُن کی باتوں پہ تو اے صفی مری جان! انسان بے رنج ہو
صفی جی بہلنے کی جب ٹھان لی
پھر آصف نگر ہو کہ شہ گنج ہو



ہم سے تو اس کے واسطے بھی بددعا نہو دشمن برا سہی مگر اس کا برا نہ ہو
اس سے غرض نہیں کہ خودآرا ہو یا نہو معشوق بے سمجھ نہ رہے بے وفا نہ ہو
عاشق سے یہ سلوک، یہ انصاف، واہ واہ تم اس سے روٹھ جاؤ، وہ تم سے خفا نہ ہو
حاجت نہو تو کس لئے محتاج ہوں ترے ہم کیوں دعا کریں جو کوئی مدعا نہ ہو
دنیا بشر کے واسطے جنت سے کم نہیں یہ ناسمجھ کسی پہ اگر مبتلا نہ ہو
یہ خود پرستیاں تری او محوِ آئینہ اچھی طرح سے دیکھ کوئی دوسرا نہ ہو
میں نے کبھی زبان جو کھولی تو دیکھنا وہ کچھ کہوں کہ کوئی ترا آشنا نہ ہو
یا تو یہ یاس کون ہمیں اب ستائے گا یا تو وہ شوق دردِ جگر کی دوا نہ ہو
تنہائی میں خط اُن کا کبھی دیکھتا ہوں میں پھر یہ بھی دیکھتا ہوں کوئی دیکھتا نہ ہو
میں کیا کہوں کہ کیا ہے مرے دل میں اے صفی
وہ باتِ ذوق ہے جو زباں سے ادا نہ ہو



وہ مجھ سے روٹھ جائے الٰہی جدا نہو
بے آس ہو تو ہو کوئی بے آسرا نہو

میں مبتلا ہوا کہیں تو مبتلا نہو
مجھ سے خطا ہوی کہیں تجھ سے خطا نہو

وہ ایک بدمزاج تو دل ایک بے سمجھ
کس کو مناؤں کس سے کہوں، تو خفا نہو

وہ کوئی عشق ہے جو کبھی ہے کبھی نہیں
یہ درد ہے جو ذرا ہو ذرا نہو

یوں دل لگی کے اور ہزاروں طریق ہیں
یہ دل دکھا ہوا ہے ستم گر خفا نہو

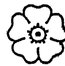
ہر دل عزیز ہونے کے قابل تو میں نہ تھا
دیکھو تو مجھ میں کوئی تمہاری ادا نہو

وہ مجھ سے روٹھ جائے تو دنیا سے روٹھ جائے
میرا بھلا نہو تو کسی کا بھلا نہو

کیا جانے کیا سمجھ کے وہ روپوش ہو گئے
میں تو یہ دیکھتا تھا کوئی دیکھتا نہو

کب کا نیازمند ہوں میں اے قدیم دوست
دنیا نئی ہوی تو ہوی، تو نیا نہو

دل خانۂ خدا ہے تو پھر اس میں اے صفی
حسرت نہو۔ امید نہ ہو۔ مدعا نہو!



دیکھیے جب آپ کا در ہو کوئی ناکام ہو
پھر اُجالا ہو، اندھیرا ہو کہ صبح و شام ہو

دوست کے ملنے کا شادی مرگ ہی انجام ہو
وہ خوشی بھی کچھ خوشی ہے جو برائے نام ہو

آپ کا ملنا نہ ٹھیرا اک قیامت ہوگئی
ہم سے کس کس کا جواب نامہ و پیغام ہو

جو نہ ہونا تھا ہوا، ہم سے حضورِ عشق میں
قابلِ جرمانہ ہو یا لائقِ انعام ہو

تجھ کو اپنے گھر میں رہنے کی بھلا کیا داد دوں
میں تو جی سے چاہتا ہوں روز ایسا کام ہو

ایسا ضدی دل ہو غارت جب کہے تو یہ کہے
سب سے وہ خود کام اچھا ہے وہی خود کام ہو

یا مری سن لیجئے یا قتل ہی کر ڈالئے
یا مجھے آرام ہو یا آپ کو آرام ہو

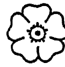
شرم کی کیا بات ہے ہاں پھر ذرا فرمایئے
ہم ہیں آدھی رات کو حاضر اگر کچھ کام ہو

زہر کھائے آپ کا عاشق بڑا افسوس ہے
ایسے اچھے کام کا ایسا بُرا انجام ہو

آسماں سے بھی گزر جائیں مرے نالے مگر
کون چاہے گا کہ اپنا راز طشت از بام ہو

چارہ گر کو اپنی عزت آبرو پیاری نہیں؟
میرے حق میں کوئی نیکی کر کے کیوں بدنام ہو

نام میرا اب تو عاشق کے مُرادف ہو گیا
وہ صفؔی کہتے ہیں جو اس کام سے بدنام ہو



ہم نشینو آس کیا تم سے جو کوئی کام ہو
مشوروں ہی مشوروں میں صبح کی جب شام ہو

جب یہ دنیا ہو تو پھر کیا دل بڑھے کیا کام ہو
سچ کہو دشمن بنو یاری کرو بدنام ہو

آج دشمن کی بھی کر دیں گے سفارش دوست سے
کیا برائی ہے اگر ہم سے کسی کا کام ہو

دوسروں کو دیکھ کر آج اپنے دن یاد آ گئے
یا الٰہی عام ہو دردِ محبت عام ہو

آئیں گے وعدے پہ وہ تو دل مگر بے چین ہے
کاش کچھ بے ہوش ہو جاؤں کہ جلدی شام ہو

کیا تمہارے دوست رہنے میں یہی ہے فائدہ
اک نہ اک تہمت ہو مجھ پر اک نہ اک الزام ہو

دل تو آ جاتا ہے دھوکے میں تجھے معلوم ہے
کیا خطا اس کی اگر کوئی ترا ہم نام ہو

آفریں اے کان کے کچے ذرا یہ تو سمجھ
ہم بھلا ایسا بھی چاہیں گے کہ تو بدنام ہو

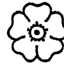
میں تو میں میرے فرشتے بھی نہ جانیں دل کا راز
یہ تو وہ سمجھے جسے القا ہو یا الہام ہو

کیا کروں ان کی محبت کا تقاضہ ہے یہی
عقل کو دشمن سمجھ، آوارہ بن، بدنام ہو

اس کے میرے دیکھنے والے ذرا شاہد رہیں
مہرباں ہوتا ہے کیسا جب کچھ اپنا کام ہو

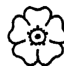
دوست آئے، یا مری موت آئے تو احباب آئیں
روز کیوں اس طرح کا ہنگامہ بے ہنگام ہو

وہ نہیں ملتے تو اس میں کیا اجارہ ہے صفؔی
مفت کوئی کیوں تمہارے واسطے بدنام ہو



کسی دن تو ہمارا دردِ دل سوزِ جگر دیکھو | کبھی تو بھول کر آؤ، کبھی تو پوچھ کر دیکھو
نہ دیکھو دوست بن کر تم تو دشمن کی نظر دیکھو | خفا ہو کر بگڑ کر، روٹھ کر دیکھو مگر دیکھو
نہیں بھرتی طبیعت لاکھ دیکھو عمر بھر دیکھو | خدا کی شان ہے ایسے بھی ہوتے ہیں بشر دیکھو
کسی کو جب سے دیکھا ہے دکھائی کچھ نہیں دیتا | ہوی میری نظر کو دوستو کس کی نظر دیکھو
ترستی ہیں یہ آنکھیں دیکھنے کو دل تڑپتا ہے | زیادہ سے زیادہ مختصر سے مختصر دیکھو
مقدر سے نبھی تم ایک گویا بھولے بھالے تھے | کوئی ظالم سے ظالم، فتنہ گر سے فتنہ گر دیکھو
کہی ہیں ہم نشینو دل لگی میں تم نے جو باتیں | انہیں سچ مچ پہنچ جائے نہ یہ جھوٹی خبر دیکھو
پھر اس پر نکتہ چیں ہے نکتہ داں ہے شیخ لوگوں میں | اناڑی پڑھ رہا ہے دختِ رز کو دخت زر دیکھو
کوئی بے تاب، کوئی مست، کوئی چپ کوئی حیراں | تری محفل میں گویا اک تماشا ہے جدھر دیکھو
تمہاری بزم، بات انسانیت کی پھر رقیبوں میں | بھرے ہیں آدمی کی صورتوں کے جانور دیکھو
نہو جو بندہ پرور بندگی کو بندگی اس کی | جنابِ دل خدا رزاق کوئی اور گھر دیکھو
نہیں از روئے قانونِ محبت جرم، نظارہ | تو پھر کیوں ہے جنابِ دل اگر دیکھو مگر دیکھو
اسے دیکھا ہے جس کے دیکھنے کو لوگ مرتے ہیں | نظر بازو ہماری بھی ذرا حدِّ نظر دیکھو

صفؔی کو شاعری سے مل گئی ہر دل عزیزی بھی
دروغِ مصلحت آمیز بھی ہے کیا ہنر دیکھو



ہلا دیں آسمانوں کو زمینوں کا جگر دیکھو | نہ جانے کیا بلا ہے ان حسینوں کا جگر دیکھو
مری وحشت سے چھاتی پھٹ گئی احباب کی لیکن | گریبانوں کی ہمت آستینوں کا جگر دیکھو
پڑا اغیار کو بھی لذتِ آزار کا چسکا | خدا کی شان اوچھوں کا کمینوں کا جگر دیکھو

تمہاری سخت باتوں سے اگر ٹوٹا تو مشکل ہے
جگر عشاق کا ہے آبگینوں کا جگر دیکھو

کسی کا داغِ فرقت رکھ کے کوشاں ہے صفائی کا
ملا ہے کن سلیقوں کا، قرینوں کا جگر دیکھو

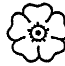
جو دل رکھتے تھے پہلے اب وہ میرا دل چراتے ہیں
خیانت پر ہیں آمادہ امینوں کا جگر دیکھو

یہ بھولی صورتیں تو دل میں رکھ لینے کی ہوتی ہیں
مگر کیا سخت ہوتا ہے حسینوں کا جگر دیکھو

اثر کر کے رہیں گے ایک دن نالے غریبوں کے
اگر تم کو ملا ہو لاکھ سینوں کا جگر دیکھو

بسی ہیں، آرزوئیں حسرتیں ویرانۂ دل میں
مکاں کا حال یہ لیکن مکینوں کا جگر دیکھو

فلک، معشوق، دشمن، فتنہ، آفت ہیں صفؔی صاحب
بنا ہے ایک سا ان دونو تینوں کا جگر دیکھو



خدا نے دی ہیں آنکھیں دیکھنے ہی کو مگر دیکھو
ذرا کھوٹا، کھرا پرکھو، ذرا عیب و ہنر دیکھو

عدو کو اور دیکھو، خوب دیکھو، گھور کر دیکھو
کسی نے دیکھتے دیکھا نہیں دیکھو اُدھر دیکھو

دعائیں لیتے جاتے ہیں تسلی دیتے جاتے ہیں
زبانی جمع خرچ اُن کا بڑھا ہے کس قدر دیکھو

لحاظ ان خوبصورت ظالموں کا کیا کرے کوئی
مرا زخمِ جگر داغِ جگر دردِ جگر دیکھو

مری جاں کوئی صدمے بھی اُٹھانے کے اُٹھائے گا
مزاج اپنا نہ دیکھو دوسرے کا بھی جگر دیکھو

مجھے جب دیکھتے ہو شکل کیا بنتی ہے دشمن کی
کن انکھیوں سے کبھی اک بار تم اس کی نظر دیکھو

زمانے نے تو سو سو طرح ہم کو آزمایا ہے
جہاں تک ظلم ہو سکتا ہے تم سے تم بھی کر دیکھو

تماشا گاہِ عالم میں تماشا ایک ہم بھی ہیں
تم اپنے دل کے مالک ہو جدھر چاہو اُدھر دیکھو

اسے ہم کس طرح دیکھیں کہ جن میں شرم تھی پہلے
اُنہیں آنکھوں سے اب تم ہم کو دشمن کی نظر دیکھو

تمہاری دشمنی نے دوستی کے گر سکھائے ہیں
نہیں تو ہم نہ تھے ہشیار پہلے اسقدر دیکھو

محبت میں تو اے دل آدمی کچھ کھو کے پاتا ہے
مری جاں لاکھ جانیں بھی خدا تجھ کو اگر دے کھو

کہاں تک منتیں اب تو یہی جی میں سمائی ہے
ملے کوئی ملو، کوئی دکھائی دے اگر دیکھو

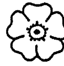
تمھیں معلوم ہے جو حال ہے، لیکن ذرا پھر بھی
اِدھر آؤ مرے نزدیک بیٹھو، اک نظر دیکھو

محبت جو اُنھیں مجبوریوں کا نام رکھا ہے
تو پھر اُن سے ہمیں کہنا پڑا زخم جگر دیکھو

تمہارے دل میں کس ظالم نے ایسی بدظنی ڈالی
مجھے دیکھو، دعا دیکھو، دعاؤں کا اثر دیکھو

نباہی اور پھر کیسی نباہی آج تک ہم نے
ذرا انصاف سے تم اپنے دل میں سوچ کر دیکھو

ہوس کاری کے پردے میں محبت ہے صفؔی صاحب
بنایا عیب کو بھی یار لوگوں نے ہنر دیکھو



مارو جسے تم چاہو جسے چاہو جِلا دو
کہتا جو کوئی جھوٹ تو ہوں اس کے خدا دو

احسان کیا اور کبھی دی ہے تسلی
احسان بھی ہوں گے تو ترے ایک ہی یا دو

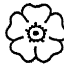
وہ آپ کی صورت کو مرا یاس سے تکنا
وہ آپ کا کہنا اسے محفل سے اُٹھا دو

ہے تیرے تصور میں بھی ساری تری باتیں
اب تک نہیں معلوم کہ تو ایک ہے یا دو

یہ ظلم بھی سہہ سہہ کے دعا دیتے ہیں تم کو
اللہ رکھے چاہنے والوں کو دعا دو

گن گن کے بتائیں گے تجھے تیری خطائیں
یہ ہم پہ ستم ایک، رقیبوں سے وفا دو

دیکھا اسے آنکھوں نے تو دل کو ہوئی تسکیں
ہاں سچ ہے صفؔی ایک کی دنیا میں دوا دو



سبب تکلیف کا گنتا ہے سرد و گرم دوراں کو
کسی پہلو نہیں ہے چین اس بے صبر انساں کو

اگر اپنا برا بھی ہے تو اچھے غیر سے اچھا
سمجھئے دشمنِ دانا سے بہتر یار ناداں کو

ستا اغیار کو، اب اُن کی وحشت دیکھ اے ظالم
کہ بس ''پیوند پارہ'' کرلیا ہم نے گریباں کو

تری فرقت کا جینا اور اپنا خونِ دل پینا
مرے دشمن اگر ترسیں تو ترسیں آبِ حیواں کو

سمجھ لیجئے کہ اب میرے بھی ملنے والے کہتے ہیں
غنیمت جانتا ہوں جب ہجوم یاس و حرماں کو

نہ رکھ لی ہائے اک تصویر تم نے میری وحشت کی
کہ پھر دیوانہ بنتا پھاڑ کر جیب و گریباں کو

اگر آئے تو یہ دل پھر اُسی سفاک پر آئے
اگر چاہوں تو چاہوں پھر اُسی غارت گرِ جاں کو

تمہارے دیکھنے والے کا حال اب اور ہی کچھ ہے
ذرا دیکھو تو جنبش تک نہیں ہوتی ہے مژگاں کو

ہمیں برباد کر کے چار لوگوں میں تو شرماتا
دکھاوے کی پشیمانی تو ہوتی ناپشیماں کو

غرض، مطلب، تعلق واسطہ جب کچھ نہیں اُس سے
تو پھر کیوں جمع کرتا ہوں خیالاتِ پریشاں کو

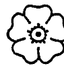
سوانح موسیٰ عمراں کی پڑھ کر اے میاں ناصح
زمانے بھر کو تم بھی ایک ہی لاٹھی سے کیوں ہانکو

بتاؤں کیا مجھے کوئی مثال ایسی نہیں ملتی
عجب عالم میں دیکھا ہے کسی غارت گر جاں کو

وہ دل ہی اب نہیں پہلو میں جو یہ رائے دیتا تھا
اسے گھورو اُسے گھورو، اِدھر جھانکو، اُدھر جھانکو

ترے نزدیک کیا میرا سنبھلنا غیر ممکن تھا
تبسم کیوں ہے ثابت دیکھ کر جیب و گریباں کو

صفی کو تم کسی بے لاگ سے پوچھو قسم دے کر
کہ ہندو کو دھرم، ایمان پیارا ہے مسلماں کو



آیا ہے پسند اس نگہِ ہوش ربا کو
سینے سے لگالوں دلِ پابندِ وفا کو

کیا غم ہے اگر لوگ ہمیں ڈھونڈ رہے ہیں
ہم ڈھونڈ رہے ہیں ترے نقشِ کفِ پا کو

میں یہ بھی سمجھتا ہوں کہ دل چیز ہے کوئی
صورت بھی قیامت میں دکھانی ہے خدا کو

معشوق دغاباز تو عشاق فریبی
کیا آگ لگی ہائے زمانے کی ہوا کو

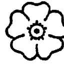
دنیا میں مرے نام پہ بکتی ہے محبت
دیتا ہوں دعائیں تری ہر ایک جفا کو

کچھ حضرتِ یوسفؑ ہی پہ موقوف نہیں ہے
مخلوق ستاتی رہی خاصانِ خدا کو

فرہاد نے بے صبری سے جان اپنی گنوائی
کم بخت نے بدنام کیا اہلِ وفا کو

تعظیم کی تعظیم ہے ارمان کا ارمان
آنکھوں سے مٹایا ترے نقشِ کفِ پا کو

کیا جانے صفی کون سی مٹی سے بنا ہے
ہنستا کبھی دیکھا نہیں اس مردِ خدا کو



ہم اپنے گھر سے نکلے اس کے گھر کو — مسافر جس طرح نکلے سفر کو
کھڑے ہو تو ہٹو، بیٹھو تو سرکو — سلام اس انجمن آرا کے گھر کو
مری آہوں میں پھر ڈھونڈو اثر کو — ہوا کا رخ تو دیکھو ہے کدھر کو
وفا کی بحث چھیڑی عمر بھر کو — دیا ہے طول اُس نے مختصر کو
غنیمت جان لو دردِ جگر کو — یہ تھوڑا بھی بہت ہے عمر بھر کو
اگر دنیا ہے اک رستہ تو واعظ — یہ رستہ جائے گا آخر کدھر کو
محبت سے مجھے کیوں دیکھتا ہے — نظر لگ جائے گی تیری نظر کو
اُسے پہچاننے کافی نہیں ہے — سمجھ جتنی ملی ہے ہر بشر کو
چھڑی ہے آسماں سے اور اُن سے — ملا بے دادگر بے دادگر کو
زمین و آسماں اے میرے مالک — بنے کس حرف کے زیر و زبر کو
جو تکتا تھا کبھی صورت تمہاری — تکے اب کس طرح دیوار و در کو
حریمِ لامکاں کا جوڑ دل کیا — کدھر سے آپ آئے ہیں کدھر کو
ترے دن رات کے بے پردہ جلوے — زمیں پر لائیں گے شمس و قمر کو
وہ آنے کا کبھی وعدہ جو کر لے — تو میں پلکوں سے جھاڑوں رہ گزر کو
نظر آئیں خدائی بھر کے جلوے — بنا لے تو سہی کوئی نظر کو
نشیمن کیا بچے گا فصلِ گل میں — چمن کی آگ لگ جائے گی گھر کو
کیا آخر مجھے محرومِ دیدار — اری کم بخت آنکھیں اور پھر کو
ادائیں پاس بلواتی ہیں اُن کی — نگاہیں ڈانٹتی ہیں، دُور سرَکو
رضائے دوست پر مر مٹنے والے — سمجھ کر کیا کریں گے خیر و شر کو

صفی اس نے ہمارا ساتھ چھوڑا
نصیحت ہوگئی اب عمر بھر کو



سن چکا آہِ سحر کو نالۂ شب گیر کو
کیوں سنے وہ کان رکھ کر اب مری تقریر کو

اس نے یوں روکا نظر سے نالۂ شب گیر کو
تیر سے جیسا قدر انداز گانٹھے تیر کو

مصلحت ہوگی جدائی آہ سے تاثیر کو
ورنہ مجھ سے بیر کیا تھا کاتبِ تقدیر کو

اُن کے قابو سے نکل جاتا ہے ہر تقصیر وار
نازکی ناکام رکھ دیتی ہے دامن گیر کو

میرے رونے پر مری تقدیر کو ہنسنا پڑا
اُن کے ہنسنے پر مجھے رونا پڑا تقدیر کو

جیسی کرنی چاہئے تھی عاجزی اس کی نہ کی
دوست الٹا نام رکھتے ہیں مری تدبیر کو

چارہ گر اُن کے بھی آنے کی کوئی تدبیر سوچ
تیرے صدقے لا دوا کے ساتھ ہی تاثیر کو

کھٹکھٹانے سے تمہارے گھر مرا درگہ بنا
چومتے جاتے ہیں سب دروازے کی زنجیر کو

اس کے دل کی کون جانے جس کو دیکھا خواب میں
ہم اسی سے کیوں نہ پوچھیں خواب کی تعبیر کو

دے کے جُل تیکھی نظر کی زد سے دشمن بچ گئے
یوں کہا سیدھا تو کر لیجے ذرا اس تیر کو

مر مٹا بندہ جو اُن کو دیکھ کر تو کیا ہوا
لوگ ہو جاتے ہیں عاشق دیکھ کر تصویر کو

دوسرے کا چاہنے والا بھی ٹھیرا ہی چکے
کون سی بات آپ نے چھوڑی مری تحقیر کو

نازکی کس کو ملی ایسی، ازل کے دن ملی
جو لچک تیری کمر کو وہ تری شمشیر کو

ہوں خطا اوسان ہی تو کیوں نہ کر جائے خطا
کیوں نہ ہو صدمہ تری چٹکی سے چھٹ کر تیر کو

حسن خود بھی دل ربا ہے اک حسیں بھی دل ربا
میں کبھی صورت کو تکتا ہوں کبھی تصویر کو

عاشقوں میں بیٹھ کر وہ عاشقی کرنے لگے
واہ کیا ثابت کیا ماحول کی تاثیر کو

مجھ کو گھر میں دیکھ کر اب وہ نکلوانے کو ہیں
ساتھ ہی دربان کے دروازے کی زنجیر کو

کچھ نوشتہ اُن سے لے کر وقت پر کس کو دکھاؤں
خود نہیں پڑھ سکتے اپنے ہاتھ کی تحریر کو

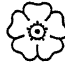
ہم نے اب تو ٹھان لی، محرومیٔ تعبیر سے
خواب میں آئے سے پوچھیں خواب کی تعبیر کو

آستیں دشمن کی چھوٹی دوست کا دامن سہی
مشغلہ درکار ہے دستِ گریباں گیر کو

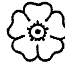
بے قرینہ اہلِ دنیا، عیشِ دنیا کھو چکے
جان کر پارس کو پتھر اور خاک اکسیر کو

وقت پر کیوں آئے کیا معشوق بھی کچھ موت ہے
دخل ہی جس میں نہو تقدیم یا تاخیر کو

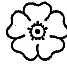
راستی سے ہو جو کج فہموں کو نسبت اے صفی
بس وہ ایسی ہے جو بگلے سے ہے ٹیڑھی کھیر کو



تم وہ ہو جو وفا کی عوض بھی جفا کرو — کوئی خطا کرے تو خدا جانے کیا کرو
دل اُس نے تم کو درد سے خالی نہیں دیا — اب دیر کیا ہے لوٹنے والو مزا کرو
دل اور دل میں درد نہو ہائے دوستو — کیا ہوگیا ہے جلد کچھ اپنی دوا کرو
دل لے کے زندہ چھوڑ دیا کیا غضب کیا — میری قسم بس اور ذرا دل کڑا کرو
دیوانہ ہے صفی تو ملامت سے فائدہ
اے اہلِ شہر! دوست اگر ہو، دعا کرو



سب کو عاشق نہ اس قدر سمجھو — پہلے ہر ایک کی نظر سمجھو
غیر کی بات بے اثر سمجھو — مجھ کو دیکھو مری نظر سمجھو
کی خطا تو کوئی فرشتہ نہیں — میں بشر ہوں مجھے بشر سمجھو
خوش نما ہے مگر نظر بازو — حسن کو دیکھو، دیکھ کر سمجھو
زندگی کیا ہے اک معمّہ ہے — جو سمجھنا ہے عمر بھر سمجھو
مے کشو پیرِ مے کدہ کا کام — ہے بڑا امتحاں اگر سمجھو
ناسمجھ تم کو جانتے ہیں رقیب — بس اسی ایک بات پر سمجھو
غلطی واقعات فہمی کی — کچھ اُدھر سمجھو، کچھ اِدھر سمجھو
دوستی کی نباہ اس میں ہے — دوست کے عیب کو ہنر سمجھو
بات تو جب ہے مدعا میرا — میرے کہنے سے پیشتر سمجھو
عشق اک لفظ ہے مگر توبہ — اس میں وسعت ہے جسقدر سمجھو
تیر پیوست ہوگیا دل میں — اب اسے تم مرا جگر سمجھو
جو نہ رکھتا ہو، اپنی ذاتی رائے — ایسے انساں کو ہیچ ادھر سمجھو
کچھ سمجھا اے صفی وہ کہتے ہیں
میری ہر بات معتبر سمجھو



یہ ظلم بھی کچھ ظلم ہے، اس سے بھی سوا ہو
لیکن اسے کچھ پاس ہمارا بھی ذرا ہو

وہ ہم سے خفا اور پھر اس طرح خفا ہو
اللہ بُرا چاہنے والوں کا بُرا ہو

یہ ضد ہے کہ بس اسکے سوا سب سے نباہو
اب اُن کی بلا سے کوئی خوش ہو کہ خفا ہو

اب تک سببِ گریۂ دل میں نے نہ پایا
شائد کبھی بے ہوشی کے عالم میں ہنسا ہو

محفل سے گئے آپ کدھر ہوش کی صورت
میں ڈھونڈ رہا ہوں کہیں نقشِ کفِ پا ہو

معلوم نہ تھے مجھ کو محبت کے قرینے
مختار ہو تم پھر سے اگر کوئی خطا ہو

کانٹے تو مرے حق میں بہت بوئے عدو نے
ایسا تو نہ ہو خود ہی کہیں آبلہ پا ہو

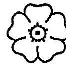
بُو داغِ محبت کی کچھ آتی تو ہے دل سے
اے کاش یہ ظالم انہیں پھولوں میں بسا ہو

وہ دل مرے پہلو میں ہو، تو درد ہو جس کا
وہ درد مجھے روز ہو، تُو جس کی دوا ہو

ہم نے تو فلک سے کبھی آرام نہ پایا
جو کوئی بڑا ہو تو ذرا دل بھی بڑا ہو

اب وہ ہم کو بھی اس کے رہے ہم سے کنارہ
جو مدتوں آغوشِ تصور میں رہا ہو

تو بھول گیا اس کو جو اے یار فراموش
ممکن نہیں تجھ کو بھی صفؔی بھول گیا ہو



تم کو لازم ہے وفا ہم سے اگر دیکھو تو
نہ ملو تو نہ ملو ایک نظر دیکھو تو

پھر یہ ہم ہم نہ رہیں ایک نظر دیکھو تو
کس طرح، میری قسم تم کو ادھر دیکھو تو

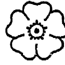
سرد سرد آہیں یہ کیسی ہیں ذرا سر تو اٹھاؤ
لال لال آنکھیں یہ کیسی ہیں ادھر دیکھو تو

ہم نشینو! ابھی جھلکی سی نظر آئی ہے
ہے تو وہ وعدہ فراموش مگر دیکھو تو

فکر ہے شرم ہے کیوں سر بہ گریباں کیوں ہو
کچھ تو منہ سے کہو للہ ادھر دیکھو تو

تم کو صورت پہ نہیں ناز بہت سچ لیکن
کیا کہوں پھر کبھی آئینہ اگر دیکھو تو

اس کے عشاق تو پل پل میں جھگڑتے ہیں صفؔی
ایک کے دیکھنے والے ہیں اگر دیکھو



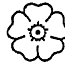
کھیل، ٹھٹا، دل لگی ہے بے کسوں کی ہائے تو
تجھ کو اپنی ہی قسم ہے پھر اگر پچتائے تو

وہ بھی آ جائیں گے لیکن موت میری آئے تو
کام بن جائے گا، شائد جان پر بن جائے تو

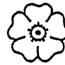
غم میں خوش ہوں رنج میں ہوں شاد سب کچھ جان کر
جی بہل جاتا ہے بہلانا کسی کو آئے تو

آپ کے غم کو برا منہ سے نہ بولوں واہ واہ
وہ لہو میرا پیے تو جان میری کھائے تو

اس کو لانے والے لائیں ان کی محنت چیز ہو
کیا کرو گے اے صفیؔ پھر بھی جو دل گھبرائے تو



"ہ"

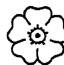


دل کو کیوں اس سے بھلا شوق ملاقات ہے یہ
کچھ سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ کیا بات ہے یہ

یہ جو اغیار کی دو ٹوک ہوئی آپس میں
کچھ تمہیں بھی ہے یہ معلوم کہ کیا بات ہے یہ

مجھ سے کھچنے کا سبب اور تو کوئی بھی نہیں
اُن کو معلوم ہے عاشق ہوں میں بس بات ہے یہ

آپ بہبود علی ہی کو بتاتے تھے صفیؔ
جانتا ہوں میں بڑا رند خرابات ہے یہ



پہنچاؤ وہ ضرر ہو تمہیں جس سے فائدہ
بے فائدہ ہے ظلم تو کیا اس سے فائدہ

جی باغ باغ ہو کوئی ایسی دوا کرو
انبارِ لالہ و گل و نرگس سے فائدہ

تعریف اسم وار اگر ہو تو لطف آئے
پہنچا ہے آخر آپ کو کس کس سے فائدہ

تسکینِ اضطراب سے جنبش نہ کچھ ہوی
اے شوقِ وصل اس دلِ بے حس سے فائدہ

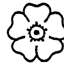
ہم تو نگاہِ ناز کے قربان ہو گئے
دشمن اُٹھائیں گے تری مجلس سے فائدہ

اب وہ دوا ہمارے لئے زہر ہو گئی
اگلے دنوں میں سب کو ہوا جس سے فائدہ

لے کام اپنی زندگیٔ مستعار سے
ہے فائدے کی چیز اُٹھا اس سے فائدہ

سمجھے نہیں ہیں زندگیٔ مستعار کو
وہ لوگ جو اُٹھاتے نہیں اس سے فائدہ

''او خویشتن گُم است کرا رہبری کُند''
مفلس کو کیا صفی! کسی مفلس سے فائدہ



نم کیوں ہے مرا دیدۂ نم اور زیادہ
اللہ نہ کھل جائے بھرم اور زیادہ

ملتا ہے مزہ تیری قسم اور زیادہ
ہاں اور زیادہ ہو ستم اور زیادہ

وہ آج سے کل دیتے ہیں غم اور زیادہ
ہم ہیں کہ وفا کرتے ہیں ہم اور زیادہ

بس تیرے کرم پر ہے نظر، تیرا کرم ہو
معلوم نہیں ہم کو تو کم اور زیادہ

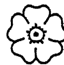
تجھ کو، تری محفل کو جو دیکھے کبھی واعظ
ہوگی ہوسِ حوُر و اِرم اور زیادہ

جب ظلم سے بے باک ہو رسوائی سے بے خوف
پھر کیا ہے تمہیں؟ روئیں گے ہم اور زیادہ

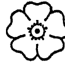
کیا بات ہے یہ حسرتِ دیدار بھی نکلی
بے چین ہے دل تیری قسم اور زیادہ

دنیا میں حسیں اور نہیں اور بہت ہیں
ہے بات یہ معشوق ہیں کم اور زیادہ

ہے شہر میں بدنام صفی تو اسے کہیئے
جا جا کے کسی بزم میں جم اور زیادہ



"ھ"



ہم سمجھے بس پیار کے قابل حسن تو نکلا کیا کیا کچھ
اپنی سمجھ ہی ماری گئی تھی دیکھا کچھ تھا نکلا کچھ

دل کا آنا اور ہی کچھ ہے تونے اس کو سمجھا کچھ
عشق، محبت وحشت، سودا، نام ہیں اس کے کیا کیا کچھ

ہم تو مریں گے ادب ادب میں وہ سمجھیں گے کچھ کا کچھ
صاف کہیں گے ہم کچھ تھے اور آپ نے ہم کو سمجھا کچھ

عشق سمجھ سے بالاتر ہے اس میں سمجھ کا کام نہیں
ایسا ویسا کیسا سمجھا، ایسا کچھ ہے نہ ویسا کچھ

سینے میں دل ہے، دل میں تڑپ ہے، تڑپ میں لذت خاطر خواہ
اور تجھے اب کیا ہونا ہے سوچ نہ انجام اپنا کچھ

میرا قول و فعل نہ دیکھو میں ہوں اُن کا دیوانہ
دیوانے کا کام یہی ہے کہتا کچھ ہے کرتا کچھ

یا تو سب کچھ یا تو جیسا جان نہیں پہچان نہیں
اس نے مجھ کو کیا سمجھا ہے اب تک میں تو نہ سمجھا کچھ

آئے جو دوست، تو ایسے، جیسے شکوہ ٹالنے آئے تھے
باتیں کیں کچھ جھوٹی سچی، کہہ گئے الٹا سیدھا کچھ

دل کی مجھ کو فکر نہیں اب یہ بھی ٹھیر ہی جائے گا
اُن کا نازک ہاتھ غنیمت اس بے تاب پہ ٹھیرا کچھ

ہر قوت کا زور جو ٹوٹا تھوڑا سا آرام ملا
دنیا کے قابل نہ رہے تو سمجھ میں آئی دنیا کچھ

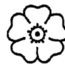
دل بھی اُن کا جان بھی اُن کی سب کچھ اُن کا اے توبہ
اب تک ہم کس بات پہ سمجھے اُن کا کچھ ہے اپنا کچھ

سنکی ہوائیں چھائے بادل پھولے گلشن آئی بہار
ایسے اشارے ایسے کنائے پھر ہے ان کا منشا کچھ

کرتا تھا میں خود سے باتیں دوست یہ سمجھے کوئی ہے
سچ مچ میری ہنسی اڑائی صدمہ دے گئے ایسا کچھ

اس نے کچھ پوچھا بھی ہم کو شرم رہی یا طیش رہا
یا تو منہ سے کچھ بھی نہ نکلا، یا تو نکلا کچھ کا کچھ

آ کے وہاں سے بیٹھے ہیں حضرت گھٹنوں میں سر ڈالے ہوئے
یا ہے سوچ صفی کو غزل کی یا اس نے پھر پوچھا کچھ



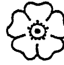
دیکھ بے تابیٔ جگر تو دیکھ
ہائے ظالم کبھی اِدھر تو دیکھ

خیر میری نہ دیکھ بے تابی
آپ اپنی ذرا نظر تو دیکھ

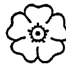
نہ ہوں مایوس دیکھنے والے
دید بازوں کو آنکھ بھر تو دیکھ

میں نے دے دی ہے تجھ کو دل سی چیز
اس کو دل میں بھی سوچ کر تو دیکھ

سب میں آئینہ دیکھنے والے　　آگے پیچھے اِدھر اُدھر تو دیکھ
دل کو کیسا قرار آتا ہے　　میری جانب نہ دیکھ کر تو دیکھ
آنکھ کا رنگ، دیکھنے کا اثر　　ہر کسی کو نہ دیکھ کر تو دیکھ
وہ جو دیکھے تو پھیر لے آنکھیں　　اک نظریوں بھی دیکھ کر تو دیکھ
حوصلہ ہے تو غیر محفل میں　　کم سے کم اس کو رات بھر تو دیکھ
بہرِ جلوہ پرائی آگ میں پڑ　　طور کا سا ہے دل جگر تو دیکھ
کس کو مہمان کر رہا ہے صفؔی
خود کو دیکھ اور اپنا گھر تو دیکھ

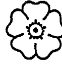


ہوتا ہے ترا ہر کس و ناکس سے گلا دیکھ　　نااہلوں سے اخلاص جتانے کا مزا دیکھ
آہوں پہ بھروسہ ہے تو پھر اپنی ہوا باندھ　　دنیا پہ نظر ڈال نہ دنیا کی ہوا دیکھ
صرف اپنے لئے جہدِ بقا خود غرضی ہے　　اسلاف کی توہین نہ کر سب کی بقا دیکھ
احباب سے پر عیش ہے اغیار کی دنیا　　ہے آنکھ تو نیرنگیٔ منشائے خدا دیکھ
مجھ ایسے دُکھے دل کو بھلا ضبط کی تاکید　　اے چارہ گرِ عشق! مرض دیکھ دوا دیکھ
ممکن ہے کہ ہو اور بھی اچھا کوئی منظر　　منزل پہ ٹھہرنا ہو تو آگے بھی ذرا دیکھ
کیا دیدۂ مشتاق سے ہے آئینہ بہتر　　کیا تجھ کو یہی چاہئے اپنے کو ذرا دیکھ
گوش و دہن و چشم سے لے اپنے صفؔی کام
بھولے سے بُرا سن، نہ بُرا کہہ، نہ بُرا دیکھ



میں اور بے وفائی کروں رنج و غم کے ساتھ　　جب تک کہ دم میں دم ہے، یہ ہیں مرے دم کے ساتھ
جب میں نہیں تو شکوۂ جور و جفا کہاں　　جھگڑے ہیں یہ تمام مرے ایک دم کے ساتھ
اک جیب کے بنے ہیں یہاں اب ہزار جیب　　یہ ساری برکتیں ہیں جنوں کے قدم کے ساتھ
محفل تری اُداس ہے جب سے صفؔی نہیں
دلچسپیاں تمام تھیں اُس ایک دم کے ساتھ

"ی"



ہے منکسر مزاج بھی ظالم حسین بھی
یعنے ادا شناس بھی ہے وہ متین بھی

لاکھوں میں ایک ہو تو ہو ایسا حسین بھی
کچھ شوخ بھی ہو اور ذرا کچھ متین بھی

اس ماہ وِش نے خاک کا پیوند کر دیا
اب کیا ہے آسمان بھی میرا! زمین بھی

کچھ صوت سرمدی سے نہیں کم صدائے دوست
لیکن یہ ڈھونڈتی ہے ذرا سامعین بھی

اب تو خیال میں بھی نہیں آرہے ہیں وہ
بے کار ہوگئی ہے مری دوربین بھی

اوروں کے حق میں سادہ میرے واسطے بلا
ہے کند ذہن بھی وہ ستمگر ذہین بھی

وعدہ کی لاج کچھ بھی نہیں دل کی داشت ہے
خائین بھی اس کو جانتا ہوں میں امین بھی

شاہد بنا ہے عاشق و معشوق عشق کا
وہ ایک ہائے ایک بھی ہے اور تین بھی

ہمت اگر ہے پیرِ مغاں کا ہے رعب کیا
گر ہاتھ میں کسی کے ہے پیمانہ! چھین بھی

پائی اسی نے بات جو تھی میرے ذہن میں
گو بزم ہی تھے جمع بہت سے ذہین بھی

کچھ مانگنے کی لاج نہ کچھ روکنے کا بس
دامن بھی میرے پاس ہے اور آستین بھی

تنہا ہی جائے گا وہ سوار سمند ناز!
یا حاضرِ رکاب رہے کمترین بھی

یہ رات میرے واسطے معراج کی ہے رات
پہلو نشین جو ہے وہ ہے دل نشین بھی

دل ہے اگر تو دل کی جگہ غیر کو نہ دو
پیدا کرو مکان کے قابل مکین بھی

مُدعا ہے گومگو میں ہائے مرے دل کا مدعا
ان سے ہے کچھ گمان بھی مجھ کو یقین بھی

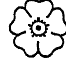
سب پوچھ مجھ سے عشق کی نیرنگیاں نہ پوچھ
دنیا بھی میرے سامنے ہے اور دین بھی

میں ان کے اپنے باب میں شاہد کہاں سے لاؤں
اب تو ہے آسمان بھی دشمن زمین بھی

دشمن سے سن لیا ہے کہ میں بدگمان ہوں
پھر یہ ستم کہ ان کو ہے اس پر یقین بھی

معشوق ہی بنے ہیں تو کس بات کی کمی سب کچھ ہیں اب شریر بھی وہ ہیں ذہین بھی

کیا رنج بے محل جو صفؔی ہے سخن سرا
کل کو بجائے بھینس کے آگے یہ بین بھی



نیل کا بندہ پرور آپ سے بے زار ہے ہر آدمی ایک دو تو کیا یہی کہتے ہیں اکثر آدمی

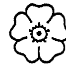
خیر ہو وہ یا تو دشمن تھے ہمارے نام کے یا تو یہ تانتا بندھا ہے آدمی پر آدمی

ذکر کس کا ذکر وہ بھی روٹھنے والے کا ذکر بیٹھے بیٹھے کیوں چبھو دیتے ہیں نشتر آدمی

ان کا نظارہ ہے یا رب یا یہ کوئی لوٹ ہے کیوں گرے پڑتے ہیں ایسے آدمی پر آدمی

اس بلاوے میں کوئی فی تو نہیں ہے خیر ہو آ رہا ہے آج اُن کا آدمی پر آدمی

اے صفؔی اُس وقت کا اسلام کیا اسلام تھا
سیکڑوں لاکھوں پہ بھاری تھے بہترّ آدمی



یہ تو سچ ہے کہ صفؔی کی نہیں نیت اچھی ہاں مگر پائی ہے ظالم نے طبیعت اچھی

کیا ہوا آپ نے پائی ہے جو صورت اچھی آدمی وہ ہے کہ جس کی ہو طبیعت اچھی

آج وہ پوچھنے آئے ہیں ہمارا مطلب سن لیا تھا کہیں مطلب کی محبت اچھی

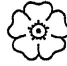
خوبصورت ہے وہی جس پہ زمانہ ریجھے یوں تو ہر ایک کو ہے اپنی ہی صورت اچھی

کچھ بھی ہو ایک تمنا تو بندھی رہتی ہے تجھ سے سو درجہ ترے ملنے کی حسرت اچھی

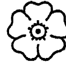
نہیں اپنے میں کوئی چاہنے والا تیرا ڈال دی ڈالنے والوں نے عداوت اچھی

کوئی ارمان نہیں ہے تو فقط بے تابی وصل سے تیرے ستمگر تری فرقت اچھی

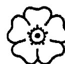
ان کے آتے ہی بدل جاتے ہیں تیرے تیور
اے صفؔی چاہیئے انسان کی نیت اچھی



پھر تازہ رنج پہنچا، پھر تازہ آفت آئی جاتی نہیں الٰہی تقدیر کی برائی
یا صبر کر لیا تھا یا جبر کر لیا تھا القصہ اب تو دل میں کچھ اور تھی سمائی
اس کا خیال دل سے اتنا بھلا دیا تھا یا اس سے دوستی تھی یا صورت آشنائی
یہ بھی سمجھ چکا تھا سب کوششیں عبث ہیں جب دل میں میل آیا کیا خاک پھر صفائی
نالوں کو روکنے کی عادت بھی ہو چلی تھی یہ بھی سمجھ چکا تھا ہے اس میں جگ ہنسائی
اب کچھ دنوں سے یہ بھی مدِ نظر ہوا تھا دیدار کی تمنا ہے ایک بدنمائی
میں اپنے حوصلوں کا اندازہ کر رہا تھا میں اپنی کر رہا تھا اب صبر آزمائی
راحت نہ تھی تو کوئی تکلیف بھی نہیں تھی کیا شوقِ وصل کا تھا کیا تھا غمِ جدائی
دل بھی صفی ہے اپنا ہونٹ اپنے دانت اپنے
کس کی کریں مذمت، کس کی کریں برائی؟

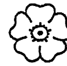


تم چلاؤ تیغ بھی، اپنی نظر سے تیر بھی کوئی میرا جرم بھی، کوئی مری تقصیر بھی
سیدھی نظریں پھیر کر اس نے کیا انکارِ وصل میرے دل کے ساتھ توڑا شائد اپنا تیر بھی
ہم کو دنیا میں نہیں ملتی کوئی اس کی مثال بات کچھ رکھتی ہے ایسی آپ کی تصویر بھی
اک طرف حقِ وفا ہے اک طرف حسنِ قبول سامنے تصویر بھی ہے صاحبِ تصویر بھی
زندگی میں کچھ ہی دن ہوتے ہیں خود کو جن دنوں قابلِ تصویر سمجھے صاحبِ تصویر بھی
میں تو صدیقی ہوں لیکن نام کے آگے صفی
میرے شاعر دوست لکھ دیتے ہیں مجھ کو میر بھی



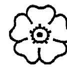
آگے ترے کچھ بات بنائی نہیں جاتی — کچھ بات ہے جو آنکھ اٹھائی نہیں جاتی
تم اپنے کو اب لاکھ وفادار جتاؤ — آ جاتی ہے دل میں جو برائی نہیں جاتی
یہ ضد ہے کہ اک میں ہی نہ ہوں ان کی گلی میں — کیا جانے کو یوں ساری خدائی نہیں جاتی
یہ میری طبیعت ہے وہی اگلی طبیعت — کیوں آپ تو کہتے تھے کہ آئی نہیں جاتی
بے لاگ ہوں میں اس پہ بھی پھر تجھ کو گماں ہے — ظالم وہ ترے دل کی برائی نہیں جاتی
یہ کس کو خبر تھی کہ کریں گے مجھے رسوا — یاروں سے کوئی بات چھپائی نہیں جاتی

بدنام تو ہوتا ہوں محبت میں صفؔی میں
عادت ہے یہ جاتی نہیں بھائی نہیں جاتی



یاری غرض کی اور ہے مطلب کی دوستی — بیٹھے ہیں دیکھ دیکھ کے ہم سب کی دوستی
توبہ عدول حکمِ معشوق تو نہ ہو — دشمن سے ان سے تھی بھی تو تھی کب کی دوستی
اُف کیا ہی درد ناک ہے یہ داستانِ غم — پروانہ و چراغ کی اک شب کی دوستی
مجھ میں عدو میں سیکڑوں باتوں کا فرق ہے — رکھتے ہیں وہ ہر ایک سے اک ڈھب کی دوستی

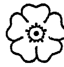
وہ لوگ ہائے پردۂ دنیا سے اٹھ گئے
پہلے کی دشمنی نہ صفؔی اب کی دوستی



جب اُن سے دوستی نہ رہی، دشمنی رہی — بگڑی تو بگڑی اور بنی تو بنی رہی
صدمہ رہا، ملال رہا، بے کسی رہی — لیکن کسی کی یاد ہمیشہ لگی رہی
کیا کہیے دشمنی رہی یا دوستی رہی — بگڑی تو بگڑی اور بنی تو بنی رہی
پھر اُس کو دوست جان رہا ہوں ہزار حیف — مجھ سے تمام عمر جسے دشمنی رہی

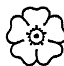
پہلو ہزار ہم نے کیے گرچہ اختیار — لیکن جو اُس کے دل میں ٹھنی تھی ٹھنی رہی
آئینہ دیکھتا نہیں اپنے سے شرم ہے — اچھا ہوا جو مجھ سے اُسے بدظنی رہی
یوسفؑ کو دیں دعائیں زلیخا نے سیکڑوں — محتاج ہوگئی بھی تو دل کی غنی رہی
عاشق کو کوئے یار سے بہتر مقام کیا — دیوانہ تھا جو قیس کی بن سے بنی رہی
تاریکیٔ مزار تو مشہور بات ہے — کچھ ہم بھی ڈھونڈھ لیں گے اگر روشنی رہی

قدرِ سخن کے واسطے اب کیا کروں صفؔی
داڑھی بڑھائی پھر بھی وہی کم سنی رہی



کچھ دنوں اب یادِ نالہ سے سبکدوشی سہی — ہے اگر خاموشی اچھی چیز خاموشی سہی
کچھ کہینگے تو کہیں ہم اسی سے حالِ دل — یا ہے خاموشی مقدر میں تو خاموشی سہی
اے جمالِ یار میری تاب لانے کی نہ دیکھ — دو گھڑی کے واسطے بھی لطفِ بے ہوشی سہی
مست ہو جاؤں کسی کی مست آنکھیں دیکھ کر — زہد کا زہد اور مے نوشی کی مے نوشی سہی
جب کسی کے دل میں گھر ہوگا تو ہم پائیں گے چین — اور اگر ایسا نہ ہو تو خانہ بردوش سہی
بھولنے والا مرا مجھ سے نہ بھولا جائے بس — مجھ کو جان و دل سے اپنی خود فراموشی سہی
دیکھ کر اس کو یہ حالت ہو کہ کچھ دیکھا نہیں — ہوش کا ہوش اور بے ہوشی کی بے ہوشی سہی
اس سے مل کر چھوٹنے والے دنیا چھوٹ جائے — کیا ہم آغوشی تمنائے ہم آغوشی سہی
ہو کے غائب آنکھ سے اپنی ہی دھن میں کرلیا — ہے اسی کا نام روپوشی تو روپوشی سہی

جی بہلنے کا صفؔی ساماں نہیں کوئی تو کیا
خیر اپنے دوست کی تقریبِ گل پوشی سہی



وہیں تسکین کی صورت بھی نکلی یہ جہاں نکلی
کھٹکتی پھانس نکلی یا مرے دل سے فغاں نکلی

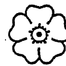
دعا نکلی خوشی میں منہ سے یا غم میں فغاں نکلی
نکلنے کی مگر جو آرزو تھی وہ کہاں نکلی

تمھیں آزردہ کرنا کون سا کم بخت چاہے گا
نہیں نکلی بھی میری آرزو تو مہرباں نکلی

ہماری جان ہی لی آخر اس بیماریٔ دل نے
تری وہ بدگمانی آج تو اے بدگماں نکلی

غضب میں مجھ کو ڈالا اور بھی حسنِ عقیدت نے
یہاں جو دل میں آئی تھی وہی منہ سے وہاں نکلی

نویدِ وصل کے سنتے ہی سکتہ ہو گیا مجھ کو
صفؔی مارے خوشی کے بات بھی منہ سے کہاں نکلی



تری آنکھ ہر اک نے پہچان لی
مرے دوست ناحق مری جان لی

وہ جس بات پر اڑ گیا اڑ گیا
ہٹیلا ہے جو ٹھان لی ٹھان لی

بگڑ جائے گا دشمنوں کا مزاج
ہنسو دیکھو میں نے خطا مان لی

جو ہم مر مٹے اس کو اپنا کیا
اسے کیا کہیں جان دی جان لی

کسی کی نظر کو نظر ہو نہ جائے
ملی آنکھ اور آنکھ پہچان لی

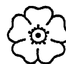
نہ پایا کہیں بندگی کا وجود
خدائی تو بندے نے سب چھان لی

ہمیشہ کو میں آپ کا ہو گیا
اگر جان دل سے بھی آسان لی

وہی دل کا مالک وہی جان کا
نہیں شکوہ جو دل لیا جان لی

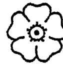
کوئی بات ایسی تو اب تک نہیں
جو میں نے کہی آپ نے مان لی

ہوا کچھ نہ کچھ تو خلافِ مزاج
صفؔی نے کتاب اپنی گردان لی



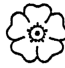
غم سے چھٹکارا دلایا جان لی — آخری اک بات اُس نے مان لی
بات رکھ لے اپنی اے جوشِ جنوں — چارہ گر خوش ہے کہ رگ پہچان لی
ایک بے صبرے کی ایسی واہ واہ — کوہ کن نے جان دی یا جان لی
جان کی پروا نہیں ہے اب مجھے — میرے دل کی بات اُس نے جان لی
اب تو اس پر اور پیار آ ہی گیا — دل سی پیاری چیز کیا آسان لی

کوچہ گردی کا نہ پایا کچھ علاج
خاک دنیا کی صفؔی نے چھان لی



منظور مجھے آپ کی یہ چشم غضب بھی — لیکن کوئی باعث بھی کوئی اس کا سبب بھی
ان نیچی نگاہوں نے لیا دل ترے صدقے — شوخی کی یہ شوخی ہے ادب کا ہے ادب بھی
نیچی نہ ہوئی اُن سے کبھی آنکھ ہماری — قسمت سے ملا ہے دلِ آزار طلب بھی
اب اے ستم ایجاد کوئی اور ستم ہو — ارمان بڑھاتی ہے تری چشمِ غضب بھی
پہلے تو کبھی آنکھ ملانا نہیں آیا — اب خیر سے نکلی نگۂ چشمِ غضب بھی
کیا خاک کہے حال کوئی سامنے اُن کے — دشوار سے دشوار جو ہو جنبشِ لب بھی
بے مانگے کے دل اس نے لیا مانگ کے ہم سے — سنتے تھے کہ دنیا میں ہے کچھ حسنِ طلب بھی
مطلب کی ہے، موقع کی ہے، سب دیکھ چکے ہم — یہ چشم عنایت بھی تری چشمِ غضب بھی
اب تک تری صورت کا گرفتار ہوں اب تک — اب بھی ہے مرے دل میں محبت تری اب بھی
دنیا سے نرالے ہیں ترے چاہنے والے — آداب سکھاتے ہیں تو کرتے ہیں ادب بھی
بے شک تمھیں آتا ہی نہیں رحم کسی پر — اب بھی یہی کہتا ہوں کہا تھا یہی جب بھی
ممکن ہے کہ آنکھوں نے تری دل کو لیا ہو — انداز تو ایسے ہیں نہیں کوئی عجب بھی

تھے سیکڑوں سامان صفؔی زندہ دلی کے
اعجاز کلب تھا کبھی اعجاز کلب بھی



کہتے ہیں مجھ کو جو دیوانہ بھی سودائی بھی
سچ تو یہ ہے کہ محبت ہے تو رسوائی بھی

ہوگئی تیری وفا میری توانائی بھی
یہ گئی بھی ابھی اتنے میں ابھی آئی بھی

تم ستم روز کرو روز خفا ہو روٹھو
ہو مگر مجھ میں ذرا تابِ شکیبائی بھی

اب بھی ہم کچھ تجھے کہہ سکتے ہیں او سابق دوست
گو کبھی تیری طرف سے ہوئی رسوائی بھی

غیر کی بزم میں کیا خاک تھا جز وہم و گماں
کتنی نادیدہ ہے یہ چشم تماشائی بھی

سب کو انکارِ محبت پہ بنالو اپنا
کچھ تمہاری تو نہ ہوگی مری رسوائی بھی

غیر کی طرز پہ کیوں حرف نہ رکھا افسوس
اُن میں مجھ میں کوئی سو بار یہ بات آئی بھی

پے بہ پے دل میں گزرتے ہیں ہزاروں وسواس
شارع عام ہے گویا مری تنہائی بھی

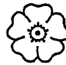
مجمع عام میں تو آ کہ نہ آ، بیٹھ نہ بیٹھ
تجھ کو زیبا نہیں لیکن تری تنہائی بھی

آج تک جو نہ کیا وہ بھی کریں گے کافر
اب تو منظور ہے ہم کو تری رسوائی بھی

دلِ پابند محبت تجھے اللہ رکھے
شوخ بھی تھا کوئی بے درد بھی ہرجائی بھی

رنگ بازارِ محبت میں ہے اپنا ایسا
نکلے سودے کو مگر پاس نہیں پائی بھی

شاعری اپنی صفؔی خاطرِ احباب سے ہے
اور پھر کچھ ہے یہ شغلِ شبِ تنہائی بھی



ہم نے کل تک جو دل میں ٹھانی تھی
آج اُن کی وہ سب زبانی تھی

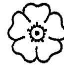
اور معشوق بھی تھے دنیا میں
کیا طبیعت انھیں پہ آنی تھی

بچ گئی شیخ ہی کو ورنہ شراب
تیز تھی، تند تھی، پرانی تھی

کس پہ تم کس رہے تھے کل فقرے
اور کیا مجھ سے چھیڑ خانی تھی

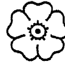
دل کی حالت پہ رنج ہوتا ہے — اُس کی آئی مجھی کو آنی تھی
ہجر کا داغ بھی نہیں دل میں — یہ بھی اک آپ کی نشانی تھی
نہ تھی الفت کچھ ایسی راز کی بات — ہاں مگر آپ سے چھپانی تھی
ہم سے ملتا ہی کیا کسی کا دل — چار دن کی تو زندگانی تھی
اُن کی دہلیز پر کیے سجدے — ہم کو تقدیر آزمانی تھی

اے صفیؔ عاشقی میں یہ ذلت
تو نے کوئی مراد مانی تھی

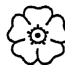


اب نہ وہ ہم ہیں نہ وہ پیار کی صورت تیری — نہ وہ حالت ہے ہماری نہ وہ حالت تیری
دیکھ لی دیکھ لی بس ہم نے طبیعت تیری — ہو نہ دشمن کے بھی دشمن کو محبت تیری
کیا غرض اس سے ہو دشمن پہ عنایت تیری — ہم تو جیتے ہیں فقط دیکھ کے صورت تیری
یہ بھی آجاتی ہے جب دیکھ لی صورت تیری — سچ ہے الفت نہیں منہ دیکھے کی الفت تیری
ترکِ الفت ہی نہیں قطع تعلق بھی کیا — پھر بھی جاتی نہیں ظالم یہ محبت تیری
دخل ہوگا نہ کبھی جس میں گنہ گاروں کا — ہوگی اے واعظِ کج فہم وہ جنت تیری
چاہنے والوں کا ہنگامہ کسی دن ہوگا — ایک دن تجھ کو رلائے گی یہ صورت تیری
یہ تڑپ یہ تری فریاد یہ حسرت اے دل — کاش آ جائے مری جان پہ آفت تیری
پہلے کچھ اور ہی تیور تھے یہ تیور تیرے — پہلے کچھ اور ہی صورت تھی یہ صورت تیری
دیکھنے والوں کی اک بھیڑ رہا کرتی تھی — اُف رے وہ حسن ترا ہائے وہ صورت تیری
اس پہ حیرت ہے بڑی مجھ کو تعجب ہے بہت — غیر پھر غیر کے دل میں ہو محبت تیری
آدمی کی تجھے پہچان نہیں اے ظالم — ہم تو کرتے ہیں ترے منہ پہ شکایت تیری
تجھ کو دل بر جو بنایا تو بنایا ہم نے — ورنہ معلوم ہے دنیا کو حقیقت تیری

جان دے دی نہ اگر میں نے تو کچھ بھی نہ کیا — آپ کہتے ہی رہیں کیا ہے حقیقت تیری
چین آتا ہی نہ تھا تجھ کو حسینوں کے بغیر
اے صفؔی کیا ہوئی اگلی وہ طبیعت تیری



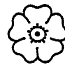
ہر دعا تیر ہو نہیں سکتی — ایسی تقدیر ہو نہیں سکتی
شاعروں نے یہ پیچ ڈالے ہیں — زلف زنجیر ہو نہیں سکتی
جو نہ ہو منہ سے بولنے والی — اُن کی تصویر ہو نہیں سکتی
اب سے وہ وعدہ کیجیے للہ — جس میں تاخیر ہو نہیں سکتی
کبھی ایسے بھی خواب پڑتے ہیں — جن کی تعبیر ہو نہیں سکتی
نازنینوں کی آنکھ میں کیوں ہو — جو نظر تیر ہو نہیں سکتی
تیری تصویر سے ہو کیا تسکیں — یہ بغل گیر ہو نہیں سکتی
دوست کا دل نہ توڑ میرے دوست — پھر یہ تعمیر ہو نہیں سکتی
وہ بھی مجرم ہیں حسن کے آگے — جن سے تقصیر ہو نہیں سکتی
جھوٹ میں لاکھ سر کھپاؤ تو ہیچ — سچ کی تاثیر ہو نہیں سکتی
مجھ پہ جو کچھ بھی بیتتی ہے صفؔی
کچھ بھی تحریر ہو نہیں سکتی



دردِ فرقت کو کیا کرے کوئی — ہائے عادت کو کیا کرے کوئی
دل کی حسرت کو کیا کرے کوئی — اس مصیبت کو کیا کرے کوئی
پیار کرنے سے عار ہے تو کہو — اچھی صورت کو کیا کرے کوئی

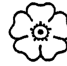
دوستوں کو تو روکوں شوخی سے　　ساری خلقت کو کیا کرے کوئی
چشم و دل سے چھپاؤں دردِ نہاں　　رنگِ صورت کو کیا کرے کوئی
اپنے دل کا تو خون کر ڈالوں　　اُن کی صورت کو کیا کرے کوئی
اُن کا فرمان ہے کہ آہ و فغاں　　مابدولت کو کیا کرے کوئی
ناصحوں کو سلام بھی کرلوں　　اس نصیحت کو کیا کرے کوئی
آرزو ہے تو خوف بھی کچھ ہے　　پاک نیت کو کیا کرے کوئی
تجھ میں جو بات چاہیے وہ نہیں　　لے کے صورت کو کیا کرے کوئی
وہ خفا ہوں تو میں خطا کرلوں　　چھیڑ، حجت کو کیا کرے کوئی
مہرباں ہیں جنابِ دل اُس پر　　ایسے حضرت کو کیا کرے کوئی
میری تقریر میں تو ہے تاثیر　　تیری صحبت کو کیا کرے کوئی
نام بھی اُن کا ہم نہیں لیتے　　اب شرارت کو کیا کرے کوئی

اے صفؔی وہ بگڑ گئے من کر
تیری قسمت کو کیا کرے کوئی

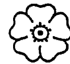


ہائے بے وعدہ بھی اک روز تو آئے کوئی　　ہم مناتے ہیں ہمیں بھی تو منائے کوئی
در بدر آپ تو پھر پھر کے بنیں خود بدنام　　کہیئے ہم چشموں میں کیا بات بنائے کوئی
واں تو یہ بات ہے جھڑکی کے سوا بات نہیں　　اب اگر اس پہ بھی جاتا ہے تو جائے کوئی
سن لیا ہے کہ وہاں سب کو ملیں گی حوریں　　وہ یہ کہتے ہیں کہ جنت میں نہ جائے کوئی
خیر غصہ بھی اگر ہو تو کسی موقع کا　　روز کے روٹھنے والے کو منائے کوئی

تجھ پہ بیتی ہی نہیں وقت بُری شئے ہے صفؔی
کام آتے ہی نہیں اپنے پرائے کوئی



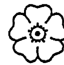
دوست سے آرزو کہی کیسی غلطی ہم سے ہوگئی کیسی
حال دل سن کے خامشی کیسی بات پھر اور بات بھی کیسی
زندگی تیرے ہجر میں پیارے موت ہے موت زندگی کیسی
تم نے کیسی مزاج پرسی کی غیر کی آئی ٹل گئی کیسی
اُن کے آتے ہی رک گئے آنسو وقت پر کر گئے کمی کیسی
او نمک پاش دیکھتا بھی جا ہنستے ہیں زخمِ دل ہنسی کیسی
ہر عنایت پہ سوچتا ہوں میں اس قدر بے تکلفی کیسی
کیا کہوں روز پوچھتے ہیں وہ رات گزری ہے آج کی کیسی
حسن مجبورِ عشق ہو توبہ حرص کرتا ہے آدمی کیسی
لگ گئی آگ دل میں عاشق کے یہ ہنسی کیا یہ دل لگی کیسی
سانس ہے تو فغاں کی دھن بھی ہے بانس ٹوٹا تو بانسری کیسی
یہی پوچھا صفؔی کے مرنے پر
آخری سانس اس نے لی کیسی



بتوں کو جو پوجا کیا کیا خطا کی کہ سب صورتوں میں ہے صورت خدا کی
ستم کا ٹھکانا بھی حد بھی جفا کی مری جان کیا میں نے ایسی خطا کی
اجل آ چکی ہے تیرے مبتلا کی دوا کی رہی اب نہ حاجت دعا کی
نہ چرخ بے رحم ہونے کے شاکی ہمیں ایک ہیں یا ہے خلقت خدا کی
بندھی جب ہوا میری آہ رسا کی ہوا ہوگئیں تیزیاں سب ہوا کی

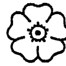
اسے لو لگی ہے جو اُس بے وفا کی　　سمجھ کیا سمجھ ہے دلِ مبتلا کی
نہیں ہم سے کوئی غرض کوئی مطلب　　ہوئے تم بھی اب ایسے قدرت خدا کی
شبِ غم جو عاشق کے پیچھے پڑی ہے　　کہو موت آئی ہے شاید قضا کی
فلک بھی ہے کہنے کو ایذا دہندہ　　مگر آپ نے ظلم کی انتہا کی
غم و درد کو خوب پہچانتا ہوں　　بہت مدتوں ان سے صحبت رہا کی
کسی کے کرم سے ہے سب اس کی رونق　　کوئی چیز ہے ورنہ یہ جسمِ خاکی
مرے دل کا جانا ہوا اک تماشہ　　میں رویا کیا ساری خلقت ہنسا کی
خطا وار تو ہیں خطا وار یا رب　　مگر بے خطاؤں نے کیسی خطا کی
کہوں کیا میں کیفیت طبع غم گیں　　نوازش تمہاری عنایت خدا کی
تسلّی دیا کرتی ہے عاصیوں کو　　شفاعت محمدؐ کی رحمت خدا کی

ہم اپنے مرض کا مداوا کریں گے
صفؔی! اس پہ آئندہ مرضی خدا کی

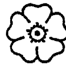


نہ پابندی سلیقے کی نہ آزادی قرینے کی　　ضرورت کچھ نہیں معلوم ہوتی اپنے جینے کی
ترے دیوانے شرمندہ ہیں جب سے ہوش میں آئے　　گریباں ٹانکنے کی فکر ہے دامن کو سینے کی
میں اپنے دل کا مختار اور مالک ہوں مگر پھر بھی　　سمجھتا ہوں کہ تیرے ہاتھ میں ہے ہر بدی نیکی
چمن میں جی بھر آیا خوب دھاڑیں مار کر روئے　　ہمیں یاد آ گئی ہے آج بُو ان کے پسینے کی
یہی آنکھیں یہی دل ہے تو بس اللہ حافظ ہے　　نہیں معلوم کیا ترکیب ہے دنیا میں جینے کی
محبت اور پھر معلوم ہو جائے قیامت ہے　　ترے سینے میں کس نے ڈال دی ہے میرے سینے کی
جسے خالق نے دی ہے آنکھ بزمِ دہر کو دیکھے　　یہاں کی رتی رتی ہے سلیقے کی قرینے کی
یہاں دو مل کے بیٹھے عاشق و معشوق کہلائے　　انگوٹھی میں بٹھا کر دیکھ لو جوڑی نگینے کی

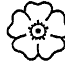
بہت سچ ہے کہ زر پر اہلِ دنیا جان دیتے ہیں
چڑھا کر بھینٹ دولت ہاتھ آتی ہے دفینے کی
پریشاں کیوں نہ ہوں اٹھا ہوں اک خوابِ پریشاں سے
نہیں وہ اور خوشبو گھر میں ہے اس کے پسینے کی
شکایت پر وہ کیا شرمائے مجھ کو اور پیار آیا
قیامت ڈھا گئیں ماتھے پہ کچھ بوندیں پسینے کی
بچا جو صدمۂ فرقت سے میں تو وہ تلاشی ہیں
کہ اس کے آگے آئی اس کی ایسی کون سی نیکی
ہوا ہوں جب سے مفلس اپنے آنسو آپ پیتا ہوں
کروں کیا اے صفؔی عادت بری ہوتی ہے پینے کی



مشکل ہے روک آہ دلِ داغ دار کی
کہتے ہیں سو سنار کی اور اک لُہار کی
امید نکلے کیا دلِ امیدوار کی
کہتے ہیں بوجھ ایک کا لاٹھی ہے چار کی
اپنے کو تو سنبھالوں مگر دل کو کیا کروں
یہ بات تو نہیں ہے مرے اختیار کی
میں اُن کو اپنا حال تو سب کچھ سناؤں گا
آئندہ مرضی جو مرے پروردگار کی
وہ کیا بگڑ گئے کہ زمانہ بگڑ گیا
تجویز کام آئی نہ نہ تدبیر کار کی
مے نوش کیا ہے ایک بلانوش ہے صفؔی
صورت مگر بنائی ہے پرہیزگار کی



پھر وہی رات ہے جدائی کی
آئے بھی وہ تو کیا صفائی کی
اب مری جان ہی کے دشمن ہیں
دل دیا آپ کو برائی کی
تم کو لڑنا ہے دشمنوں سے لڑو
مجھ میں طاقت نہیں لڑائی کی
جب نہ کی بات اس نے محفل میں
بات جو میرے دل میں آئی کی
حسن والوں کے مرتبے ہیں بڑے
ان میں ہر ایک نے خدائی کی
دردِ دل بڑھ گیا صفؔی آخر
تو نے کھا لی دوا عطائی کی



پرستش سے زیادہ ناز برداری گواہوں کی
گنہ گاروں کی یہ توہین توبہ ہے گناہوں کی

گنہ گاروں کے چہرے پر بھی کیسا خون دوڑ آیا
ترے جلوے نے صورت ہی بدل دی روسیاہوں کی

محبت ایک سے ہوتی ہے ہر اک سے نہیں ہوتی
اُڑائے گا مزے تاثیر اڑ جائے گی آہوں کی

جفاکش ہوں گنہ گاروں کی خدمت ہے سزا میری
قیامت میں اُٹھاؤں گٹھڑیاں سب کے گناہوں کی

قیامت میں سزا ہی کا نہ رکھو ڈر گنہ گارو
تمھیں خوشیاں بھی اس دن دیکھنی ہیں بے گناہوں کی

تری کوئی ادا یا میری بے چینی پسند آئی
اُٹھیں کس کے لئے محفل میں چیخیں واہ واہوں کی

نصیحت کرنے والے بے سبب ہم درد بنتے ہیں
مجھے آخر ضرورت کیا ہے ایسے خواہ مخواہوں کی

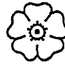
اُسے دیکھا ہے جس انداز میں اللہ شاہد ہے
بلائیں خود مجھے لینی پڑیں اپنی نگاہوں کی

مے و معشوق دے جاتے ہیں رنگ اپنا جوانی میں
مری دانست میں اک عمر ہوتی ہے گناہوں کی

کہاں تک حُسن کے روپ اور پھر بہروپ بھی دیکھوں
نظر آتی نہیں آنکھوں میں گنجائش نگاہوں کی

وہ مولانا جو ہر انسان کو مجبور کہتے ہیں
کریں توبہ جو فہرس دیکھ لیں میرے گناہوں کی

صفی کو ہے وہاں عریاں غزل گوئی پہ کیوں حیرت
جہاں باضابطہ تعلیم ہوتی ہے گناہوں کی



قیامت ایک سی ہوگی فقیروں بادشاہوں کی
کوئی پہچان بھی رکھ لیجئے اپنے تباہوں کی

تمھارا ہو چکا جو آچکا زد میں نگاہوں کی
خدا رکھے یہ عالم کیا کمی ہے خیر خواہوں کی

خدا بھی ہو اگر مطلوب اس سے بھی محبت کر
بڑی دشواریاں ہیں دوسری پیچیدہ راہوں کی

مرے حق میں جو چاہا تم نے اپنا بے خطا ہونا
تو دیکھو گے کہ یہ دنیا کی دنیا ہے گواہوں کی

خدا کی شان ہے جس رات اس کا ذکر ہوتا ہے
تو میرے گھر میں آجاتی ہے رونق خانقاہوں کی

جواب تک تیرے کہلائے کہاں جائیں کدھر جائیں
خفا تو ہو تو پھر آخر پناہ ان بے پناہوں کی

نکلتی ہے جوان کے منہ سے اچھی بات محفل میں
تو گھنٹوں تک نہیں رکتی ہیں چیخیں واہ واہوں کی

منا و خیر اپنی، ہو جہاں جم گھٹ حسینوں کا
وہاں سنبھلو جہاں تلوار چلتی ہے نگاہوں کی

اطاعت کر کے دل قابو میں لا اللہ والوں کا
یہاں چلتی نہیں ہے بادشاہی بادشاہوں کی

الٰہی بند مٹھی کا بھرم رکھ لے قیامت میں
نہ کھلوا دشمنوں کے سامنے گٹھڑی گناہوں کی

کسی عاشق کے دل میں کیا ہے کیسا دیکھ سکتے ہیں
نگہ بانی کریں لاکھوں نگاہیں جن نگاہوں کی

صفؔی ہم درد بھی میری طرح عاشق طبیعت ہیں
جو صورت مدعی کی ہے وہی صورت گواہوں کی



وفورِ درد میں تاکید ہنسنے مسکرانے کی
کہاں تک روئے کوئی ہائے بے دردی زمانے کی

تمھیں عادت ہے مجھ کو دیکھتے ہی مسکرانے کی
تو پھر ہنستے ہوئے جھیلو بھی بدنامی زمانے کی

نہ لکھوں گا اگر تفصیل تیرے دل لبھانے کی
تو کیا باقی رہے گی دل کشی میرے فسانے کی

زمانہ اُن کا دل دادہ ہے عاشق ہے فدائی ہے
شکایت میں کبھی کر ہی نہیں سکتا زمانے کی

تجھے سمجھی ہے کیا خلقِ خدا خلقِ خدا جانے
ہماری بات ہم سے سن زمانے سے زمانے کی

ہوئے تم دوست تو ہر اجنبی یوں مجھ سے ملتا ہے
کہ جیسی اس سے مجھ سے دوستی ہے اک زمانے کی

کیا بدظن اسے اب اور میرے دوست کیا کرتے
چلی وہ چال راہیں بند کر دیں آنے جانے کی

وہ پوچھیں میری مرضی تو کہوں، جو آپ کی مرضی
یہاں تو کچھ مری تائید میرے ہی خدا نے کی

چمن کے پھول اب ہنس ہنس کے ہم کو کیا ہنسائیں گے
بہت دیکھی ہیں ہم نے محفلیں ہنسنے ہنسانے کی

بہت دیکھا ہے کلیوں کا تبسم اور دیکھیں گے
کہاں سے لائیں گے یہ شان تیرے مسکرانے کی

بہارِ لالہ و گل کس طرح اُن کو پسند آتی
سمجھ لیتے اگر وہ سرخیاں میرے فسانے کی

خدا سے پھر ملائیں شیخ صاحب پہلے کچھ کہہ دیں
مجھے اس سے ملانے کی اُسے مجھ سے ملانے کی

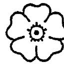
نہ پوچھو حسن ہے یا حسن والا قابلِ سجدہ — ذرا لغزش ہوئی تو بات ہے ایمان جانے کی
جو کہتے ہیں کہ اس کے طالبِ دیدار ہم بھی ہیں — وہ کرتے ہیں اشاعت دیکھنا خود کو دکھانے کی
نہ آئے وہ تو پھر کس کے لئے ابرِ بہار آیا — یہ کیسی ہو رہی ہیں کوششیں مجھ کو رلانے کی

صفی اپنی زباں روکو زمانے کی شکایت سے
بگڑتی جارہی ہے دن بہ دن حالت زمانے کی



ملے گی فلسفی کو انتہ کیا اُس کارخانے کی — جہاں حیوان ناطق کل ہو اک باتیں بنانے کی
یہ دیکھ اے ہم نشیں کوشش کروں کس کو چھپانے کی — محبت کو لگے گی یا نظر اس کو زمانے کی
عجب قسمت ہے قسمت اس محبت کے فسانے کی — وہ سننے سے گریزاں ہیں مجھے حسرت سُنانے کی
قسم کھاتے ہو تم ہر بات پر اب تک نہیں سمجھے — کہ ہے یہ چیز کھانے کی تو ہے کس وقت کھانے کی
ترے در سے مجھے دربان نے ایسا اٹھایا ہے — ہوا کرتی ہے جلدی جیسے مردے کو اٹھانے کی
شرابِ عشق پچتی ہی نہیں ہے یا اسے مانو — نہیں ہے یا کسی میں قابلیت ہی پچانے کی
چرانا دل کا چھوڑا ہے تو اب آنکھیں چراتے ہو — تمھاری شان ہے ہے اور یہ عادت چرانے کی
برے ہوں یا بھلے ہر عہد میں روتے ہی آئے ہیں — زمانے نے شکایت کب نہیں کی ہے زمانے کی
ہمارے دل کے بدلے ہو گیا دشمن کا دل زخمی — بھلا تعریف ہو سکتی ہے کیا اُن کے نشانے کی
جنوں ہے عشق لیکن عشق کن کا ہوش مندوں کا — یہ سب کچھ جانتے ہیں کیا بدی ہے اور کیا نیکی
نہیں معلوم بد ہیں نیک ہیں دراصل ہم کیا ہیں — کہ اب تک بارہا ہم نے بدی کی بارہا نیکی
خدا وہ جس کو خوش کرنا بھی آتا ہے ڈرانا بھی — کہ جنت چیز خوش کرنے کی ہے دوزخ ڈرانے کی
خدا کے واسطے اپنے کو پہلے آزما لیجیے — نہ لیجیے بے دھڑک ہر ایک کو تو آزمانے کی
بڑھے اتنی تو اک ارمان کے مارے کی بے چینی — کہ گھبرائے ہوئے کوشش کرے وہ نیند لانے کی
طبیبوں نے کیا تجویز نسخہ وحشتِ دل کا — حسینوں نے کہا شامت ہے یہ سب دل لگانے کی

صفی دیر و حرم کچھ کم نہ تھے شوقِ پرستش کو
مگر نسبت دکھائی تھی کسی کے آستانے کی



لذتیں نغموں سے بڑھ کر ہیں مری فریاد کی
واہ وا بے داد گر حد ہوگئی بے داد کی

بے رُخی میں نے جہاں دیکھی وہیں فریاد کی
بات رکھ لی بالکنایہ دوست کے ارشاد کی

تیرے دیوانے شکایت کیوں کریں بے داد کی
کس نے اب تک فال کھولی دیکھ کر فریاد کی

یاد جب آیا کوئی بے درد تو فریاد کی
اب تو ٹھہری ہے ہماری عاشقی بھی یاد کی

آپ نے بے داد کی، عشاق نے فریاد کی
اب شکایت کیجئے فریاد یا بے داد کی

قتل کرنے کو مرے پی کر بھی تم بدلے نہیں
لال لال آنکھیں تو ہیں صورت نہیں جلاد کی

ہونٹ بھی سی ڈال اتنی بات بھی باقی نہ رکھ
کیا بتاؤں کس لئے کس کے لئے فریاد کی

چھوٹ جائیں ہم جو وہ اک دن ہما کر لے شکار
ڈیوڑھی بن جائے یارب جھونپڑی صیاد کی

آپ نے تو اپنی محفل میں مجھے رہنے دیا
عیش میں تصویر تک رکھتے نہیں ناشاد کی

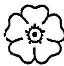
موت کے آنے سے پہلے دردِ دل جاتا رہا
اور کچھ دن مشق ہونی تھی مجھے فریاد کی

کیا کہوں کب سے ہوا آغاز حسن و عشق کا
ابتدا کیسی ہوئی اس عالم ایجاد کی

میرے معروضے پہ جو خاموش رہ کر ہنس پڑے
چال کوئی تم نے سوچی بات کوئی یاد کی

کیا قیامت ہو جو دونوں مل کے چمکیں ایک ساتھ
بجلیاں تیرے تبسم کی، مری فریاد کی

اے صفیؔ للہ اب ایسوں کی ہم بزمی تو چھوڑ
ریس کرتے ہیں مری گاتے ہیں جو استاد کی



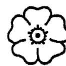
تشہیر تمہاری ہوئی تشہیر کسی کی
اب سے تو چھپایا کرو تقصیر کسی کی

کیوں آپ کا منہ چوم نہ لوں حضرت ناصح
واللہ اِسی ڈھب کی ہے تقدیر کسی کی

آواز دکھے دل کی پہنچتی ہے بڑی دور
للہ نہ کیجے کبھی تقصیر کسی کی

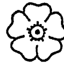
عشاق کو ایسے بھی نظر آتے ہیں کچھ خواب — سچی کبھی ہوتی نہیں تعبیر کسی کی
اچھا نہیں ہوتا کبھی بیمارِ محبت — سیدھی نہیں پڑتی کبھی تدبیر کسی کی
ہر وقت نئی شان ہے ہر لحظہ نئی آن — توہین ہے رکھوں جو میں تصویر کسی کی
کیوں چھوٹے درِ پیرِ مغاں دیکھ رہا ہوں — دنیا میں گزرتی نہیں بے پیر کسی کی
میں نامۂ اعمال کو اس شوق سے دیکھوں — محشر میں غل اُٹھے کہ ہے تصویر کسی کی
تقدیر بنا دیتی ہے تدبیر کو تدبیر — تدبیر بناتی نہیں تقدیر کسی کی
سب جانتے ہیں واقعۂ حضرت موسیٰؑ — بنتی ہے تو یوں بنتی ہے تقدیر کسی کی
ہر آن نئی شان میں دیکھے جو کسی کو — رکھے وہ بھلا کونسی تصویر کسی کی
ہم دم کا اب اندازِ نصیحت ہے مزے دار — سن لی مرے صدقے میں جو تقریر کسی کی
قیدی کے رُکے پانو تو کیا، دھن نہیں رکتی — دیوانگی کم کرتی ہے زنجیر کسی کی ؟
آتا ہے کبھی خط بھی تو لاتا ہے یہ آفت — بات اُن کی ہوا کرتی ہے تحریر کسی کی
کچھ یاس کچھ امید ضرورت سے زیادہ — مرنے نہیں دیتی مجھے تاخیر کسی کی
ڈھانکا بھی تو منہ ڈھک نہ سکا ہائے وہ صورت — رخسار پہ وہ زلفِ گرہ گیر کسی کی
جان آ گئی ہونٹوں پہ مگر وہ نہیں آتے — یہ حال مرا ہائے یہ تاخیر کسی کی
وہ ترکِ محبت پہ گماں اور ہی کرتے — مل جاتی مرے پاس جو تصویر کسی کی
سرکار غریبوں میں بھی ہوتے ہیں بڑے لوگ — ایسی نہ کیا کیجیے تحقیر کسی کی

ہر ایک کو حاصل ہے صفیؔ حقِ تصرف
دنیائے تخیّل نہیں جاگیر کسی کی

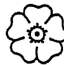


سنتا ہوں زبانی نامہ بر کی — جھوٹی سچی اِدھر اُدھر کی
راحت بھی رنج بھی ہے اُن سے — تاثیر ضرور ہے نظر کی

بے دل کر کے مجھے اُٹھایا — باتیں چھیڑیں اِدھر اُدھر کی
اللہ ری شان بے نیازی — چھُٹی دے دی ہے عمر بھر کی
باتیں نہ بنا ترے تصدق — آنکھوں میں ہے نیند رات بھر کی
بخشا بخشی صفؔی پھر اُن سے
اللہ ری زبان ہاتھ بھر کی



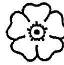
قطع ہو جائے رہے یا رسم یوں ہی پیار کی — ہے مجھے منظور جو مرضی مرے سرکار کی
بات تو کرنے نہیں دیتا بھلا شکوی کہاں — کیسی چلتی ہے زباں قینچی سی اُس طرار کی
وصل تو تیرا نہ تھا شائد نصیبوں میں مرے — ہو گئیں محتاج آنکھیں بھی ترے دیدار کی
تم نے گھر سے پانو بھی باہر نہیں رکھا بجا — اور جو دے دی کبھی میں نے گواہی چار کی
میں تو اپنے کو بنانے کو بنا لوں پارسا — چھُپنے والی ہیں چھپانے سے نگاہیں پیار کی
ایک دو ہوں تو بتاؤں نام اُن کا آپ کو — سینکڑوں میں آپ نے غیبت مری سو بار کی
میں نے کس دن اپنے سینے سے لگایا ہے تجھے — آرزو پوری ہوئی کس دن ترے دیدار کی
آپ سے قطع تعلق بھی ہوا دل بھی گیا — کرنے والا کون ہے اب ہم سے باتیں پیار کی
جل گئے کچھ بہہ گئے چوری گئے کچھ اے صفؔی
ہائے مجھ کو یاد آتی ہے مرے اشعار کی



تا کجا طولِ امل حد بھی کوئی لمبان کی — میری ہر امید گویا آنت ہے شیطان کی
زندگی میں کوئی اطمینان پا سکتا نہیں — آخری ہی سانس ہوگی شائد اطمینان کی
آئینے کے حق میں آئینہ بنا وہ خود پرست — ہو گیا حیران صورت دیکھ کر حیران کی

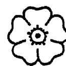
بس ستم گر بس مجھے احساس پیدا ہوگیا　　چیخ اُٹھوں گا نہیں برداشت اب احسان کی
ٹھیر جاتے ہیں گھڑی بھر انتظارِ دوست میں　　ورنہ گھر میں ہے ہماری حیثیت مہمان کی
میری آنکھیں کیا دکھائیں گی تمھیں احوالِ دل　　کام کیا دیں گی یہ کچی فہرسیں سامان کی
کون سنتا ہے فسانہ دیدۂ خوں بار کا　　دیکھتے ہیں لوگ رنگینی فقط عنوان کی
تم پشیماں ہو تو دل کے ٹوٹنے کا رنج کیا　　میں تصدق بس تلافی ہو چکی نقصان کی
ہم پئیں اپنا لہو تو دیکھنے والا ہے کون　　پیک اترتا تھی ذرا ان کے گلے سے پان کی

جان جب نکلے تو اُن کا نام لب پر ہو صفیؔ
جسم میں جن کے لطافت تھی ہماری جان کی



کہائے اشرف المخلوق یہ تصویر مٹی کی　　بڑی تقدیر کی مٹی بڑی تقدیر مٹی کی
مجھے مرنے پہ، گل در گل کیا اس واسطے سب نے　　یہی تھا بھید مٹی میں رہے تصویر مٹی کی
کراماً کاتبیں بس کیا بنے کندھوں پہ چڑھ بیٹھے　　فرشتوں کا کھلونا بن گئی تصویر مٹی کی
ذرا اتنا سمجھ لینا کہ سب دیوانہ کہتے ہیں　　مجھے فولاد کی زنجیر ہے زنجیر مٹی کی
لڑکپن ہی سے اُس میں ظلم کے آثار پیدا تھے　　ہمیشہ ہاتھ میں رکھا کیا شمشیر مٹی کی
یہ سب کچھ اس کی قدرت ہے یہ سب اس کے کرشمے ہیں　　نہیں تو کس نے دیکھی بولتی تصویر مٹی کی
اکیلے تو نہیں رہ سکتے کچھ تو غم غلط ہوگا　　لحد میں ساتھ رکھ لیں گے کوئی تصویر مٹی کی
نصیحت ہو چکی بس اب نہ تیری راہ دیکھیں گے　　تری ہم شکل گھڑ لیں گے کوئی تصویر مٹی کی

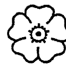
لڑکپن میں صفیؔ نے مٹھیوں کی خاک کھائی ہے
بھلا مٹی سے جائے گی کہاں تاثیر مٹی کی



وہی دن میں ساری منہ دیکھے کی الفت دیکھ لی　　دیکھ لی او خود غرض تیری طبیعت دیکھ لی
لگ گئیں آنکھیں تری کیوں اس کی رحمت دیکھ لی　　دیکھ لی! اے شیخ مے خواروں نے جنت دیکھ لی

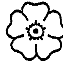
پیٹھ پیچھے اُس کے اس کو کیا نہیں کہتے ہیں ہم — پھر زباں اُٹھتی نہیں جب اس کی صورت دیکھ لی
بے وفا آنکھیں بدل دیں تو نے توتے کی طرح — دل کی کیا پروا ہے لیکن تیری نیت دیکھ لی
پیار کرنا چاہنا جرم اور میں مجرم سہی — یہ تو کہئے آپ نے بھی اپنی صورت دیکھ لی
وقت نظارہ ٹھکانے ہوش کس کس کے رہے — تم نے اپنے دیکھنے والوں کی حالت دیکھ لی

پھر صفی صاحب وہیں پر پاؤں پھیلانے لگے
جس جگہ اک آدھ کوئی اچھی صورت دیکھ لی



رشک احباب کو ہے دیکھ کے حالت میری — کاش سن لے کوئی مجھ سے بھی حقیقت میری
کیا کہوں اُن سے جو پوچھیں کبھی حالت میری — کیا مرے دوست بھگت لیں گے مصیبت میری
اس لئے روز پریشان پھرا کرتا ہوں — ایک دن یاد کریں گے وہ محبت میری
میں تو بدنام ہوں بدنام کیا کرتا ہوں — آپ ہنس پڑتے ہیں کیوں دیکھ کے صورت میری
توبہ توبہ ہے بس ان جان نہ بن آنکھ ملا — آئینہ ہوگئی اپنے پہ حقیقت میری
مجھ سے اتنا ملو ایسا ملو اس طرح ملو — اپنے منہ سے میں کہوں بھر گئی نیت میری
وہ اگر وہ ہیں تو پھر ہائے یہ اُن کا برتاؤ — میں اگر میں ہوں تو پھر واہ یہ حالت میری
کوئی اللہ کا بندہ ہے تو اتنا کر دے — جو بدل جائے کسی ڈھب سے طبیعت میری
کچھ سمجھ میں نہیں آتا ہے بہت کچھ سوچا — آپ کا راز تو شائد نہیں حسرت میری
واہ وا اس غمِ فرقت سے تو کچھ بھی نہ ہوا — اس نے پہچان لیا دیکھ کے صورت میری
مہر پر مہر تو احسان پہ احسان کیجے — کیا کریں گے وہ اگر حرص ہے فطرت میری
دوست دشمن تو نہیں ہیں جو دکھا دیں ان کو — نام سننے سے بگڑ جاتی ہے حالت میری

میرے منہ پر مری تعریف جو کرتے تھے صفی
اُن کے آگے وہی کرتے ہیں شکایت میری



قیامت میں بھی ہو دیدار یہ قسمت کہاں میری
بھٹکتے ہیں کہاں وہ چھانو بھی دیکھی جہاں میری

ملے گا باغ میں کیا باغ جم گھٹ بے شعوروں کا
نہ گل ہم رنگ ہے تیرا نہ بلبل ہم زباں میری

کسی کی عاجزی پھر کیوں کروں جب دل پہ قابو ہو
کسی کی کیوں سنوں سن لیں اگر اللہ میاں میری

کہاں کے لالہ و گل تنکے تنکے کو ترستا ہوں
مجھے دیکھو کہ آئی ہے بہاروں پر خزاں میری

کروں کس منہ پہ دنیا سے تمنا قدر دانی کی
مروں تم پر تو دنیا ہو بھلا کیوں قدر داں میری

بہار آئی ہمیشہ لیکن اتنے پھول کب لائی
قدم ہیں باغباں کے اور شاخِ آشیاں میری

جفا کا درد، پامالی وفا کی آپ کیا سمجھیں
اسے سمجھوں گا میں محنت گئی ہے رائیگاں میری

میں اپنے آپ کو مہمانِ دنیا کس طرح سمجھوں
اگر ہوں میہماں تو کیوں نہیں یہ میزباں میری

مرے مرنے پہ دیکھو ہم صفیر و جال پھیلیں گے
نہ آنا تم اگر برسی بھی کر لے باغ باں میری

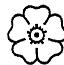
کبھی ناصح کو آجاتی ہے تھوڑی مسکراہٹ بھی
بڑے حضرت بتاتے ہیں طبیعت ہے جواں میری

ہوا ہی باغ کی بگڑی بگڑتا وقت جب آیا
خبر دینے لگا ہل ہل کے میرا آشیاں میری

شرف بخشا ہے جب سے اُس نے اپنی ہم کلامی کا
گھڑی بھر میرے کہنے میں نہیں رہتی زباں میری

بنے ہیں میرے ہم پیشہ جو میری جان کے دشمن
سنی ہے شائد ان پھولوں نے اس سے داستاں میری

سخن کیا گرم ہو بزمِ سخن کیا گرم ہو اس سے
صفیؔ کب گرم کرتی ہے مجھی کو اب فغاں میری



وہاں جب تک بھی تھا خود اختیاری تھی کہاں مری
رہا میں جس طرح بتیس دانتوں میں زباں میری

جگر میرا نہ دل میرا نہ تن میرا نہ جاں میری
سمجھنے کی ہے سننے کی نہیں ہے داستاں میری

کسی دن خم لگا دے منہ سے اپنا دل بڑا کر لے
جو تجھ کو دیکھنی ہے سانس اے پیر مغاں میری

مری ہر آرزو کو جان کر انجان بنتے ہیں
خدا اُن سے سمجھ لے جو سمجھتے ہیں زباں میری

کریں انکار یا جھنجلائیں میں اکسائے جاتا ہوں
مزہ دیتی ہے اُن کی ہر نہیں کے ساتھ ہاں میری

کیا مہمان اس نے اور جھوٹوں بھی نہیں پوچھا
بلایا تھا کہ بس صورت تکے ہر میہماں میری

شریکِ بزم آخر اک مجھی کو کیوں نہیں کرتا
تری اک بات بھی کاٹوں تو کٹوا دے زباں میری

نہیں امید دیکھیں بھی سنیں بھی اور سمجھیں بھی
کہ دو بے جوڑ چیزیں ہیں ہنسی اُن کی فغاں میری

غرض کیا دوستوں کو درد تو میرے جگر میں ہے
یہ مطلب دوست گاتے ہیں وہاں اُن کی یہاں میری

اسے میں نے بنایا ہے بسایا ہے بچایا ہے
یہی اک آشیاں ہے یادگارِ باغ یاں میری

الٰہی پائے مالی ٹھہرے بدلہ پائمالی کا
زمیں بن جائے دم بھر بھی اگر یہ آسماں میری

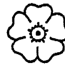
مجھے اٹھوا دیا آخر وہ اتنا بھی نہیں سمجھے
کہ یہ سر پر اُٹھا لے جائے گا کیا آستاں[1] میری

غضب کرتا ہے چھو لینا بھی اُن کو گاہے گاہے کا
حواسِ خمسہ بن جاتی ہیں پانچوں انگلیاں میری

صفی دھڑکے کی بیماری سے ہوں مجبور ہوں پھر بھی
رہیں گی یاد چیتا پور کی تک بندیاں میری

---

[1] دہلیز، چوکھٹ



دشمنی اُن کی دوستی میری
ہائے میں ہائے بے کسی میری

ملنے والے جو ہو گئے منہ پھٹ
غلطی کس کی آپ کی میری

کھل کے ملنے لگے جو ہر اک سے
کھل گئی بات آپ کی میری

اس کا غم ہے کہ اپنا غم جو کہا
تڑ سے فرما دیا خوشی میری

دل کے دشمن کو دوست کہتا ہوں
آس میری یہ آستی میری

اُن کی خاطر کبھی ہنسا بھی تو کیا
بزم میں اُڑ گئی ہنسی میری

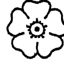
اس کی دنیا نہ پوچھ اے ہم دم
جس نے دنیا اُجاڑ دی میری

پھل ملا جدتیں سکھانے کا
ہے شکایت نئی نئی میری

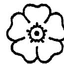
سن لیا تم سے مدعا میرا
آج دنیا ہے مدعی میری

کیا رکھے کان میرے رونے پر
زہر جس کو لگے ہنسی میری

چھائی بدلی تو پھر کہاں توبہ زندگی ہی بدل گئی میری
مجھ کو تُک بند بھی گنو تو صفیؔ
بات کیوں ہوگی بے تکی میری



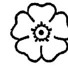
آہ سن لی ہے جو ذری میری چھوڑ دی اُس نے دوستی میری
کاش وہ میری زندگی بن جائے جس کے بس میں ہے زندگی میری
اُن سے کیا آس دوست تو وہ ہیں کبھی اُن کی نہیں کبھی میری
دشمنوں میں حقیر کر کے مجھے آزماتے نہ دوستی میری
بت بھی سچ مچ خدائی کرتے ہیں بندگی کو ہے بندگی میری
نہ جڑے گا کبھی جو دل ٹوٹا سن بھی لیجیے کبھی کبھی میری
آپ کو چاہ کر کیا مغرور ہے خطا اس میں واقعی میری
پاس بیٹھوں تو پوچھ اٹھتے ہیں کیا کروگے برابری میری
میری صورت سے ہے کوئی بےزار اور پھر یاد ہر گھڑی میری
میری دیوانگی کا صدقہ ہے نبھی اب تک جو آپ کی میری
اُس نے بندہ سمجھ لیا صفیؔ
آگئی کام بندگی میری



دوستی عاشقی نہیں ہوتی عاشقی دل لگی نہیں ہوتی
جو نہونی تھی ہو چکی ہم سے اور جو ہو چکی نہیں ہوتی
حسن خود بین اگر نہیں ہوتا عشق میں خود سری نہیں ہوتی
بے غرض آشنا نہیں ملتا بے سبب دوستی نہیں ہوتی
جلوہ مدِنظر نہیں ہوتا تو قیامت کبھی نہیں ہوتی
اور کیا کام آپ سے ہوگا کھل کے جب بات بھی نہیں ہوتی

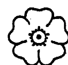
دن میں سو بار روٹھنے والے اس طرح دل لگی نہیں ہوتی
ہم کسی وقت خوش نہیں رہتے پھر بھی تیری خوشی نہیں ہوتی
دیکھئے اپنے دیکھنے کا مآل آنکھ اب بند ہی نہیں ہوتی
نہیں ہوتا جو اختلافِ مزاج تو مری آپ کی نہیں ہوتی
ایسے بے حس بھی ہیں زمانے میں درد کیا گدگدی نہیں ہوتی

مردہ دل ہوگئے صفؔی صاحب
اُن سے اب شاعری نہیں ہوتی

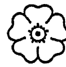


تم سے جو بے رخی نہیں ہوتی عیش میں کرکری نہیں ہوتی
ہم دوبارہ نہ مانگتے ساقی تیری جھوٹی جو پی نہیں ہوتی
دیکھئے ہم بھی آنکھ رکھتے ہیں ہر نظر پیار کی نہیں ہوتی
وہ مصیبت بھی سب کی سنتے ہیں تو ہماری سہی نہیں ہوتی
جب حسیں بدگمان ہوتے ہیں بات ہونے کی بھی نہیں ہوتی
حکم وہ دو کہ دل قبول کرے خیر سے بندگی نہیں ہوتی
دل میں وہ جلوہ گر نہیں ہوتے آنکھ میں روشنی نہیں ہوتی
چاہنے والے جان دیتے ہیں مفت میں عاشقی نہیں ہوتی
میں اگر غم زدہ نہیں ہوتا تو کسی کو خوشی نہیں ہوتی
نعمتِ دید سے ہوں پھر بے خود مجھ کو یہ شئے کبھی نہیں ہوتی
غیر سے کر نہ غیر کا شکوہ سب کی خو ایک ہی نہیں ہوتی

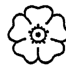
فی نہوتی اگر صفؔی میں کوئی
نام میں اس کے فی نہیں ہوتی



دل کے معاملے میں تو یہ ایک ہی ہوئی
جو چیز ہاتھ پڑ گئی وہ آپ کی ہوئی
ساقی کا شکر شکوۂ تقدیر کیا کریں
اک آگ ہے کلیجے کے اندر لگی ہوئی
طعنے سنے رقیب کے کیوں اب تو مان لو
آخر کو پیش آئی ہماری کہی ہوئی
آپ اپنی یاد دل سے ہمارے نکال لیں
کل کو خدانخواستہ نیکی بدی ہوئی
تم اپنے دوستوں کی سکھاوٹ میں آگئے
دیکھو ذرا صفؔی کی نئی زندگی ہوئی



چپ نہیں ہوں گے بلا سے کل جو رسوائی ہوئی
آج ہے اُن کی طبیعت جوش پر آئی ہوئی
کیا بجھے گی ہائے دل کی آگ تو وہ آگ ہے
میری قسمت کی لگائی اُن کی بھڑکائی ہوئی
رحم دل ہیں آپ تو اچھا ذرا فرمایئے
کتنے بے چاروں کی اب تک چارہ فرمائی ہوئی
تیر اُس خالی کماں نے مار کر تڑپا دیا
ہم نے خمیازہ اٹھایا ان کی انگڑائی ہوئی
میں تو کہہ سکتا ہوں صورت پر مجھے پیار آگیا
آپ کہیے کیا مری وجہ شناسائی ہوئی
بات میں ہم ہی پہل کرلیں تو اچھی بات ہے
لڑکر اس ناداں کی صورت کچھ ہے پچھتائی ہوئی
اُن کے فرمانے پہ لکھی ہے جو میں نے اے صفؔی
یہ غزل بے شک ہے ہر صورت سے فرمائی ہوئی

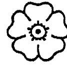


دشمن کے دوست بننے میں کیا بہتری ہوئی
تھی کب کی دشمنی ترے دل میں بھری ہوئی
اغیار نے جو آپ کو رو کر ہنسا دیا
یہ عاشقی نہیں ہوئی اک مسخری ہوئی
دیتے تھے پہلے ظرف قدح خوار دیکھ کر
اب کیا ہے اب تو آپ کی ساقی گری ہوئی
ہے عکسِ روئے یار کہ انگار آئینہ
یا دشمنوں کی کشتِ تمنا ہری ہوئی

وہ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ سرکارِ عشق میں
یوسف بَری ہوئے کہ زلیخا بَری ہوئی

دامن جھلا تھا ہوش میں لایا تھا آپ نے
اب تک ہے وہ ہوا مرے سر میں بھری ہوئی

خاطر نہو شگفتہ تو کیا باغ باغ ہوں
دل ہے تو اک کلی ہی مگر ہے مری ہوئی



اب صفیؔ کی جان ہی لیں گے یہ ارمانِ صفیؔ
دیکھ او جانِ صفیؔ او دشمنِ جانِ صفیؔ

لوٹ کے جانے کا باعث اور تو کوئی نہ تھا
رہ گیا تھا کچھ نہ کچھ جنت میں سامانِ صفیؔ

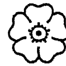
بات جس کی ساتھ اُس کے نقل آخر نقل ہے
دوستی کرتے ہیں دشمن بھی بہ عنوانِ صفیؔ

بے وفا کیسا ہے وہ ہم بھی تو آخر کچھ سنیں
آپ سے کیا کیا بندھے تھے عہد و پیمانِ صفیؔ

جا چکا بس جا چکا اب ایسے وحشی کا جنوں
ہو چکی بس ہو چکی اب فکرِ دامانِ صفیؔ

سرگراں اُس کو بنایا ہے تمھارے پیار نے
ہوگئی اب اور سے کچھ اور ہی شانِ صفیؔ

اے صفیؔ یہ مسئلہ اب شہر میں مشہور ہے
دیکھنے کی چیز ہے واللہ دیوانِ صفیؔ



جگر پر کبھی چوٹ آئی نہ ہوگی
صفیؔ ایسی ٹھوکر تو کھائی نہ ہوگی

مراد اپنی جب ہم نے پائی نہ ہوگی
تو کیا کیا بدی دل میں آئی نہ ہوگی

تری دشمنی رنگ لائی نہ ہوگی
طبیعت تو ہم نے بنائی نہ ہوگی

اگر یہ حسیں ظلم پیشہ نہ ہوں گے
تو کیا اے خدا پھر خدائی نہ ہوگی

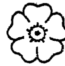
مجھے اپنا عاشق وہ کس طرح گنتے
خدا نے وہ صورت بنائی نہ ہوگی

بھلا پھر وہ تعریف ہی کیا کرے گا
جو عاشق سے تیری برائی نہ ہوگی

مجھے ہے نصیحت جو دن رات ناصح
نصیحت کہیں تو نے پائی نہ ہوگی

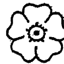
وہاں مرگِ عاشق پہ رونا کہاں کا — کہ رونے کی صورت بنائی نہ ہوگی
اگر تو کسی روز آیا نہ ہوگا — تو کیا یاد بھی تیری آئی نہ ہوگی
تمھارے تغافل نے عاشق کو مارا — اچانک اسے موت آئی نہ ہوگی
یہ سچ ہے مرا دل تو آیا نہ ہوگا — ہنسی بھی کبھی تم کو آئی نہ ہوگی
نہ آتے ترے روبرو جو سمجھتے — کہ ہم سے سوا قدرِ آئینہ ہوگی
نہ آئے تو یہ بھی سمجھ میں نہ آیا — اسے رات بھر نیند آئی نہ ہوگی
برابر کے دعوے تو اُن سے کریں گے — مگر ہم سے اک بے وفائی نہ ہوگی
مجھے ڈھونڈتے کیوں وہ کوچہ بہ کوچہ — کوئی اپنی شئے تو گنوائی نہ ہوگی

یہ مانا کہ دنیا میں سب کام ہوں گے
صفی کی کسی سے صفائی نہ ہوگی



دنیا میں اپنی آہ کی اک دھوم ہوگئی — پھر ہائے ہائے اُن کو بھی معلوم ہوگئی
رکھ لو بھی خود پسندیٔ دیرینہ کا لحاظ — یہ اب تمھارے نام سے موسوم ہوگئی

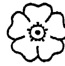
کس منہ سے اس کے ظلم کا شکوہ کیا صفی
سب کو حقیقت آپ کی معلوم ہوگئی



نظر دوست کی بے اثر ہوگئی — اسے دشمنوں کی نظر ہوگئی
محبت بھلا مجھ کو اور آپ سے — نہ ہوتی تھی بے شک مگر ہوگئی
ستم آسماں نے بھی ڈھائے بہت — تمھاری جفا سب سے وَر ہوگئی
وہ بگڑے تھے دشمن سے مجھ سے لڑے — کدھر ہونے والی کدھر ہوگئی

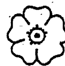
محبت پھر ایسے ستم گر کے ساتھ صفؔی کا مقدر اگر ہوگئی

نہ آئے ہمیں آج تک داوٗ پیچ
صفؔی اپنی یوں ہی بسر ہوگئی

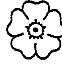


عشق نے جب پر نکالے حسن سے پروا گئی شمع کی آنکھوں میں پروانے کی چربی چھا گئی
عاشقی سے دل کی دنیا پر تباہی آ گئی دل ہی دنیا تھی ہماری دل گیا دنیا گئی
سر سے نکلا وہم دل سے کاوشِ بے جا گئی آپ نے جو بات سمجھا دی سمجھ میں آ گئی
کان میرے بھر دیئے جب یاد اس کی آ گئی اپنے مطلب کے موافق سب مجھے سمجھا گئی
ہوگئے انجان وہ تو کونسی دنیا گئی جب نہ تھی عزت ہی میری پھر گئی تو کیا گئی
جب ملا بدعہد مجھ سے بدحواسی چھا گئی آنکھ ہے اک بار جب شرما گئی شرما گئی
آمد و رفتِ نفس ہی پر ہے دنیا کا مدار دم کا سارا کھیل سمجھو! دم گیا دنیا گئی
میرے آنے سے تو محفل میں نہ پھوٹی کوئی بات آپ ہی کھوئے گئے جس سے یہ دنیا پا گئی
آپ بے دل ہوں تو پھر عاشق کے دل میں دل کہاں آپ اگر خوش ہوں تو اس کی جان میں جان آ گئی
مل بھی جا اے منزلِ مقصود کچھ تو رحم کر اب تو ہمت ڈھونڈھنے والوں کی ٹھسّی کھا گئی
حضرتِ منصور کو جب دار پر کھینچا گیا دیکھنا ہے دیکھنے کو کونسی دنیا گئی

اک صفؔی کی آہ نے ہنگامہ برپا کر دیا
دل جلے کی چیخ ، تیری بزم تو گرما گئی



"ے"



عشق ان سب سے الگ، سب سے جدا ہوتا ہے
چیخنے، رونے، تڑپ لینے سے کیا ہوتا ہے

یاد آتا ہے گلے مل کے ترا پچتانا!
ہر نئی عید میں، یہ رنج نیا ہوتا ہے

جو بھلا کرتا ہے اللہ کے بندوں کے لئے
غیب سے اس کا بھی ہر کام بھلا ہوتا ہے

گفت و گو میں یہ نزاکت ہے کہ اللہ اللہ
ایک اک حرف بھی مشکل سے ادا ہوتا ہے

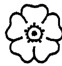
قہر ہوتا ہے حسینوں میں جو ہوتا ہے متیں
شوخ ہوتا ہے جو اِن میں، وہ بلا ہوتا ہے

جینے دیتی ہے کسے پیار کی صورت کافر!
دوست تو دوست ہے، دشمن بھی فدا ہوتا ہے

تذکرے حُسن کے سُن، حُسن کا دل دادہ نہ بن
بعض باتوں کے تو سننے میں مزا ہوتا ہے

مہ جبیں، عید میں انگشت نما کیوں نہ رہیں
عید کا چاند ہی انگشت نما ہوتا ہے

پھبتیاں غیر پہ کسنے کو ہے موجود صفؔی
اور اس سے کبھی ہنسیئے تو خفا ہوتا ہے



مانگنا جس کسی کو آیا ہے
اُس کا دروازہ کھٹکھٹایا ہے

دے چکے دل، تو پھر پرایا ہے
یہ دیا، کس کے ساتھ آیا ہے

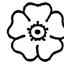
عشق کی آگ ہے وہ ظالم آگ
جس نے زندہ ہمیں جلایا ہے

آزمانا تمہیں نہیں آتا
ہم نے سو بار آزمایا ہے

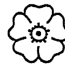
اس نے کھایا فریب لاکھوں کا
ہم نے جس کا فریب کھایا ہے

صلح کے بعد قدرِ دوست نہ پوچھ
ہم نے یہ حال کھو کے پایا ہے

دیکھ کر مجھ کو آب دیدہ کہا   خیر ہے، کون یاد آیا ہے
بندھ گئیں سیکڑوں ہی امیدیں   تو جو اک بار مسکرایا ہے
دوست کا خط مجھے نہیں آیا   دوست کے پاس دوست آیا ہے
اس نے شرما کے منہ جو پھیر لیا   ہم یہ سمجھے اُدھر بلایا ہے
اے صفی! وقت سے نہ گھبراؤ
وقت پیغمبروں پہ آیا ہے



مرے آگے ہر چیز، ناچیز ہے   یہ ناچیز بندہ بھی، کیا چیز ہے
تری سرفرازی سے ہوں سرنگوں   یہ ناچیز، ہر طرح ناچیز ہے
جدائی بھی ہے اک سمجھنے کی چیز   نہ سمجھو، تو اب یہ جدا چیز ہے
انہیں جان کہہ کے میں شرما گیا   کہ یہ چیز اک بے وفا چیز ہے
اسی حسن نے لی ہزاروں کی جاں   دکھاوے میں کیا خوش نما چیز ہے
عداوت میں بھی دل سے جاتی نہیں   محبت بڑی دیرپا چیز ہے
اجی حضرتِ دل! وہ ظالم سہی   مگر دیکھئے تو ذرا، ''چیز'' ہے
غمِ عشق سے ہے مری آبرو
صفی اس کا کھایا پیا چیز ہے



چارہ سازو! تمہیں ہوا کیا ہے   درد کیا؟ درد کی دوا کیا ہے؟
بدظنی کا تو کچھ علاج نہیں   یہ تو سنئے کہ التجا کیا ہے
آپ سے جان کچھ عزیز نہیں   میرے آگے یہ بے وفا کیا ہے

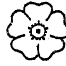
اپنی صورت کو دیکھ دیوانے　　میری صورت کو گھورتا کیا ہے
دوست کی جست وجو میں چلتا ہوں　　اب مرے سامنے ہَوا کیا ہے
اب بھی بگڑیں، تو اختیار ان کا　　میری چپ میں بھلا صدا کیا ہے
سامنے ان کے رو رہا ہوں میں　　کون سمجھے گا، ماجرا کیا ہے
کی دعا سب نے میرے جینے کی　　یہ نہ پوچھا کہ مدعا کیا ہے
مجھ سے دل لے کے روٹھنے والے　　کہہ ترے دل میں اور کیا کیا ہے
کوئی دنیا میں میرا دل چھینے　　آپ ہیں ورنہ دوسرا کیا ہے
ہے صفؔی اپنے رنگ میں یکتا　　تم نے اس کو ابھی سنا کیا ہے

عاشقی تو گلے پڑی ہے صفؔی
اب خدا جانے اس میں کیا کیا ہے



اس نے جو پھر مجھے ستایا ہے　　آزمائے کو آزمایا ہے
آئینہ دیکھ کر نہ دیکھ مجھے　　سب کو اللہ نے بنایا ہے
نگہ ناز سے کوئی نہ بچا　　سب نے یہ تیر دل پہ کھایا ہے
حُسن بے رحم، عشق بے پروا　　ہم نے دونوں کو آزمایا ہے
اس کو تقدیر کا دھنی کہیے　　جس نے سب کھو کے اس کو پایا ہے
اب وہ کس کا فریب کھائے گا　　جس نے تیرا فریب کھایا ہے
سر بھی رکھ دوں جو ان کے قدموں پر　　تو وہ سمجھیں، یہ سر اٹھایا ہے
شام آئی ہے اُن کے وعدے کی　　اُن کے آنے کا وقت آیا ہے

جب سنایا ہے اے صفؔی تو نے
اپنا دکھ درد ہی سنایا ہے



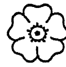
جفاؤں میں بھی اندازِ وفا معلوم ہوتا ہے | طبیعت میں ہے جب تک زور، کیا معلوم ہوتا ہے
سماں آنکھوں میں پھر جاتا ہے میدانِ قیامت کا | جہاں پر آشنا، ناآشنا معلوم ہوتا ہے
جہاں پھنس جاتی ہے ہر طرح کے طوفان میں کشتی | وہاں فرقِ خداوناخدا معلوم ہوتا ہے
کسی نے بعدِ مدت ہم کو بس اتنا ہی پہچانا | کہ یہ دیوانہ ہم کو دوسرا معلوم ہوتا ہے
مصیبت نام ہے اہلِ وفا کی آزمائش کا | اسی میں آدمی کا حوصلہ معلوم ہوتا ہے
سمجھ والوں کو دولت ہے، کسوٹی اہلِ دولت کی | بہت جلد اس میں ہر کھوٹا کھرا معلوم ہوتا ہے
کتابی علم اک عینک ہے، وہ بھی چشمِ ظاہر کی | کسی کا حالِ باطن اس سے کیا معلوم ہوتا ہے
برا کہتے ہیں وہ، اور اس بری صورت سے کہتے ہیں | کہ ہر اک سننے والے کو بُرا معلوم ہوتا ہے
ذرا سی دیر، تم جس سے خفا معلوم ہوتے ہو | مجھے وہ اپنے جینے سے خفا معلوم ہوتا ہے
غرض اس طرح کا اندھا بنا دیتی ہے انساں کو | کہ ہر ناآشنا بھی آشنا معلوم ہوتا ہے

صفی کا رنگ دیکھو، اور پہناوے کو بھی دیکھو
کہ ایسا رند، کیسا پارسا معلوم ہوتا ہے

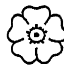


ایک سے ایک خوب صورت ہے | اس کی محفل نہیں ہے جنت ہے
کس کو آرام، کس کو راحت ہے | زندگی قیدِ بامشقت ہے
اس پہ صدقے خدا کی خلقت ہے | آدمی کیا ہے، اس کی قدرت ہے
وہ کہیں، کیا ہے تیرے دل میں بتا؟ | میں کہوں، آپ کی محبت ہے
طرزِ غالبؔ کی ریس اُردو میں | شاعری تو نہیں حماقت ہے
دوسروں سے مری شکایت کیوں | ان سے مجھ کو بڑی شکایت ہے

دل کو قربان کردیا اُن پر — اب مجھے عمر بھر کی فرصت ہے
کوئی مہجور، ناامید نہ ہو — ہر مصیبت کے بعد راحت ہے
کہتے ہیں میرے ترکِ ارماں پر — واہ وا، یہ بھی اک طبیعت ہے
اپنے معشوق کے لئے بھی صفؔی
ایک معشوق کی ضرورت ہے



تصور، واقعی راحت نہیں ہے — مگر اب دوسری صورت نہیں ہے
طبیعت جس پہ آجائے وہ مل جائے! — سوادِ عشق کچھ جنت نہیں ہے
غلط خود داریوں سے کام بگڑا — وہ سمجھے، اس کو کچھ حسرت نہیں ہے
کسی کا دل کسی کے بس میں کردے — کسی بندے کی یہ قدرت نہیں ہے
ترے آگے ہے جو کچھ حال میرا — یہ ہے کچھ اور ہی، وحشت نہیں ہے
وہاں ارشاد ہے فرصت سے ملئے — یہاں مرنے کی بھی فرصت نہیں ہے
وہ آئیں جس کو چاہیں ساتھ لائیں — کہ ان میں، مجھ میں غیریت نہیں ہے
ندامت ہے مجھے، میں ہوں خطاوار — کیا سب کچھ، مگر عادت نہیں ہے
صفؔی، ہے خوش قیافہ، اجتہادی
یہ مولانا نہیں، حضرت نہیں ہے



آدمی جلوؤں میں گم دن رات ہے — دیکھنے کو سامنے کی بات ہے!
بدحواسی عشق میں دن رات ہے — زندگانی ہو بہ ہو سکرات ہے!
تیری ہر اک بات میں اک گھات ہے — واہ، کیا کہنا ترا، کیا بات ہے

ہم نشیں، خاموش جی گھبرا گیا
یہ تری باتیں ہیں، یا برسات ہے

کچھ نہ کچھ الزم سائل کو دیا!
یہ بھی ان کے پاس کی خیرات ہے

آدمی اس ہاتھ دے اس ہاتھ لے
نیک و بد دنیا کا ہاتھوں ہات ہے

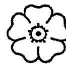
دوست نے وعدہ کیا ہے دوستو!
آج میرے جاگنے کی رات ہے

کیوں دلاسے دے رہے ہو بے طلب
بھیک ہے؟ انعام ہے؟ سوغات ہے؟

کیوں پڑھا تھا اُن کی صورت پر درود
اب تو میرے نام پر صلوات ہے

دل میں عاشق جانتے ہیں وہ تو کیا
منہ سے کہنا اور ہی کچھ بات ہے

حسن سے خالی صفؔی کی شاعری
عیب سے خالی خدا کی ذات ہے



مانا وہ بے وفا ہے، بڑا بدمزاج ہے
لیکن طبیعت آئے تو پھر کیا علاج ہے

اب کیا کمی ہے، کس کی مجھے احتیاج ہے
معشوق بھی ملا ہے تو عاشق مزاج ہے

بس بس سراہئے نہ رقیبوں کو اس قدر
اک آپ کی طبیعت، اک ان کا مزاج ہے

یہ زہر کھا کے کون سا کم بخت جی سکے
ظالم! غمِ فراق بھی کوئی اناج ہے

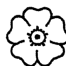
جو چاہتا ہے، اس کا بُرا چاہتے نہیں
اچھا تمہیں کہو، یہ کہاں کا رواج ہے

کم بخت، بیچ والوں کی کب تک خوشامدیں
جھوٹوں کو موت آئے کہ روز "آج آج" ہے

ہم آپ کیا کہیں، کہ نباہی ہے کس طرح
خود سوچ لے، اگر کوئی منصف مزاج ہے

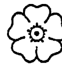
ہر دم جو تیری دھن ہی میں بیٹھا ہوا رہوں
آخر، کچھ اور بھی تو مجھے کام کاج ہے

اُن کو پسند آئے صفؔی کیا ہماری طرز
اِس دَور میں تو عشق فروشوں کا راج ہے



سب کو پیاری یہ جان ہے، سچ ہے — ''جان ہے تو جہان ہے'' سچ ہے
دوست دشمن یہی بناتی ہے — آدمی کی زبان ہے سچ ہے
آج میری طرف بھی دیکھ لیا — تو بڑا قدر دان ہے، سچ ہے
مدعا، لاکھ بار کہلوایا! — تو بہت بدگمان ہے، سچ ہے
کیا کہوں اپنے دل سے، دل کی بات — جو تمہارا گمان ہے، سچ ہے
نہیں رہتی کسی کی شان مدام — یہ خدا ہی کی شان ہے، سچ ہے
حضرتِ عشق ہیں، بڑے حضرت — ان کی جو داستان ہے سچ ہے
دوست کے دل میں دشمنی ڈالی — آسمان، آسمان ہے، سچ ہے
تم بھلا، کیوں کسی پہ ظلم کرو — ''فتنہ گر آسمان ہے'' سچ ہے

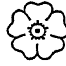
اے صفیؔ! شعر بھی نہیں جھوٹے
جو ہمارا بیان ہے، سچ ہے



دل ہی دل میں گھٹ کے رہ جاتی ہے، جو فریاد ہے — دیکھتے ہی مجھ کو چیخ اٹھتا ہے ظالم ''یاد ہے''
یاد سے اس مصحفِ رُخ کی، یہ بندہ شاد ہے — وہ نہیں ہے دوزخی، قرآن جس کو یاد ہے
ہر طرح پابند ہو کر، ہر طرح آزاد ہے — آدمی بھی طرفہ تر مجموعۂ اضداد ہے
آدمی کے واسطے ہے لذتِ اکلِ حلال — اوجھ بھر لینا تو ہر حیوان کو بھی یاد ہے
پوچھنا کیا، قہرمانِ عشق کی سرکار کا — درد و غم میں بھی رعایا شاد، ملک آباد ہے
ہوکا اک میدان ہے اب میری دنیائے خیال — میں ہی میں ہوں، کوئی آدم ہے، نہ آدم زاد ہے
جس کا دل اینٹھا، اسے جھوٹی تسلی تک نہ دی — آپ کو دینا نہیں ہے یاد، لینا یاد ہے
آنسوؤں کی شکل میں بہتا ہے انسانوں کا خوں — کیا بتاؤں دل میں ایسا کون سا جلاد ہے
ہ کسی کی بات کا دیتے ہیں کب کوئی جواب — بس بگڑ کر گھورنا، یا مسکرانا یاد ہے

پھر کہا تم نے ، تری فریاد سے کیا ہوا تھا ، یاد ہے
دشمنوں کا رنگ کیا سے ہوتا ہے کیا؟

آپ کو پہچان اگر اب تک نہیں استاد کی
جو صفؔی کو کچھ نہ سمجھے ، بس وہی استاد ہے



دشمنوں کے دل میں بھی ، اس بے وفا کی یاد ہے
دوستو! فریاد ہے ، فریاد ہے ، فریاد ہے

آنکھ میں ہیں تیرے جلوے ، دل میں تیری یاد ہے
اور لب پر ''چشمِ ما روشن دلِ ماشاد'' ہے

الفتِ ہم جنس کرتی ہے گرفتارِ قفس
سب سے اگلا صید ، پچھلوں کے لئے صیاد ہے

یاد رکھنا بار ہے تو بھول جانا ہی سہی!
یہ تو میں سمجھوں ، مری خاطر انہیں کچھ یاد ہے

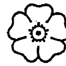
وہ ملے ہیں ، مجھ سے آئندہ نہ ملنے کے لئے
اور یاروں کا جتھا ، محوِ مبارک باد ہے

کردیا بے چین مجھ کو مسکرا کر اور بھی!
واہ! اس انداز کے قربان ، کیا امداد ہے

بخشوانے کا مرے ساقی نے ذمہ لے لیا
مفتیانِ دیں کا ، ایسے وقت کیا ارشاد ہے

دوستی میں ان سے شکوئ دشمنی کا کیا کروں
صاف کہہ دیں گے کہ دعویٰ خارج از میعاد ہے

بالعمل ، جس خواب کی تعبیر دی تھی آپ نے
ہاں صفؔی کو یاد ہے ، وہ خواب اب تک یاد ہے



جب کبھی تیری دید ہوتی ہے
ہم کو اس روز عید ہوتی ہے

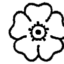
تم لگاوٹ سے دیکھ لیتے ہو
آدمی کو امید ہوتی ہے

حضرتِ دل کی بات خاک سنوں
میری مٹی پلید ہوتی ہے

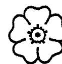
کیا کرامت ہے جُھک کے ملنا بھی
اس سے دنیا مرید ہوتی ہے

لکھ دیا ''ہم مکان کو پہنچے''
خط ہے ، لیکن رسید ہوتی ہے

آپ اپنی کہیں ، نہ میری سنیں　　یوں ہی گفت و شنید ہوتی ہے
بات کو بھی کوئی نہیں ملتا　　جب ضرورت شدید ہوتی ہے
دیکھ اس کو تو وہ بھی دیکھے گا　　دید پر ، باز دید ہوتی ہے
اچھے گُن دیکھ، اچھی شکل نہ دیکھ　　سنکھیا بھی سفید ہوتی ہے
سچ تو یہ ہے کہ تیری دوری بھی　　شرحِ حبل الورید ہوتی ہے
خاص جلوے دکھائی دیتے ہیں　　جب نظر ناامید ہوتی ہے
عیداسکی ہے جس کی عید کے ساتھ　　سو غریبوں کی عید ہوتی ہے
اُس کے وعدے پہ جی رہا ہے صفؔی
ہائے کیا شئے امید ہوتی ہے



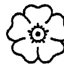
منہ ہے کچھ اُترا سا ، بھرائی ہوئی آواز ہے　　خیر تو ہے ، کیا مزاجِ دشمناں ناساز ہے
کل اُسی سے جنگ ہے، کچھ آج جس سے ساز ہے　　اور پھر تم کو اس اپنی دوستی پر ناز ہے
ہم نشیں! آخر کو اس نے سن لیا سارے گِلے　　میں نہ کہتا تھا ، کسی کے پانو کی آواز ہے
ہجر کے سارے مزے جو تھے تصور سے مٹے　　تم تو تم ، یہ بھی ستم گر اب خلل انداز ہے
اس سمجھ پر مرحبا ، اس عقل پر سو آفریں　　چاہنے والے کو سمجھے ہو کہ دنیا ساز ہے
پیار کرنے کو ملا معشوق ، وہ بھی آپ سا　　آج کل ہم کو بھی اپنی عاشقی پر ناز ہے
اے صفؔی! جو آج تک دیکھا سنا ، سب ہیچ تھا
حُسن ہے دنیا میں اچھی چیز ، یا آواز ہے



اس کو گرویدہ بنا لینا کوئی دِشوار ہے!　　سچ تو یہ ہے ، آدمی تقدیر سے ناچار ہے
دوستی کر لے گا دشمن ، ناز اٹھانے کا نہیں　　آپ جس کو سہل سمجھے ہیں ، بہت دشوار ہے

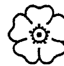
نالہ دل دوز سے، اے چرخ! بچنا ہے محال — یہ کبھی خالی نہ جائے گا، ہمارا وار ہے
جس گھڑی دیکھو، ہے تصویرِ خیالی سامنے — کیا مزے کی چیز یارب! حسرتِ دیدار ہے
واہ کل تک جس کو نفرت تھی ہمارے نام سے — اے تری شان! آج وہ اپنے گلے کا ہار ہے
خیر تو ہے، ہوش کی لو، میں نے کب شکوئی کیا — بات کرنی بھی تمہاری بزم میں دشوار ہے

کل کسی کالی زباں والے نے کوسا تھا اُسے
آج رستے میں سنا میں نے، صفؔی بیمار ہے



ان کی نگہ ناز سے کچھ ڈر تو نہیں ہے — تلوار نہیں ہے، کوئی خنجر تو نہیں ہے
طولِ شبِ فرقت کو گزارے کوئی کیوں کر — کٹ جائے کسی طرح، گھڑی بھر تو نہیں ہے
آئے گی تری بات، کہاں عکس میں تیرے — سب کچھ ہے، برابر کی یہ ٹکّر تو نہیں ہے
گو آپ سے باہر ہے ترا عاشقِ مضطر — ظالم، ترے فرمان سے باہر تو نہیں ہے
سودائی زلف اپنا، عدو کو تو بتایا — کوڑا یہ مگر آپ کا ہم پر تو نہیں ہے
یہ کس نے کہا دل ہے ترے پاس ہی میرا — جانے دے نہیں ہے، بتِ خودسر تو نہیں ہے

پھرتا ہے صفؔی کوچہ بہ کوچہ جو شب و روز
کم بخت کے پانو میں سنیچر تو نہیں ہے



وہ اک دن لائیں گے تشریف مجھ کو یہ بھی باور ہے — مگر شائد اسی دن، موت کا جس دن مقرر ہے
انہیں کچھ رحم آیا ہے تو یہ خنجر ہے یہ سر ہے — اگر اس زندگی سے موت بہتر ہے تو بہتر ہے
ہوا معلوم جب سے میرے دل میں آپ کا گھر ہے — یہ دل اس دن سے اب تک دل نہیں ہے مجھ کو دل بر ہے
یکا یک حکم ضبط گر یہ کیوں ہے گو عدو پر ہے — کہ باہر کی ہے باہر سانس اور اندر کی اندر ہے

بس اب راضی خوشی سے اس پہ مرمٹنا ہی بہتر ہے
یہ دنیا جس میں دنیا جی رہی ہے موت کا گھر ہے

بغیرِ عشق معنی گومگو تھے زندگانی کے
کھلا جینے کا مطلب جب کھلا جینا مقدر ہے

محبت کیا نبھے جب اختلافِ طبع ہو اتنا
ہر اک شئے مجھ کو جو باور نہیں ہے، ان کو باور ہے

ہوا کرتے ہیں ظلم و جور بھی دل کش حسینوں کے
جو سب کے واسطے ہیں عیب ان کے حق میں زیور ہے

بنایا اس طرح کافر نے ساکت کردیا سب کو
کہاں کے عاشق و معشوق ہم بت ہیں وہ بت گر ہے

میں بے دل اور وہ دل دار میں بے آس وہ آسا
نبھے کیا خاک یاری ایک مفلس اک تونگر ہے

نہیں فرضِ محبت رنج کھانا خونِ دل پینا
یہ اپنی اپنی مرضی پر ہے اپنے اپنے دل پر ہے

نہیں حسنِ بیانِ غم نہ مجھ کو داد کی خواہش
مگر وہ اِس کو سن کر یہ تو فرما دیں برابر ہے

گل اندامون سے مل کر اس قدر چوٹیں اٹھائی ہیں
کہ باغِ دھر کا ہر پھول میرے حق میں پتھر ہے

کسی کی چال کا انداز ہے چلتا ہوا جادو
نصیحت گر ہے بھولا اور یہ تریا چرتّر ہے

عدو نے بھی اڑا لیں ہیں ادائیں دل دُکھانے کی
ستمگر جو تری صحبت میں بیٹھا ہے ستمگر ہے

نہ سوچی زندگی کی وجہ کوئی ہائے بے فکری
یہی سوچا کئے ہم سوچ لیں گے زندگی بھر ہے

بہت کم لوگ ہیں جو منزلِ مقصود کو پہنچے
مرا دعویٰ یہ شائد قصۂ خضر و سکندر ہے

عدو کا ذکر کرتے ہو نہ میرا نام لیتے ہو
یہ غصہ آج اُس پر ہے نہ مجھ پر ہے تو کس پر ہے؟

زرِ گل کے لئے گل کو بھی چھوڑا ورنہ سب کہتے
کہ یہ اللہ کا بندہ نہیں ہے بندۂ زر ہے

جنابِ شیخ سے مجلس تو کوئی بھی نہیں چھٹتی
نہیں کچھ دل میں لیکن پاؤں میں ان کے سینچر ہے

بچا ہوگا کوئی اک آدھ ہی دِل کی شکایت سے
کہ ہم نے ساری دنیا دیکھ لی یہ روگ اکثر ہے

نہیں کوئی کسی کا دوست بازی گاہِ دنیا میں
یہاں ہر ایک اپنے داؤ پر ہے اپنے ڈھب پر ہے

ا کہتا ہے جب دل سے برا دیکھا نہیں جاتا
نصیحت گر اگر دس سے برا ہے سو سے بہتر ہے

وہ دینے سے نہیں رکتا ہے لیکن اور کیا مانگوں
ضرورت سے زیادہ ہے مجھے جو کچھ میسّر ہے

مرے کرتب سے میں واقف ہوں اس کو غیر کیا جانیں
مگر وہ پرورش کرتا ہے بے شک بندہ پرور ہے

نہیں معلوم کس درویش نے پی کر دعا دی تھی
درِ پیرِ مغاں پر روز مجمع روز جھومر ہے

نہیں عشقِ مجازی جان دینا اہلِ دنیا پر
ہوس سے کھا رہے ہیں سنکھیا سمجھے ہیں شکر ہے

گنہ گاروں پہ اپنے رحم کر اے داورِ محشر
قیامت اور کیسی میں پریشاں ہوں وہ مضطر ہے

مقرر ہے اگر مرنے کا اِک دن مطمئن ہو جا
کہ ڈانواڈول یہ خطرہ تجھے کیوں زندگی بھر ہے

وہ مُردے جن کو اس کے حکم پر جینا نہیں آتا
وہی کہتے ہیں اب اس زندگی سے موت بہتر ہے

نہیں ہے حسن کی سرکار میں کچھ قدر عاشق کی
یہاں ہے درہمِ داغِ جگر ٹکسال باہر ہے

نہیں بڑھتے ہیں اپنی حد سے زندہ ہوں کہ مردے ہوں
سب اپنے پاؤں پھیلاتے ہیں جتنی ان کی چادر ہے

نہیں ممکن خلافِ طبع اک آنسو کا پی جانا
بھلا ہم دم! یہ ہیرے کی کنی کیا لقمۂ تر ہے

مناتا کیا ہوں کچھ اپنی خطائیں بخشواتا ہوں
یہ ان کے پاؤں پر کیوں اپنے قدموں پر مرا سر ہے

یہ دو ہی باتیں ہیں اے چارہ گر آگے تری مرضی
جو غم نکلے تو اچھا ہے جو دم نکلے تو بہتر ہے

مجھے تھی جست وجوئے آبیارِ گلشنِ عالم
تو سبزے نے اشارے سے کہا نادان اوپر ہے

وہ چاہے ہنسنے والوں کے لئے بے جوڑ باتیں ہوں
پڑھانے والے نے جو کچھ پڑھایا مجھ کو ازبر ہے

نہیں کی میں نے جان و مال وایماں کے لئے کوشش
تو ان کے بدلے وہ مل جائے جو ان سب سے بہتر ہے

جئیں کیا جو گھڑی بھر دل نہ ٹھہرے عید کے دن بھی
صدائے خنجری فرقت زدوں کے حق میں خنجر ہے

نہ پائی حضرتِ یعقوبؑ نے بھی غایتِ گر یہ
ملے کیا تھاہ ناصح علم رونے کا سمندر ہے

پلا ساقی کہ باقی عمر بے ہوشی میں کٹ جائے
یہ میرے سر کا چکر اب مری قسمت کا چکر ہے

طلسم شارعِ عامِ محبت کھل نہیں سکتا
کہ ایسا صاف رستہ اور پھر ٹھوکر پہ ٹھوکر ہے

ہر اک چھالا ہے شاہد آتشِ داغِ محبت کا
خدا کا شکر جو دل میں ہے وہ میری زباں پر ہے

میں اس کو دیکھتا ہوں آئینہ کیا ہے سکندر کا
جو آئینہ کا آئینہ سکندر کا سکندر ہے

خدا رکھے تجھے اے چارہ گر لیکن خدا شاہد
شگافِ زخم میں سوئی نہیں چھری میں پتھر ہے

جو دشمن کے اثر میں رہ چکا وہ دوست کیا ہوگا
کہ اپنی مار میں ہے بھی تو صیدی کا کبوتر ہے

یہ تکیہ اور بستر ٹھاٹ ہیں سب اہلِ دنیا کے
جنھیں اس پر ہے تکیہ اُن کو تکیہ ہے نہ بستر ہے

صدائے دوست جو سنتے ہیں غیروں کی نہیں سنتے
یہ اُن کے پاس ہے نمرود جس کا نام مچھر ہے

نمازیں حضرتِ زاہد کی ہیں مخلوق کے ڈر سے
خدا شاہد زبردستی کی یہ اللہ اکبر ہے

نہ پوچھو ہائے بیمارانِ غم کی زندہ درگوری
اسی پر جی رہے ہیں موت کا اک دن مقرر ہے

ہیں کم سے کم زیادہ سے زیادہ عشق کے معنی
سمجھنے والوں کو اک لفظ ناسمجھوں کو دفتر ہے

گھڑی بھر بھی زمیں پر آج کیوں تلوے نہیں ٹکتے
کہاں تشریف لے جاتے ہیں کس کا دم لبوں پر ہے

کہیں دل کھو کے بیٹھے ہیں وہ دشمن کے برابر میں
برابر ہے کہ بے دل دوست دشمن کے برابر ہے

نہیں وہ ایک جن سے میرے دل کا خون کر ڈالا
کہ اب کے تیر میں جو پر ہے وہ سرخاب کا پر ہے

شہیدانِ محبت زندۂ جاوید ہوتے ہیں
جو سب کے واسطے ہے گور ان کے واسطے گھر ہے

کہیں آنسو نہ ٹپکے آنکھ سے دشتِ محبت میں
نہیں ہے شیر کا ڈر، ہے تو ٹپکے کا یہاں ڈر ہے

جنابِ شیخ ہاریں بحث میں قائل نہیں ہوتے
یہ حضرت چاروں شانے چت ہیں لیکن ٹانگ اوپر ہے

مرے ساتھ آج کتنوں کا چراغِ داغِ دل سلگا
یہ کیوں شورِ چراغ و مسجد و محراب و ممبر ہے

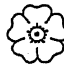
جہاں اس کی اماں ہو لاکھ دشمن ہوں تو کیا پروا
وہاں جالے کو مکڑی اور انڈے کو کبوتر ہے

حضور غیر منہ سے کیا نکالوں بزمِ دشمن میں
الٰہی! دم بخود ہوں غیر کا گھر تھوک کا ڈر ہے

مری خاطر سے اک دن شیخ نے چھپ کر اڑائی تھی
مگر اُس چور کی داڑھی میں تنکا اب تو چھپّر ہے

صدوسی سال وہ باقی رہے دنیائے فانی میں
صفؔی جس نے مری نسبت کہا ہے یہ قلندر ہے

صفؔی کو طفلِ مکتب جانتے ہیں اس لئے شاعر
کہ ہر اک شعر اس کا بچّے بچّے کی زباں پر ہے



عاشق ہے اک غریب تو کیوں تم کو عار ہے
اتنا بھی پوچھنے کا کسے اختیار ہے

وہ بے قرار کر کے مجھے بے قرار ہے
یہ انقلابِ قدرتِ پروردگار ہے

دنیائے درد اس کی تڑپ پر نثار ہے
کیا صاحبِ نصیب ترا بے قرار ہے

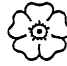
کرتا نہیں جو آہ فقط بے قرار ہے
عاشق تو ہے مگر وہ کفایت شعار ہے

ہر رات میں ہوں اور دلِ بے قرار ہے
آئے نہ آئے کوئی اُسے انتظار ہے

میں جانتا ہوں کس کا اسے انتظار ہے — میرا رقیب زاہدِ شب زندہ دار ہے
ہوگی جو میری آہ انہیں ناگوار ہے — نغمہ نہیں ہے ایک دکھی کی پکار ہے
ہر بات کے جواب میں کیوں انتشار ہے — جو جی میں آئے کہیے مجھے اعتبار ہے
ہر ایک اس کی دید کا امیدوار ہے — روزِ شمار کیا ہے شبِ انتظار ہے
دیکھا ہے مجھ میں کچھ جو انہیں مجھ سے عار ہے — کہہ دیں فلانی بات ہمیں ناگوار ہے
مجھ سے جو اہلِ دولتِ دنیا کو عار ہے — کچھ غم نہیں غریب کا پروردگار ہے
تنہا ہوں اور گھر میں شبِ انتظار ہے — مجھ کو چراغِ خانہ چراغِ مزار ہے
اب اور کیا سکونِ دل بے قرار ہے — اک بات چیت اس کا بھی کیا اعتبار ہے
کیا مال میرے پاس دل بے قرار ہے — جو اُن کو ناگوار مجھے ناگوار ہے
لیں طاعت آج اور ہو فردوس کل عطا — یہ نوکری تو نقد ہے تنخواہ ادھار ہے
پلٹا زمانہ اور نہ پلٹے ہمارے دن — اب ہم ہیں اور گردشِ لیل و نہار ہے
راحت طلب ہیں کاتبِ اعمال کس قدر — ہر ایک اُن فرشتوں میں پیدل سوار ہے
مل جاؤ تم تو فکر خزاں و بہار کیا — دل باغ باغ ہے تو ہمیشہ بہار ہے
اُس سے ہے کوئی راز بھلا کب چھپا ہوا — وہ خود ہی راز اور مرا رازدار ہے
مجھ کو تو زندگی پہ نہیں کوئی اعتبار — تم وجہ زندگی ہو تو پھر اعتبار ہے
کیوں ڈالتے ہو پھر سے محبت بھری نگاہ — جو کچھ بھی جانتے ہو مجھے اعتبار ہے
ملتے ہی اُن کے جو مری پسلی پھڑک اُٹھی — سمجھے کہ دل کسی کیلئے بے قرار ہے
کیا کچھ ہے ان کے دل میں مجھے کچھ خبر نہیں — اتنا تو دیکھتا ہوں کہ آنکھوں میں پیار ہے
پیاری ہے جان سب کو مگر ہائے رے یہ جان — اپنی ہے سو برس بھی تو کیا مستعار ہے
رہتی ہیں نیند میں بھی تو آنکھیں کھلی ہوئی — وہ کائیاں ہے اور بڑا ہوشیار ہے
ہے اعتبار آپ پہ جس بدنصیب کو — دنیا جہان میں وہی بے اعتبار ہے
کیسا نہو دماغ سے دل تک ہجومِ شوق — میری نگاہ میں یہ تیری رہ گذار ہے

دیدار اور مست و غرورِ جمال کا ۔۔۔ مجھ کو تو بے پیے بھی ہمیشہ خمار ہے
اس جھٹ خفا سے کیوں نہ ڈروں کیوں نہ خوف ہو ۔۔۔ معشوق ہی نہیں ہے مرا رازدار ہے
لاکھوں امیدیں آپ نے عاشق کی توڑ دیں ۔۔۔ اب تک یہ پھر بھی آپ کا امیدوار ہے
بگڑے بھی مجھ پہ وہ تو بگڑنا نہ بن سکا ۔۔۔ ہونٹوں پہ کچھ ہنسی ہے تو آنکھوں میں پیار ہے
نامہرباں ہے وہ تو خزاں ہے بہار میں ۔۔۔ وہ مہربان ہے تو خزاں بھی بہار ہے
ہر بات فاش ہو ہی گئی واہ واہ واہ ۔۔۔ ہر تیرے رازدار کا اک رازدار ہے
جلوہ ہو عام ان کا تو جلتا ہے میرا دل ۔۔۔ میرے نصیب! نور میں تاثیرِ نار ہے
دل بے قرار کیا ہے کہ میں بے قرار ہوں ۔۔۔ میں بے قرار کیا ہوں کہ دل بے قرار ہے
کرنے کی طرح دوست کو مجبور کیجئے ۔۔۔ پھر اس کے آگے آپ کو سب اختیار ہے
فرصت کہاں ہے محوِ تصور کو نیند کی ۔۔۔ آنکھیں اگر ہیں بند تو دل ہوشیار ہے
آنکھوں کا رنگ دیکھئے مانا کہ پی نہ ہو ۔۔۔ جاگے ہو رات نیند کا اب تک خمار ہے
ملتے نہیں وہ مجھ سے تو اس کو نہ دیکھئے ۔۔۔ یہ دیکھئے کہ کیسوں میں میرا شمار ہے
لاتا نہیں ہوں دل میں اُدھر کا خیال ہائے ۔۔۔ رہ رہ کے اک کھٹک سی مگر دل کے پار ہے
اب کیا کہوں کہ چپ بھی اگر بیٹھتا ہوں میں ۔۔۔ کہتے ہیں ہر نگاہ تری اشتہار ہے
پوچھا جو اُس نے مجھ سے محبت ہے آپ کو ۔۔۔ منہ سے مرے نکل گیا بے اختیار ہے
اقرار ہے شکایتِ بے داد کا مجھے ۔۔۔ ہے اور تیری ضد سے تو اب لاکھ بار ہے
مارا ہے مجھ کو آپ کے غمزوں نے گھیر کر ۔۔۔ سمجھے تھے یہ کہ جانے نہ پائے شکار ہے
بندہ ہی جب بنا ہوں تو بس ان کا مال ہوں ۔۔۔ جب اُن کا مال ہوں تو اُنہیں اختیار ہے
مشتاق اب ہے آپ کا مشتاق موت کا ۔۔۔ جو انتظار تھا اُسے وہ انتظار ہے
بے سمجھے بوجھے بارِ امانت اُٹھالیا ۔۔۔ انسان ازل سے حرص و ہوس کا شکار ہے
کہہ دی صفیؔ کی عرض پہ کیوں بے دلی سے "ہاں" ۔۔۔ اے دوست ایسی ہاں کا نہیں میں شمار ہے

رنگینیٔ خیال میں ہے خونِ دل صفیؔ
میری خزاں ہے اور غزل کی بہار ہے



مصیبت رنج و غم صدمہ ہر اک منظور ہوتا ہے
محبت ایسی شئے ہے آدمی مجبور ہوتا ہے

تری فرقت میں کچھ تو ہو نہیں سکتا غریبوں سے
تڑپ لیتے ہیں اُن کا جس قدر مقدور ہوتا ہے

حصول آبرو کی آس بھی دھوکا ہے پانی کا
کہ پیاسا جس قدر نزدیک ہو وہ دور ہوتا ہے

کہیں جاتے ہیں تو اس کی گلی سے ہو کے جاتے ہیں
اگرچہ راستہ اس راستے سے دور ہوتا ہے

صفؔی ہر دم تڑپنے کی بھلا طاقت کہاں مجھ میں
ذرا ان کو ستانا بھی کبھی منظور ہوتا ہے



وہی ہوتا ہے، جو محبوب کو منظور ہوتا ہے
محبت کرنے والا، ہر طرح مجبور ہوتا ہے

جہاں جاتے ہیں ہم، اس کی گلی سے ہو کے جاتے ہیں
اگرچہ راستہ، اس راستے سے دور ہوتا ہے

نہیں رکتے، گھڑی بھر، طالبِ دیدار کے آنسو
یہ ظالم شوق، گویا آنکھ کا ناسور ہوتا ہے

کوئی مجنوں کی عزت، عشق کی سرکار میں دیکھے
بڑی خدمت پہ ایسا آدمی مامور ہوتا ہے

حسینوں کا تنزل بھی نہیں ہے شان سے خالی
بڑھاپے میں بھی اِن لوگوں کے منہ پہ نور ہوتا ہے

وہ ایسی خندہ پیشانی سے ہر معروضہ سنتے ہیں
یہ سمجھے عرض کرنے والا! ''اب منظور ہوتا ہے''

تجھے مشہور ہونا ہے تو عاشق کی برائی کر
برائی سے بہت جلد آدمی مشہور ہوتا ہے

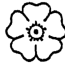
ہمارے گھر، وہ آ کر تھک گئے، ہاں کیوں نہ تھک جاتے
نیا رستہ جو ہو نزدیک بھی، تو دُور ہوتا ہے

جو تم وابستۂ دامن کو سمجھے، داغِ بدنامی
تو اب کیا دور کر سکتے ہو؟ اب یہ دُور ہوتا ہے!

بڑا احسان ہوگا میرے دل کا خون کر ڈالو
یہی مجبور کرتا ہے یہی مجبور ہوتا ہے

مجھے تم جانتے ہو عقل سے معذور، ہاں، بے شک
محبت کرنے والا عقل سے معذور ہوتا ہے

حسین ہر ایک ہو سکتا نہیں، بے شک صفؔی بے شک
وہی ہوتا ہے جو اللہ کو منظور ہوتا ہے



وفا ہے، مہر ہے، اس فتنہ گر میں سب کچھ ہے
جو کچھ نہیں بھی تو اپنی نظر میں سب کچھ ہے

بتائیں کیا، اِنہی دیوار و در میں سب کچھ ہے
نہیں ہیں ایک ہمیں، ورنہ گھر میں سب کچھ ہے

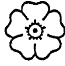
غرور، پیار، حیا، ناز، فتنہ، بے باکی
یہ کیا ہے، ایک تمہاری نظر میں سب کچھ ہے

وہ مانگتے ہیں ثبوت اپنی کم نگاہی کا!
ابھی تو دامنِ زخمِ جگر میں سب کچھ ہے

مجھے وہ جلوہ بھی گونگے کا خواب ہے گویا
زبان پر نہیں کچھ بھی نظر میں سب کچھ ہے

خدا کا گھر ہے، یہ دل، اس کو مختصر نہ سمجھ
تلاش کر، تو اسی مختصر میں سب کچھ ہے

دہانِ دوست ہے کیا مختصر مفید صفیؔ
''نہیں'' بھی ''ہاں'' بھی، اسی مختصر میں سب کچھ ہے



کچھ عجب صورت کا لکھنا ہے، عجب تحریر ہے
چشمِ بد دور، آپ کا خط بھی، خطِ تقدیر ہے

آتشِ سیال میں بھی کچھ عجب تاثیر ہے
یہ کہیں پانی، کہیں سم ہے، کہیں اکسیر ہے

حضرتِ ناصح! لب و لہجہ تو اپنا دیکھئے
پیر و مرشد، آپ کی ہر بات گویا تیر ہے

آدمی جیسی تو کوئی چیز دنیا میں نہیں
جان اس سارے مرقع کی یہی تصویر ہے

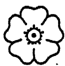
آہ میری بارِ گوش، اس کی نظر تسکینِ دل
اور کہنے کو تو یہ بھی تیر، وہ بھی تیر ہے

واہ، کیا تشبیہ بھی دینی نہیں آتی مجھے
دل میں تم ہو تو کہوں، آئینے میں تصویر ہے

جی میں آتا ہے کہ اک نالہ بھی کر کے دیکھ لوں
''چوک جائے تو ہے تکّا، لگ گیا تو تیر ہے''

خوش ہے وردِ یارِ رقیبؔ سن کے وہ کافر ادا
کیوں نہیں؟ بے شک، خدا کے نام میں تاثیر ہے

کچھ بڑے بوڑھے صفیؔ کو کچھ نہیں سمجھیں تو کیا
آج کل کے نوجوانوں کے تو حق میں پیر ہے



چشمِ تر اُنڈی ہے، زخمِ دل جو آتش ریز ہے
زور کی بارش پڑے گی دھوپ اب کے تیز ہے

دوستوں کے دل میں یہ کانٹا چبھوؤں کس لئے
واقعہ اپنا نیا ہے، اور درد انگیز ہے

کیا ہوا، مئے پی، کہ اس ظالم نے ہم کو پی لیا
اے اجل! اپنا بھی جامِ زندگی لب ریز ہے

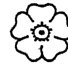
دشمنوں نے دوستی میں ہم کو پکّا کر دیا!
اب تو اچھے نام کا لینا بھی درد انگیز ہے

شوق بھی بڑھتا چلا، دل چسپیوں کے ساتھ ساتھ
آپ کی آرائشِ محفل بھی وحشت خیز ہے

بے تعلق مجھ سے رہنا بھی، تعلق ہی رہا
کم نگاہی بھی تمہاری، مدعا آمیز ہے

ان کے دل میں واقعی میری محبت کچھ نہیں
میں سمجھتا تھا ''دروغِ مصلحت آمیز ہے''

آپ کے تیور سے پہچانی صفی نے دل کی بات
سچ ہے، یہ آفت کا پرکالا، بڑا ہی تیز ہے



سمجھتا ہوں، میں جان، کیا چیز ہے
مگر تو مری جان، کیا چیز ہے

اگر تیری باتوں میں جادو نہیں
تو پھر تیرے قربان، کیا چیز ہے؟

وہ تشریف لائے میں رونے لگا
حسینوں کا احسان کیا چیز ہے

ہمیں جان دینی بھی مشکل ہوئی
محبت میں آسان، کیا چیز ہے

ہوئے بُت بھی اب طالبِ بندگی
الٰہی! تری شان کیا چیز ہے

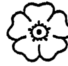
زیادہ گِنا، تم کو ایمان سے
بھلا اور ایمان کیا چیز ہے

بلا سے، اگر دل کو رونا پڑا
مگر، ہائے ارمان کیا چیز ہے

اگر ہے اسی میں کوئی مصلحت
تو ناچیز کی جان کیا چیز ہے

ملائک نے سجدہ کیا ہے صفی
حقیقت میں انسان کیا چیز ہے

کوئی چیز ایسی نہیں ہے صفی
حقیقت میں انسان کیا چیز ہے



نہ پوچھو شور یہ کیوں آج تک ہے
دہانِ زخم پر حقِ نمک ہے

جو تھی، وہ بدگمانی آج تک ہے
اسے مجھ پر، مجھے اپنے پہ شک ہے

ترا ملنا نہ ملنا، ہم کو معلوم
یہ جو کچھ ہے، یہاں سے قبر تک ہے

وہ میرا نامۂ اعمال کیوں ہو
کہ جس میں ہر جگہ پر حک و شک ہے

نہ ہنسنے کا، نہ رونے کا سلیقہ
خوشی ہے، غم ہے، جو ہے یک بہ یک ہے

یہ سوجھی ہے، کہ اب آنکھیں نہ کھولوں
کسی کی اس اندھیرے میں جھلک ہے

ہمارے دل کو تم نے بھی تو دیکھا
وہ کیا ہے، جس میں بجلی کی چمک ہے

ہوئی بیمار بھی، اچھی بھی دنیا
مجھے اک روگ ہے، جو آج تک ہے

غُلو ہے اے صفیؔ! میری غزل میں
مگر اتنا کہ آٹے میں نمک ہے



ہر کسی سے ہے لڑائی، ہر کسی سے جنگ ہے
بندہ پرور! آپ سے سارا زمانہ تنگ ہے

حسن سے مجھ کو محبت، شیخ جی کو ننگ ہے
اپنی اپنی ہے طبیعت، اپنا اپنا رنگ ہے

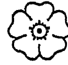
چور، جادوگر، لڑاکا، بے مروت، فتنہ ساز،
قافیہ میرا، تری آنکھوں سے بالکل تنگ ہے

اب ہمارا دل بھی تجھ سے صاف ہوتا ہے کہیں؟
کم سمجھ! کیا یہ بھی کوئی آئینے کا زنگ ہے

صبح سے تا شام نالے، شام سے تا صبح آہ
کیا کہیں تم سے کہ اپنا وقت کتنا تنگ ہے

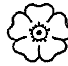
بات کرنے کی تمنا تھی، تو اس کے رو بہ رو
یوں چلے، جیسے کہ اپنے پانوں میں کچھ لنگ ہے

اے صفیؔ! ہم ان کو اب تو خط بھی لکھ سکتے نہیں
آج کل، کچھ ہاتھ ہی ایسا ہمارا تنگ ہے



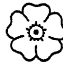
پہلے تم عاشق بتاؤ اب کہو مجنون ہے — وہ عبارت اور تھی، یہ دوسرا مضمون ہے
ایک دن دے کر تسلی، آج تک طعنے دئے — میں نہیں کہتا ہوں؟ "فدوی آپ کا ممنون ہے"
دل کی بے چینی جو دیکھی، ہم کو رونا آ گیا — لاکھ بد سے بد ہے آخر ایک ہی تو خون ہے
وہ رقیبوں کے گِلے روتے ہیں میرے رو بہ رو — حضرتِ دل! سنئے، یہ کچھ اور ہی مضمون ہے
قاعدے قانون کی ہے گفت و گو عاشق کے ساتھ — کیا یہی ہے قاعدہ سب کا یہی قانون ہے
عام ہو جب عیب، تو ہوتا ہے دستورِ عوام — پہلے جو تھا ظلم، اس کا نام اب قانون ہے

تپ چڑھی، گلٹی نکل آئی، یہی ہے شور و غل
اے صفؔی اس ملک سے بھاگو، یہاں طاعون ہے



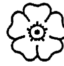
اشارے، خود پسندی، نازِ بے جا، آفتِ دل ہے — تمہارے عاشقوں کی بزم، معشوقوں کی محفل ہے
یہی تیور، یہی انداز ہیں تو سخت مشکل ہے — تمہاری اک جوانی، سیکڑوں کو آفتِ دل ہے
بگاڑا ہے مری جانب سے ایسا ان کو لوگوں نے — کہاں کی دادخواہی، بات تک کرنی بھی مشکل ہے
محبت میں یہی آرام ہے تو اس سے درگذرا — ہجومِ شوق پر پتھر پڑیں، سینے پہ اک سِل ہے
یہ لیجے بندہ پرور! آپ جیتے اور میں ہارا — یہ میرا دل نہیں، بس ہو چکا، یہ آپ کا دل ہے
تصور میں کسی کے انہماک اتنا بڑھا اپنا — مخاطب ہو گئے ہیں، جس طرح کوئی مقابل ہے
ہمارا دل تو دیکھا، آزمایا آپ نے ہم کو — ذرا ہم بھی تو دیکھیں، آپ کا کتنا بڑا دل ہے
غضب ہے آپ کا محفل میں مٹھی بند کر لینا — جسے دیکھو سمجھتا ہے یہی، اس میں مرا دل ہے

کبھی دل چسپیوں کا دوسرا کوئی ٹھکانہ تھا
مگر اب تو صفؔی "محسن کلب"، آرام منزل ہے



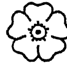
یہ سن لیا ہے کام سے دنیا میں نام ہے | وہ ہم کو نام رکھتے ہیں کیا خوب کام ہے
اللہ کو پکار، اگر کوئی کام ہے | بندے، ہزار نام کا یہ ایک نام ہے
کچھ اور سوچ لیں گے اگر مئے حرام ہے | اللہ کے کلام میں کس کو کلام ہے
تم کو جو بات کرنے کی فرصت ذرا نہیں | ہم بھی تو آدمی ہیں، ہمیں بھی تو کام ہے
رخصت وہ چاہتے ہیں الٰہی! میں کیا کروں | ہر گھر میں صبح، اور مرے گھر میں شام ہے
جو کچھ سنا تھا چار میں، وہ عرض کر دیا | جانے دو واقعہ نہ سہی، اِتّہام ہے
جھوٹی قسم نہ کھایئے باتوں میں دیکھئے | یہ اور شئے نہیں ہے، خدا کا کلام ہے
ساقی کی چشمِ مست کا میدوار ہوں | یہ میرا دَور ہے میرے حصہ کا جام ہے
ہم کیا ہیں، تہمتوں سے پیمبر نہیں بچے | نادان! کیا زمانے کے منہ کو لگام ہے
تو دوسروں پہ ڈال کے، ہم کو برا نہ بول | یہ طرزِ پائے مال ہے، یہ رنگ عام ہے

میں بے وفا نہیں ہوں، مگر کیا کروں صفؔی
معشوق باوفا ہوتو، عاشق غلام ہے

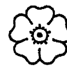


وحشت بھی ہوتو کب ہمیں جنگل سے کام ہے | ''گھر میں اودھ کی صبح بنارس کی شام ہے''
دل بارگاہِ عشق علیہ السلام ہے | یہ رنج کا محل، نہ خوشی کا مقام ہے
اب دوست سے غرض ہے، نہ دشمن سے کام ہے | دونوں کو، دونوں ہاتھوں سے میرا اسلام ہے
تو خود بھی اپنے در کے فقیروں کی شان دیکھ | دنیا مرید، اور زمانہ غلام ہے
سننے کا حال ہے، دلِ عاشق مزاج کا | لیکن یہ داستان ابھی ناتمام ہے
تسکینِ اضطراب بھی ہے تیرے ہاتھ میں | دل پر رکھے تو کچھ نہیں، تھوڑا سا کام ہے

دھندے میں پیٹ کے ہے گرفتار سب جہاں ہر ایک دانہ، دوسری صورت سے دام ہے
ان کو رہی سہی بھی مروت نہیں رہی اب تو سلام ہے، نہ جوابِ سلام ہے
میں بھی کسی طرح سے ترے دل کو چھین لوں اب کچھ ہوس نہیں، ہوسِ انتقام ہے
آوارگانِ عشق کا ظاہر نہ دیکھئے ان دل جلوں پہ آتشِ دوزخ حرام ہے
معشوق وہ کسی کے نہیں تو نہیں سہی
لیکن یہ پوچھئے کہ صفی کس کا نام ہے

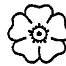


مجھ کو اُن سے، یا تو ان کے نام سے آرام ہے بس، کوئی ان کے برابر ہے، تو اُن کا نام ہے
کس قدر رسوا ہے دشمن، کس قدر بدنام ہے میرے کہنے کی ضرورت کیا ہے، طشت از بام ہے
وصل میں بے تابیٔ دل کی کوئی حد ہی نہ تھی اب جو ان سے دور ہیں، ہم کو بہت آرام ہے
جس پہ آئی ہے طبیعت جس پہ اب آیا ہے دل باوفا تو ہے، مگر وہ بھی ترا ہم نام ہے
آپ کے ملنے نہ ملنے کی بھی اب حاجت نہیں دردِ دل، جتنے دنوں سے ہے، بہت آرام ہے
کیوں تسلی دوں دلِ مضطر کو، آخر کیا غرض یہ تمہارا فرضِ منصب ہے، تمہارا کام ہے
دیکھنا اب کس کو جاتا ہے مرے خط کا جواب ڈر تو اس کا ہے کہ دشمن بھی مرا ہم نام ہے
اب تو ہم صاحب سلامت سے گئے گذرے ہوئے واہ صاحب! کیا مسلمانی ہے کیا اسلام ہے
اس ستم گر سے اسے کوئی تعلق ہی نہیں
ہائے بے چارہ صفی تو مفت میں بدنام ہے

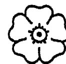


عشق الزام بھی تو ہوتا ہے یہ برا کام بھی تو ہوتا ہے
دوستی کچھ مجھی کو تم سے نہیں یہ مرض عام بھی تو ہوتا ہے

جائیں گے ایک دن، عدم آباد کو ضرور　　گو کچھ نہیں ہے، پھر بھی ہمارا وطن تو ہے
ہم، آہ تو کریں گے، جو شکوئی نہ ہو سکے　　ظالم اگر زبان نہیں ہے، دہن تو ہے
یہ بات دوسری ہے کہ میں بار یاب کم　　مشہور شہر بھر میں تری انجمن تو ہے
الفت کی آگ اس کو کہو، یا عدو کا رشک　　لیکن ہمارے سینے میں تھوڑی جلن تو ہے
وہ بے وفا، وفا بھی کرے گا کہیں صفی
مردِ خدا یہی ترا دیوانہ پن تو ہے



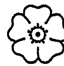
جگہ اب سر چھپانے کی کہاں ہے　　جہاں جاتا ہوں، ظالم آسماں ہے
ذرا تو دیکھ، ناحق بدگماں ہے　　بستم گر میں کہاں ہوں، تو کہاں ہے
کمی کس کی ہے اب اے رونے والو!　　جگر میں درد ہے، منہ میں زباں ہے
ترا غمزہ سہی، لیکن کروں کیا　　سبک ہونا، طبیعت پر گراں ہے
ذرا تیری جفائیں یاد کرلوں!　　اگر کچھ اور میرا امتحاں ہے
''مجھے تم سے محبت ہے'' کہا تھا　　تقاضا ہے ''بتا ہے تو کہاں ہے''
فقیری میں جسے پاتا ہوں خوددار　　سمجھتا ہوں، خود اپنا قدرداں ہے
تری تصویر دل سے تو لگالی　　مگر جو تجھ میں ہے، اس میں کہاں ہے
صفی، اس کو نہ دیکھ، اپنی طرف دیکھ
ارے نادان! ''جی ہے تو جہاں ہے''



کلی دیکھی، دہن یاد آ گیا ہے　　مجھے وہ گل بدن یاد آ گیا ہے
دکھا دے جلوہ، پھر بے ہوش کر دے　　مجھے دیوانہ پن یاد آ گیا ہے

نہیں تکلیف ہی محبت میں — اس میں آرام بھی تو ہوتا ہے
وعدہ کرنے میں پھر تامل کیا — ہاں، تمہیں کام بھی تو ہوتا ہے
رات دن درد ہی نہیں رہتا — دل کو آرام بھی تو ہوتا ہے
نشۂ حسن اور پھر کب تک — بادۂ خام بھی تو ہوتا ہے
نام پر تیرے کیوں نہ آتا پیار — پیار کا نام بھی تو ہوتا ہے
کیا تعجب، جو ہو وصال میں وصل — کام میں کام بھی تو ہوتا ہے

اے صفؔی! عاشقی کی یہ تعریف
اور انجام بھی تو ہوتا ہے



رنج ہے اس رنج سے ہم کو تو غم اس غم سے ہے — جو شکایت ہم کو ان سے ہے، وہ ان کو ہم سے ہے
کیا پڑی ہے، پھر کسی کے واسطے روتا ہے کیوں — آبروئے عشق، اپنے دیدۂ پرنم سے ہے
جھوٹے منہ کوئی تسلی بھی نہیں دیتا کبھی — پھر یہ کیوں صاحب سلامت اپنی اک عالم سے ہے
دشمنوں کا دو ہی دن میں سب بھرم کھل جائے گا — ان کی ساری شان و شوکت، ایک میرے دم سے ہے
ہاتھ جوڑے، منتیں کیں، خیر وہ تو من گئے — اور لوگوں کو بھی اب ایسی تمنا ہم سے ہے
اس مذاقِ خاص کے بھی لوگ دیکھے ہیں کہیں — آپ کی بھی جان پہچان آخر اک عالم سے ہے

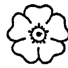
سب صفؔی کی آہ پر، بے ساختہ کہتے ہیں، واہ
اس کا رونا بھی مگر کچھ تال سے ہے، سم سے ہے



ہم راہ، قبر میں، مرا دیوانہ پن تو ہے — دامن نہیں ہے، جیب نہیں ہے، کفن تو ہے
فتنہ جہاں سے اٹھتا ہے ہر روز اک نیا — وہ کون سی جگہ ہے، تری انجمن تو ہے

سنی جب رائیگاں محنت کسی کی — مآلِ کوہ کن، یاد آ گیا ہے
زمانے کی شکایت کر رہا ہوں — مجھے ان کا چلن یاد آ گیا ہے
مہ و انجم نے بے تابی بڑھادی — وہ شمعِ انجمن یاد آ گیا ہے
رکاوٹ ہے اُنہیں وعدے پہ شائد — مرا دیوانہ پن یاد آ گیا ہے
تری موجودگی میں بھی کئی بار — ہر اک رنج و محن یاد آ گیا ہے
ہے اب سیرِ عدم کا شوق دل میں — مسافر کو وطن یاد آ گیا ہے

صفؔی اپنے پرانے واقعوں پر
نئے پل کا چمن کا یاد آ گیا ہے

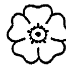


جو اس بدعہد کا ایسا ہی رنگِ عہد و پیماں ہے — تو پھر اک روز میرا ہاتھ ہے، اس کا گریباں ہے
ادب ہے مانعِ اظہار، تم سے کیا کہوں حسرت — جو میرے دل میں ہے، وہ میری صورت سے نمایاں ہے
مری رندی میں، تیرا خرچ کیا ہوتا ہے اے واعظ — مسلماں کو برا کہتا ہے، تو کیسا مسلماں ہے؟
جگر میں اور دل میں فرق ہے اُنیسے بیسے کا — قلق دونوں کو ہے، ہاں ایک دایاں ایک بایاں ہے
غرض کا بندہ، عابد کیا ہے، طاعت کیا ہے عابد کی — کہ دل میں حور ہے، سر میں ہوائے باغِ رضواں ہے
کسی تصویر میں یہ بات ہرگز آ نہیں سکتی — تصور، ایک منہ سے بولتی تصویرِ جاناں ہے
دیارِ عشق کی آب و ہوا ہی کچھ نئی دیکھی — جو ناداں ہے وہ دانا ہے، جو دانا ہے وہ ناداں ہے
قیامت میں تمہارے دیکھنے والے دکھا دیں گے — کہ خورشیدِ قیامت بھی نثارِ روئے جاناں ہے

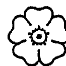
کچھ اس کی قدر کر، موتی سے بڑھ کر ہے ہر اک آنسو
برسنے میں صفؔی کا دیدۂ تر ابرِ نیساں ہے



ہم سے بدظن ہے وہ، رنجیدہ ہے
کیا کریں دل کو جو نادیدہ ہے
آنکھ میں ان کی مروت ہی نہیں
دیکھنے کو تو بڑا دیدہ ہے
دل کے اطوار نہیں مجھ کو پسند
کیا کروں ان کا پسندیدہ ہے
لال آنکھیں ہی نہیں آج تری
خیر سے چال بھی لغزیدہ ہے
اس کا عالم بھی تو دیکھے کوئی
ایک عالم ہے کہ گرویدہ ہے
میری جانب سے انہیں سمجھایا
غیر بھی آدمی سنجیدہ ہے
جس کو کہتی ہے صفی، سب خلقت
ایک بے چارہ، ستم دیدہ ہے



جانتا ہوں، میرے دشمن سے تجھے یارانہ ہے
او ستم ایجاد! اتنا بھی کوئی دیوانہ ہے
دل کی وحشت سے کبھی یاد اُن کو آجاتا ہوں میں
سب سے کہتے ہیں "ہمارے پاس اک دیوانہ ہے"
جام کے بدلے، صراحی سے پلا ساقی مجھے!
خم کا کوئی ناپ؟ ساغر کا کوئی پیمانہ ہے؟
اب کہاں ساقی، فقط ساقی کی ہے اک یادگار
دل نہیں پہلو میں، اک ٹوٹا ہوا پیمانہ ہے
میں پھرا محفل میں پروانوں کی خاطر گردِ شمع
بدگماں مجھ کو بھی سمجھا، شمع کا پروانہ ہے
یہ تو کہیے ناصحوں کی مَت کدھر ماری گئی!
خیر دیوانہ تو اپنے میں نہیں، دیوانہ ہے
ایک ہی ہے وضع کا اپنی، زمانے میں صفی
چالیوں کا چالیہ، دیوانوں کا دیوانہ ہے



مجھے اب دل ہی پیارا ہے، نہ تم سے جان پیاری ہے
تمہارا ہوں، تو بس جو چیز ہے میری، تمہاری ہے
لڑا کر ٹکٹکی، میں نے پلک دانستہ ماری ہے
وہ آنکھیں، اور آنسو، جیتنے کی شرط ہاری ہے

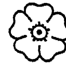
ارے کافر تجھے کیسا نہ سمجھوں، جان سے پیارا
نہیں ہے اک مجھی کو، سب کو اپنی جان پیاری ہے

انہیں سے پوچھ، جو بندے برائے نام ہوتے ہیں
کہ ہر پچھلے پہر کا جاگنا، کیا ہوشیاری ہے

کرو ترکِ وفا جس سے، اسے قدرِ وفا ہوگی
ذرا دنیا سے منہ پھیرو، تو پھر دنیا تمہاری ہے

جو کوئی ترکِ حیوانات سے انسان بن جائے
تو پھر بیمار کا پرہیز بھی پرہیز گاری ہے

تنِ خاکی، اشارے روح کے کیا اے صفی سمجھے
کہ یہ "بھاڑے کا ٹٹو" مانگے تانگے کی سواری ہے



برابر آنکھ جب ان سے ملائی جاتی ہے
تو سو طرح کی کمی خود میں پائی جاتی ہے

نہ سمجھو ہنس کے وہ یوں ہی مجھے رلاتے ہیں
یہ مجھ سے اپنی لگائی بجھائی جاتی ہے

کچھ امتحان ہمارا، کچھ اپنی داد کی دھن
وہاں نقاب سمجھ کر اٹھائی جاتی ہے

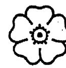
چھپائی شکل کچھ انداز سے، کہ میں سمجھا
کہ مجھ سے کوئی برائی چھپائی جاتی ہے

نہ بھاگ ہم سے، نہیں یاد حال یوسفؑ کا
کہ بھاگتے ہیں تو تہمت لگائی جاتی ہے

غمِ فراق نہ ہو ناگوار کیوں مجھ کو؟
جو چیز کھانے کی ہوتی ہے کھائی جاتی ہے

دکھانے کو کوئی بنتا ہے آپ کا عاشق؟
بنائے سے بھی طبیعت بنائی جاتی ہے؟

مجھے صفی، جو وہ پہنچا ہوا سمجھتے ہیں
خیال تک تو مری نارسائی جاتی ہے

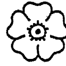


آپ کو سب سے بدگمانی ہے
کس مصیبت میں زندگانی ہے

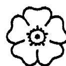
اپنے سائے سے بدگمانی ہے
چشمِ بد دور، کیا جوانی ہے

میرے حق میں شراب پانی ہے
اور پانی سے زندگانی ہے

عاشقی کا مزا ہے جنت میں — آپ ہیں، میں ہوں، نوجوانی ہے
کون ایسا جیا ، کہ مر نہ سکا — زندگی موت کی نشانی ہے
میرے ارمان ، دوست جان گیا — دل بری کیا ہے، غیب دانی ہے
خود کو عاشق کہا، تو اس نے کہا — ''کہیے عاشق کی کیا نشانی ہے''
جس نے دیکھا تجھے ، وہ چیخ اٹھا — ہائے کیا حسن ، کیا جوانی ہے
خون روتا ہے ، اور خوش ہے صفؔی
یہ بھی اک رنگِ زندگانی ہے



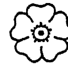
دل میں درد ، آنکھ میں نمی ہے — مجھ میں کس چیز کی کمی ہے
بندوں سے سوال کرنے والو! — اللہ کے پاس کیا کمی ہے
دیدار کی تاب لا سکے گا؟ — سورج پہ ذرا نظر جمی ہے
جو سب کو خراب جانتا ہو — وہ سب سے خراب آدمی ہے
اکسیر بنا دے مجھ کو اے عشق! — مولا! ''ایک آنچ کی کمی ہے''
اے سوزِ جگر! تجھے لگے آگ — اب تک مری آنکھ میں نمی ہے
آئینہ بھی دیکھ کر نہ سنورے — کیا ہے؟ کس پر یہ برہمی ہے
پیری میں نہ رکھ تو سانس کی آس — رسی بودی ہے، بے دمی ہے
بے چارے صفؔی کی عاشقی کیا
مسکین غریب آدمی ہے



آپ کی بات ہی نرالی ہے — کون ہے، عیب سے جو خالی ہے
وہ کسی دن بگڑنے والے ہیں — ان سے اک روز ہونے والی ہے

تم نے میری جگہ رقیب کو دی — خوب برطرفی و بحالی ہے
دلِ سوزاں بنے گا گھر تیرا — ''آگ میں داغ بیل ڈالی ہے''
میں نے مانا، وہ آنے والے ہیں — تو قیامت بھی آنے والی ہے
آپ نے آئینہ نہیں دیکھا — ایک بے جاں میں جان ڈالی ہے
تم نہیں دل میں کچھ نہیں دل میں — ''آج کل یہ مکان خالی ہے''
رند کو شیخ جی نے کیوں چھیڑا — ''ایک منہ سے ہزار گالی ہے''

پارسائی صفؔی کی ہے معلوم
کچھ بھی ہو شکل تو بنالی ہے



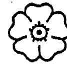
نہ اس کی دوستی کچھ ہے، نہ اس کی دشمنی کچھ ہے — کبھی تولہ کبھی ماشہ، کبھی کچھ ہے، کبھی کچھ ہے
نہ دل اپنا، نہ جاں اپنی، بتائیں خاک شان اپنی — کہ اپنا کچھ نہیں ہے، اور کہنے کو سبھی کچھ ہے
ادائیں دل لبھاتی ہیں، جفائیں دل دُکھاتی ہیں — دوعملی میں پھنسا ہوں دوست کچھ ہے، دوستی کچھ ہے
نہ کہہ، جاتے ہوئے مجھ سے کہ ''دنیا کا بھروسہ کیا'' — یہ دیکھ اے میری دنیا، تُو ابھی کچھ تھا، ابھی کچھ ہے
کبھی ہم اس کی نسبت رائے قائم کر نہیں سکتے — کہ خود کچھ ہے، نظر کچھ ہے، ادا کچھ ہے، ہنسی کچھ ہے
تری بے التفاتی کا گلہ ہے مجھ کو اے ساقی! — نہیں کہتا کہ پہلی چیز کچھ تھی، دوسری کچھ ہے
دعا دیتے ہو اپنے چاہنے والوں کو جینے کی — خدا تم کو سلامت رکھے، یہ بات اور ہی کچھ ہے
بڑی تعریف سنتے تھے تماشا گاہِ عالم کی — یہاں تو کوئی چیز ایسی نہیں، ہاں آدمی کچھ ہے

صفؔی میں کیا کہوں ان دوستوں سے، جو یہ کہتے ہیں
کہ تیری زندگی کچھ اور تیری شاعری کچھ ہے



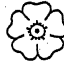
بگڑ کر بات ، پھر کچھ کچھ بنی ہے — وہی ہم ہیں ، وہی جاں کندنی ہے
کیا وہ کام ہم سے ساتھیوں نے — کہ سائے سے بھی اپنے بدظنی ہے
پڑی کس کش مکش میں جان میری — اُدھر اُن سے ، اِدھر دل سے تنی ہے
گلہ کرتا ہی دیکھا جس کو دیکھا — تمہاری آج تک کس سے بنی ہے
محبت میں تری ، دی جان اس نے — ترا محتاج بھی ، دل کا غنی ہے
نہ دیکھو میری صورت یوں بگڑ کر — ذرا دیکھو تو کیا صورت بنی ہے

خدا رکھے ، صفیؔ میں ، اور ان میں
مزے کی چیز ہے ، گو دشمنی ہے



کوئی تم سے جو آ کے کہتا ہے — سب کی نظریں بچا کے کہتا ہے
مشورے، میرے تیرے اے ہم دم! — کون سب ان سے جا کے کہتا ہے
میری بنتی بگاڑنے والا! — بات ہر اک بنا کے کہتا ہے
دل دُکھے، کیوں نہ اس کی باتوں پر — دوست تو دل دکھا کے کہتا ہے
سب ہی سنتے ہیں اس کی پیرِ مغاں — جو کھلا کے پلا کے کہتا ہے
راز وہ راز ہے، جو کوئی دوست — دوست کو دوست پا کے کہتا ہے
کوئی سنتا نہیں کسی کی بات — جب وہ کچھ جی لگا کے کہتا ہے
بات وہ بات ، ہائے وہ جس کو — مسکرا مسکرا کے کہتا ہے
جب وہ کہتا ہے کچھ کسی کی بات — اپنا منشاء چھپا کے کہتا ہے
جب وہ کہتا ہے مجھ سے میری بات — دوسروں کو سنا کے کہتا ہے

اے صفیؔ! کیوں بہار کے قصے
''پھول پتے لگا کے کہتا ہے''



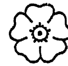
جب ترا انتظار ہوتا ہے — دل بہت بے قرار ہوتا ہے
دل پہ چلتا ہے اختیار ان کا — جب یہ بے اختیار ہوتا ہے
عشق ہوتا ہے، حُسن کا ہم سر — جب یہ خود اختیار ہوتا ہے
وہ مجھے بے قرار کرنے کو — پہلے خود بے قرار ہوتا ہے
حرصِ شہرت نہیں، تو رونا کیوں — نالہ بھی اشتہار ہوتا ہے
دوست کہہ کر نہ دے فریب اے دوست! — دوست پر اعتبار ہوتا ہے
نازنیں ہیں، کب ایسے لوگ صفی
جن کا احسان بار ہوتا ہے



حسن جب سوگوار ہوتا ہے — آفتِ روزگار ہوتا ہے
وہ غضب کی نظر خدا کی پناہ — جیسے دشمن کا وار ہوتا ہے
بے سبب، وہ خفا نہیں ہوتے — کچھ نہ کچھ ناگوار ہوتا ہے
خود پرستی ہے، حسن کی معراج — آپ اپنے سے پیار ہوتا ہے
آپ کے انتظار سے پہلے — وقت کا انتظار ہوتا ہے
ان کے آگے مری دعائیں کیا — انگلیوں پر شمار ہوتا ہے
حسن کرتا ہے دوست، دشمن کو — غیر بھی جاں نثار ہوتا ہے
آئینہ ہو تو سیرِ گل کیسی — خود ہی باغ و بہار ہوتا ہے
استراحت نہیں نصیب صفی
درد، شب زندہ دار ہوتا ہے

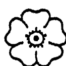


وہ محبت ، جس میں کچھ تاثیر ہے   لاکھ تسخیروں کی اک تسخیر ہے
کوئی برہم ہے ، کوئی دل گیر ہے   خواب ہی میں ، خواب کی تعبیر ہے
ضبط کی طاقت نہیں تو جان دے   آہ کرنا ، عشق کی تحقیر ہے
کیوں نہ تڑپا دے حسینوں کی نظر   ہو اچٹتی بھی تو ظالم تیر ہے
قول کے پابند ہیں اہلِ وفا   وضع داری ، قیدِ بے زنجیر ہے
خواب گاہِ دوست کی زینت بنی   کون ہے ، جس جا ، مری تصویر ہے
سوچتے کیوں وہ ، مرے خط کا جواب   کچھ لحاظِ کاتبِ تقدیر ہے
بے کسی میں کیوں کسی کا نام لوں   جب خدا کے نام میں تاثیر ہے
کون بے پیرا ، کہے گا اے صفی
روزِ پیدائش ہی میرا پیر ہے

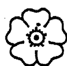


جب وہ گرمِ عتاب ہوتا ہے   چہرہ اور آفتاب ہوتا ہے
آپ ہیں ، ورنہ غیر محفل میں   آدمی کو حجاب ہوتا ہے
وہ حسیں ، جس میں ہو مروت بھی   لاکھ میں انتخاب ہوتا ہے
آنکھ کھلتے ہی ملتی ہے تعبیر   ایک ایسا بھی خواب ہوتا ہے
شکوہ بن جاتا ہے کبھی دفتر   حرف بڑھ کر کتاب ہوتا ہے
عشق ہوتا ہے سو طرح محجوب   حسن جب بے حجاب ہوتا ہے
جب وہ خود امتحان لیتے ہیں   کون پھر کام یاب ہوتا ہے
اب قیامت ہوئی قیامت میں   ان کا میرا حساب ہوتا ہے

کوئی اُن کا مزاج کیا سمجھے ہنستے ہنستے عتاب ہوتا ہے
سچ ہے، جس کو خدا خراب کرے ہر طرح سے خراب ہوتا ہے
ان کی دہلیز پر پڑا ہے صفیؔ
اب یہ عالی جناب ہوتا ہے



روداد حسن و عشق کی شہرت، جہاں میں ہے یہ ایک داستان ہے، جو ہر زباں میں ہے
اللہ ری نخل بندیٔ گل زارِ کائنات منظور کس کی سیر دلِ باغباں میں ہے
مجھ سوختہ نصیب کو حاصل کہاں سکون بجلی نہیں، تو آتشِ گل آشیاں میں ہے
ہر نکتہ چیں کے سامنے دو ہرا رہے ہو کیوں؟ کیا قابلِ گرفت مری داستاں میں ہے؟
کھچ کے ملا کبھی، تو کبھی مل کے کھچ گیا میں کیا بتاؤں کون وہ اپنے گماں میں ہے
مارا کسی کی نیم نگاہی نے ہائے ہائے زخمی ہوں، اور تیر، بکماں کا کماں میں ہے
بے درد ایسے، کوئی زمانہ نہ پاسکا! جن دوستوں کا ذکر مری داستاں میں ہے
پانی بھر آیا منہ میں تری شکل دیکھ کر! جو آنکھ میں مزا ہے، وہ میری زباں میں ہے
آرائشِ جمال میں ہے، روز اختراع یا اِک اضافہ روز مرے امتحاں میں ہے
وہ بھی اگر سنیں تو اسے جھوٹ ہی کہیں یہ خاص بات، صرف مری داستاں میں ہے
ملحوظ روزمرۂ محبوب رکھ صفیؔ
اللہ کا کلام، نبی کی زباں میں ہے



س قیامت کی تری، انجمن آرائی ہے بزم کی بزم ہے، تنہائی کی تنہائی ہے
ریۂ خوں سے یہاں، رخصتِ بینائی ہے اور وہ پوچھتے ہیں، آنکھ تری آئی ہے

ہم نشیں! وعدے پہ آج اُن کے ہنسی آئی ہے
بھولتا ہوں ، کوئی اچھی سی قسم کھائی ہے

بات ہی بات ہے ، تم کو تو خفا ہو جانا
اُسی کم بخت سے پوچھو ، جو تمنائی ہے

ان حسینوں میں رہے کوئی ، تو ناداں بن کر
کام کی بات یہی ہے ، یہی دانائی ہے

ذوقِ نظارہ ، مقدر سے ملے تو مل جائے
یوں تو ہونے کو ہر اک آنکھ میں بینائی ہے

ان کے آنے کی توقع نے کہیں کا نہ رکھا
یاس ہو جائے تو لطفِ شبِ تنہائی ہے

موسمِ گل میں ، جو وہ جانِ بہار آ جائے
تو مجھے بھی ہو مسرت ، کہ بہار آئی ہے

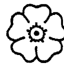
خیر ہے ، کیوں نگہ لطف ، خلافِ عادت
کیا کہیں ان کی طبیعت تو نہیں آئی ہے

جلوۂ ہوش رُبا ہے ، وہ ترا شعبدہ گر
وصل میں ہجر مجھے ، بزم میں تنہائی ہے

سیرِ محفل کے لئے میں نے تو کیں بند آنکھیں
اور وہ سمجھے کہ سچ مچ مجھے نیند آئی ہے

مجھ سے گھل مل کے رہے، لوگ جو پوچھیں تو کہے
''دور ہی دور کی کچھ اس سے شناسائی ہے''

آپ مل لیں جو صفی سے تو عنایت ہوگی
رحم فرمایئے ، اک شخص تمنائی ہے



عرض جو میری متانت سے سنی جاتی ہے
کہیں آئی ہوئی چہرے کی ہنسی جاتی ہے

نالے رک جائیں، کسی طرح یہ آنسو رک جائیں
ورنہ اب ان سے ملاقات رکی جاتی ہے

ایسی نوبت پہ تو پہنچی ہے ہماری حالت
نہ کہی جاتی ہے اُن سے ، نہ سنی جاتی ہے

دمِ رخصت نہ ہوا ، مجھ کو کسی دن محسوس
تم چلے جاتے ہو ، یا جان چلی جاتی ہے

جھوٹی باتیں وہ کیا کرتے ہیں ہم شکلوں سے
اور پھر اس پہ گواہی مری لی جاتی ہے

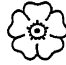
وہی ہوتے ہیں شہیدانِ محبت شاید
جان جن لوگوں کی آسان چلی جاتی ہے

صبح ، اس طرح مرے پاس سے جایا کیجیے
جس طرح آ کے نسیمِ سحری جاتی ہے

نازنیں آنکھوں سے گر جاتے ہیں ٹپ ٹپ آنسو
کبھی ایسی بھی ہنسی ہم پہ ہنسی جاتی ہے

زہر لگتی ہے مجھے فرقتِ ساقی میں شراب — نیند آنے کی دوا جان کے پی جاتی ہے
لال انگارہ بنا جاتا ہے غصّے سے وہ منہ — شفقی رنگ میں اور آگ لگی جاتی ہے

اس سے بڑھ کر صلۂ شعر بھلا کیا ہو صفی
لوگ سر دھنتے ہیں، تعریف تو کی جاتی ہے



آرزو بھی دل میں، ترکِ آرزو بھی دل میں ہے — آدمی کی جان مشکل کیا؟ بڑی مشکل میں ہے
ہم پہ گستاخی کی تہمت، کیوں تری محفل میں ہے — منہ کی منہ میں ہے، ابھی تو بات دل کی دل میں ہے
ہے تماشائی بھی کوئی تو بڑی مشکل میں ہے — آپ کے بس میں ہے، جب تک آپ کی محفل میں ہے
بے محبت، کون سا ذرہ ہے مخلوقات کا — یہ بلا سب کے جگر میں، آدمی کے دل میں ہے
آگے، پیچھے، دائیں، بائیں، نیچے اوپر ہے نگاہ — دو بہ دو ہے مجھ سے بدظن، یا بھری محفل میں ہے
کیوں پرایا مال سمجھے، وہ پرائے مال کو — دوست کا دل تو حسابِ دوستاں دردل' میں ہے
لاکھ گرمی ہو، مگر اٹھتا نہیں اُن کا نقاب — اور بھی حائل کوئی اس پردۂ حائل میں ہے
میہمانی میں یہ جدت، واہ اے حاضر جواب! — سب کی عزت بزم میں ہے، میری عزت دل میں ہے
کیوں مہِ کامل سے دی تشبیہہ روئے دوست کو — شاعرو! کتنا بڑا دھبہ مہِ کامل میں ہے
مجھ کو بے ارمان سمجھے، ہائے اُن کی سادگی — کم، زیاد، اچھا، برا ارمان سب کے دل میں ہے

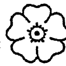
کیا کہوں میں ان معزز نکتہ چینوں کو صفی
گفت گو محفل سے باہر، خامشی محفل میں ہے



ماغوں پر تسلط ہے، دلوں پر حکم رانی ہے — جوانی اللہ اللہ حسن والوں کی جوانی ہے
سینوں سے دو عملی میں ہماری زندگانی ہے — زباں پر شکر، دل میں شکوۂ ناقدر دانی ہے
دکھایا دل تو بس اک اونہہ کر دی میں یہ سمجھا تھا — انہیں آنکھیں بھی ہیں، جن سے امیدِ قدر دانی ہے

نہ روکر اپنے آنسو پی لئے میں نے، تو وہ سمجھے — یہ ہے تھوڑے سے پانی میں، ذرا سا اس کا پانی ہے
مشیرو! ان سے یہ کیسا کہوں "میں تم پہ عاشق ہوں" — اگر وہ پوچھ بیٹھیں "کیا صداقت" کیا نشانی ہے
یقیں آئے گا جس پر دل سے، اس کو سجدہ کرلیں گے — ہمیں سب سے الگ ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنانی ہے
وہ آئیں یا نہ آئیں، دل نے میری جان لے ڈالی — الٰہی! توبہ توبہ، کس سے کس سے بدگمانی ہے
نہ شکل اچھی، نہ گن اچھے، نہ اچھا دوست رکھتا ہوں — وہ خود اچھے ہیں، اچھا جانتے ہیں، مہربانی ہے
خرابِ و خستہ بن کر، کوئی عاشق بن نہیں سکتا — بنے بہروپیا، جو ایک صورت ہی بنانی ہے
بڑی چیز آنکھ ہے، انسان ہو تو آنکھ پہچانے — خدا رکھے، نظر کا تاڑ جانا غیب دانی ہے

صفیؔ بھی کس قدر نادان ہے، شاعر ہوا تو کیا
اسے لوگوں سے جیتے جی امیدِ قدر دانی ہے



دل، اور دل میں درد کے ساتھ اضطراب ہے — کیا کچھ نہیں، مگر مری قسمت خراب ہے
اللہ، آنکھ کو بھی نظر سے حجاب ہے — کیا بارگاہِ حسنِ تقدس مآب ہے
اظہارِ عاشقی نے بنایا ہے منفعل — اب ان سے کچھ زیادہ ہی مجھ کو حجاب ہے
اچھوں کے واسطے، بہت اچھا ہے دردِ عشق — جو ہیں خراب، ان کو نہایت خراب ہے
دنیا کی ہر بلا سے ہے پاک اُن کی دوستی — آنکھوں میں جن کی شرم ہے، دل میں حجاب ہے
اس مضطرب سے پوچھ مزا اضطراب کا — جس کے لئے خوشی سببِ اضطراب ہے
آجائے مجھ کو، آئی مرے ہم نشین کی — بے چارہ، مجھ خراب کی خاطر خراب ہے
لوگ اچھی صورتوں کو بھی کہنے لگے بُری — پروردگار! کتنا زمانہ خراب ہے
رکھتے ہیں مجھ کو تشنۂ دیدارِ وصل بھی — یہ بھی خبر ہے، پیاس بجھانا ثواب ہے
کھلتی نہیں ہیں حسن کی عالم فریبیاں — اندھوں کی سیر، اور یہ گونگوں کا خواب ہے

تجھ کو بُرا جو کہتے ہیں سب غم نہ کر صفیؔ
اچھوں کے واسطے یہ زمانہ خراب ہے



رفتارِ ناز ، دل کو اڑانے کی چال ہے
اب آپ کیا چھپاتے ہیں، صورت سوال ہے

کھینچی تھی ایک آہ کبھی اُن کے سامنے
برسوں گزر گئے ، مجھے اب تک ملال ہے

سادہ اگر ہوا شک ، تو ہیرے کی ہے کنی
خونین جو ہو تو یہ مری آنکھوں میں لال ہے

آئینہ سامنے ہے ، کرو اس سے یہ سوال
مجھ سے نہ پوچھو ، کوئی ہماری مثال ہے

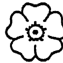
میں کشتۂ ادا ہوں، تو دل ان سے کیا بچاؤں
زندے کے اختیار میں مردے کا حال ہے

اس کی گلی کو کیوں نہ کہوں پھر بھلا بہشت
جب عالمِ مثال میں ، سب کی مثال ہے

کیا کیا نہیں ہوئے تھے زبانی قرار و قول
جھٹلا رہے ہو تم ، مجھے اچھا خیال ہے

وہ بے نقاب ہیں تو یہ ہے رعب حسن کا
دیکھے نظر اٹھا کے یہ کس کی مجال ہے

جی میں ہے روپ بھر کے فقیروں کا اے صفی
کہتا پھروں ''فقیر کی صورت سوال ہے''



جگر میں درد ہے لب پر فغاں ہے
جہاں جو چیز ہوئی تھی وہاں ہے

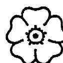
حسینوں کو غرور اپنا سا بخشا
مرا اللہ میاں بھی بس میاں ہے

سراہوں کیوں نہ ان کی رہ گزر کو
مجھے جینا وہاں، مرنا وہاں ہے

نہ پوچھا اُس نے میرے گھر کو آ کر
نہیں تو کیوں نہیں، ہے، تو کہاں ہے؟

اُڑائی خاک تیرے غم میں اِتنی
زمیں میرے لئے اب آسماں ہے

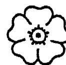
تری محفل میں تو موجود ہیں سب
صفی اورنگ آبادی کہاں ہے



جسے وہ کچھ بنانا چاہتا ہے تو پہلے دل دُکھانا چاہتا ہے
وہ جب کچھ مُسکرانا چاہتا ہے ہر اک اپنی سنانا چاہتا ہے
بڑی اچھی سہی دُنیا سے جنت خوشی سے کون جانا چاہتا ہے
نہ پوچھو کیوں محبت کرنے والا محبت کو چھپانا چاہتا ہے
کبھی وہ مہرباں ہو بھی تو سمجھو کچھ اندازہ لگانا چاہتا ہے
گھٹا سکتا نہیں کوئی بھی اُس کو خدا جس کو بڑھانا چاہتا ہے
یہ کیوں رہ رہ کے مسجد کا ارادہ
صفیؔ کس کو منانا چاہتا ہے

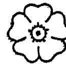


مست غرور و ناز یہاں ہر حسین ہے زاہد یہ آسمان نہیں ہے زمین ہے
جب تک ہے دل ہمارا کوئی دل نشین ہے یہ اور بات ہے کہ مکاں سے مکین ہے
کیوں خیر تو ہے جانِ جہاں دشمنوں کا حال بھیگی ہوئی سی آج تری آستین ہے
رکھی ہے اور دور ہی کی اُن سے دوستی دشمن بھی آدمی تو بڑا دوربین ہے
آئی دعا نہ بابِ اثر سے اثر کے ساتھ اب تک تو اُن کا قول ہی کرسی نشین ہے
تم سے چھٹے تو اپنا جہاں جی لگا گئے کیوں آج تم کو اس کی اجی چھان بین ہے
بس ایک آپ ہیں جو صفیؔ کو نہیں نصیب
شاعر ہے، زندہ دل ہے، ذکی ہے، متین ہے



اُس کے بھی دل میں میری محبت ضرور ہے — لیکن کبھی کبھی ہے ذرا دور دور ہے
بچپن میں تم کو حسن پر اتنا غرور ہے — کاہے میں کچھ نہیں ابھی دلی تو دور ہے
قسمیں ہزار کھائیے یہ مانتا نہیں — اک دہریہ بغل میں دل ناصبور ہے
تسکین بخش خاطرِ عشاق کیا نہیں — تو دور ہے تو تیرا تصور بھی دور ہے
ملنے کو کھچ کے ملتے عدو سے بھی ہم مگر — اخلاق سے بعید مروت سے دور ہے
اتنا تو میں کہوں گا کہ دشمن کا تم کو پاس — تھوڑا سہی بہت نہیں لیکن ضرور ہے
تم کو کیا جو پیار ہمیں سے خطا ہوئی — ہاں مہربان سچ یہ ہمارا قصور ہے

دولت ملے صفی کو تو کیا جانے کیا کرے
کاہے میں کچھ نہیں ہے تو اتنا غرور ہے

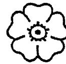


مصیبت رنج و غم صدمہ ہر اک منظور ہوتا ہے — محبت ایسی شئے ہے آدمی مجبور ہوتا ہے
کہیں جاتے ہیں تو اُس کی گلی سے ہو کے جاتے ہیں — اگرچہ راستہ اس راستے سے دور ہوتا ہے
جوانی، حسن، دولت، خود پسندی لے کے آئے ہیں — کہ ان سب صورتوں میں آدمی مغرور ہوتا ہے
تمھیں کیا لوگ اچھی صورتوں کو پیار کرتے ہیں — ہمیں کیا ساری دنیا کا یہی دستور ہوتا ہے
تری فرقت میں کچھ تو ہو نہیں سکتا غریبوں سے — تڑپ لیتے ہیں اُن کا جس قدر مقدور ہوتا ہے
کیا معشوق کو بھی قید جس نے وہ زلیخا تھی — یہاں اُنگلی لگانے کا بھی کب مقدور ہوتا ہے
حصول آبرو کی آس بھی دھوکا ہے پانی کا — کہ پیاسا جس قدر نزدیک ہو وہ دور ہوتا ہے

صفی ہر دم تڑپنے کی بھلا طاقت کہاں مجھ میں
ذرا اُن کو ستانا بھی کبھی منظور ہوتا ہے



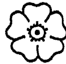
داؤ میں جو وہ فتنہ گر آئے　　میرے مالک! مراد بر آئے
نہ ملے مجھ سے شکل تو دیکھوں　　وہ نہ بیٹھے یہاں مگر آئے
بزم دشمن میں مجھ سے پہلے ہی　　پوچھتے ہیں کہ تم کدھر آئے
واہ وا خوب انتظار لیا　　آپ تو خوب رات بھر آئے
اُس نے لکھ کر لگا دیا در پر　　جو کوئی آئے پوچھ کر آئے
ابھی دل تھا ہمارے پہلو میں　　کون جاتا ہے وہ ادھر آئے
تم کہاں ہو شراب خانہ کہاں
اے صفیؔ لہر میں کدھر آئے



اس بزم سے پرملال آئے　　کیسے کیسے خیال آئے
ملنے جلنے کا پھر مزہ کیا　　آپس میں جب ملال آئے
ہے کوہ کنی بھی وجہ شہرت　　انسان کو کچھ کمال آئے
مجھ کو کوئی مشغلہ بتادو　　جب تک روزِ وصال آئے
ہر بات میں گھات واہ واہ واہ　　کس کو یہ بول چال آئے
میں نے سب کا خیال چھوڑا　　اُن کو کچھ تو خیال آئے
اُن کی غصہ بھری بھی آواز　　صوفی جو سنے تو حال آئے
محتاج نہ کر غنی کو یارب　　ہے ہے جس پہ زوال آئے
جتنے بھی وہاں گئے پیامی　　کچھ اپنی غرض نکال آئے
بیمار نے کی مزاج پرسی　　وہ کچھ ایسے نڈھال آئے
دیکھوں تو غلط مثال دیکر　　شاید وہ بے مثال آئے
کس منہ سے ادا ہو شکر ساقی　　بے حال گئے بحال آئے
وہ سب کی سنبھال جانتا ہے　　جس کو اپنی سنبھال آئے

سب کچھ ملتا ہے آدمی کو — لیکن طرز سوال آئے
اس در پہ فقیر بن کے پہنچوں — اچھا جو کوئی سوال آئے
روکر کھویا ہے صبر گویا — نیکی دریا میں ڈال آئے

چھوڑو بھی صفی سیاہ کاری
داڑھی میں سفید بال آئے



جب آئے حضرت دل کھو کے آبرو آئے — نہ جست و جو انہیں آئی نہ جست و جو آئے
جو تیرے پاس کوئی لے کے آرزو آئے — اجازت اتنی تو پائے کہ روبرو آئے
بتا اسے جو عدو سے یہ گفت و گو آئے — خدانخواستہ اقرار کرکے تو آئے
ہزار اب کوئی بن بن کے روبرو آئے — یہاں وہ دل ہی نہیں جس میں آرزو آئے
تمہارے ظلم تو بے شک ہیں قدر کے قابل — مگر مزہ ہو جو مجھ کو بھی ہائے ہو آئے
مرے نہ ہونے کا دھوکہ تو ہو نہیں سکتا — نہ آنے والے یہ کیوں میرے روبرو آئے
مرا بیان غلط، سچ ہے، بیچ والے کون — کہ تیرے دل میں جو آئے تو آج تو آئے
نگاہ شوق سے ہوتا ہی کیا ہے ہاں اچھا — قسم ہے اس کو اگر کوئی روبرو آئے
حضور آپ کا فرمان آپ ہی سمجھیں — کسے یہ طرز، یہ لہجہ، یہ گفت و گو آئے
وہ ہم کہاں وہ زمانہ کہاں وہ لوگ کہاں — تم اب جو آئے تو بے کار فالتو آئے
حجاب، خوف، جھجک، شرم سب بہانے ہیں — جو آئے دل میں تو وہ سب کے روبرو آئے
کوئی جواب ہے پھر اے دل قصور سرشت — جو کل کے روز کوئی اُن سے گفت و گو آئے
ہمارے گھر میں ہمیں لے گئی تھی یاس گئے — تمہاری بزم میں پھر لائی آرزو آئے
دکھاؤں پھر اسے کس کس نے اس کو دیکھا ہے — ذرا وہ مجھ سے کہے میرے روبرو آئے
نگاہ داد طلب کے تو میں تصدق ہوں — مری سمجھ میں بھی لیکن یہ گفت و گو آئے
جناب شیخ اجی قبلہ او بڑے حضرت — تمہارے لب پہ بھی ذکر مئے و سبو آئے

رقیب جلتے ہیں مجھ سے ضرور جلتے ہیں
یہ ایسی آگ نہیں جس کی تم کو لوٗ آئے

ضرور کچھ تو زمانے کا رنگ بدلا ہے
نہیں تو صلح کی خاطر وہ جنگ جو آئے

زمانہ یاد ہے وہ بھی کہ ہر جگہ ہم تم
گئے تو دوبدو آئے تو دوبدو آئے

وہ آزماتے ہیں اے دل تجھے یہ رائے نہیں
نہ دیکھنا کوئی کیسا ہی روبرو آئے

یہ لطف خاص بھی وہم آفریں ہے اے ساقی
مرے ہی آگے چھلکتا ہوا سبو آئے

جنوں کدھر کا یہ ہے رشک اس کو مجھ سے پوچھ
رقیب کو مرے کپڑوں سے تیری بو آئے

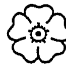
کسی کی یاد کا اک سلسلہ تو جاری ہے
بلا سے آنکھ سے آنسو نہیں لہو آئے

ترے کرم کی رہے بات چار میں پھر کیا
مری زباں پہ اگر کوئی آرزو آئے

یہ دشت عشق مقام ادب ہے دیوانو
کسی کے پانو کے نیچے نہ گھوکرو آئے

کسی کا ہاتھ گریباں پہ میرے پڑ جائے
کسی کے کام یہ ناقابل رفو آئے

غزل نہیں ہے یہ دل کی بھڑاس ہے ظالم
تری سمجھ میں صفؔی تیری گفت و گو آئے



ہزار ماہ جبیں لاکھ خوب رو آئے
مگر پھر آئے تو اے دل! اُسی پہ تو آئے

جو اُن میں مجھ میں مرا ذکر دوبدو آئے
تو پھر خدا کی قسم لطفِ گفت و گو آئے

نہیں ہے عذر مجھے لاکھ بار تو آئے
مگر سمجھ میں کوئی تو گفت و گو آئے

اُسے تو دیر ہے کیا موت کو بھی موت آئی
وہ حیلہ جو تو نہیں، یہ بہانہ جو آئے

فقط یہ بات ہے کیوں جیسے کوئی لڑتا ہے
خدا کرے کہ تجھے طرز گفت و گو آئے

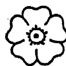
خدا دعا میں اثر، جذب دل میں دے تاثیر
تو بے بلائے یہاں آئے اور تو آئے

عدو پہ ناحق و بے جا ستم نہیں، لیکن
بہت برا ہے جو ایسوں کو ہائے ہو آئے

سنے وہ کس کی کہے کس سے، گونگے بہروں سے
پسند جس کو بھلا تیری گفت و گو آئے

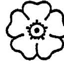
نہیں ہے کچھ بھی بھرم ہی بھرم ہے زاہد کا ۔۔۔ نماز آئے نہ کم بخت کو وضو آئے
مقام امن ہے دشت جنوں خدا رکھے ۔۔۔ نہ اس میں چور نہ کانٹا نہ گوکھرو آئے
نہ اپنے ذہن میں مَیں آپ کا خیال رکھوں ۔۔۔ نہ دوستوں سے مجھے دشمنی کی بو آئے
جناب شیخ کی توبہ سنّی ہے، اے توبہ ۔۔۔ پھر اس پہ آج بڑے بن کے سرخ رو آئے
ابھی کسی کو یہیں سے نکالتے ہیں ہم ۔۔۔ در قبول کو جا کر دعا جو چھو آئے
اب اس کو بھول کہیں ہم کہ بے خودی سمجھیں ۔۔۔ خبر نہیں ہے کہاں کھو کے آبرو آئے
کبھی نہ آئے تو وہ مرے سامنے بھی نہ آئے ۔۔۔ کبھی جو آئے تو وہ سب کے روبرو آئے
ادھر یہ وضع ہے اب تک کہ پہلے تم آؤ ۔۔۔ اُدھر یہ ضد ہے کہ ایسا نہ ہوگا تو آئے
ہم اور روئیں گلے مل کے دشمنوں سے چہ خوش ۔۔۔ یہ دیکھتے ہیں کہ تیری کسی میں بو آئے
وہ آ ہی جائیں گے بس انتظار اس کا ہے ۔۔۔ کہ آنسوؤں کے عوض آنکھ سے لہو لائے
ترا کہا تو نہ ہوگا کبھی مگر زاہد ۔۔۔ جو ہو بھی یہ تو ترے، ہاتھ کیا کدو آئے
جو بوند بھر بھی نہیں تو کچھ ایسا ساماں کر ۔۔۔ کسی طرح مرے ساقی ذرا سی بو آئے
نہیں ہے اتنا بھی دیوانہ تیرا دیوانہ ۔۔۔ کہ سمجھے دوست جو دشمن بھی روبرو آئے
ہماری بزم تصور بھی کیا تماشا ہے ۔۔۔ کہیں جو جا نہ سکے وہ بہانہ جو آئے
عدو ہے چرب زباں سخت گو تو شکوہ کیوں ۔۔۔ تمہیں کب آئی ہے جو اُس کو گفت و گو آئے
بڑی حیات ہے میں تو کچھ اور سمجھا تھا ۔۔۔ وہ پہنچے حضرت ناصح، یہ روبرو آئے

صفؔی وہ یاد ہے کہنا کسی کے درباں کا
ذلیل و خوار ہوئے کھوئی آبرو آئے



جب تک ہے رگوں میں خون رو لے ۔۔۔ بہتی گنگا ہے ہاتھ دھو لے
بے تاب کیا دکھا کے جلوہ ۔۔۔ کس حسن سے میرے عیب کھولے

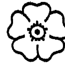
قابو میں رکھے زباں کو انساں　　جو کچھ بولے سمجھ کے بولے
او کام پر اپنے جانے والے　　جاتے جاتے ادھر بھی ہولے
افسونِ عشق اور فرہاد　　جادو جو سر پہ چڑھ کے بولے
ہوتے ہیں صفؔی غضب قیامت
یہ سارے حسین بھولے بھولے



اپنے گھر میں نہ رہے اس کی گلی میں ٹہلے　　دن تو کٹ جانے کے کٹ جائیں گے دل تو بہلے
پھر تمنا بھی کہوں فکر ہے اس سے پہلے　　مجھ سے اس کا بھی کسی طرح ذرا جی بہلے
محفل غیر سے تھی عار اگر تھی پہلے　　اب تو اس بات پہ مرتے ہیں کہیں جی بہلے
اس کو دعوائے وفا میرے مقابل تو نہیں　　عام اجازت ہے کوئی اپنے جگہ کچھ کہہ لے
کبھی دن کو بھی نکلتے نہ تھے گھر سے باہر　　اب تو راتوں کو پھرا کرتے ہوا ہلے گہلے
کاٹ دی ہم نے بھی شب آپ کے آرام کی خیر　　کبھی دروازے پہ بیٹھے کبھی گھر میں ٹہلے
وحشتِ دل سے تماشا ہیں زمانے میں صفؔی
پھر بھی مرتے ہیں کسی طرح ذرا جی بہلے

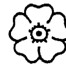


عشق میں مجنوں کہائے رند بدمشرب بنے　　سب بناوٹ اس لئے کی تھی کہ کچھ مطلب بنے
کھیل ہوگا آپ کا پڑ جائے گی مشکل مجھے　　قہر ہوگا ہاتھ دشمن کے اگر عقرب بنے
قصہ گو بن جائیں گے عزت کی کچھ پرواہ نہیں　　ان کو حال دل سنانے کا کوئی تو ڈھب بنے
جبہ و عمامہ و تسبیح رکھتے ہیں صفؔی
شیشۂ مۓ چھوڑ کر اب مولوی صاحب بنے



دوست بہر اضطراب قلب مضطر بیٹھتے	کچھ نہیں تو پاس ہی میرے گھڑی بھر بیٹھتے
مجھ سے روٹھے تھے اگر اغیار کے گھر بیٹھتے	کس نے روکا تھا انہیں وہ کچھ نہ کچھ کر بیٹھتے
اُن کا جانا ہی تھا اچھا، ان کے دل میں تھا غبار	بیٹھتے بھی وہ اگر مجھ سے مکدر بیٹھتے
ہم تری محفل میں بیٹھیں کس طرح اے فتنہ گر	اب جو ہیں محفل میں وہ محفل سے باہر بیٹھتے
آ کے الٹے پاؤں پھر جانے کا آخر کیا سبب	کیا جگہ اُن کو نہ تھی وہ میرے سر پر بیٹھتے
ان کو ہر اک طرح کی ہے دشمنوں سے دوستی	دل نہ ملتا بھی تو اُن لوگوں میں مل کر بیٹھتے
خوف رسوائی مرے گھر میں تو عذر لنگ تھا	بیٹھنا جی میں اگر ہوتا مقرر بیٹھتے
داغ اپنے تو دکھا دیتا سر محفل اگر	تیرے سکے لاکھ پر اے قلب مضطر بیٹھتے
تیرے کوچے میں نہ بیٹھے ہم تو اس کا کیا گلہ	بیٹھتے تو اس طرح جس طرح بے گھر بیٹھتے
اشک تیرے تھم گئے تو کام میرا رک گیا	ہوتی بارش، وہ ابھی اۓ دیدۂ تر بیٹھتے
دوست کی محفل نہیں تو غیر ہی کا گھر سہی	جس جگہ ہم کو بٹھا دیتا مقدر بیٹھتے

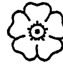
اب کہاں وہ رنگ وہ یارانِ ہم مشرب صفیؔ
اُٹھ گئے دنیا سے جو تھے ساتھ اکثر بیٹھتے



سب سے تو بدگمان ہے پیارے	کس مصیبت میں جان ہے پیارے
چاند سورج میں تیری بات کہاں	ان کی اونچی دکان ہے پیارے
ہے الگ بات بات کا انداز	اپنی اپنی زبان ہے پیارے
سو سنوں اور ایک بھی نہ کہوں	منہ ہے منہ میں زبان ہے پیارے
اب خدا لے اسے کہ تو ہی لے	بس میری ایک جان ہے پیارے

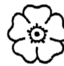
دل ہے کیا مال جان ہے کیا چیز — تو ہی دل تو ہی جان ہے پیارے
نہ بچا ایک آن بھی عاشق — ہائے کیا تجھ میں آن ہے پیارے
اب مجھے احتیاج کس کی ہے — تو ہی دنیا جہان ہے پیارے
بوالہوس اور عشق کا دعویٰ — تیرا منہ درمیان ہے پیارے
کیوں نہ رخصت ہوں مجھ سے میرے ہوش — آج تو میہمان ہے پیارے
کیا کسی کی سنوں شب وعدہ — تیری آہٹ پہ کان ہے پیارے
دل کے جاتے ہی کاش موت آتی — مجھ کو تجھ پر گمان ہے پیارے
حال میرا ذرا تو سن کر دیکھ — پیار کی داستان ہے پیارے
آئینہ دیکھ کر نہ دیکھ مجھے — کون تجھ سا جوان ہے پیارے
کسر نفسی نہیں تجھے زیبا — یہ تو میری زبان ہے پیارے
تیری دہلیز ہر نراسے کو — آس کی آستان ہے پیارے

اے صفؔی اب دکن کہاں وہ دکن
یہ تو ہندوستان ہے پیارے



دور سے امتحان ہے پیارے — تو بھی کیا آسمان ہے پیارے
سرو ہے اور تیرا قد ہے اور — اپنی اپنی اُٹھان ہے پیارے
شان عشاق کی نہ گھٹنے پائے — اس میں تیری ہی شان ہے پیارے
سکھ میں جو ہے وہی ہے دکھ میں بھی — دل ہمیشہ جوان ہے پیارے
دل نشیں تو نہو تو دل بے کار — کہ مکیں سے مکان ہے پیارے
تو بنے میری جان کا دشمن — کس مصیبت میں جان ہے پیارے
بے ادب سب کے ساتھ ہم کو نہ کر — سب کے منہ میں زبان ہے پیارے

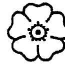
گرمیٔ بزم تک نہیں منظور ہائے کیا دھان پان ہے پیارے
تو ہے بے مہر اور سنتا ہوں سب پہ تو مہربان ہے پیارے
سب حسیں تیرے سامنے بت ہیں کس کے منہ میں زبان ہے پیارے
کاش ہم پر وہ مہربان رہے جس پہ تو مہربان ہے پیارے
ہاں بجا میں نہیں ہوں اپنے میں تیری دھن تیرا دھیان ہے پیارے
تجھ میں مجھ میں ہیں اور بھی فتنے یا فقط آسمان ہے پیارے
کیا کرے گی کسی کی بے مہری تو اگر مہربان ہے پیارے
تیری کس بات پر مجھے شک ہو ایک سب کا بیان ہے پیارے
تیرے ملنے سے یاس کیوں ہوتی نام بھی اک نشان ہے پیارے
دل صفی کا نہ دیکھ حیرت سے
یہ مکاں لامکان ہے پیارے



جب سیر کو بازار نہ رہنے کو مکاں تھے ہم سے کوئی پوچھے کہ ہم اُس وقت کہاں تھے
ہم چین سے ہوتے تو بہت کھول کے لکھتے دنیا کے وہ سب کام جو بے سود وزیاں تھے
"افسردہ دل افسردہ کند انجمنے را" وہ پھول بھی دیکھے ہیں جو پامال خزاں تھے
تھے ہم بھی کبھی آپکے عشاق میں لیکن نظروں میں سبک اور طبیعت پہ گراں تھے
معلوم ہوا وصل وصال ایک تھے دونوں جب آنکھ ہوئی بند یہاں تھے کہ وہاں تھے
میں کون؟ یہ تم اپنے کسی دوست سے پوچھو کیوں خوش تو ہوا چھے تو ہو کیسے تھے کہاں تھے
جب آپ نے جھڑکا ہے تو ایمان سے کہنا کیا کیا مری اُتری ہوئی صورت پہ گماں تھے
اب ان میں کہیں یاس کہیں درد ہے ظالم یہ دیدہ و دل ہائے کبھی تیرے مکاں تھے
یہ تیری عنایت کی نظر جب سے نہیں تھی ہم نام ونشاں رکھ کے بھی بے نام ونشاں تھے

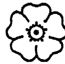
جب درد گیا دل سے تو سب پوچھنے آئے — اب تک یہ میرے دوست یہ غم خوار کہاں تھے

بے چارے صفؔی نے تو طبیعت نہیں بدلی
ہاں آپ میں یہ قاعدے قانون کہاں تھے



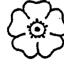
احباب کو شک تھا نہ حسینوں کو گماں تھے — میرے نہ تڑپنے میں بہت راز نہاں تھے
اس طرح وہ کیوں غصہ ہوئے خیر ہو ہم دم — اتنا تو خطاوار ہوں پوچھا تھا کہاں تھے
اب روتے ہیں ہم جی کے بہل جانے کی خاطر — تھا درد تو کچھ اور ہی انداز فغاں تھے
تلچھٹ سہی دینے کا مگر نام تو ہوتا — ہم بھی تو دعا گویوں میں اے پیر مغاں تھے
امید ترے لطف کی تھی خیر کبھی تھی — ارمان تری چاہ کے تھے، ہم کو تو ہاں تھے
بربادیٔ دل قابل افسوس ہے ظالم — اس شہر میں سب غور غریبوں کے مکاں تھے
اب آپ کی کیا بات، مری بات ہی کاٹی — پہلے مگر اس طرح کے فقرے بھی رواں تھے
کچھ گریہ و زاری نے مری بات بنادی — یہ صبر و تحمل تو بڑے آفت جاں تھے
کیا طرفہ مصیبت ہے یہ اے بے خودیٔ شوق — ہم آج یہاں تھے نہ وہاں تھے تو کہاں تھے
ہر شخص کی تعظیم ہے ہر شخص کی تکریم — یہ لطف ترے، جان کے بدلے میں گراں تھے

ہم کیا ہیں صفؔی، قیس کو فرہاد کو دیکھو
جب زندہ تھے بیچارے، تو رسوائے جہاں تھے

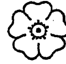


دیں گے نااہل خاک رائے تجھے — ہر بلا سے خدا بچائے تجھے
عاجزی، توبہ، یہ بھی کی وہ بھی — کوئی اب کس طرح منائے تجھے
عید کے روز صاف دیکھ لیا — کوئی اب کیا گلے لگائے تجھے
کیا کریں شکوہ صرف یہ سن لے — ہم نہ سمجھے تھے ایسا ہائے تجھے

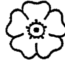
اے دل طالب وصال آمین کاش یہ دن خدا دکھائے تجھے
میں تو اُس کا غلام بن جاؤں جو مرے کام کا بنائے تجھے
چاہ پھر چاہیے بوالہوس کو چاہ کاش یہ کام آ تو جائے تجھے
سوچ اے میرے بھولنے والے کوئی یوں ہی جو بھول جائے تجھے
بات کٹنے کا جس کو رنج نہو اپنا دکھڑا وہی سنائے تجھے
اے صفی چپ تو رہ کبھی ظالم
کھا گئی تیری ہائے ہائے تجھے



تمہارے تیر کے ٹکڑے نہیں ہیں تیر کے ٹکڑے یہ ٹکڑے ہیں مری پھوٹی ہوئی تقدیر کے ٹکڑے
جو غصہ تھا تو کرتا عاشق دل گیر کے ٹکڑے کئے کس واسطے تو نے مری تصویر کے ٹکڑے
پلاؤ زہر تم تو ہم ابھی پینے کو حاضر ہیں مگر کس طرح اُتریں روکھے سوکھے تیر کے ٹکڑے
ترا دیوانہ کیا، ہشیار بھی یہ کر نہیں سکتا نہیں معلوم کیسے ہو گئے زنجیر کے ٹکڑے
مسلسل ہم سے رونا بھی نہیں ہوتا صفی صاحب
ہوئے ہیں جا بہ جا سے نالۂ شب گیر کے ٹکڑے



ترے کوچے میں آئے ناتواں تو جابجا ٹھیرے گرے گر کر اُٹھے اُٹھ کر چلے چل کر ذرا ٹھیرے
کبھی وہ بھولے بھٹکے آ گئے بھی تو ذرا ٹھیرے الٰہی پھر دل مضطر اگر ٹھیرے تو کیا ٹھیرے
ترا آنا نہ آنا ایک ہے سب اے بت کافر کوئی آخر کسی کے گھر میں آئے تو ذرا ٹھیرے
تمنائے حصول مدعا کیا چیز ہوتی ہے کہ پہروں التجا کرتے مرے دست دعا ٹھیرے
اُنہیں جن سے محبت ہے برے بھی ہیں تو اچھے ہیں کوئی کس واسطے ایمان کی کہہ کر بُرا ٹھیرے
صفی کیا خاک تم ہم کو مبارک باد دیتے ہو
وہ آئے بھی تو کیا آئے وہ ٹھیرے بھی تو کیا ٹھیرے



رہ گئی اتنی محبت مری جاتے جاتے
دیکھ لیتا ہوں ستم گر تجھے آتے جاتے

اس قدر وہم کہ ٹوکا جو کبھی میں نے اُنہیں
بہتے رستے میں کھڑے ہو گئے جاتے جاتے

تم کو بدنام کیا کس نے مجھے کیا معلوم
سیکڑوں روز اسی گھر میں ہیں آتے جاتے

اب جو کی ترک جفا تم نے مبارک ہو تمہیں
ہے یہاں کون ستاتے ہو جو آتے جاتے

حضرت دل نہ رکھیں آپ تمنائے وصال
ایک جھک جھک ہے مری جان کو آتے جاتے

اُن کی محفل میں نہ جاتا تو کوئی بات نہ تھی
وہ بلانے کے طریقے سے بلاتے جاتے

تم کو بدنام کیا کس نے کوئی غیر نہیں
بس یہی دوست تمہارے یہی آتے جاتے

دل ناعاقبت اندیش مزہ تو جب تھا
ہم نہ جاتے وہ ہمیں روز بلاتے جاتے

اے صفی اب تو نہیں اپنی وہ آو کہ جاوک
گاہے ماہے یونہی مل لیتے ہیں آتے جاتے



ٹھٹھے سے مجھ کو کہتے ہیں کیوں اے صفی چلے
بیٹھے ہی بیٹھے آپ تو چلتی ہوئی چلے

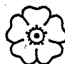
محفل میں اس کی چین نہ دم بھر ہوا نصیب
آئے کبھی اُٹھے کبھی بیٹھے کبھی چلے

یہ بھی مزاج ہے! ابھی خوش تھے ابھی خفا
یہ کوئی بات ہے ابھی آئے ابھی چلے

عالم خرام ناز کے قربان ہو گیا
کیا کیا کریں نہ آپ اگر آپ کی چلے

محفل تمہاری تم کو مبارک جو غیر کو
کانٹے ہی چبھ رہے ہیں تو لو ہم ابھی چلے

سودائیوں کے فعل کا کیا اعتبار ہو
بیٹھے تو بیٹھے اور چلے تو صفی چلے

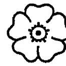


آنکھ میں نم، دل میں رقت چاہئے چاہنے میں واقعیت چاہئے
صاف اظہار محبت چاہئے اس میں ہمت اور جرات چاہئے
وصل ہوتا ہے کبھی وجہ وصال کیوں نہ ہو ہر شئے کی عادت چاہئے
کس کو اس کی بزم کا ارماں نہو ہر سمجھ والے کو جنت چاہئے
خودکشی کیوں جرم میں داخل نہو جیسی نیت ویسی برکت چاہئے
عمر بھر میں ایک سجدہ ہی سہی ہر عبادت میں صداقت چاہئے
ہے اگر منظور تقلید عوام ہر کسی کو بے فراغت چاہئے
تم بنو قاتل تو پھر ہر اک کہے جان لیوا خوب صورت چاہئے
حسن کم سے کم ترا لگ بھگ تو ہو قابل تصویر صورت چاہئے
دیکھتے ہیں ظاہر و باطن کو وہ دیدہ و دل کی حفاظت چاہئے
وقت آخر طالب دیدار پر دوست کی چشم عنایت چاہئے
خاک کا پتلا اگر ہے آدمی اس کے دل میں کچھ کدورت چاہئے
وہ رلا کر مسکراتے تک نہیں شوخیوں میں یہ متانت چاہئے
یہ بگڑ کر دشمنوں سے مل نہ جائے دوست کی منت سماجت چاہئے
کٹ ہی جاتے ہیں مصیبت کے پہاڑ صورت فرہاد ہمت چاہئے
درہم داغ جگر سے کام لے عیش دولت کی بدولت چاہئے
کرتولوں بدصورتوں سے دوستی دوستی نبھنے کی صورت چاہئے
میں ایک مجبور اور اک مختار دل مجھ میں اُن میں کچھ تو نسبت چاہئے
ہاں پرستش اپنی کر اے خود پرست بے شک اپنی آپ عزت چاہئے

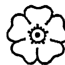
کل کہاں، یہ آج کی دنیا صفی
کیوں کسی کو بے ضرورت چاہئے



دل لگانے کو کلیجا چاہیئے عاشقی کے واسطے کیا چاہیئے
پھر نہ پوچھو تم تجھے کیا چاہیئے یہ تو اپنے دل سے پوچھا چاہیئے
کیوں وہ بے پوچھے سمجھ لیتے ہیں سب کچھ نہ کچھ تو ہم سے پوچھا چاہیئے
اس لئے وہ روٹھتے ہیں بار بار اُن کو ان کے حسب منشا چاہیئے
چاہتے ہیں دل بھی دیدوں جان بھی آخر ان کو مجھ سے کیا کیا چاہیئے
تم کو بھی کوئی ادا تڑپا نہ دے دیکھ کر آئینہ دیکھا چاہیئے
کیوں نہ دیکھیں عاشقوں کا اضطراب کچھ سہی اُن کو تماشا چاہیئے
یہ ذرا سا قد قیامت ہو نہ جائے تم کو غصہ بھی ذرا سا چاہیئے
اتباع حضرت موسیٰ نہ کر آدمی اپنے کو دیکھا چاہیئے
اس کے ملنے کی دعا ہی کیوں نہو مانگنے سے ہاتھ کھینچا چاہیئے
دیکھنا کیسا ہلال عید کا تم کو نامحرم سے پردا چاہیئے
بے تکلف اُن سے ہوتا ہے صفؔی
آج کیا ہوتا ہے دیکھا چاہیئے



ایسے مزے کی بات محبت میں چاہیئے دونوں طرف حجاب طبیعت میں چاہیئے
بے تابیوں کے لطف نے اپنا بنالیا جی چاہتا ہے تجھ کو عداوت میں چاہیئے
دل تو گیا ہے تم بھی بگڑ جاؤ اب ذرا اک روز فکر ہم کو مصیبت میں چاہیئے
اس پیچ دار بات کو بھی میں سمجھ گیا کیا ایک شخص آپ کی خدمت میں چاہیئے
نکلیں جو حسرتیں تو رہا دل میں کیا صفؔی
ارمان و آرزو تو محبت میں چاہیئے



اس کو دیکھے نہ کوئی جو ترا جلوہ دیکھے
ہم تو اس طرح سے دیکھیں گے کہ دنیا دیکھے

عشق وہ عشق جسے ہر کس و ناکس مانے
حسن وہ حسن جسے اپنا پرایا دیکھے

آپ عاشق ہیں کہ اے حضرت دل حاکم ہیں
اختیار اُس کا نہ دیکھے وہ ادھر یا دیکھے

واہ اس چھپنے کے قربان یہ چُھپنا کیسا
اک فقط میں ہی نہ دیکھوں تجھے دنیا دیکھے

بے سلیقہ ہے اگر طالب دیدار اچھا
آپ ہی کہیئے کوئی آپ کو کیسا دیکھے

کاش کوئی تو مری آرزو مجھ سے پوچھے
ہائے کوئی تو مرے دل کی تمنا دیکھے

میں ترے دیکھنے والوں میں گنا بھی جاؤں
اور دنیا مرا اس طرح تماشا دیکھے

سیر محشر سے زیادہ تو کوئی سیر نہیں
لیکن اس بھیڑ میں اس غل میں کوئی کیا دیکھے

یا تو پردے میں رہیں آپ نہ ہوں بے پردہ
یا تو جی بھر کے کوئی آپ کا جلوہ دیکھے

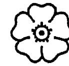
نگہ شوق کی پہچان تو ہوجائے گی
دیکھتا کاش مجھے کوئی خود آراء دیکھے

رونا آتا ہے مجھے دیکھ کے اپنی صورت
کوئی ہرگز نہ برا حال کسی کا دیکھے

جوش گریہ سے مرا سر ہی نہیں اُٹھ سکتا
ورنہ دشمن کے مقابل کوئی نیچا دیکھے

ایسی صورت پہ یہ اخلاق یہ گن یہ چالے
تم برا دیکھو اسے جو تمہیں اچھا دیکھے

اے صفؔی آپ کی قسمت ہی جو الٹی ہے تو کیا
یہ تو وہ دَور ہے بہرا سُنے اَندھا دیکھے



دل کی دھڑکن خوب دل پر ہاتھ رکھ کر دیکھئے
آئے ہیں جب دیکھنے کو تو برابر دیکھئے

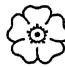
شامت آئی ہے تڑپتے ہیں جو بے تابانِ عشق
آپ منظر دیکھنے آئے ہیں منظر دیکھئے

پیار آئے جس پہ کوئی ایسی صورت ہی نہیں
جلوۂ دیر و حرم کیا خاک پتھر دیکھئے

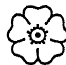
دل گرفتاروں پہ بے صبری کی تہمت ہے فضول
دل ہے کیا آفت کسی سے دل لگا کر دیکھئے

آپ کے تیور نہیں دیوانگان عشق کے
گھر کے اندر دیکھئے یا گھر کے باہر دیکھئے

عاشقی ہی کی ہے آخر قیس نے فرہاد نے
جیسے ہم ہیں وہ بھی تھے لیکن مقدر دیکھئے
میں نے گو دیکھا نہیں سب کی برابر آپ کو
بندہ پرور آپ تو سب کو برابر دیکھئے
جھینپ جانا اور وہ بھی کس سے اپنے عکس سے
دیکھئے اپنے برابر کو برابر دیکھئے
دیکھنے والوں کو تم نے سرسری دیکھا تو کیا
کم سے کم اُن کی نگاہیں تو برابر دیکھئے
گھر صفیؔ کا، اور آنا آپ کا دشوار ہے
خیر جھوٹوں ہی کبھی اس کو بلا کر دیکھئے



کچھ بھی ہو مرا حال اُسے کوئی سنا دے
اِس کان سُنے اور جو اُس کان اُڑا دے
دیں کچھ تجھے دشمن بھی تو اے دل یہ دعا دے
اس ایک کے بدلے میں ہزار اُن کو خدا دے
معشوق عجب چیز ہے دے جس کو خدا دے
ہنستے کو رلا دے یہی روتے کو ہنسا دے
مشہور تو یہ ہے جسے جو چاہو خدا دے
ہم کس سے کہیں درد دیا ہے تو دوا دے
پھر مجھ کو ستانا مگر اے دیدۂ پرخوں
اُس بزم میں بھی آج ذرا رنگ جما دے
یا موت مجھے آئے کہ یہ حال نہ دیکھوں
یا اے دلِ بیمار خدا تجھ کو شفا دے
تصویر وہ تصویر نظر جس پہ فدا ہو
آواز وہ آواز جو کانوں کو مزا دے
آگے مری قسمت کہیں پہنچوں کہ نہ پہنچوں
اتنا تو ہو کوئی مجھے رستہ تو بتا دے
ہاں اپنے کرم پر تو بہت ناز ہے لیکن
تیرا ہی جو طالب ہو بتا پھر اُسے کیا دے
کرتا ہے صفیؔ عارضۂ دل کی شکایت
بے چارہ غنیمت ہے خدا اس کو شفا دے
تاثیرِ سخن کسب سے حاصل نہیں ہوتی
یہ دین خدا کی ہے صفیؔ جس کو خدا دے



تکلیف دوستوں کو نہ یوں بے قرار دے
جیسی گزر رہی ہے اب اے دل گزار دے

کچھ بھی نہو دلا سے جو کوئی ہزار دے
لیکن قرار مجھ کو دل بے قرار دے

دل خود تڑپ تڑپ کے ہوا ہے لہولہان
ناخن کبھی نہ گنجے کو پروردگار دے

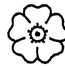
فرقت میں آنسوؤں نے ستایا مجھے بہت
یہ تار ٹوٹ جائے کوئی اُن کو اتار دے

اے دل نہ اس سے ترک محبت کا کر خیال
تھوڑی سی رہ گئی ہے اسے بھی گزار دے

کوئی تری قسم کو قسم جانتا نہیں
دنیا میں آدمی پہ خدا اعتبار دے

تکلیف وعیش کا تو یہاں ذکر کیا صفی
اللہ آبرو سے ہمیشہ گزار دے

وہ کون ہے جو قدر کا طالب نہیں صفی
دیکھوں کہ موت کب مجھے پروردگار دے



پروردگار اتنی تو حسرت نکال دے
جو میرے دل میں ہے وہ ترے دل میں ڈال دے

حاسد کو مرے ذکر سے اور اشتعال دے
جلتے ہوئے پہ اور ذرا تیل ڈال دے

اب تیرا نام لوں تو مرا نام تک نہ رکھ
دیکھوں جو آنکھ اُٹھا کے تو آنکھیں نکال دے

ایسے رہا کرو کہ کریں لوگ آرزو
ایسے رہا کرو کہ زمانہ مثال دے

میرے جگر کی ٹیس کو احباب کیا کریں
کانٹا نہیں چبھا ہے جو کوئی نکال دے

اپنی خطائیں یاد نہ رکھو تو کیا علاج
بچّے نہیں جو تم کو کوئی گوش مال دے

آگے مرے نصیب جو قدرِ وفا نہو
کوئی یہ بات کان پر اُن کے تو ڈال دے

تجھ کو برا کہیں مجھے ایسا برا نہ بول
الزام بھی جو دے تو مرے حسبِ حال دے

دیوانے ہیں جو ہوتے ہیں دیوانے زلف کے
اللہ تیرے پھندے سے مجھ کو نکال دے

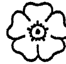
زاہد جو آئیں جائیں کہیں پر تو روسیاہ
گھر بیٹھے اور پھر جو خدا بے سوال دے

یا تو گلے لگا کے مجھے سرفراز کر
یا اپنی بارگاہ سے مجھ کو نکال دے

مانا تمہارے چاہنے والے ہزار ہوں
اس کا کہاں جواب جو اپنے کو ڈال دے

تیری غزل سے ہوتی ہے تسکین اے صفی
اللہ اور تیرے ہنر میں کمال دے

دیکھے ہیں کچھ حسین برے حال میں صفی
دے جس کو حسن اس کو خدا سب خیال دے



بعد مردن یہ مری قبر پہ تحریر رہے
نہ رہے کوئی، جہاں یہ فلک پیر رہے

نہ سہی وصل مگر کچھ ہو تسلی کیلئے
نہ رہیں آپ مگر آپ کی تصویر رہے

اس کی آنکھیں ہوں نشیلی تو مرا دل مایوس
چور حال رہیں، مخنتی دل گیر رہے

تم تو تم غیر کو بھی اپنا بنا کے چھوڑوں
چار دن میرے کہے میں مری تقدیر رہے

باتوں باتوں میں اُلجھ پڑتے ہو کھنچ جاتے ہو
مشفق بندہ ذرا میان میں شمشیر رہے

نہ بنے کام، مگر پانو تو ٹِک جائیں کہیں
یہ جو تقدیر میں ہے گردش تقدیر رہے

کس بلا کی تھی شب وعدہ بھی حسرت ظالم
رات بھر تیرے تصور سے بغل گیر رہے

لطف جینے کا اگر ہے تو ہے آزادی میں
پانو میں قید علائق کی نہ زنجیر رہے

شیخ صاحب کو کہیں کم نہ سمجھنا ساقی
کل سے مئے خانے کے دروازے کو زنجیر رہے

نام دلبر ہے تو شیریں سخنی بھی سیکھو
بات کی بات ہو تسخیر کی تسخیر رہے

آپ ہی اپنے نہ عاشق ہوں تو پھر میں جھوٹا
آپ کے آگے اگر آپ کی تصویر رہے

کیا کیا ہم نے جو ضبطِ غم و اندوہ کیا
کیا رہے ہم تری محفل میں جو دل گیر رہے

اے صفی شعر و سخن کی کوئی تخصیص نہیں
ہم تو جس مشرب و ملت میں رہے میر رہے



اللہ کسی کو کبھی بے کار نہ رکھے
وہ حسن ہی کیا ہے جو خریدار نہ رکھے

یہ دیکھ لے پہلے مرا کیا حال ہوا ہے
للہ مرا غم کوئی غم خوار نہ رکھے

تم جیسے جو دو چار ہوں دکھ پوچھنے والے
جینے کی تمنا کوئی بیمار نہ رکھے

وہ تارکِ دنیا ہے کہ دیوانہ تمہارا
جو زینت دنیا سے سروکار نہ رکھے

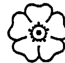
دعوائے محبت ہے تو راضی بہ رضا ہو
انسان کسی حال سے بھی عار نہ رکھے

کس طرح بسر اس کی ہو دنیا میں الٰہی
جو ایک بھی معشوق طرح دار نہ رکھے

عاشق پہ یہ تاکید بھی ہے طرفہ تماشا
آنکھیں تو رکھے، حسرتِ دیدار نہ رکھے

قدرت نہ دے کچھ اور مگر کاتبِ قدرت
بندے کو تو بندے کا گرفتار نہ رکھے

ہے وصل کا ارمان صفؔی کو یہ برا ہے
عاشق تو کسی عیش کی مقدار نہ رکھے



اب کسی دوسرے کے دل میں تری یاد رہے
بس بہت شاد کیا ہم کو بہت شاد رہے

ہم بھی آخر کسی امید پہ برباد رہے
دیکھ او بھولنے والے یہ ذرا یاد رہے

تو نے ناشاد بھی رکھا جو ہمیں شاد رہے
یہ کبھی یاد دلائیں گے ذرا یاد رہے

بات کی بات میں غصہ نہ ہو لڑنے پہ نہ تل
خوش رکھا خوش رہے ہم شاد رہے! شاد رہے

چلئے چھٹی ہوئی جب قیدِ محبت نہ رہی
ہم بھی آزاد رہے آپ بھی آزاد رہے

ایک میرے لئے یہ جال یہ پھندے یہ فریب
شاد آباد ہمیشہ مرا صیاد رہے

چاہنے والوں کی اللہ کرے عمر دراز
تیرا کوچہ ابھی آباد ہے آباد رہے

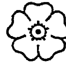
ہم کو منظور نہیں دوست کے دشمن بننا
لیکن اپنی بھی زمانے میں کچھ ایجاد رہے

ہم کو دیکھا تو قیامت میں بھی پہچان لیا
واہ کیا یاد ہے اب تک تجھے ہم یاد رہے

حسن کہتے ہیں کسے میں یہ اگر سمجھا دوں
آدمی زاد پہ قربان پری زاد رہے

میں ابھی اپنی طبیعت کو بدل لیتا ہوں	شامل حال اگر آپ کی امداد رہے
ہاں اسی وقت پہ آنا مگر اقرار تو کر	تجھ کو فرصت ملے جی چاہے اگر یاد رہے
شاد ہیں وہ تو ستم کر کے بلا سے ان کی	اب کوئی شاد رہے یا کوئی ناشاد رہے

ہر ہنر خدمت استاد سے آتا ہے صفؔی
لیکن اس بات میں شاگرد بھی استاد رہے



غزل مسلسل

(اس غزل میں ۲۹ مطلع ،۸۳ شعر اور ۷ مقطع ہیں ۔ جملہ ۱۱۹ شعر ہیں)

پڑا یہ تفرقہ سیلاب اشک دیدۂ تر سے	کہ مجھ سے گھر چُھٹا، دیوار گھر کی چُھٹ گئی گھر سے
یہ ہے آزاد، وہ پابند، دام خواہش زر سے	اگر دیکھو تو پھر مفلس ہی اچھا ہے تونگر سے
نہو مایوس اتنا آرزوئے وصل دِلبرؔ سے	خدا بھرتا ہے اے دل چیونٹیوں کا پیٹ شکر سے
گلے شکوے کریں گے ظلم کے اب اس ستم گر سے	کہو پھر کیا کریں کوئی جو اونچی ہوگئی سر سے
بہت بیزار ہوں میں اضطراب قلب مضطر سے	یہ اب کچھ اور ہے تو اور ہی کچھ ہے گھڑی بھر سے
بگڑ جاتے ہیں سارے کام جب بگڑے مقدر سے	طِلاء بھی خاک ہے تاثیر دست کیمیا گر سے
بھرم کھلتا ہے اپنا گر، یہ میرے دیدۂ تر سے	مگر میں کیا کروں جب دل ہی بھر آتا ہے اندر سے
شکایت اُس ستم گر کی گلا اس فتنہ پرور سے	شکایت ہے تو قسمت کی گلا ہے تو مقدر سے
ملے عقبیٰ عبادت سے تو دنیا زور سے زر سے	یہ سب سچ ہے مگر معشوق ملتا ہے مقدر سے
کہیں معشوق ملتا ہے کسی کو زور سے زر سے	زلیخا کو ملے تھے حضرت یوسفؑ مقدر سے
ادا پیدا نظر سے شان رخ سے آن تیور سے	ترے قربان آخر دل ہے کس کس کے لئے تر سے
یہ کیا اے دیدہائے ترا اِدھر برسے اُدھر برسے	ہمارا دل ہے افسردہ ہے دلی پیچ میں تر سے

مجھے اے ہم نشیں اچھا ملا تو بھی مقدر سے
لیا کیا نام ظالم چیر ڈالا دل کو نشتر سے

طبیعت بجھ گئی جب سے ترے دیدار کو ترسے
اگر اب نیند بھی آتی ہے اُٹھ جاتے ہیں بستر سے

جو اُٹھے ابر تو موسم پہ اُٹھے وقت پر برسے
یہاں برسات ہے بارہ مہینے دیدۂ تر سے

کہا کرتی ہے دنیا دوست ملتا ہے مقدر سے
مقدر ہی اگر دشمن ہوئے تو عمر بھر ترسے

ہمیں پیارا نہیں ابر بہار اس دیدۂ تر سے
کہیں جائے کہیں چھائے کہیں گرجے کہیں برسے

نہو جب عشق تو آنسو نہ نکلے دیدۂ تر سے
بہت نقصان ہے پانی سے بے موسم اگر برسے

نہ دو طعنے محبت کیا نہیں ہوتی ہے پتھر سے
اُسی پہ جان دوں پتھر پہ یہ جوبن اگر برسے

وہ آئے ہیں تو پھر جانے نہ پائے اب میرے گھر سے
الٰہی گھر کے آئے خوب گرجے ٹوٹ کر برسے

رہے دنیا میں لیکن، دو گھڑی آرام کو ترسے
ذرا سا عیش بھی ہم نے نہ پایا اس بڑے گھر سے

محبت تھوڑی تھوڑی بڑھ رہی ہے اک ستم گر سے
الٰہی خیر ہو ٹکرا رہا ہے شیشہ پتھر سے

جسے چاہا کیا افسوس اس کی شکل کو ترسے
مقدر بھی ملا تو کیا ملا ہم کو مقدر سے

وہ رعب حسن اور عرض تمنا اس ستم گر سے
زباں تک اٹھ نہیں سکتی ہے جس کے سامنے ڈر سے

خدا محفوظ رکھے سب کو اس کے فتنۂ شر سے
نباہی آج تک ہم نے محبت سے نہیں ڈر سے

خزاں میں پھول دیکھے آہ نکلی قلب مضطر سے
بہت جلدی اُتر جاتا ہے نشہ حسن کا سر سے

ہمیں درد و الم کم ہی ملیں ہوں گے مقدر سے
مگر پھر بھی بہت روئے بہت تڑپے بہت ترسے

ہم اپنا مدعا کیوں کر چھپائیں اُس ستم گر سے
رہیں خاموش تو چوری پکڑ لیتا ہے تیور سے

کسی کا رزق رُکتا ہے درِ خلاقِ اکبر سے
صفی پتھر کے کیڑے کو غذا ملتی ہے پتھر سے

کبھی اُس بے وفا کے واسطے روئے بہت چوکے
الٰہی اب تو ایک آنسو نہ نکلے دیدۂ تر سے

وہاں تک بھی کبھی تکلیف کیجئے حضرتِ ناصح
یہ سچ ہے آدمی کے واسطے کیوں آدمی ترسے

اثر رہتا تو ہے کچھ دیر ہم پر بھی نصیحت کا
مگر کیا فائدہ جیسے کے ویسے پھر گھڑی بھر سے

جو چشمِ مسرت کا شیدا، رُخِ روشن کا عاشق ہو
اُسے کیا؟ جام جم سے یا ہو آئینۂ سکندر سے

مجھے مارا جس انداز سے ویسا جلاؤ بھی
وہ مُردے اور ہیں جو زندہ ہو جاتے ہیں ٹھوکر سے

ہمارا دل بہت ہی نرم و نازک تھا مگر کب تک
اِسی شیشے کو اب ٹکر لڑا لے کوئی پتھر سے

وہاں اے حضراتِ دل کب کسی کی داد لگتی ہے
مگر وہ تو مقدر لڑ گیا اپنا مقدر سے

ارے نادان سچا چاہنے والا نہیں ملتا
وہ لیلیٰ تھی کہ جس کو مل گیا مجنوں مقدر سے

مقدر سے کبھی وہ مل گیا تو خوش ہوا اتنا
ہمیں گویا زیادہ مل گیا اپنے مقدر سے

ہمیں معشوق کو اپنا بنانا تک نہیں آتا
بنانے والے آئینہ بنا لیتے ہیں پتھر سے

عدوے سخت جاں اور اس طرح سے پھوٹ کر روئے
مرے نزدیک تو پانی نکالا تم نے پتھر سے

تمھارے ظلم سہتے ہیں تو ہم کو لوگ کہتے ہیں
خدا نے سب کو مٹی سے بنایا اُس کو پتھر سے

اڑائیں کیا مزا جب تو نہ ہو محفل میں اے ساقی
اُڑا دیں جام کو شیشے سے اور شیشے کو پتھر سے

بہت کچھ ہم نے نا اہلوں کی خاطر ہونٹ سی رکھے
جواب اب اینٹ کا ہے اینٹ سے پتھر کا پتھر سے

اُسے پتھر ملے جس کے مقدر میں پڑے پتھر
فلک نے گود گوپن کا بھرا تو کس سے پتھر سے

اگر یہ بت ضرورت سے زیادہ ظلم ڈھائیں گے
تو ہم فریاد کرنے جائیں گے کعبہ کے پتھر سے

اگر منظور خاطر سختیاں ہی جھیلنی ہوتیں
تمھارے بدلے ہم کرتے محبت ایک پتھر سے

کیا تھا جس سے یارانہ وہ ظالم سنگ دل نکلا
پڑیں پتھر مقدر پر لڑی ہے آنکھ پتھر سے

مراجی سیر ہے ذوقِ محبت سے ترا صدقہ
دعا مانگوں تو کچلے جائیں دونوں ہاتھ پتھر سے

ملنساری بھی سیکھو جب نگاہ ناز پائی ہے
مری جاں آدمی اخلاق سے تلوار جوہر سے

خدا نے کیا حسینوں کو کرامت بھی عطا کی ہے
یہ ظالم تاڑ ہی لیتے ہیں دل کی بات تیور سے

بڑے بھولے ہیں کہ نام بھی میرا نہ پہچانا
کبھی پہچانتے تھے آپ دل کی بات تیور سے

کبھی تو ایک تھا اِس دور میں سارے فلاطوں ہیں
نصیحت کے لئے آتا ہے جو آتا ہے باہر سے

ہمارا دل ابھی کیا صاف ہے پہلے بھی ایسا تھا
کیا تھا آپ نے اندازہ گھر کا گھر کے باہر سے

تمھیں میں دیکھ کے جیتا ہوں مجھ کو یوں بھی جینے دو
اگر سب ہاتھ سے آداب کرتے ہیں تو میں سر سے

زباں سے آہ نکلی دل سے نالہ آنکھ سے آنسو
مگر اک تیری دھن ہے جو نکلتی ہی نہیں سر سے

نظر آتا نہیں نیچ اونچ جاں بازِ محبت کو
نکالی کوہ کن نے اپنے دل کی آرزو سر سے

پرستش جرم ہے تو جرم اپنا بخش والیں گے
تیرے دہلیز کے سجدے کریں گے پھر نئے سر سے

گئے تاب و تواں تو دست گیری کی تصور نے
اپاہج بن کے رُتبہ بڑھ گیا چلنے گئے سر سے

وہ جھجکے سایۂ گیسو سے میں نے اُن سے یہ پوچھا / ابھی کس چیز کی آواز آئی کان میں سر سے
جنابِ شیخ کچھ انسانیت سے بات سمجھاتے / یہ کیا کوزہ وضو کا کھینچ کے مارا مرے سر سے
طبیعت ہم نے اپنی پھیر لی تو اُن کا کیا بگڑا / بڑے غصہ میں ہیں جیسے خزانہ دے دیا گھر سے
کسی کا گھر اگر دنیا میں جنت ہے تو ہونے دو / ہمیں جنگل بہت سے ہیں اگر وحشت ہوئی گھر سے
کیا دیوانہ جس نے اُس کی دیوانی رہی دنیا / مجھے جس نے نکلوایا ہے گھر سے خوش رہے گھر سے
نہ دیکھو کچھ تم اپنے چاہنے والے کا دل دیکھو / اسی جھولی میں ہے جو مانگ لایا چار کے گھر سے
وہ عاشق جانتا ہے اور یہ دیوانہ کہتا ہے / مجھے دشمن کے گھر سے وہ ملا یہ دوست کے گھر سے
تمھارا عشق کیا تھا جھوٹ سچ کی آزمائش تھی / ہزاروں سے سنا تھا بن گئے لاکھوں اسی گھر سے
کیا ضبطِ فغاں ہم نے یہ کانا پھوسیاں کیوں ہیں / چرایا تو نہیں کچھ ان کے گھر سے آپ کے گھر سے
عدو کا خط کبھی سر پر کبھی آنکھوں پر رکھتے ہو / لکھا ہے اس نے کیا ایسا تمھیں سرخاب کے پر سے
گرجنے والے بادل کم برستے ہیں تو بادل ہیں / وہ ایسے گھر کے آئے تھے بہت گرجے بہت برسے
نہ آئے رات بھی آئی اُدھر برسات بھی آئی / اُنھیں ارمان ہے کیا میں بھی رووں ابر بھی برسے
پلٹ کر دیکھ لے او بے مروّت کیا قیامت ہے / یہ چپکے سے نکل جانا ترا میرے برابر سے
نہ دیکھو گے ہمیں شرما کے کب تک ہم بھی دیکھیں گے / بھلا کب تک سرکنے کے نہیں اب ہاتھ منہ پر سے
چھلاوہ ہو کہ بجلی ہو "یہ شوخی ہے قیامت ہے" / اِسے گھورا، اُسے ڈانٹا، اِدھر گرجے اُدھر برسے
کسی کا انتظار آنا کسی کا پھر سمجھ اپنی / ہوا سے کیا لڑیں آواز دی دروازے نے چر سے
نظر کا کھیل ہے اِس کو بھلا ہر ایک کیا سمجھے / مرے قاتل نے مجھ کو تیر سے مارا نہ خنجر سے
"وہ چھپّر پھاڑ کر دیتا ہے" سنتے ہیں تو کب دے گا / جب آنکھیں لگ گئیں چھت سے تو کیا امید چھپر سے

قطعہ

وہی ہم ہیں کہ در در آج مارے مارے پھرتے ہیں / وہی ہم تھے قدم باہر نہ رکھتے تھے کبھی گھر سے
تڑپتے لوٹتے رہتے تھے لیکن گھر میں رہتے تھے / یہ چکر پانو کا تو بڑھ گیا قسمت کی چکر سے
قیامت بھی تری محفل سے میرے ساتھ ہی اٹھتی / کفایت تھی اگر دو کام لیتا ایک ٹھوکر سے
الٰہی صور اسرافیل کی کیوں پخ لگائی ہے / قیامت میرے نالوں سے اُٹھے یا اُن کی ٹھوکر سے
ہمارا آشنا افسوس مطلب آشنا نکلا / خدا حافظ ہے دل پر چوٹ آئی اب کی ٹھوکر سے

کھلی جب آنکھ ہم نے ایک ٹھنڈی سانس کھینچی ہے — خدا کا نام لے کر لوگ اٹھا کرتے ہیں بستر سے
بُرا ہو یا الٰہی اضطراب قلبِ مضطر کا — نہ رہ سکتا ہوں بستر پر نہ اٹھ سکتا ہوں بستر سے
اب اس کے سایۂ دیوار میں کیا خاک رکھا ہے — ہمیں تھے جو زیادہ جانتے تھے اس کو بستر سے
جگر کا درد، دل کی ٹیس دونوں دیکھے بھالے ہیں — الٰہی اُن کی خاطر تو نہ اٹھوا مجھ کو بستر سے
بھلا وہ خواب میں تشریف لاتے شاد فرماتے — جگانا تھا فقط ایک چین سے سونے کو بستر سے
لیا جب چاہنے کا نام، فرمایا بڑے چاہا — ترسنے کا کیا جب ذکر، فرمایا بڑے ترسے
خدا جانے چمن میں جا کے اب کیا گل کھلاؤ گے — یہ قامت سرو جیسا اور یہ عارض گل تر سے
زیادہ غم کا کھانا میرے حق میں زہر ہی ٹھہرا — گرے ہیں کیسے نیلے پیلے آنسو دیدۂ تر سے
بہار آئے تو یا رب ہر گلی گلزار ہو جائے — بڑی حسرت میں گزری اب کے ایک ایک پھول کو ترسے
اطاعت وہ ہے جو حیوان کو انساں بناتی ہے — لیا ہے نامہ بر کا کام لوگوں نے کبوتر سے
کسی کا خط کہاں ہم نے تو بے پر کی اڑائی تھی — مگر لوگوں کو دیکھو چھوٹ گئے دل میں کبوتر سے
جگر دل دونوں اس پر مرمٹے ہیں خیر ہو یا رب — چھڑی بے تاب کی بے تاب سے مضطر کی مضطر سے
ہمارا قتل ہی تم کو اگر منظور ہو صاحب — ذرا ٹیڑھی نظر سے دیکھ لو مارو نہ خنجر سے
تمھارا دل کہ اک پتھر بنایا تم نے شیشے کو — ہمارا دل کہ اک شیشہ بنایا ہم نے پتھر سے
بناوٹ ہو تو ایسی ہو کہ جس سے سادگی ٹپکے — زیادہ ہو تو اصلی حسن چھپ جاتا ہے زیور سے
فقیروں کا بنا لے بھیس پھر جو دل میں آئے کر — کہ پارے کا نہیں لیتے ہیں بدلہ کیمیا گر سے
وہ مست خواب لیکن ایک کندن سا چمکتا ہے — ملے اس طرح کا سونا تو سیکھوں کیمیا گر سے
غریبوں بے کسوں کا رونے والا کون ہوتا ہے — لیا کس نے عوض پارے کا کہیے کیمیا گر سے
نہیں اندازہ اب تک آپ کو میری محبت کا — کہوں کیا اور بس اندازہ کر لیجے اسی پر سے
الٰہی ان گنہ گاروں کا آخر حشر کیا ہوگا — جو اپنا منہ چھپا سکتے نہیں دامانِ محشر سے
جھجک ایسی، حجاب ایسا، یہاں تو میں اکیلا ہوں — کہاں بھاگو گے تم ہنگامۂ میدان محشر سے
ذرا پھر غور کیجیے شائد اتنا یاد آجائے — کوئی سو بار خالی پھر گیا ہے آپ کے در سے
یہی امید پر ہم نے گزاری رات وعدہ کی — کہ وہ اب تک نہیں آئے تو آئیں گے گھڑی بھر سے

ابھی تک تو یہی ہے جان جائے آن رہ جائے
نہیں معلوم پھر کیا ہونے والا ہے گھڑی بھر سے

گھڑی بھر کی ہے ناچاقی، نہ جا رندوں میں اے ساقی
ذرا ہوش آ گیا تو ایک ہیں یہ سب گھڑی بھر سے

گناہوں پر گنہ اتنے کئے ہیں توبہ کر کے بھی
کہ میرا نام خارج ہو گیا عصیاں کے دفتر سے

ترے دیوانہ کے دامن کے ٹکڑے کب رہیں کانٹوں میں
صداقت نامہ حسنِ کار کے پائے ہیں دفتر سے

خدا کی شان مطلب آشنا ایسے بھی ہوتے ہیں
بتوں نے بن کے بت سجدہ کرایا پہلے بت گر سے

خدا کی راہ میں دل کو بھی دے ڈالوں مگر ڈر ہے
یہاں دس سے اگر پالا پڑے عقبیٰ میں ستر سے

یہ جیسی خود ہے ویسی دوسروں کو بھی سمجھتی ہے
بدل دی ہم نے اپنی طرز بھی مخلوق کے ڈر سے

نہ ساقی اب وہ ساقی ہے نہ کچھ شیشہ میں باقی ہے
ہم اپنے آپ کو ڈھکائیں گے خالی ہی ساغر سے

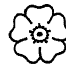
نہ جانے رہ گئی بھولے سے دل میں کون سی حسرت
کوئی رہ رہ کے گویا چیرتا ہے دل کو نشتر سے

صفیؔ جب باپ کا استاد کا رُتبہ برابر ہے
مرے کیا حضرت کیفیؔ کہ سایہ اُٹھ گیا سر سے

صفیؔ ہر آدمی قسمت کا اچھا ہو نہیں سکتا
مقدر بھی جو ملتا ہے تو ملتا ہے مقدر سے

صفیؔ کو مسکرا کر دیکھ لو غصہ سے کیا حاصل
اُسے تم زہر کیوں دیتے ہو جو مرتا ہے شکر سے

صفیؔ کی عاشقی کیا وہ تو بدنامی سے ڈرتا ہے
بدل دی اُس نے اپنی طرز بھی مخلوق کے ڈر سے



میں کہوں اپنی تمنا تو جھڑک دے ناز سے
کم سے کم اک بار پیارے پھر اسی انداز سے

اپنے ڈھب کی دوستی پھر اس بت طناز سے
دل میں لیتا ہوں مزے کہتا نہیں آواز سے

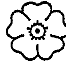
بھیس بدلیں چال تو اپنی بدل سکتے نہیں
اُن کو میں پہچانتا ہوں پانو کی آواز سے

اپنی یکتائی کی تم نے قدر کیا کی واہ واہ
ہر کس و ناکس کو واقف کر دیا اس راز سے

صفیؔ صاحب تو شائد پارسا ہی بن کے بیٹھے ہیں
کچھ ایسے ہو گئے حضرت نکلتے ہیں نہیں گھر سے

صفیؔ کا ذوق ہر حالت میں اُس کا ساتھ دیتا ہے
شکر خورے کا منہ اللہ بھر دیتا ہے شکّر سے

آشیانہ کیا گیا اپنا نتیجے میں صفیؔ
دل گیا سیرِ چمن سے پر گئے پرواز سے



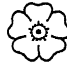
کیوں ہے یہ بحث یہ تکرار یہ جھگڑا ہم سے
قصہ کوتاہ بس اب سب سے ملو یا ہم سے

بے رُخی کس سے ہے پھرائے ستم آرا ہم سے
آنکھ سے آنکھ ملا! دیکھ ادھر ایسا ہم سے

شکوہ عشق سہی اُن سے مگر کہہ دیں گے
مانگتا ہے کوئی رہ رہ کے کلیجا ہم سے

اُن کو آتا ہی نہیں ترک محبت پہ یقیں
خوب معلوم ہے ، کوئی نہیں اچھا ہم سے

جان دینی بھی غم عشق میں دوبھر ہے صفؔی
ایسے احدی ہیں کہ اتنا نہیں ہوتا ہم سے



عدو ہی سے یہ کہیے عشق کیا رکھتا ہے تو ہم سے
کیا کیجیے نہ اب سے آپ ایسی گفت وگو ہم سے

نہ پوچھا بے بسی بربادیٔ دل کا سبب ہم سے
کہ فرصت بات کرنے کی نہیں ہے کثرت غم سے

پتہ شاید چلے سوز نہاں کا درد پیہم سے
سکوت لب سے، آہ سرد سے، یا چشم پُرنم سے

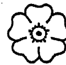
بھلا یہ بے رخی ، اتنا ستم ، ایسی جفا کاری
ہمارے سامنے دل سے عدو کے روبرو ہم سے

کبھی ایسے بھرٹ بنتے ہوا یسے روٹھ جاتے ہو
نہیں ہوتی تمھاری نقل بھی تو ہو بہو ہم سے

مزاحم ہے نہ کوئی روکنے والا ہے ملنے کو
مگر اُن جان ہی بن سامنے لوگوں کے تو ہم سے

سکوت زندگی اک پل میں جب وقف طلاطم ہو
تڑپ سے نبض جاں کی یا دھڑکتے دل کے ماتم سے

ہمارے منہ پہ آتے ہو ہمارے ساتھ پڑھ گن کر
صفؔی! لن تفعل ، لن تفعلا ، لن تفعلوا ہم سے



کیا کیوں ترکِ یارانہ کسی سے
کوئی اس غم کو پوچھے میرے جی سے

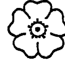
ترے صدقے نہ کر مجبور اتنا
تجھے ہم چھوڑ دیتے ہیں خوشی سے

یہ کیوں ہم ہوں تمھارے بار خاطر
یہ کیوں ہر ایک ہم پر دانت پیسے

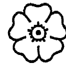
نہ تھا معلوم ہوگا خونِ حسرت
بڑی امید تھی ہم کو کسی سے

نہ سمجھائے کوئی سمجھانے والا
ہمیں رونا نہیں آتا ہنسی سے

کیا ظلم آپ ہی نے آپ ہی نے   ہوا یہ آپ ہی سے آپ ہی سے
تغافل اور اتنا ہائے ظالم
یہ کب کا بَیر تھا تجھ کو صفؔی سے



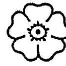
یوں محبت ہے درد کو دل سے   جیسی لیلیٰ کو اپنے محمل سے
مجھ سے جب واسطہ نہیں کوئی   کیا تعلق تمھیں مرے دل سے
ناتوانی پہ زور کیا اپنا   دو قدم بھی چلے تو مشکل سے
دوستوں کے نصیب سیدھے تھے   سیدھے نکلے جو اس کی محفل سے
ہائے اب کس سے غم غلط ہوگا   جی بہلتا تھا کچھ مرا دل سے
اک بہانا ہے آنکھ کا لڑنا   دل کو ہوتا ہے راستہ دل سے
کیوں صفؔی ہم نے کیا پتے کی کہی   کل نکالے گئے جو محفل سے
دھو کے پی لے مسوّدوں کو صفؔی
مٹ گیا جو لکھا تھا پنسل سے



آپ ملتے جو گلے چاک گریبانوں سے   عیدیاں عید میں آتیں کئی عنوانوں سے
ہوگئی کیا غلطی اُن کے پشیمانوں سے   سر نکلنے نہیں پاتا ہے گریبانوں سے
جلوۂ شاہد مقصد سے ہیں آنکھیں محروم   نام ہی نام سنا کرتے ہیں ہم کانوں سے
دوست کا نام سنا ہے تو کبھی شکل بھی دیکھ   رتبہ آنکھوں کا نہ گھٹ جائے کہیں کانوں سے
جلد بازوں نے دیا ترک تعلق کا سبق   کام بننے کے بگڑ جاتے ہیں نادانوں سے
محفل عیش سے محروم نہ اٹھ جائے کوئی   پوچھ لو پوچھ لیا کرتے ہیں مہمانوں سے
نہ خیالات کی لذت ہے نہ خوابوں کا مزہ   سرگزشتیں نہ سنو آپ پریشانوں سے
کچھ تو جمعیت خاطر کی نکالو صورت   یوں ہی کیا پوچھتے پھرتے ہو پریشانوں سے

جن کی آہوں میں ہے تاثیر فغانوں میں اثر آندھیوں سے انھیں خدشہ ہے نہ طوفانوں سے
ہم پہ اندازہ نہ فرمایئے دنیا بھر کا آج تک نبھ گئی ناکردہ پشیمانوں سے
اپنی فکروں سے یہاں سر نہیں اٹھنے پاتا اور وہ سمجھے ہیں شرمندہ ہوں احسانوں سے
کوئی مشکل ہی نہیں عشق و ہوس میں پہچان لوگ اتنا تو سمجھ لیتے ہیں ارمانوں سے

کیوں نہ آجائے صفی ترک وطن پر رونا
پھول ہنستے ہوئے نکلیں جو گلستانوں سے



شوق دربار میں ملتے رہے دربانوں سے ہم نے آنکھوں سے نہ دیکھا جو سنا کانوں سے
طلب مہر تھی ظاہر مرے ارمانوں سے کہہ گیا ایک ہی قصہ کئی عنوانوں سے
بزم کی شان گھٹی چاک گریبانوں سے جانے بھی دیجے خطا ہوگئی نادانوں سے
محوِ دیدار ہوئے ہم تو کسی کی نہ سنی نور آنکھوں میں جو آیا تو گئے کانوں سے
ان کے آنے کی خبر آئی الٰہی آمین کاش آنکھوں سے بھی دیکھوں جو سنا کانوں سے
قیس و فرہاد کی تقلید ہے آشفتہ سری عاشقی عام ہوئی ایسے ہی نادانوں سے
میں سمجھتا ہوں مجھے آپ نے مہمان کیا کیوں تعارف نہ کرایا گیا مہمانوں سے
صاف پہچان لئے جاتے ہیں ان کے عاشق آرزوں سے تمناؤں سے ارمانوں سے
کہیں خود داروں کی وحشت کا پتہ چلتا ہے آستینوں سے گریبانوں سے دامانوں سے
کبھی چھوٹوں سے بڑے کام نکل جاتے ہیں مِیل رکھ بارگہِ حسن کے دربانوں سے
درد مندوں پہ ذرا رحم کرو بے دردو ضبط فریاد زیادہ تو نہیں جانوں سے
وہ جو انجان ہیں محفل میں تو اپنا بھی سلام ہم بھی ملتے نہیں اس طور کے اَن جانوں سے
منہ پہ بکھرا لیئے بال آپ نے سبحان اللہ دل لگی دیکھ کے کرتے ہیں پریشانوں سے

اے صفی رنگ جو اپنا ہے اسے کیوں بدلوں
تہمتوں سے مجھے اب ڈر ہے نہ بہتانوں سے



نہ لینا اک نہ دنیا دو سر بازار لوگوں سے
ہمارا دل ہے گاہک آپ ہیں تکرار لوگوں سے

جنوں میں ہو پڑی کچھ اس طرح دو چار لوگوں سے
کہ ہم سے لوگ ہیں بے زار ہم بے زار لوگوں سے

یقیں کرتے چلے ہو مل کے تم دو چار لوگوں سے
مگر ہشیار رہنا بندہ پرور یار لوگوں سے

کوئی کیا آئے جب آتی ہے تم کو عار لوگوں سے
ذرا اتنا تو سمجھو گھر کی رونق چار لوگوں سے

خدا آباد رکھے رات دن آباد رہتے ہیں
بلاؤں سے مرا گھر، آپ کی سرکار لوگوں سے

کبھی ان کو برا کہتے تھے اب میری شکایت ہے
عجب کچھ ہیں خدا محفوظ رکھے یار لوگوں سے

کسی کا پردہ رہ جائے ہمیں مدنظر یہ ہے
چھپا لیتے ہیں اب تک زخم دامن دار لوگوں سے

دل ان کا بھی کسی پر آ چکا ہے کاش وہ میں ہوں
سنی ہے اُڑتی اُڑتی یہ خبر دو چار لوگوں سے

یہاں تو ہم اکیلے ایک دم بھی رہ نہیں سکتے
وہ کیسے لوگ ہیں آتی ہے جن کو عار لوگوں سے

ترے قربان دونوں طرح کی بھی مشق جاری ہے
جفا ہے چار لوگوں پر وفا ہے چار لوگوں سے

ہمارے ضبط کی تو داد دینی چاہیے تجھ کو
چھپا رکھا ہے، درد واجب الاظہار لوگوں سے

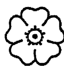
تمھیں اپنی طرف سے بندہ بے پروا نہیں کہتا
خدا شاہد ہے، لوگوں سے سنا سرکار لوگوں سے

کوئی سوزِ محبت ہم سے پوچھے تو مزہ آئے
کہ ہم نے دوستی رکھی ہے خود مختار لوگوں سے

ہماری نالہ وزاری پہ غصہ کیوں نہ آئے گا
پڑا ہے کام اب تک آپ کو بے کار لوگوں سے

خفا ہوتے ہیں میرے نام سے جوابے صفی صاحب
وہ خوش ہو ہو کے سنتے ہیں مرے اشعار لوگوں سے

صفی جیسے نکمے آدمی سے آپ ملتے ہیں
محبت دوستی اچھی نہیں بے کار لوگوں سے



نرم وہ ہوتے نہیں نالوں پہ ہر ناشاد سے
آگ لگتی ہے تو لگتی ہے مری فریاد سے

کیا ملے ہم عید اپنے اک ستم ایجاد سے
کان بہرے ہو گئے شور مبارک باد سے

ترک عادت ہے عداوت وہ بھی عادی ہو گئے
نیند پھر کیسے نہ آئے گی مری فریاد سے

اشرف المخلوق سے دنیا نے پایا ہے شرف
اس کی ساری شان آدم اور آدم زاد سے

غیر کے منہ میں زباں ہے یا کوئی بچھو کا ڈنک
دیکھ یہ موذی زیادہ ہے مجھے جلاد سے

دو گھڑی دم سادھ کر تو دیکھ لوں کرتا ہے کیا
آخری اک دانو چلنے کو ہوں میں صیاد سے

صبر بھی زاری بھی دونوں حکم حاکم ہیں مجھے
الغرض باہر نہیں ہوں دوست کے ارشاد سے

یہ تو کہئے لوٹنے والے عدم آباد کے
لائے تھے تشریف کیوں آخر عدم آباد سے

زندگی کا نام رکھوں کس طرح قید حیات
ایک بھی تو خوش نہیں کوتاہئ میعاد سے

پالیا راضی تو آیا دیدہ و دل میں سرور
کیا وہ سمجھے چشم ما روشن دل ماشاد سے

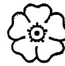
اس سے جنت کی عطا پر اور میں مایوس ہوں
جو ارم جیسا چمن بنوائے پھر شداد سے

کس نے پھل پایا نہالِ آرزو سے آج تک
کوئی کیا سمجھائے گا واقف ہوں جڑ بنیاد سے

یہ کوئی کم ہے کہ کھل کر سانس لے سکتے ہیں ہم
بوجھ سینے کا تو چھٹ جاتا ہے کچھ فریاد سے

مجھ کو روتا دیکھ کر دشمن بھی آخر رو پڑا
اور کر سکتا ہے کیا ناشاد اک ناشاد سے

اُن کو ایسی کیا پڑی ہے جو صفؔی کے واسطے
وعدہ کر لیں یاد رکھیں اور آئیں یاد سے



توبہ کیجیے میں بھلا توبہ کروں فریاد سے
اس جکڑ بندی کی امید اور مجھ آزاد سے

آزمانے کی نہ ٹھانو عاشق ناشاد سے
موم سے یہ نرم ہے تو سخت ہے فولاد سے

عشق ہے تو عشق میں فریاد کا کھٹ راگ کیوں
چاہنے میں جان تو پڑتی نہیں فریاد سے

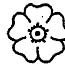
آدمی کو بے غرض دنیا میں رہنا ہے محال
دوستو میری غرض اٹکی ہے اک جلاد سے

شعر ناہموار ہے ایسا ہی شاعر کیلئے
یہ لگے جیسا کسی کو ناخلف اولاد سے

حسن چاہے عشق کو بے جوڑ جیسی بات ہے
انجمن آرا کو رغبت خانِ و ماں برباد سے

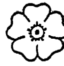
کس سے ہوتا رات دن رونا تڑپنا لوٹنا — مشکلیں آساں ہویں سب آپ کی امداد سے
دیدنی ہے اُن کے اہل انجمن کا میل جول — کم نہیں ایسوں کا مجمع مجمع اضداد سے
ہے اگر عاشق ہی بن جانا تو میری نقل کر — چیخ سے چیخ اور فریاد آئے گی فریاد سے
کام آتا ہے قفس کی تیلیوں کے رنگ میں — جو لہو بنتا ہے آب و دانۂ صیاد سے
آپ نے احسان آخر آج تک کتنے کیے — بحث احساں سے نہیں ہے بحث ہے تعداد سے
ساختہ بے ساختہ آہیں سمجھ جانے لگے — کان کچّے ہوگئے اُن کے مری فریاد سے
چھوڑئے یہ سلسلہ کچھ اور باتیں کیجئے — رنج بڑھتا ہے شکایت ہائے بے بنیاد سے
اہل دل کے کام جتنے بھی بنے ہیں آج تک — حسن کے اقبال سے یا عشق کی امداد سے
رات دن فریاد سے مقصد وہ اک فریاد ہے — عرش کے پائے ادھر جاتے ہیں جس فریاد سے

بس وہی باضابطہ اُستاد بنتا ہے صفی
سیکھتا ہے جو کسی فن کو کسی استاد سے



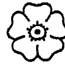
نظارہ اُن کا کم نہیں یوم نشور سے — زندے گھروں سے نکلیں گے مردے قبور سے
عاشق کی آرزوئے قدم بوس کھل گئی — رکھتے نہیں وہ پانو زمیں پر غرور سے
کہتا ہے کوئی غیرت مہہ کوئی رشکِ مہر — رکھتے نہیں وہ پانوّ زمیں پر غرور سے
مخلوق کیوں نہ آئے تری جلوہ گاہ پر — چمکا ستارہ حضرت موسیٰ کا طور سے
صورت پرست ہی رہے انساں تو بد نہیں — بچتا ہے اور سیکڑوں فسق و فجور سے
میں عرض حال کے لئے کیا اُن کے پاس جاؤں — جاتا ہے جو غریب وہ سنتا ہے دور سے
سر پر چڑھائیں دل سے اتاریں یہ کیا ضرور — بس ہے مرا سلام جو لے لیں وہ دور سے
میں نے کہا جو کان میں کہنی ہے ایک بات — بولا وہ بدگمان یہ اخلاص دور سے

یہ میں وہی ہوں جو مرے سننے کو اے صفی
آتے تھے قدردان بڑی دور دور سے



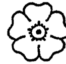
تیرے ہر جان نثار کے صدقے کیا کروں اس پہ وار کے صدقے
روز یہ ہے ہزار کے صدقے میں دل بے قرار کے صدقے
دوست دشمن کی کچھ تمیز نہیں یار ہے میرے یار کے صدقے
ایک خود کام ایک خود مطلب دل کے قربان یار کے صدقے
اُن کو دیکھا تو مجھ کو بھول گیا اپنے ہر غم گسار کے صدقے
دوستوں نے منالیا اُن کو بن گئی بات چار کے صدقے
آپ پر ہر بہار ہے قرباں اور میں ہر بہار کے صدقے
دل کی بے اعتباریوں کے نثار آپ کے اعتبار کے صدقے
دیکھ کر اُس نے منہ جو پھیر لیا ہوگیا میں پکار کے صدقے
آپ کے ہجر میں رلاتا ہے واہ ابر بہار کے صدقے
رات ہی کو ملے نہ وہ دن کو ایسے لیل و نہار کے صدقے
ہر طرح اُن کے اختیار میں ہے دل بے اختیار کے صدقے
کس ادا سے نثار ہوتا ہے آپ کے جان نثار کے صدقے
نعمت عشق اور میں ناچیز اپنے پروردگار کے صدقے
مجھ کو دونوں ملے مقدر سے دل کے قربان یار کے صدقے
یہ بھی ہم پر اُدھار کھا بیٹھی زیستِ مستعار کے صدقے
اُس کو مٹی کا ایک ڈھیر نہ جان لوگ ہوں جس مزار کے صدقے
بندگی اور میری بے لوثی پاک پروردگار کے صدقے
نہیں معلوم کیا بلا ہے خزاں اس مجسم بہار کے صدقے
اُن کے زد میں نہیں دلِ بے تاب واہ ایسے شکار کے صدقے

اے صفی ساری رات جاگے ہو
صاحب اس انتظار کے صدقے



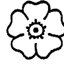
کر کے مجھ پر عتاب کیا کرتے — آپ اس سے خراب کیا کرتے
عشق کیا دوسرے کے بس میں تھے — ہم سوال و جواب کیا کرتے
تیری فرقت میں مر گئے لاکھوں — جان تھی اک عذاب کیا کرتے
آہ کی اور اس کی محفل میں — دل خانہ خراب کیا کرتے
روکتے لوگ اُن کے ملنے سے — اور پڑتے جو خواب کیا کرتے
بادۂ عشق ہم غریبوں کو — ایسی بھاری شراب کیا کرتے
سچ تو یہ ہے کہ خود خراب ہوئے — دوست ہم کو خراب کیا کرتے
عشق نے ہم کو بے گھرا تو کیا — اور عالی جناب کیا کرتے
قیس و فرہاد نے محبت کی — اور خانہ خراب کیا کرتے
اُن کو آتا حجاب کیا آتا — مجھ سے کرتے حجاب کیا کرتے

یہ غرور اے صفؔی خدا جانے
تم جو پاتے خطاب کیا کرتے



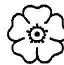
شرم آتی تھی التجا کرتے — لیکن اُس دل کو اپنے کیا کرتے
سادگی سے جو وہ ملا کرتے — نہیں معلوم لوگ کیا کرتے
مجھ پہ ڈھاتے ستم جفا کرتے — تنگ آتے تو آپ کیا کرتے
مجھ کو کہتے اگر برا سب میں — آپ اپنے لئے برا کرتے
نہ منا رات بھر بھی وہ ضدّی — ہوگئی صبح التجا کرتے

تھا صفؔی بھی تو آپ کا عاشق
شرم بھی آئی بددعا کرتے



وہ کسی کا بھلا نہیں کرتے — نہیں کرتے وفا نہیں کرتے
عمر کے دن وفا نہیں کرتے — آدمی پھر بھی کیا نہیں کرتے
روٹھ جاتے ہیں جب حسیں توبہ — گدگدی سے ہنسا نہیں کرتے
کچھ نہ کرتے اگر ہمارے دوست — دوست کو بھی برا نہیں کرتے
ہم نے جو کچھ کیا محبت میں — لوگ کرتے ہیں یا نہیں کرتے
وہ مرے دوستوں سے کہتے ہیں — یہ ہمارا کہا نہیں کرتے
نہ کرو دِل دُکھوں سے کوئی مذاق — غم زدوں سے ہنسا نہیں کرتے
کیوں کریں وہ شمارِ داغِ جگر — دینے والے گنا نہیں کرتے
بن کے حیران دیکھ جلوۂ دوست — آئینے سے حیا نہیں کرتے
جو ہیں اُن کے مزاج سے واقف — کی ہوئی التجا نہیں کرتے
عاشقی کر تو اُس کو فاش نہ کر — ایسی باتیں کہا نہیں کرتے
تم نے جب چاہنے سے روک دیا — چاہتے ہم تو کیا نہیں کرتے
کون سنتا ہے عشق کے بیمار — کیسی کیسی دعا نہیں کرتے
چار دن کی بہار ہوتی ہے — عیش کے دن رہا نہیں کرتے
بُلبُلیں لوٹ کیوں ہیں پھولوں پر — خوبصورت وفا نہیں کرتے
اپنے مالک سے مانگنے والے — غیر سے التجا نہیں کرتے

موت کو کیوں بلا رہے ہو صفؔی
دردِ دل کی دوا نہیں کرتے



رہے مجاز میں، پھر شکوۂ مجاز کرے — ہر ایک ایسے منافق سے احتراز کرے
گر وہ اپنی محبت سے سرفراز کرے — میں اُس پہ ناز کروں خلق مجھ پہ ناز کرے
بجا ہے خود پہ جو ہر اِک حسین ناز کرے — وہ بے نیاز جسے چاہے بے نیاز کرے

جو چیز عیشِ دوعالم سے بے نیاز کرے
وہ دردِ دل ہے خدا جس کو سرفراز کرے

جوانی ہائے جوانی نہ تھی خدائی تھی
پھر ایک بار خدا سب کو سرفراز کرے

غمِ محبت اگر رزق ہے تو خوش ہے بشر
فقط حصول کا حیلہ یہ حیلہ ساز کرے

مقام کا تھا اثر بے گناہ تھے منصور
وہاں جو ٹھیرے وہ خود پر ہزار ناز کرے

نیازمند ہوں اُس بے نیاز کا اب تک
نیاز مند کرے جو نہ بے نیاز کرے

دعا دعا ہے مگر جب قبول ہوجائے
سمجھ کے آدمی دستِ طلب دراز کرے

نہ کوئی چیز ہے اس کی نہ خود یہ اپنا ہے
کرے تو کس پہ ترا جاں نثار ناز کرے

وہ بندگی کہ تصدق ہو جس پہ آقائی
خدا ایاز بنائے خدا ایاز کرے

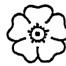
مری نظر ہے سفید و سیاہ سے واقف
کرشمے لاکھ وہ چشمِ کرشمہ ساز کرے

کرے حجاب وہ مجھ دیدہ در سے ہائے غضب
جو حسن ایک نمازی کو بے نماز کرے

اسی لئے تو بنا ہے یہ اشرف المخلوق
کہ آدمی حق و باطل میں امتیاز کرے

ہمارے پاس تو عاشق کی ہے یہی پہچان
وفا جفا میں جو مشکل سے امتیاز کرے

فریب خوردۂ حسرت ہے اور کیا ہے صفی
جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے



وہ جلوہ اور طور مقدر پہاڑ کے
کیسی شراب کس کو پلادی پچھاڑ کے

بچے نہیں ہیں آپ کھلونا نہیں ہوں میں
جب جی میں آئی پھینک دیا توڑ تاڑ کے

بے ہوش دیکھ ہی کے تو اوسان کھوگئے
کیسے رہوگے تم مرے مردے کو گاڑ کے

مجھ سے بگاڑ ہے انہیں خط کا جواب کیا
لکھے بھی ہیں تو حرف کی صورت بگاڑ کے

دم بھر کسی کو بیٹھنے دوگے نہ چین سے
تم کو ابھی مزے ہی نہیں چھیڑ چھاڑ کے

آئی ہے ایسی کونسی صورت خیال میں
وہ کیا بتائیں گے مری ہستی بگاڑ کے

ماتم کیا لحاظ ہمارا نہیں کیا
مردے جگائے اُس نے مگر ہم کو گاڑ کے

ہو واقعی جو نخل کوئی نخل آرزو
میں آج پھینک دوں اُسے جڑ سے اُکھاڑ کے

اب دل میں نام کو کوئی حسرت نہیں رہی
بیٹھے ہیں آپ اپنا بھرا گھر اُجاڑ کے

تسلیم پیشہ جب بھی سلامت قدم رہے
چھوڑا ہے گرچہ لوگوں نے زندہ ہی گاڑ کے

دنیا کے رنگ آپ نے دیکھے ہی کیا ابھی
زندہ کے دوست بن کے نہ مردے کو گاڑ کے

میری طرح نہ بیٹھو گے نچلا ذرا سی دیر
پڑ جائیں گے مزے جو تمہیں چھیڑ چھاڑ کے

دل کو کسی کی بزم میں کہہ دی ہے خیر باد
بیٹھا ہوں آج اپنے چہیتے کو گاڑ کے

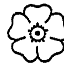
بنتا ہوا بھی کام بگڑتا ہے دوستو
کیا سوجھتا ہے آتے ہیں جب دن بگاڑ کے

چاکِ قمیصِ حضرت یوسف کچھ اور تھا
تہمت نہ جوڑ اپنے بھی دامن کو پھاڑ کے

ہنگامہ اور اس پہ بھی ہنگامہ حشر کا
مجھ تک کہاں سے آئیں گے وہ چیر پھاڑ کے

اب اختلافِ رنگ و اثر اور بات ہے
یہ حُسن و عشق دونوں ہیں پھل ایک جھاڑ کے

آلائش زمانہ سے دامن بچا صفی
کتا بھی بیٹھتا ہے جگہ اپنی جھاڑ کے



ہمیں جنوں میں ستائے ہیں کس قدر کانٹے
اسی سبب سے تو ہیں آج در بدر کانٹے

ہماری آبلہ پائی پہ لوگ روتے ہیں
کوئی مخالف و سرکش نہیں مگر کانٹے

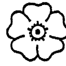
کسی کو گالیاں دے دیکے چھینتے ہیں دل
ابھی وہ پھول خریدینگے بیچ کر کانٹے

مری سوانح عمری بھی وہ کہانی ہے
کہ جس کے سننے سے آتے ہیں جسم پر کانٹے

بساط دہر میں اک گوکھرو کا کانٹا ہے
کہ اس کو آپ جدھر دیکھئے اُدھر کانٹے

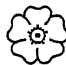
ستم گروں کو نہیں چین بعدِ نقصاں بھی
کھٹکتے رہتے ہیں پاؤوں میں ٹوٹ کر کانٹے

صفی وہ پیاس کی شدت وہ دھوپ جنگل کی
پھر اس پہ پانو میں کانٹے زبان پر کانٹے



رخسار دیکھنے کے ہیں عالی جناب کے — گویا چمن میں پھول کھلے ہیں گلاب کے
قسمت اگر بری ہے تو اب اس کا کیا علاج — گُن تو برے نہیں دلِ خانہ خراب کے
مجھ جیسا مجرم اور قیامت کا ایک دن — دو چار سال ہوتے حساب و کتاب کے
کچھ بات یاد آئی جو خاموش ہوگیا — ہیں ورنہ سو جواب تمہارے جواب کے
مستی نہیں ہے شیخ کی اللہ کے لئے — معلوم ہے اڑائے ہوئے ہیں شراب کے
میں تیری دونوں آنکھوں کے قربان ہوگیا — جیسے کہ دو پیالے بھرے ہیں شراب کے
میں اُن سے مل کے چھوٹ گیا ایک آن میں — جس طرح سے معاملے ہوتے ہیں خواب کے
ہوگا تمہارے چاہنے والوں کا حشر کیا — قائل ثواب کے ہیں نہ قائل عذاب کے
اس شکل سے وہ آئینہ خانہ میں کیوں گئے — لاکھ آفتاب کردئے اک آفتاب کے
محفل میں کردی تم نے تو تعریف غیر کی — میرا تو دم نکل گیا مارے حجاب کے
کھلتا نہیں ہے عاشق و معشوق کا تو بھید — یہ مسئلے نہ جانئے ہیں کس کتاب کے
جلوہ دکھادو مرتے ہیں عاشق تو رنج کیا — صدقے اتر رہے ہیں تمہاری نقاب کے
بن بن کے بھی بگڑنے کو سب جانتے ہیں ہم — ہوتے ہیں اور ڈھنگ تمہارے عتاب کے

قائل ترے کلام کے سب کیوں ہوں اے صفی
قائل نہیں ہیں سب تو خدا کی کتاب کے

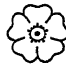


دوست بھی ہیں تو دل دکھانے کے — کیا برے ڈھنگ ہیں زمانے کے
میں تمہیں آج تک سمجھتا تھا — ملنے والے ہیں اک زمانے کے
شیخ جی نے تو اب نکالے ہیں — چور رستے شراب خانے کے

ظلم پر ظلم ہے ستم پہ ستم یہ طریقے ہیں آزمانے کے
وعدہ فرماکے آپ آئیں گے یہ مقدر غریب خانے کے
ہائے تم نے صفی کو کیا جانا
لوگ ہیں یہ بڑے گھرانے کے



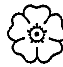
افسوس بے مزہ ہیں ستم آسمان کے پکوان پھیکے نکلے اس اونچی دکان کے
فقروں میں نامہ بر کے کوئی اور آئے گا پہچانتا ہوں لفظ میں اُن کی زبان کے
ساقی نے یا پلائی ملا کر کچھ اور شئے یا فرق آ گیا ہے مزے میں زبان کے
گو غیر پختہ مغز نہیں اس کو کیا کروں پکّے ہیں دھن کے اور وہ کچے ہیں کان کے
اُن کے خلاف ہوتی ہے جو بات بحث میں مطلب نکالتے ہیں بہت کھینچ تان کے
کچھ مہ رخوں کی چاہ سے حاصل نہیں صفی
تارے تو، ہاتھ آتے نہیں آسمان کے



غلام شوق کے بندے بنے تمنا کے غریب لوگ رہے دین کے نہ دنیا کے
جگر کا خون ہیں یہ دل کی جان ہیں ظالم ہمارے اشک ہیں موتی نہیں ہیں دریا کے
فقیر لوگ بہ ظاہر حقیر ہیں تو کیا اُٹھانے والے ہیں یہ اُن کے ناز بے جا کے
جو عشق و حسن سے واقف نہیں ملول نہیں بڑے مزے میں ہیں یہ قیس کے نہ لیلا کے
نہ دیکھ حضرت یوسف کی چاک دامانی جو عشق دے تو خدا ہاتھ دے زلیخا کے
جگر کے داغ کبھی تو ملاحظہ کیجیے چراغ جلتے ہیں صدقے میں روئے زیبا کے
گدا ہوں اُس کا جو بھوکا نہیں سلاتا ہے نہ پاؤں کچھ بھی تو سو جاؤں زہر ہی کھا کے

کبھی غرور کبھی شرم کیا دورنگی ہے — کرو غرور سے تم بات یا تو شرما کے
یہ کیسے چھینٹے ہیں ہم مشربوں کے اے ساقی — کسی کا ان میں سے کچھ پی کے ہوں نہ کچھ کھا کے
کیا ہے حد سے سوا بے تکلفی نے خجل — مجھے نہ کیجیے شرمندہ اور شرما کے
دیا کسی کے تغافل نے ساتھ مدفن تک — رہا یہ دوست مجھے انتہا کو پہنچا کے
مآلِ ظلم جو ہے ناگوار ظلم نہ کر — سماں بھی میرے تڑپنے کا دیکھ تڑپا کے
کبھی کبھی مجھے دیکھا ہے اس طرح تم نے — نشانہ باز نشانے کو جس طرح تاکے

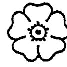
صفؔی ہے اور پھر اس کی گلی ہے اے توبہ
سنبھل سکا نہ یہ سو بار ٹھوکریں کھا کے



پوچھو اسی کے دل سے مزے اس ملال کے — جس کو برا وہ کہتے ہیں اپنے پہ ڈال کے
ڈالو نگاہ مجھ پہ سنبھل کے سنبھال کے — یہ کام تیر کا ہے ذرا دیکھ بھال کے
دنیا کی طرح تم نے مجھے بھی سمجھ لیا — قربان اس نظیر کے صدقے مثال کے
وہ ہم سے مل کے اور بھی کچھ دور ہو گئے — یہ تو نہیں کتاب میں معنی وصال کے
مقدور ہو تو اے غمِ عیشِ وصالِ یار — تجھ کو کھلا دوں اپنا کلیجہ نکال کے
بن بن کے مہرباں نہ کرو آزمائشیں — لاکھوں میں ایک دو بھی نہیں اس خیال کے
کہہ کر ذلیل ہی سہی گو جانتا ہوں میں — سو سو جواب ہیں مرے اک اک سوال کے
تم ہی نہیں زمانہ بھی اس میں شریک ہے — اسباب ہیں بہت مرے رنج و ملال کے
ہے ایک بات آپ کی ہر ایک بات میں — دو چار کاش اور ہوں اس بول چال کے
کیا اور عرض حال کروں جانتے ہیں آپ — بھولا ہوں واقعات جو تھے حال حال کے
داغِ جگر مرا مہِ کامل سے بڑھ گیا — آئیں کہاں ہیں دیکھنے والے کمال کے
اب خاک چھان چھان کے اُکتا گیا ہے دل — خیرات دے غریبوں کو داتا سنبھال کے

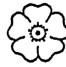
اتنا تو ہو کہ دوست کسی سے جدا نہو | جب تک سمجھ میں آئے نہ معنی وصال کے
یوسف سا پاکباز حسیں ہاتھ لگ گیا | بے شک تھے تیرے دام زلیخا حلال کے
آنکھیں نکال ڈالیئے مشتاق دید کی | لیکن نہ دیکھئے اسے آنکھیں نکال کے
اک آس رہ گئی ہے کہیں وہ نہ ٹوٹ جائے | دل سے تم اپنے مجھ کو اتارو سنبھال کے
سینے میں دل ہے دل میں ہے لذت وصال کی | رکھی ہے ہم نے اُن کی نشانی سنبھال کے

اُن کو نہ آئے رحم تو میں کیا کروں صفیؔ
اب کیا گلے میں اپنے پھروں سانپ ڈال کے

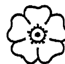


وہ ہمارا ہے ہم نہیں کہتے | آشکارا ہے ہم نہیں کہتے
اپنا ایمان سب کو پیارا ہے | کون پیارا ہے ہم نہیں کہتے
دوست کی دشمنی گوارا ہے | کیوں گوارا ہے ہم نہیں کہتے
قول ہارا ہے آپ نے سو بار | کس سے ہارا ہے ہم نہیں کہتے
لوگ کہتے ہیں آپ کا عاشق | بے سہارا ہے ہم نہیں کہتے
کیوں تقاضا ہے مدعا کیلئے | کیا اجارا ہے ہم نہیں کہتے
چار سے پوچھو دل تمہارا ہے | یا ہمارا ہے ہم نہیں کہتے
چو طرف آپ کا پکارا ہے | کیا پکارا ہے ہم نہیں کہتے
اس کو قاتل کہے تو کون کہے | ہم کو مارا ہے ہم نہیں کہتے
آپ کو نام سے پکارا ہے | کب پکارا ہے ہم نہیں کہتے
ہوتی مدِّنظر جو گستاخی | تو ہمارا ہے ہم نہیں کہتے
حسن دراصل عالم آرا ہے | یا خود آرا ہے ہم نہیں کہتے
دل کو برباد یا کرو آباد | گھر تمہارا ہے ہم نہیں کہتے

آج خود کو سنوار کر تم نے　　کیا سنوارا ہے ہم نہیں کہتے
فرقِ اغیار و یار اُن سے کہے　　جس کو یارا ہے ہم نہیں کہتے
جو ہمارا ہے راز تم نہ کہو　　جو تمہارا ہے ہم نہیں کہتے
اے صفؔی اس غزل کے کہنے میں
جو اشارا ہے ہم نہیں کہتے



درو دیوار ڈرائیں جو اُسے گھر کاٹے　　اب بتاؤ کہ شبِ غم کوئی کیوں کر کاٹے
تیری فرقت میں مرے دل میں بدی تو آئی　　پر کوئی اپنا گلا آپ ہی کیوں کر کاٹے
کاٹنے کو تو سبھی کاٹتے ہیں عمر اپنی　　ہاں کوئی میری طرح سے تو گھڑی بھر کاٹے
اپنے اقرار سے پھرتے نہیں غیرت والے　　جان لے اُن کی کوئی، اُن کا کوئی سر کاٹے
یوں کٹی عمر کہ بے چینی سے کاٹی ہر شب　　یوں کٹے دن کہ تڑپتے ہوئے دن بھر کاٹے
آنے والی تھی مقدر میں جو گردش آئی　　کاٹنے تھے ہمیں تقدیر کے چکر کاٹے
ہائے فرہاد کی تقدیر سے کیوں کاٹ پڑی　　عمر بھر اس جگر افگار نے پتھر کاٹے
آپ کے خط میں جو ہے تیری گزارش منظور　　پہلے کیوں لکھے یہ الفاظ جو لکھ کر کاٹے
نہ ہوا پر نہ ہوا حالِ دلِ زار رقم　　کبھی کچھ کاٹ کے لکھے کبھی لکھ کر کاٹے
ایک میں ہوں کہ تری جھوٹ کو بھی سچ سمجھوں　　ایک تو ہے کہ مری بات کو اکثر کاٹے
دل میں کٹتے ہوئے قاتل نے کیا ذبح مجھے　　یہ نئی کاٹ نکالی ہے کہ کٹ کر کاٹے
فرطِ ایذائے زمانہ ہے عروجِ موذی　　سانپ کو پر جو نکل آئے تو اُڑ کر کاٹے
کیا کہیں حال صفؔی اپنی پریشانی کا
الغرض ہم نے بھی تقدیر کے چکر کاٹے



تری مژہ نہیں اے جان پھول کے کانٹے
یہ ایسے کانٹے ہیں جیسے ببول کے کانٹے

جو ساتھ ساتھ ہی رہتے ہیں پھول کے کانٹے
خوشی سے پھول نہ بن جائیں پھول کے کانٹے

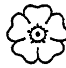
تری جفا کا گلہ ہم سے ہو نہیں سکتا
کہ پھول ہوتے ہیں بلبل کو پھول کے کانٹے

تری طرف سے اُٹھاتا ہوں ناز دشمن بھی
نہیں ہیں پھول سے کم مجھ کو پھول کے کانٹے

عدو میں مجھ میں نہ ہو کوئی فرق تو کیا ہو
کہ پھول پھول ہیں کانٹے ہیں پھول کے کانٹے

وہ کون گل ہے جو آ کر تُلے گا پھولوں میں
کہ باغ بان بناتا ہے پھول کے کانٹے

صفؔی کسی کو برا ہم کہیں تو کس منہ سے
ہمیں تو پھول سے بہتر ہیں پھول کے کانٹے



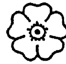
کیوں دردِ عشق سہہ نہ سکے اور مر گئے
ہم اپنے ساتھ اُن کو بھی بدنام کر گئے

وہ تو خرامِ ناز جو کرنا تھا کر گئے
اُن کی بلا سے مر گئے دو چار مر گئے

نبھتی کہاں تک اُس بتِ خودسر سے دوستی
جو دن گزر گئے وہ غنیمت گزر گئے

پہلے ہی میری اُن کی طبیعت میں اختلاف
پھر اس پہ دشمنوں نے اُبھارا اُبھر گئے

دیکھی ہے اُن کی شکل جو پہلے پہل صفؔی
سائے کی طرح ساتھ تھے ہم وہ جدھر گئے



دل بھی ہے بے چین اس کی بزم میں سب جائیں گے
از بھی جانا بز بھی جانا ہے ہمیں اب جائیں گے

بدگمانی اس کی آخر بڑھتے بڑھتے بڑھ گئی
ہم اسی میں رہ گئے اب جائیں گے جب جائیں گے

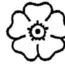
تو ابھی سے اے دلِ نافہم کیوں بے تاب ہے
وہ کہیں جانے کو ہیں تو جائیں گے جب جائیں گے

اس کی محفل اور ہم، ناحق کی افواہیں اڑیں
آج تک تو ہاں نہ جاتے تھے مگر اب جائیں گے

مجھ کو خاطر میں نہ لاکر بارِ خاطر کیوں ہوئے
میرے دل کے ولولے پس جائیں گے دب جائیں گے

ہم نشیں کو میری حالت ہی ہے حیرت کا سبق
پھر وہاں کیا ایسے ویسے طفلِ مکتب جائیں گے

دم میں دم ہے تو وہاں جانا نہ جائے گا صفؔی
آگے پیچھے اپنے اپنے وقت پر سب جائیں گے



اک دن نہ آئے سیکڑوں اقرار ہوگئے
بس جایئے ہم آپ سے بے زار ہوگئے

پھر آج تم اسی کے طرف دار ہوگئے
بیزار ہوگئے صفؔی بیزار ہوگئے

جو دل کا حال ہے وہ ہمارا بھی حال ہے
بیمار دار کیا ہوئے بیمار ہوگئے

یہ کوئی بات ہے یہ کوئی بات کا جواب
افسوس تم تو لڑنے کو تیار ہوگئے

صورت معاملے کی تو نکلی نہ ایک بھی
اب تک ہزاروں دل کے خریدار ہوگئے

پہلے تھے حسن و عشق کے اچھے معاملے
اب تو فضول ہوگئے بے کار ہوگئے

ہم اُن سے اپنا جرم بھلا کیا چھپائیں گے
پہلے بھی ایسے واقعے دوچار ہوگئے

سب کھل گیا فریبِ نظرہائے دل فریب
اب تو پھنسے تم اب تو گرفتار ہوگئے

ہر ایک کو مکان حسینوں کے وقف ہیں
یہ گھر تو گھر نہیں ہوئے بازار ہوگئے

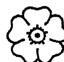
کیوں اب تو آزمائشِ اہلِ جنوں ہوئی
کپڑے چھڑانے آپ کو دشوار ہوگئے

یہ دام حسن اپنے لئے طرفہ کھیل ہے
سو بار چھوٹے اور گرفتار ہوگئے

جب آئی چوٹ دل پہ تو بے تابیوں سے آئی
آزار اس کو باعثِ آزار ہوگئے

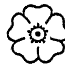
ہم نے جو دل دیا ہے تو ایمان سے کہو
کتنے تمہارے طالبِ دیدار ہوگئے

ہوتے ہی وصل اور بڑھا شوق اے صفؔی
جتنی دوا کی اتنے ہی بیمار ہوگئے



پھر اُس سے مل کے اس کے گرفتار ہو گئے | ہم عفو جرم کر کے گنہ گار ہو گئے
ہم تو حریصِ لذّت آزار ہو گئے | جس نے دیا اسی کے طرف دار ہو گئے
دنیا میں ہو چکا حق و ناحق کا فیصلہ | سچا وہی ہے جس کی طرف چار ہو گئے
مدت ہوئی کہ حضرتِ ناصح نہیں ملے | کیا وہ کہیں چلے گئے، بیمار ہو گئے
اک اختلاف طبع نے دونوں سے یہ کیا | ہم ان سے اور ہم سے وہ بیزار ہو گئے
آئینہ دیکھیے تو سہی کیا غضب ہوا | منصوبے سارے آپ کے بے کار ہو گئے
وحشت دبی تھی کچھ تو اُٹھی دل میں ہوک سی | اچھے نہیں ہوئے تھے کہ بیمار ہو گئے
طوفان بحر عشق میں دیکھا یہ فائدہ | جتنے بھی اس میں ڈوب گئے پار ہو گئے
دردِ جگر کے جاتے ہی آئی شب فراق | غم سے چھٹے بلا میں گرفتار ہو گئے
کیوں دشمنوں کو ہاتھ لگانا محال ہے | کیا یہ کسی حسین کے رخسار ہو گئے
کم بخت آہ نیم شبی نے غضب کیا | جاگے وہ کیا بس آج سے ہشیار ہو گئے
ہوتے ہی وصل اور بڑھی آرزوے وصل | جتنی دوا کی اُتنے ہی بیمار ہو گئے

وہ دن گئے وہ بات گئی اب تو اے صفیؔ
سرکار کہیے اُن کو وہ سرکار ہو گئے



بدگماں کیا قبر میں ارماں ترے لے جائیں گے | ہم اکیلے آئے ہیں جیسے اکیلے جائیں گے
تم ستاؤ مجھ کو لیکن یوں نہ ہر اک سے ملو | ظلم آمنّا مگر صدمے نہ جھیلے جائیں گے
جان پر کھیلیں گے جیتے ہیں تو ان کی کیا بساط | چال چل کر ہم سے بازی دوسرے لے جائیں گے
حسب وعدہ آئے شکریہ بڑی زحمت ہوئی | اب یہاں سے آپ اپنے گھر اکیلے جائیں گے
ہے دعاؤں کا اثر سنگِ حوادث ہی اگر | اپنے ہاتھوں پھر تو یہ صدمے نہ جھیلے جائیں گے
کس قدر ثابت قدم ہیں رہ روانِ کوے دوست | جائیں گے پھر ان کی کوئی جان لے لے جائیں گے

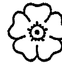
بار پھر بار غمِ فرقت اُٹھائیں بوُالہوس
ایسے ڈنڈ مونڈھوں پہ پاپڑ بھی نہ بیلے جائیں گے

آبروئے عشقِ غیر ان مول موتی ہے اسے
دو ہی آنسو کیوں نہ ہوں دامن میں جھیلے جائیں گے

حضرت دل اور پھر جائیں نہ اس کی بزم میں
جھڑکیاں دے لے کوئی الزام دے لے جالیں گے

اس گلی میں ڈال دوں تا سنبھلیں ٹھوکر کھا کے غیر
یوں بھی اک دن خاک میں آنکھوں کے ڈھیلے جائیں گے

بے کسی میں کون کس کا ساتھ دیتا ہے صفی
ملنے والے ہیں تماشے کے یہ میلے جائیں گے



آنے والے آئیں گے یا جانے والے جائیں گے
سارے باتونی ہیں کیا لائیں گے کیا لے جائیں گے

اب وہاں جو جائیں گے وہ مجھ کو کیا لے جائیں گے
میں تو نکلا وہ بھی بے چارے نکالے جائیں گے

دوستی سے ہم اُٹھانے کو تھے لطفِ زندگی
یہ نہ سمجھے تھے کہ اک آفت میں ڈالے جائیں گے

چارہ سازوں سے گماں تسکین سے کدہم سے وہم
کیا ترے بیمار کے آگے دوا لے جائیں گے

وسوسوں سے چھوٹ جاؤں وہ مخالف ہوں تو ہوں
سب سہی یہ روگ تو مجھ سے نہ پالے جائیں گے

تو ذرا پہلے پہل خود تو سنبھل اے مستِ ناز
دوسروں کو چھوڑ کیا تجھ سے سنبھالے جائیں گے

آدمی کیا آدمی کے نام سے پرہیز ہے
اُن کے دل میں اور کیا کیا وہم ڈالے جائیں گے

کچھ نہ کچھ تو چاہئے آخر جنوں کی یادگار
جان دیدوں گا اگر پانو کے چھالے جائیں گے

ہے اسی در کے لئے محدود ساری آرزو
ہم تری دہلیز کیا سر پر اُٹھا لے جائیں گے

ان کو زحمت کیوں یہ تھوڑی دیر کی تکلیف ہے
خود سنبھل جائیں گے ہم جس دم سنبھالے جائیں گے

اُنہیں دشمن سکھاتے ہیں ستانے کے طریق
دیکھنا گھر سیکڑوں لاکھوں کے گھالے جائیں گے

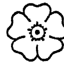
و اُلٹی پڑی کچھ حرف رونے پر نہ آئے
حشر میں اب نامۂ اعمال کالے جائیں گے

تی اس سے جو ٹوٹی یہ بھی یارب ٹوٹ جائیں
کیا یہ ہاتھ اب غیر کی گردن میں ڈالے جائیں گے

کیا خبر تھی دردمند و ہوں گے ہم تم عشق دوست
اور سب دل ایک ہی سانچے میں ڈھالے جائیں گے

تم نہ آؤ دم نکل جائے تو کوئی غم نہیں　　دل جہاں تک ہم سے سنبھلے گا سنبھالے جائیں گے

ہم غریبوں کو صفؔی ہے ایک ہستی و عدم
آئے تو کیا لائے جائیں گے تو کیا لے جائیں گے



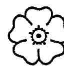
رنج یوں بھی دل رنجور کے جانے والے　　دیکھ لے ہنس کے بھی او گھور کے جانے والے

ہم نشیں کس کا گلہ کس کی شکایت چپ رہ　　ذکر ان تک مرے مذکور کے جانے والے

ساری دنیا تو نہیں طالب نظارۂ یار　　جا رہے ہیں اسی دستور کے جانے والے

آیئے، بیٹھئے، کچھ سنئے کچھ اپنی کہیے　　آپ ایسے ہیں کہاں دور کے جانے والے

ہاتھ میں ایک لفافہ ہے صفؔی پوچھتے ہیں
کون سے لوگ ہیں جے پور کے جانے والے



وہ جو مرے لئے مرے غم خوار کے لئے　　قانون کیا ہے بے سبب آزار کے لئے

ہے مجھ کو پیٹھ، منہ ترا دیوار کے لئے　　بس یہ حیا بہت ہے حیا دار کے لئے

بدنام ہوں گے آپ جو اس کو برا کہا　　چپ سادھ لیجیے اپنے گنہ گار کے لئے

آزادیٔ خیال بھی اس کو نہیں نصیب　　اتنی بھی قید اپنے گرفتار کے لئے

جھگڑا چکا جو آپ بھی بے زار ہو گئے　　اچھا ہے ایک جان سے بیزار کے لئے

چال آسماں کی اور ہے اُن کا چلن ہے اور　　وہ پانو بھی تو چاہیئے رفتار کے لئے

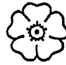
پوری کسی کی بات جو سن لو تو کچھ کہو　　سوچو بھی اپنی تیزیٔ گفتار کے لئے

حضرت کلیم طالبِ دیدار ہو گئے　　طالب ہوئے نہ طاقت دیدار کے لئے

پاداش جورِ حسن قیامت میں دیکھنا　　وہ دن ہے سب کے کیفر کردار کے لئے

ہر اک سے باز پرس کریں گے وہ حشر میں | یا بے نقاب آئیں گے دیدار کے لئے
میں خوب جانتا ہوں کہ سب جانتے ہیں آپ | ہٹ ہے مری زبان سے اظہار کے لئے
دُہرا کے کہہ رہے ہیں وہ اک ایک بات کو | بہرا بنا ہوں لذتِ گفتار کے لئے
مجبور کیوں ہے بندہ، یہ پوچھے خدا سے کون | سب کچھ روا ہے مالک و مختار کے لئے
دل لے کے دلبری نہ کرو یہ تو ظلم ہے | کیا اینٹھنے کو دامِ خریدار کے لئے

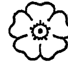
ملتے ہیں کیوں صفیؔ سے وہ خوددار ہی رہیں
اتنا بھی کیا ضرور ہے خوددار کے لئے



افسوس اور عاشقِ بیمار کے لئے | ذلت ہے آپ ایسے طرح دار کے لئے
یوسف کچھ ایک سوت کی اٹّی کا مال تھے | لاکھوں بہانے ہوتے ہیں دیدار کے لئے
آتا جو اُن کے کام تو دینا نہ جھانکتا | بازار میں پڑا ہوں خریدار کے لئے
تصویر اُن کی کس لئے واپس نہ بھیجتا | کاغذ کی چیز اور مرے پیار کے لئے
گرمی میں بھی نقاب اُٹھاتے نہیں ہیں وہ | آنکھیں لگی ہوئی ہیں جو دیدار کے لئے
ہے قتلِ عام دل میں تو بس اِک نگاہ ناز | اے دوست ہاتھ چاہئے تلوار کے لئے
ہم کو تو یہ دکھا گئی رات انتظار کی | جلوے ہیں آسمان کے بیدار کے لئے
پرہیز جب غریب کا سب نے چھڑا دیا | تدبیر سوچتے ہیں وہ بیمار کے لئے
عاشق کے ساتھ بھی نہ رہے ساتھ بھی رہے | یہ بات خاص ہے تری رفتار کے لئے
ہم بھی خراب، آپ کا ہر کام بھی خراب | اک آپ کی متانتِ بے کار کے لئے
کس کس کی ہے یہ حق تلفی واہ واہ وا | اپنے ہی ہاتھ اپنے ہی رخسار کے لئے
دنیا میں جب خزاں بھی رہے تو بہار ہے | نرگس سی آنکھ پھول سے رخسار کے لئے
اے فتنۂ زمانہ قیامت ہی بن کے آ | آنکھیں ترس گئیں ترے دیدار کے لئے

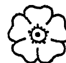
وہ زخم پر نمک بھی جو چھڑکیں تو لوٹ جاؤں　　اس میں بھی اک مزہ ہے نمک خوار کے لئے
یہ مجہلہ حود آکے چکا دیجئے حضور　　جھگڑے پڑے ہیں آپ کے دیدار کے لئے

مجروح بے نیازئ احباب ہوں صفی
تاثیر کی کمی نہیں اشعار کے لئے



ہم بھکاری ہیں مگر ایسے سخی دل کے لئے　　آپڑے خود بھیک میں جو اپنے سائل کے لئے
ہے خدا کا گھر تو پیدا کر خدا دل کے لئے　　ڈھونڈ کوئی خاص لیلیٰ ایسی محمل کے لئے
دل نہ ٹھیرے گا تو میں مرجاؤں گا دل کے لئے　　آپ مشکل میں نہ پڑیئے میری شکل کے لئے
یوں منائے دوست مجھ کو اور میں من جاؤں واہ　　ویسی باہیں بھی ہوں گردن میں حمائل کے لئے
زندگی تھی؟ موت کا سامان تھی؟ یا موت تھی　　آپ کی پہلی نظر کیا تھی مرے دل کے لئے
وہ کھچا ہم سے دِکھائی ہم نے بھی کھنچنے کی شان　　مل گیا ہم سے تو ملنے کے مزے مل کے لئے
ایک دل سے دوسرے دل کی طلب ملتی نہیں　　اک نئی ہی آرزو ہیں آپ ہر دل کے لئے
ہاں تڑپ کر ایک نالہ کھینچ اے فیاض طبع　　چاہئے ایسی ہی چٹکی ایسے غافل کے لئے
خدمت فانوس ادا کرتے ہیں پروانوں کے پر　　اور کیا ہم دل جلوں کی شمع محفل کے لئے
کب ہوا تھا دوست کی نازک مزاجی کا خیال　　ہائے وہ بے باکیاں جو تھیں اوائل کے لئے
کامیابِ عشق بننا ہے تو اپنی جان دے　　ایک مشکل ہی دوا ہوتی ہے مشکل کے لئے
واہ وا اے زورِ طوفانِ حوادث واہ وا　　ہم بھنور کے واسطے خاشاک ساحل کے لئے
ماہ کامل میں بھی دھبہ رکھ دیا اللہ نے　　نقص ممکن ہے نہ ہو ایک آدھ کامل کے لئے

خانماں برباد ہے، بے کار ہے، بے آس ہے
کیوں چنا تم نے صفی کو اپنی محفل کے لئے



شرم آتی ہے بیانِ خواہش دل کے لئے
آپ کی محفل میں ہوں کیا ساری محفل کے لئے

کیوں جھپکتیں اس کی آنکھیں رقص بسمل کے لئے
رحم کھانا عیب میں داخل ہے قاتل کے لئے

حسرتوں کا خون کیجیے رنگِ محفل کے لئے
خوف کیا، قانون کیا ہے ایسے قاتل کے لئے

دیکھنا ہے آئینہ تو بن سنورنا کیا ضرور
حسن دونا کر رہے ہیں وہ مقابل کے لئے

چھوڑ دوں تیری خوشی کے واسطے اپنی خوشی
اپنے دل کا خون کر ڈالوں ترے دل کے لئے

میں تو دیوانہ ہوں کیا سمجھوں اشارہ آپ کا
آپ عاقل ہیں اشارہ بس ہے عاقل کے لئے

اُن کا سنگِ آستاں پایا ہے اب جاؤں کہاں
آخری پتھر ہے یہ بس میری منزل کے لئے

دوسروں سے آپ دل رکھنے کی باتیں کیجیے
اب یہ فقرے ہیچ ہیں مجھ ایسے بے دل کے لئے

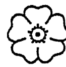
بت بنے بیٹھے ہیں سب عشاق ملتے تک نہیں
آپ یہ پتلے کہاں سے لائے محفل کے لئے

آج چمکا ہے ستارہ طالبانِ دید کا
آپ کیا نکلے ہیں سیر ماہِ کامل کے لئے

کیا بلا ہیں دام و سنبل اور وہ زلفیں کہاں
کس کو فرصت ایسے پیچیدہ مسائل کے لئے

مجھ سے کوئی حسن کی تعریف پوچھے تو کہوں
جلوہ آنکھوں کے لئے ہے آرزو دل کے لئے

بندہ بننا چاہتا ہوں اور بندہ ہوں صفؔی
کر رہا ہوں کوششیں تحصیلِ حاصل کے لئے



نہ برتیں آپ ستم جو ہیں آسماں کے لئے
کہ ایک بڈھے کی ریس ایک نوجواں کے لئے

نہیں جو حسن مقید کسی مکاں کے لئے
تو میں زمیں کے لئے ہوں نہ آسماں کے لئے

دعائے کثرت گل ہوگئی قبول تو ہائے
جگہ ٹٹول رہا ہوں میں آشیاں کے لئے

نہ برق پائے نہ صیاد و باغباں پائے
چمن میں ایسی جگہ ڈھونڈھ آشیاں کے لئے

کہاں کی آتش گل میں تو یہ سمجھتا ہوں
چمک کا رنگ یہ ہے میرے آشیاں کے لئے

نہ بھول بلبل بے خانماں جو رُت بدلی
ہر ایک پھول ہے انگارہ آشیاں کے لئے

عوام تک مری باتوں کو سن کے ہنستے ہیں
بنا ہوں صاف بیاں ایک بدگماں کے لئے

بہت ہیں چاہنے والوں سے پوجنے والے
کمی سروں کی نہیں اُن کے آستاں کے لئے

سنوارنا نہیں دل کو کوئی خدا کی سنوار
مٹے ہوئے ہیں بس آرائش زباں کے لئے

مقامِ وعدہ پہ جس دن تجھے نہیں پایا
نہ پوچھ ہم سے پتے پھر کہاں کہاں کے لئے

محبت اور بھلا حسب مرضیٔ محبوب
کیا ہے راز کو آسان رازداں کے لئے

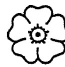
اسی کو سجدہ بھی کرتے ہیں ہم محبت بھی
بڑھا جو پیار تو بوسے بھی آستاں کے لئے

مری زبان پہ رکھ کوئی بات اے بدگو
جو آن رکھتے ہیں سر دیتے ہیں زباں کے لئے

ترا خیال تری یاد اور تیرا نام
دماغ کے لئے دل کے لئے زباں کے لئے

سوال، شکوہ، دعا، مدح، نالہ، خاموشی
میں اور اتنے مزے اک مری زباں کے لئے

نہ تھا ٹھکانہ تو ہم بھی صفؔی اسیر نہ تھے
پڑے قفس میں ہوس کر کے آشیاں کے لئے



جگہ چمن میں نہ پائیں جو آشیاں کے لئے
دعائے خیر کریں باغ و باغباں کے لئے

حریم دل کو اُجاڑو نہ لامکاں کے لئے
جو تم وہاں کے لئے ہو تو پھر یہاں کے لئے

تمام باغ پہ قبضہ ہے ہم نواؤں کا
جگہ نہیں ہے فقط میرے آشیاں کے لئے

جلا ہوا ہوں اگر دل کی آگ بھڑکے گی
چمن کو آگ لگادوں گا آشیاں کے لئے

قفس پہ برق گرے اب وہ چھاؤنی چھاؤں
جگہ بھی ہے مجھے تنکے بھی آشیاں کے لئے

برا کہے بھی تو اچھا سمجھ کہ ہنستے ہیں
ہمارے کام بنے ہیں تری زباں کے لئے

کسی برے کی کسی دن نظر نہ ہو جائے
ذرا سمجھ کے سنور میرے امتحاں کے لئے

نہ پوچھ کس نے بنایا ہے حسن والوں کو
ستارے کس نے بنائے ہیں آسماں کے لئے

غرور، ناز، تبسم، ادا، حیا، شوخی
یہ زحمتیں ہیں تمہیں اک مری فغاں کے لئے

نہ پوچھو خیر اُنہیں اک نگاہ دیکھ تو لو
خراب حال بنے ہیں جو مہرباں کے لئے

بنے جو حشر کے دن کارواں حسینوں کا
تو سب تمہیں کو چنیں میرِ کارواں کے لئے

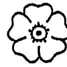
وہاں یقین کو روتا ہوں میں گلے شکوے
یہاں یہ حال کہ طاقت نہیں فغاں کے لئے

گدا بنا ہوں فقط اس کریم کی خاطر
ہوا ہوں جان کے بے قدر، قدرداں کے لئے

ہمارے نام پہ کانوں میں انگلیاں دے لیں
نباہنے کو کھڑا ہو بھی جا اذاں کے لئے

حقیر جان مگر ترکِ ظلم و جور نہ کر
مجھے نہ چھوڑ ستم ہائے آسماں کے لئے

صفؔی یہاں سے جہاں جاکے تجھ کو بسنا ہے
غریب کچھ سروساماں بھی ہے وہاں کے لئے



کیا جلی شمع جو پروانے نے چکر مارے
دل جلوں تک تو پرندہ نہ کبھی پر مارے

عشق نے عقل کے بندوں کو گرفتار کیا
میرے استاد نے صیدی کے کبوتر مارے

وعدہ پھر شرط کا وعدہ کوئی اس سے کہدے
ہاتھ پر ہاتھ ذرا سوچ سمجھ کر مارے

جی میں لڑنے کی سمائی تو نزاکت کیسی
پھول مارے جو کوئی اس کو تو پتھر مارے

سجدے بے رویتِ معبود ہے اک فعلِ عبث
دردِ سر ہے جو کوئی لاکھ برس سر مارے

کہیں فتنوں سے جھجکتا ہے مرا حشر خرام
خاک فتنہ ہو اگر خاک کو ٹھوکر مارے

کیا کہوں بارِ امانت ہے کہ حکمِ حاکم
جو کسی سے بھی نہ اُٹھے وہ مرے سر مارے

کاش ہوجائے میسر اُسے کعبے کا طواف
وقت بے وقت جو گھر کے ترے چکر مارے

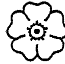
تیر جیسا تری سفاک نظر نے مارا
دل میں دشمن کے نہ ایسا کوئی خنجر مارے

نام قاتل ہے تو پھر نیم نگاہی کیسی
ہاتھ بھرپور کسی پر تو ستم گر مارے

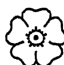
واہ کیا پیاس بجھائی ہے مری پیرِ مغاں
کہ بھرا جام اُٹھا کر مرے سر پر مارے

آپ کو آنکھ بچا کر بھی نہ دیکھیں افسوس
ہائے اس طرح سے جی کو کوئی کیوں کر مارے

مار دنیا کو جو ٹھوکر تو ذرا خود کو بچا کہیں دنیا نہ پلٹ کر تجھے ٹھوکر مارے
اُن کی محفل میں ذرا کھل کے کبھی سانس جو لی تو ہوا حکم یہ نعرے کوئی باہر مارے
ہم سری اُن کے تبسم کی، یہ غنچے کی مجال کھینچ کر ایک طمانچہ کوئی منہ پر مارے
دل مایوس بھی ہے پھول مگر افسردہ دوں جسے، لے کے وہ اُلٹا مرے منہ پر مارے
عید کے چاند کی دی اس نے مبارک بادی حسرتِ عید نے لاکھوں مجھے خنجر مارے
دیکھی وحشت تو مجھے خاص نظر سے دیکھا وہ تو ایسا ہے کہ رگ دیکھ کے نشتر مارے
جیتے جی نفس کشی جھوٹ ہے میرے نزدیک جب کوئی خود نہ مرے نفس کو کیوں کر مارے
چھوڑ دو جو کوئی کمزور مقابل ہو صفی
ہاتھ سے ہو نہ سکے منہ سے برابر مارے



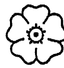
پھر کچھ ہماری قدر ہو پھر کچھ مزا ملے تم کو تمہاری طرح جو کوئی برا ملے
صحبت ملی تو ناصحِ کج فہم کی ملی تقدیر سے ملے بھی تو اک پارسا ملے
اب مہربان صبر کی طاقت نہیں رہی اللہ سے دعا ہے کوئی دوسرا ملے
کیا اعتبار ایسے تلوّن مزاج کا جو بارہا عدو سے لڑے بارہا ملے
ناچار ہو کے بات اگر کی تو بات کیا مجبور ہو کے وہ جو ملے بھی تو کیا ملے
کہہ دیتے ہم صفی سے جو اُس نے کیا ہے یاد اے کاش آج ہم سے وہ مردِ خدا ملے
اب تو صفی کو ہر گھڑی پینے سے کام ہے
مہنگی ملے خراب ملے بدمزا ملے



پروردگار تابِ جدائی کہاں مجھے دینا تھا اس کے بدلے غمِ دو جہاں مجھے
تیرے بغیر چین گھڑی بھر کہاں مجھے ہے دشمنِ بغل، یہ دل بدگماں مجھے

یہ خیر خواہ دونوں طرف سرخ رو رہے | اُن کو اُبھارتے ہیں وہاں تو یہاں مجھے
اقرار تو کیا ہے مگر یاد بھی رہے | اپنی خوشی سے آپ نے دی ہے زباں مجھے
تو بھی کوئی حسین نہیں ہے جو خوش رہوں | حد سے زیادہ چھیڑ نہ اے آسماں مجھے
اب مجھ پہ مہربان بنادے اُسے کوئی | جس نے ہزار بار لکھا مہرباں مجھے
پھر صاف صاف عرض کروں دل کی آرزو | مل جائے اپنی جان کی پہلے اماں مجھے
یہ کیوں ہے واقعات گذشتہ کا تذکرہ | تم کیوں سنا رہے ہو مری داستاں مجھے
سلجھا رہا ہوں حضرتِ دل کے معاملات | لوگوں سے بات کرنے کی فرصت کہاں مجھے
تاثیر دوستی میں نہیں تو نہیں سہی | سر پھوڑنے کو بس ہے ترا آستاں مجھے
وعدہ کیا جو اس نے تو احسان کیا کیا | لی ہے زبان مجھ سے تو دی ہے زبان مجھے
وہ اور اس کو مجمعِ محشر سے کیا غرض | لایا ہے ایک وہم کہاں سے کہاں مجھے
اچھا ہوا کہ آپ نے اپنا بنالیا | دنیا کے کاروبار تھے اک چیستاں مجھے

غیروں سے التجا کی ضرورت نہیں صفی
گھر بیٹھے بھیج دیتے ہیں اللہ میاں مجھے



جب ہوئی عاشقی میں ہار مجھے | سولہ سو کے پڑے ہزار مجھے
اُس نے کرلیا شکار مجھے | اب ہے بے وعدہ انتظار مجھے
جان لے پہلے جاں نثار مجھے | منہ کو جو آئے پھر پکار مجھے
دیکھ بے دید، یوں نہ مار مجھے | دیکھ لے اور ایک بار مجھے
اُن کے در پر اجل نے مارا تھا | لوگ کیوں سمجھے ہوشیار مجھے
دیکھ بھی! صبر اور کتنا صبر؟ | تو نہ ہو جائے ناگوار مجھے
نام اُس کا ہو کام میرا ہو | غیر کے نام سے پکار مجھے

بیچ ڈال اب جو ہوں نکارہ غلام　　کھوٹے داموں سہی پکار مجھے
گال یاد آگئے جو گل دیکھے　　کب ہنسا کر گئی بہار مجھے
روز نا آشنا ہے وہ خود بیں　　نہیں اس پر بھی ناگوار مجھے
مئے سے روئے نگار باغ و بہار　　کاش یہ باغ یہ بہار مجھے
پھر نہ شرماؤ دیکھ کر مجھ کو　　پھر نہ دلواؤ اعتبار مجھے
کوئی نازک ادا بھی ایسا ہے　　سرگرانی نہیں ہے بار مجھے
اس میں کیا راز تھا خدا جانے　　جو کیا اس نے رازدار مجھے
میں کہاں بار بار نالہ کروں　　تم جو یاد آؤ بار بار مجھے
میں نے سر پر چڑھا لیا تجھ کو　　اپنے دل سے نہ تو اتار مجھے
صاف کہتی ہے اس شریر کی چال　　خواہ مخواہ چھیڑ کر، پکار مجھے
کیوں دیا عشق کیا وہ بھول گئے　　زندگی دی تھی مستعار مجھے
جب مری جاں کہا بگڑ کے کہا　　تو مرے نام سے پکار مجھے
دوست نے ہاتھ رکھ دیا دل پر　　جیتے جی آچکا قرار مجھے
ہر طرح اس نے کر دیا مجبور　　جو کروں اب ہے اختیار مجھے
آپ تو ایک انار و صد بیمار　　کیوں بنایا امیدوار مجھے
باغ کو یہ طرح طرح کے پھول　　اور اے مالکِ بہار مجھے

اے صفیؔ یہ طرح غضب کی دی
شاہ[1] صاحب ہیں شاہ کار مجھے

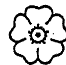


[1]......نواب مظہر الدین علی خان خلف نواب معین الدولہ بہادر

دشمن جاں تو نہیں دوست کی رفتار مجھے　　یا قیامت کے نظر آتے ہیں آثار مجھے
میں جو گھر بیٹھے ملا ہوں تو کوئی قدر نہیں　　آئتا مال سمجھتا ہے خریدار مجھے
چاندنی، باغ، ہوا، ابر بہاری، برسات　　کیا کہوں کس نے بنایا ہے گنہ گار مجھے

کوئی قتال زمانہ تو نہیں کہہ سکتا ۔۔۔ مل بھی جائے جو ستم گر تری تلوار مجھے
یہ سراپا، یہ نگاہیں، یہ ادائیں، یہ بناؤ ۔۔۔ اور یہ چھیڑ کہ کوئی نہ کرے پیار مجھے
بخشنا دل میں نہیں ہے تو سزا ہی دے دے ۔۔۔ نہ کھجا کہہ کے گنہ گار گنہ گار مجھے
کیا دکھاؤں تجھے، جب دل سے دھواں اُٹھتا ہے ۔۔۔ ساری دنیا نظر آتی ہے دھواں دھار مجھے
آج اگر حسنِ مجازی کی پرستش نہ کروں ۔۔۔ کل قیامت میں خدا کا نہ ہو دیدار مجھے
اب تو بیزار نہوں آپ مری صورت سے ۔۔۔ کردیا آپ نے جینے سے تو بے زار مجھے
شکوا کیا، ترکِ محبت کا ارادہ کیسا ۔۔۔ آ گئے سامنے وہ، آہی گیا پیار مجھے
کبھی دنیا میں کوئی کام تو لے کر دیکھیں ۔۔۔ آپ بے کار ہی کیوں گنتے ہیں بیکار مجھے
زندہ کرتا ہے تری آنکھ کا مجھ سے ملنا ۔۔۔ اب تو عیسیٰ سے زیادہ ہے یہ بیمار مجھے
کھوٹے داموں سہی بازارِ جہاں میں بک جاؤں ۔۔۔ سرسری پوچھ تو لے کوئی خریدار مجھے
بزم میں ایسی ضرورت سے زیادہ تعظیم ۔۔۔ سب میں شرمندہ کیا آپ نے بیکار مجھے
اپنی تحقیر کا اندازہ کروں کیا سرکار ۔۔۔ آپ فرمائیں جو ہر بات میں سرکار مجھے
بن کے انجان ستم گر نے چکانی دے دی ۔۔۔ کس نئے ڈھب سے کیا ہائے گرفتار مجھے
ایک جلوے میں بدل جاؤں تو میری قسمت ۔۔۔ طور کی طرح اگر نور بنے، نار مجھے
کچھ بھی ہو اُن کی امانت تو لئے پھرتا ہوں ۔۔۔ اپنی بیکاری سے بہتر ہے یہ بے گار مجھے
جانِ کا گھات ہوئی دوستی نادانوں کی ۔۔۔ ہم صفیروں نے کرایا ہے گرفتار مجھے
جانتے ہیں کہ نہیں جور و جفا کا قائل ۔۔۔ اپنی بیٹھک میں بٹھاتے نہیں اغیار مجھے

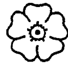
جب کسی بات پہ قائل ہوئے آزردہ ہوئے
کیا کہوں ہائے صفی جیت ہوئی ہار مجھے



روز کر یاد روز بھول مجھے ۔۔۔ یاد ہیں سب ترے اصول مجھے
کوئی کہہ دے حقیقتِ دنیا ۔۔۔ نہیں درکار عرض و طول مجھے

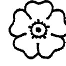
دلِ صد پارہ سرفراز ہوا — میں یہ سمجھا ملا ہے پھول مجھے
گھر سے فاصل کیا جوائے وحشت — تو نے سمجھا ہے کیا فضول مجھے
بارِ غم جانے اور دل جانے — ڈھوئے پھرتے ہیں وہ فضول مجھے
تم کو بدنام کرتی ہے دنیا — کیوں کیا کرتے ہوں ملول مجھے
بس یہ خط کا جواب آیا ہے — آپ کا خط ہوا وصول مجھے
دوست تھے وہ اگر تو سمجھاتے — دوستانے کے کچھ اصول مجھے
یوں بھی دشمن ذلیل ہو جاتا — تم نے ظاہر کیا فضول مجھے
کیوں عدم سے وجود میں آیا — وہ عروج اور یہ نزول مجھے
سیکڑوں راز فاش ہوتے ہیں — نہ کیا کیجئے ملول مجھے

دُور اگر ہو جنون دید صفؔی
بسر و چشم سب قبول مجھے



ہوں تہی ساغر تو کیوں ساقی پشیمانی مجھے — وہ نہیں تو آج ویسے رنگ کا پانی مجھے
میری حالت سے ملے مخلوق کو لاکھوں سبق — اور دیوانہ سمجھتی ہے یہ دیوانی مجھے
ایک آنسو کے نکلنے تک ہی دم پر بن گئی — سر سے اونچا ہو گیا ہے بوند بھر پانی مجھے
دوستوں کے آنے جانے سے قلق ہونے لگا — آج سے کرنی پڑے گی اپنی دربانی مجھے
ایسی بے صبری یہ تیرا چاہنے والا بنا — آج کل ہے اپنی ہمت پہ تو حیرانی مجھے
مسکرا کر تم نے دل میں درد پیدا کر دیا — اب بہت کچھ ہو گئی رونے میں آسانی مجھے
ایک اظہارِ محبت پر ہے دونوں کا یہ حال — کچھ پشیمانی اُنہیں ہے کچھ پشیمانی مجھے
سن کے مطلب وہ سمجھنے لگ گئے عاشق مزاج — راس آئی ہے مری گستاخ ارمانی مجھے
جان لیجیے آپ کی توہین کا وقت آ گیا — غیر کی کرنی پڑی جو پانو پیشانی مجھے

جامہ در مجنوں بھی گزرا، پردہ در فرمایئے　　آپ کا دیوانہ ہوں! پامالِ عریانی مجھے
شرم آتی ہے ترنم سے بڑھاپے میں صفؔی
بس ہے تحت اللفظ ہی اپنی غزل خوانی مجھے



اپنی طرف سے جانتے ہیں بدگماں مجھے　　کیا کیا سمجھ رہے ہیں مرے مہرباں مجھے
تیری طرح ستاتے ہیں اہلِ جہاں مجھے　　اب ناگوار ہے مری طرزِ فغاں مجھے
بے درد تیرے کوچے میں راحت کہاں مجھے　　یہ چپہ بھر زمین ہوئی آسماں مجھے
یہ دن بھی کیسے دن ہیں کہ زیبا نہیں رہے　　ناز و غرور آپ کو، آہ و فغاں مجھے
مرجانے کے یقین پہ اتنی خوشی ہوئی　　گویا ملی ہے زندگیٔ جاوداں مجھے
میں خوش ہوں اس لئے کہ یہ سب اُن کی آنکھ ہے　　ناخوش رہوں ستائے اگر آسماں مجھے
دشمن بھی دیکھ سکتے نہیں اضطراب میں　　میں کیا ہوں اب تک آپ نے دیکھا کہاں مجھے
وعدہ کیا نہ سیکڑوں وعدے لئے بغیر　　دی بھی تو اپنے کہنے میں رکھ کر زباں مجھے
تاثیر آگئی ہے مری بات بات میں　　اُس آشنا فریب نے دی ہے زباں مجھے
آواز ناگوار اگر ہے تو کیا کروں　　کچھ آپ ہی سکھایئے طرز فغاں مجھے
وہ شوخ زود رنج بہت ہیں جنابِ دل　　ڈالو نہ بس خدا کے لئے درمیاں مجھے
غیروں کی بات بات کے سو سو جواب ہیں　　اُس نے بنادیا ہے مگر بے زباں مجھے
آج اُن کی گفت و گو کا تو کچھ ڈھب ہی اور تھا　　ایک ایک بات پر ہوئے سو سو گماں مجھے
اس گومگو جواب سے کچھ فائدہ نہیں　　کہہ دیجئے نہیں تو نہیں ہاں تو ہاں مجھے
اے عندلیب میں تری آواز کے نثار　　مالک مرا نصیب کرے یہ فغاں مجھے
اک دل کے لاکھ داغ دیئے اُس نے اے صفؔی
تقدیر سے ملا ہے بڑا قدرداں مجھے



رنج و الم سے چین نہیں ہے ذرا مجھے
بہتر ہے اب یہی کہ اُٹھا لے خدا مجھے

قصدِ وفا ہے اب تو نہ تابِ جفا مجھے
مل جائے کاش اپنے کیے کی سزا مجھے

غصے سے پوچھتے ہیں کہ سمجھا ہے کیا مجھے
اُن کا یہ پوچھنا تو مزہ دے گیا مجھے

خاطر میں وہ تو اب نہیں لاتے ذرا مجھے
پھر اور کس کے واسطے جینا پڑا مجھے

بخشا ہے بے طلب دلِ بے مدعا مجھے
یا میرے دینے والے نے سب کچھ دیا مجھے

تجھ کو ملا بروزِ ازل حسنِ دل فریب
چشمِ حسیں پرست و دلِ مبتلا مجھے

کہتے ہیں ہم تو دیکھتے ہیں سب کو ایک آنکھ
دیکھو یہ بات سچ ہے ذرا دیکھنا مجھے

اپنا بھی دل دیا ہے کہاں بھولتے ہو کیوں
تم نے جو دل لیا تھا مرا وہ دیا مجھے

کھویا ہے دونو آنکھوں نے دونو جہان سے
تجھ کو نہ دیکھتا جو میں تو دیکھتا مجھے

دنیا کے رنج سہنے کو کیا میں ہی ایک ہوں
پروردگار کیوں نہیں آتی قضا مجھے

وہ بیٹھتے نہیں کہیں محفل کو دیکھ کر
اب اُٹھ گیا حجاب اُٹھا لے خدا مجھے

تم اک نہ ایک روز بدل جاؤ گے ضرور
یہ تو جناب پہلے سے معلوم تھا مجھے

بدنام کرنے والوں کا احسان مند ہوں
اپنی زباں سے کچھ بھی نہ کہنا پڑا مجھے

اب تک تمہاری سب پہ برابر نظر رہی
ایک آنکھ دیکھتے ہو ذرا دیکھنا مجھے

اس بدنصیب کی تو ابھی موت دور ہے
تم پانو کیوں دکھاتے ہو ہوتا ہے کیا مجھے

پھر مسکرا کے پیار سے دیکھا مری طرف
پھر اک ذرا سی آس پہ جینا پڑا مجھے

اتنے بھی مہرباں وہ اگر ہوں تو ہے بہت
تسکین دیں تو سمجھوں کہ سب کچھ دیا مجھے

جینا پڑا ہے دوست کو نادان دیکھ کر
پینی پڑی ہے زہر کے بدلے دوا مجھے

اب اُن کے منہ سے جھڑتے ہیں کیا پھول دیکھنا
کہتے نہ تھے کبھی جو اجی سے ارا مجھے

درد جگر کی کس سے شکایت کروں صفؔی
جو تھا مرے نصیب کا ملنا ملا مجھے



اب کوئی شوق دل سے کیا نکلے آپ اس گھر سے بارہا نکلے

اُن کو اپنی سنبھال دو بھر ہے نازنینوں سے کام کیا نکلے

کب رہے دل میں آپ کے ارماں بارہا آئے بارہا نکلے

مجھ کو رونے سے ہو اگر تسکیں درد سے درد کی دوا نکلے

مدعا پوچھنا ہی چھوڑ دیا جب وہ خود میرا مدعا نکلے

جس پہ ڈالی نگاہ لوٹ گیا اُن کے سب تیر بے خطا نکلے

چاہتے کیوں ہیں سب وصال کی موت پاس وہ ہو تو جان کیا نکلے

نالہ نکلا تو یہ ہوا آرام جیسے کانٹا چبھا ہوا نکلے

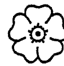
وہ کبھی آئیں بھی تو کس کو خبر دل میں کیا آئے منہ سے کیا نکلے

تم نے صورت ہی ایسی پائی ہے جس طرف جاؤ واہ وا نکلے

گفت و گو اور اُن کی محفل میں منہ سے آواز تو ذرا نکلے

دوست کے جور کا کروں جو گلہ سچ کہو اس کے دل سے کیا نکلے

درِ دولت پہ ہے صفیؔ کب سے
کام کچھ تو غریب کا نکلے



جو وہ جلوہ نمائی کیلئے تیار ہوجائے تو ہر اندھے سے اندھا طالبِ دیدار ہوجائے

ذرا بھی دل کے آنے کا اگر اظہار ہوجائے تو جو دل دار ہو ظالم وہ دل آزار ہوجائے

جو نا ہم وار ہے مجھ سے اگر ہم وار ہوجائے کہاں کی زندگی مرنا مجھے دشوار ہوجائے

کریں وہ دل کا سودا کچھ سمجھ کر فائدہ کیا ہے جو اُن سے مجھ سے دو دو منہ سرِ بازار ہوجائے

ہزار افسوس ہے جو تم کو اپنی زندگی سمجھے ذرا سمجھو اسی کی زندگی دشوار ہوجائے

اگر تم کو مقدر کا بدلنا تک نہیں آتا مرے ہم وار ہوجاؤ کہ وہ ہم وار ہوجائے

تری بندہ نوازی میں کمی ہے عام جلوے کی
بس اب ہو جائے میرے مالک و مختار ہو جائے

اگر وہ پھول ہیں تو ہوں گے اُن کے ساتھ کانٹے بھی
لگاؤں کیا گلے شائد گلے کا ہار ہو جائے

ہمارے قتل پر کیسا نہ اٹھتا ہاتھ دشمن کا
ذرا تیری کمر میں جو رہے تلوار ہو جائے

اگر ہو جائے میری لذتِ آزار سے واقف
تو سب کے واسطے وہ بے سبب آزار ہو جائے

شہیدان وفا کے مرتبے کو خاک پہنچے گا
کوئی ڈرپوک یوں ہی مر کے جو مردار ہو جائے

حقیقت بن کے آ جائے نظر جو حسن بندوں کا
تو بندوں کو یہیں اللہ کا دیدار ہو جائے

ترے دیدار کے طالب بنے ہیں موت کے طالب
تمنا ہے کہ اب اللہ کا دیدار ہو جائے

وفا کے مدعی جو کھیل جائیں اپنی جانوں پر
حسینوں میں وفا کا لفظ معنیٰ دار ہو جائے

وہ اتنا تو کریں برباد جو برباد کرنا ہو
کہ دشمن بھی جو مجھ کو دیکھ لے غم خوار ہو جائے

مری گردن میں باہیں اور اک حسنِ مجسم کی
ارے توبہ کوئی ایسا گلے کا ہار ہو جائے

نہیں معلوم کیا کیا کام لے دنیا جوانی سے
عطا دنیا میں یہ دولت جو پھر اک بار ہو جائے

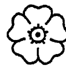
تمنا ہے اُنہیں دیکھوں تو ایسے روپ میں دیکھوں
کہ پھر میری نظر ناقابلِ دیدار ہو جائے

نظر کیا وہ نظر حد جس نظر کی آسماں ٹھیرے
نظر تو وہ نظر جو آسماں کے پار ہو جائے

بہارِ باغِ دنیا دیکھنے والو روش بدلو
نہو ایسا کوئی کانٹا گلے کا ہار ہو جائے

ہوا تڑکا الٰہی ذرہ ذرہ دہر کا جاگا
مری سوئی ہوئی تقدیر بھی بے دار ہو جائے

صفی وہ شعر ہی کا ہے کو رکھوں اپنے دیواں میں
سراسر جس کے مطلب سے اُنہیں انکار ہو جائے



اگر قائم محبت کی کوئی معیار ہو جائے
محبت کرنے والو زندگی دشوار ہو جائے

کسی صورت تو اچھا آپ کا بیمار ہو جائے
چھٹے جاں کندنی سے وار ہو یا پار ہو جائے

کسی ہجراں زدہ کو طائرانِ صبح کے نغمے
ہیں بے داری کے جھٹکے آنکھ تو بیدار ہو جائے

ستانا اور ایسی بے لحاظی کا ستانا کیا
جو ہر مجبور تم سے لوٹ کر مختا رہو جائے

نظر کو آپ کی اہلِ نظر تلوار کہتے ہیں
مری آمین! میرے بھی لئے تلوار ہو جائے

کسی نے بھی کبھی کھل کر تجھے ہنستا نہیں دیکھا
وہ خودداری ہی کیا جو دوسرے پر بار ہو جائے

صلاحِ کار کب تک صرف اطمینان ہونے تک
جو اطمینان ہو تو آدمی بے کار ہو جائے

خرام ناز پر آنکھیں لگی ہیں ایک عاشق کی
اگر وہ دیکھ لے تو اور ہی رفتار ہو جائے

مری بیمار پرسی جس ادا سے آپ کرتے ہیں
بھلا چنگا بھی دیکھے تو وہیں بیمار ہو جائے

قیامت ہے ادھورا گنگنا کر مسکرا دینا
تجھے میری قسم ہو جائے میرے یار ہو جائے

جو کرتے بھی ہیں وہ اقرار تو اس ڈھب سے کرتے ہیں
کہ جب چاہیں وہی اقرار صاف انکار ہو جائے

اگر کھل جائے دنیا اور عقبیٰ ایک ہی کی ہیں
تو ہر عقبیٰ کا طالب آج دنیا دار ہو جائے

برا معلوم ہوگا خون جب میری امیدوں کا
اگر کچھ آپ کا سوچا ہوا بے کار ہو جائے

مصیبت اور پھر بے یار و بے غم خوار ہونے کی
اُسی سے پوچھ جو بے یار و بے غم خوار ہو جائے

ستانا اور تڑپانا روا ہے حسن والوں کو
تو کیا اتنا کہ کوئی جان سے بیزار ہو جائے

خدا نے ایک کل انسان میں ایسی بھی رکھی ہے
کہ یہ کوشش کرے تو کچھ نہ کچھ مختار ہو جائے

تصدق جاؤں کیسی کیسی امیدیں بندھاتے ہو
خدا ناخواستہ مرنا مجھے دشوار ہو جائے

کبھی اُن کی جھلک بھی دیکھ لوں شہرت تو سنتا ہوں
کچھ اندازہ تو ہوگا اک ذرا دیدار ہو جائے

وہاں بھی سرخ رو ہو اتنی توبہ کر گناہوں سے
یہاں بھی تجھ کو حاصل سرخیِٔ رخسار ہو جائے

بھری محفل میں پوچھے مجھ سے وہ مطلب محبت کا
مگر جتنے ہیں پہلے اُن سے استفسار ہو جائے

میں سب کچھ ہوں مگر کیا دور ہے یہ اس کی رحمت سے
کہ مجھ کو بخش دے، دوزخ فنا فی النار ہو جائے

صفی عاصی ہوں لیکن دُور کیا ہے اس کی رحمت سے
وہ مجھ کو بخش دے، دوزخ فنا فی النار ہو جائے

پوچھ کیا حالت ہوئی دل کی جگر کے سامنے
اور ہی کچھ ہے ترا رہنا نظر کے سامنے

جب کبھی ہوتی ہے وحشت اور گھبراتا ہے دل
بیٹھ جاتا ہوں نکل کر اپنے گھر کے سامنے

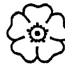
بس یہی دل کی تمنا ہے تجھے دیکھا کروں
تو رہے بس رات دن میری نظر کے سامنے

یادِ رخ میں تار آنسو کا نہ ٹوٹا آج تک
آئینہ رکھا ہوا ہے چشم تر کے سامنے

دیکھتے ہیں روز پھر بھی حسرت دیدار ہے
بس اڑے رہتے ہیں دن بھر اس کے گھر کے سامنے

لذتِ آزار نے بدنام ہم کو کر دیا
ہائے کیوں کرنی پڑی اس فتنہ گر کے سامنے

اب صفؔی نے بھی وہیں پر کر لیا اپنا مکاں
جو گلی جاتی ہے اُس کافر کے گھر کے سامنے



دِل دُکھاتے ہیں تو اِک آہ بھی کی جاتی ہے
آبرو اُن کے تصدق میں بچی جاتی ہے

خُلد بھی کہتے ہیں محشر بھی ترے کوچے کو
اور کیا جانے کہاں تک یہ گلی جاتی ہے

سوگ میں بھی تمہیں ہو جائے گی لاکھوں کی نظر
جو بھی پوشاک پہنتے ہو کھُبی جاتی ہے

آرزو رسم ادائی سے نہ پوچھ اے قاتل
آرزو آس کے بل بوتے کہی جاتی ہے

کوئی حائل بھی نہ ہو تو نگہِ شوق اُن تک
کبھی جاتی نہیں کمبخت کبھی جاتی ہے

حسرتی دیکھ کے مجھ کو وہ سنورتے ہیں بہت
خاص مجرم کو سزا خاص ہی دی جاتی ہے

نازنینوں میں یہ خوبی ہے تمہیں پر موقوف
کہ بگڑنے میں بھی اک بات بنی جاتی ہے

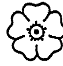
عمر بھر پھر نہ کروں آہ جو اتنا سُن لوں
کہ یہ آواز وہاں تک بھی کبھی جاتی ہے

غم جو گھٹتا ہے تو خوش ہوتے ہیں غمخوار صفؔی
میں سمجھتا ہوں مری شان گھٹی جاتی ہے



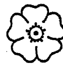
آج کس مجرم کی یہ تقدیر ہے — آپ جیسا مرا دامن گیر ہے
خوش ہو یا ناخوش ہو جس عالم میں ہو — ہر نظر کافر کی حُکمی تیر ہے
غور سے دیکھا ہے اُس نے دیر تک — بے کسی آگے تری تقدیر ہے
حادثاتِ دہر سے ہے بے نیاز — کیا عمارت حسرتِ تعمیر ہے

اے صفؔی دل کو نہیں دم بھر سکوں
کس کے دروازے کی یہ زنجیر ہے



عاشق کی جگہ کچھ بھی ترے دل میں نہیں ہے — محفل میں وہ ایسا ہے کہ محفل میں نہیں ہے
سو شوق ہیں اک داغ مگر دل میں نہیں ہے — محفل ہے تو کیا شمع ہی محفل میں نہیں ہے
وہ آتے ہی کیوں آنکھ سے آنسو نکل آئے — اس وقت کسک بھی تو مرے دل میں نہیں ہے
تم اپنی عنایت کی نظر لاکھ چھپاؤ — بندہ بھی مگر آج ہی محفل میں نہیں ہے
کتنے ہیں زمانے میں نظر تاڑنے والے — ظاہر میں تو کچھ بھی کفِ قاتل میں نہیں ہے
پھر کیا ہے اگر آپ کو اپنے پہ نہیں ناز — یہ کیا ہے جو آئینہ مقابل میں نہیں ہے
ہم خوب سمجھتے ہیں ترے وعدے کو ظالم — ہاں ہاں تو زباں پر ہے مگر دل میں نہیں ہے

ہر حال میں راضی ہے صفؔی اس کی رضا پر
مشکل میں اگر ہے بھی تو مشکل میں نہیں ہے



وہ جو مرے لئے مرے غمخوار کے لئے — قانون کیا ہے بے سبب آزار کے لئے
دُنیا میں جب خزاں بھی رہے تو بہار ہے — نرگس سی آنکھ پھول سے رُخسار کے لئے
حضرت کلیم طالبِ دیدار ہو گئے — طالب ہوئے نہ طاقتِ دیدار کے لئے

ہے قتلِ عام دل میں تو بس ہے نگاہِ ناز
اے دوست ہاتھ چاہیۓ تلوار کے لئے

پاداشِ جورِ حُسن قیامت میں دیکھنا
وہ دن ہے سب کے کیفرِ کردار کے لئے

آزادیٔ خیال بھی اُس کو نہیں نصیب
اتنی بھی قید اپنے گرفتار کے لئے

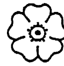
سو سو طرح جتاتے ہیں وہ ایک ایک بات
بہرا بنا ہوں لذتِ گفتار کے لئے

چال آسماں کی اور ہے اُن کا چلن ہے اور
وہ پاؤں بھی تو چاہیۓ رفتار کے لئے

آنا ہے اب تو فتنۂ محشر ہی بن کے آ
آنکھیں ترس گئیں ترے دیدار کے لئے

مجبور کیوں ہے بندہ یہ پوچھے خُدا اسے کون
سب کچھ روا ہے مالک و مختار کے لئے

مجروح بے نیازیٔ احباب ہوں صفی
تاثیر کی کمی نہیں اشعار کے لئے



بدگماں کیا قبر میں ارماں ترے لے جائیں گے
ہم اکیلے آئے ہیں جیسے اکیلے جائیں گے

کس قدر ثابت قدم ہیں رہ روانِ کُوئے دوست
جائیں گے پھر، اُن کی کوئی جان لے لے، جائیں گے

حضرتِ دل اور پھر جائیں نہ اُس کی بزم میں
جھڑکیاں دے لے کوئی، الزام دے لے جائیں گے

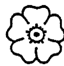
تم ستالو مجھ کو لیکن یوں نہ ہر اِک سے ملو
ظلم سہہ لوں گا مگر صدمے نہ جھیلے جائیں گے

اُس گلی میں ڈال دو، تا سنبھلیں ٹھوکر کھا کے غیر
یوں بھی اک دِن خاک میں آنکھوں کے ڈھیلے جائیں گے

ہے دُعاؤں کا اثر سنگِ حوادث ہی اگر
اپنے ہاتھوں پھر تو یہ صدمے نہ جھیلے جائیں گے

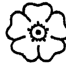
خیر خواہوں رازداروں کی بھی نیت دیکھ لی
آج سے ہم اُس کی محفل میں اکیلے جائیں گے

بے کسی میں کون کس کا ساتھ دیتا ہے صفی
ملنے والے ہیں تماشے کے یہ میلے جائیں گے

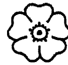


رباعیات

غزل کے علاوہ رُباعی گوئی بھی حضرت صفؔی کی پسندیدہ صنفِ سُخن رہی۔



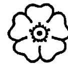
وارد جو شکستگی ترے دل پہ رہی
امید ہر اک پہلی ہی منزل پہ رہی
ہے لذتِ سیر، وجہ قلبِ سالم
ٹوٹی کشتی ہمیشہ ساحل پہ رہی



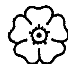
میں نے جو سبب صفؔی سے پوچھا غم کا
اک راگ الاپا ہے عجب سرگم کا
کہنے لگا کچھ کا کچھ بکی انٹ کی سنٹ
ایسا، ویسا، فلانا، امکا، ڈھمکا



کچھ دن تو حسینوں میں وفا کو ڈھونڈھا
کچھ روز تو دوست آشنا کو ڈھونڈھا
بے ہودہ صفؔی نے عمر کھوئی اپنی
جب کچھ نہ ملا تو پھر خدا کو ڈھونڈھا



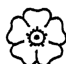
پھر کیوں نہ رہیگا تم سے دشمن ٹیڑھا
کہتے ہو کہ شاعری کا ہے فن ٹیڑھا
پوری وہی گت ہوئی تمھاری تو صفؔی!
آئے نہیں ناچنا تو آنگن ٹیڑھا



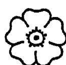
غیروں کے لئے خراب ہونے والا
اک روز ہے کامیاب ہونے والا
بے کار نہیں خدمتِ اربابِ چمن
پانی اک دن گلاب ہونے والا



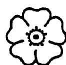
چل جائیں نہ تجھ پہ حرص و لالچ کے پیچ — دوزخ کو نہ مول بھائی! جنت کو نہ بیچ
او ایک نہ ایک روز مرنے والے — دنیا ہیچ است و کارِ دنیا ہمہ ہیچ



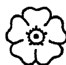
قاصد تو مرے پاس سے لے جائے خط — اور اُس بتِ نو خط کو نہ پہنچائے خط
ہم نے یہ کی استادی صفی عید کے دن — عیدی کے بہانے سے ہی بھجوائے خط



ظاہر کو نہ دیکھ! دیکھ! نادان! سنبھل — اٹکل پہ قیاس کر نہ اعلیٰ اسفل
حسنِ صورت پہ جان دینے والے — سونا سونا ہے اور پیتل پیتل



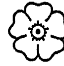
اللہ! یہ زاہدوں کی باتیں کیا ہیں؟ — معلوم نہیں بجا ہیں یا بے جا ہیں
پاس انفاس ہے، مگر موت کا ڈر — دنیا میں ہیں اور تارکِ دنیا ہیں



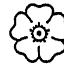
میلے ٹھیلے کی جب خبر پاتے ہیں — دس بیس کو گھور کے چلے آتے ہیں
ساری دنیا تو دل کو بہلاتی ہے — ہم ہیں کہ صفی نظر کو بہلاتے ہیں



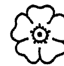
سب کہتے ہیں کچھ قوم کا رونا روؤں آنسو ہی نہیں آنکھ میں تو کیا روؤں
معشوق تھا ایک اُس نے رُلایا اتنا اِتنوں کے لئے نہ جانے کتنا روؤں



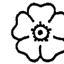
سفاک، بڑی شوخ، خماری آنکھیں ہم نے دیکھی ہیں یوں تو ساری آنکھیں
جس میں نہیں مہر وہ تمھارا دیدہ جن میں نہیں نیند وہ ہماری آنکھیں



ہوتا نہیں دوست تو کسی کا دشمن معلوم نہیں دوست ہے وہ یا دشمن
ہر دوست کا دوست، دوست ہوتا ہے مگر جو دوست ہے اُن کا وہ ہمارا دشمن



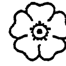
ممدوح کریم! یارِ دم ساز نہیں احباب بھی ہم مذاق و ہم راز نہیں
دنیا نے کہاں قدر سخن کی ہے صفؔی اب تو مجھے شاعری پہ کچھ ناز نہیں



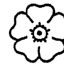
لوگوں سے ہر ایک ڈھب سے مل جل کے رہو اب تک نہ رہے تو اب سے مل جل کے رہو
دنیا میں اگرچہ نیک و بد سب ہیں صفؔی رہنا ہے یہاں تو سب سے مل جل کے رہو



کہنے دو بُرا بُروں کے منہ پر نہ چڑھو! اچھے ہو صفؔی! اچھوں کی حد سے نہ بڑھو!
توبہ کرو! انسان کو اتنا غصہ پانی پیو! شیطان پہ لاحول پڑھو!

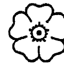


کیا جانے تمھیں کوئی کہ کیسے تم ہو   میں جانتا ہوں تم کو کہ جیسے تم ہو
بے رحم ، دغا باز ، فسوں گر ، عیّار   لو مجھ سے سنو جناب! ایسے تم ہو

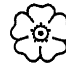


شہ رَن میں اکیلے ہیں کوئی پاس نہیں   کچھ ہے بھی تو جز رنج وغم و یاس نہیں
دیکھا جو پلٹ کر تو کمر بیٹھ گئی   قاسم نہیں ، اکبر نہیں ، عباس نہیں

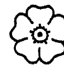
حسب فرمائش سید عبدالقادر صاحب تاجر کتب (چار مینار)



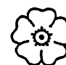
بے آسوں کی آس بے پناہوں کی پناہ   شہزادۂ سلطانِ دکن اعظم جاہ
عمر و اقبال میں ترقی ہو مدام   راضی ہو رعیت اور شاداں رہیں شاہ



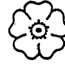
سو بار ہوئی ہے عذر خواہی توبہ   میں اور خیالِ بے گناہی توبہ
عاصی عاصی ہوں ، میرے مالک عاصی   توبہ توبہ ہے یا الٰہی! توبہ



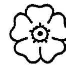
تصویر تو وہ ہے نہ ہٹے جس سے نگاہ   کوئی کہے واہ تو کوئی کھینچے آہ
تصویر وہ کیا ہے کہ جو دیکھے وہ کہے   لاحول ولا قوۃ الا باللہ



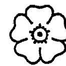
مدت ہوئی حضرت کو جو معراج ہوئی
تقویم کئی سال کی تاراج ہوئی
پھر بھی یہ لطف ، یہ مزا آتا ہے
جیسی کہ نئی بات کوئی آج ہوئی



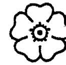
کیا تم سے کہیں کہ رات کیوں کر گزری
ہم کیا دہرائیں بندہ پرور! گزری
دردِ جگر ، اضطرابِ دل ، گریۂ چشم
جو کچھ گزری ہمارے جی پر گزری



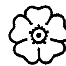
کیا عرض کروں کہ رات کیوں کر گزری
یا عرض کروں کہ رات کیوں کر گزری
اچھا کچھ دیر بیٹھ جائیں سرکار
تا عرض کروں کہ رات کیوں کر گزری



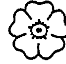
دل سے وہ سوزشِ نہانی نہ گئی
وہ داغِ جگر کی سرگرانی نہ گئی
یاد آتے ہیں اب بھی آپ اکثر ہم کو
اب تک بھی یہ آپ کی نشانی نہ گئی



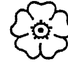
ا مہر و محبت وہ ملاقات گئی
وہ لطف وہ خاطر وہ مدارات گئی
خاموش ہوئی شمع تو تم بھی خاموش
کیا یہ تو نہیں ”رات گئی بات گئی“



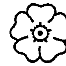
کس طرح عروج ہو حقیقت یہ ہے
انگریزی نہیں آتی مصیبت یہ ہے
نعلین ہے پانو میں تو منہ پر داڑھی
دکنی بھی ہوں ان سب پہ قیامت یہ ہے



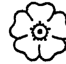
ہر جنس میں ایک فرد لاثانی ہے موتی پانی نہیں مگر پانی ہے
حضرت یوسف نے کیا زلیخا سے کیا ہے جن کے لئے جوانی دیوانی ہے



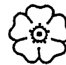
سنتے تھے جو لوگوں کی زبانی سچ ہے ہر قصہ صحیح ، ہر کہانی سچ ہے
ہم؟ اور یہ وسواس؟ الٰہی توبہ! "عشق است و ہزار بدگمانی" سچ ہے



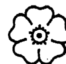
سنتے ہیں صفی کو کچھ سمجھ آئی ہے آج اُس سے نہ ملنے کی قسم کھائی ہے
لیکن نہیں اعتبار آتا ہمکو دیوانہ ہے ، مجنون ہے ، سودائی ہے



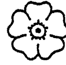
اقرارِ محبت بھی اسی منہ سے کرے؟ اظہارِ محبت بھی اسی منہ سے کرے
اس منہ سے صفی نے جس کی کی ہے تعریف پھراس کی شکایت بھی اسی منہ سے کرے؟



بے پر کے چمن میں روز فوارہ اڑے یا دھوپ سے اوس، آگ سے پارہ اڑے
صوفی نہ اڑے زمین سے گز بھر اونچا دن بھر شب بھر ہوا پہ طیّارہ اڑے



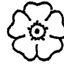
مطلب برآئے جس سے، مطلب وہ دے　　اب سے مانگوں نہ کچھ، مجھے اب وہ دے
میری تو خوشی سے میں نے غم پائے ہیں　　جس میں تیری خوشی ہو یا رب وہ دے



الفت کا مزہ جب ہے کہ مرجائے تو جائے　　یہ دردِ سر ایسا ہے کہ سر جائے تو جائے
جب ذوقؔ یہ فرمائیں تو میں کون صفیؔ!　　"دل جائے تو جائے اب جگر جائے تو جائے"

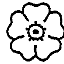


اُن کے چرچے گلی گلی ہوجاتے　　کچھ اور ہی بہبود علی ہوجاتے
برباد کیا صفیؔ کو بے کاری نے　　یہ عیب نہ ہوتا تو ولی ہوجاتے

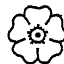


وہ رباعیات جو نیند نہ آنے سے متعلق ہیں

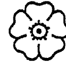
راتوں کو اُڑی نیند تو تلوے سہلائے　　دن کو تو اِدھر اُدھر پھرے، جی بہلائے
یہ لیل و نہار تھے مقدر میں، تو، ہم　　بے کار ترے چاہنے والے کہلائے



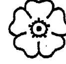
یا ہجر میں جی بھر کے مجھے رونے دے　　یا وصل سے دل شاد کبھی ہونے دے
او نیند کے ماتے! ترے آرام کی خیر　　کچھ اور نہیں خیر ذرا سونے دے



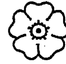
آرام کی صورت تو نکل آئے گی　　وہ آئیں گے یا میری اجل آئے گی
نیند اُڑ گئی، کچھ سونے کی چڑیا تو نہ تھی　　جو آج نہیں آئی تو کل آئے گی



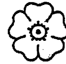
عاشق ہوئے برباد بھی ہوجائیں گے
ہم دل کی طرح جان بھی کھو جائیں گے
جو روز یونہی نیند نہ آئے گی صفی
اک رات کو کچھ کھا کے ہی سو جائیں گے



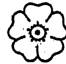
صورت کا فدائی حسن کا مارا ہوں
بے آس ہوں بے یار ہوں بے چارا ہوں
ہوتی ہے جو رات بھی تو ہوتا نہیں چین
ملتا نہیں نیند کو وہ آوارا ہوں



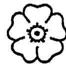
عاشق جو ترا نیند کا گرویدہ نہیں
اب خواب کا مشتاق کوئی دیدہ نہیں
ممکن نہیں برسات میں سوتے پھوٹیں
گل زار میں بھی سبزۂ خوابیدہ نہیں



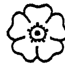
یا رب کیسے وہ آدمی ہوتے ہیں
مُردوں سے جو شرط باندھ کر سوتے ہیں
تارے ڈوبے ، گجر بجا ، صبح ہوئی
ہم شام سے آج نیند کو روتے ہیں



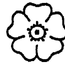
گردش قسمت کی خاک چھنواتی ہے
اک بات بنی تو اک بگڑ جاتی ہے
آتے ہیں جو وہ تو ہوش اُڑ جاتے ہیں
آتے نہیں وہ تو نیند اُڑ جاتی ہے



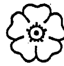
انسان وہ ہے جو قدر داں کو جانے
بے مہر کو سمجھے مہرباں کو جانے
بچے سے کوئی سیکھے محبت کی قدر
گرجائے تنور میں جو ماں کو جانے



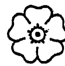
طفلی و شباب کے فسانے اچھے عہد پیری کے کارخانے اچھے
اے حسن ہمیشہ ترے جلوے روشن اے حسن ترے تینوں زمانے اچھے



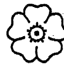
افسوس زبردستی وہ دل کو لے لے پھر لڑنے کو آئے مجھ سے ہولی کھیلے
مانگوں تو کہے تجھے اجازت ہے صفؔی جا اب تُو مرے نام پہ عرضی دے لے



یا حال کا رنگِ زندگانی کہیے یا دورِ گزشتہ کی کہانی کہیے
کیسی ہے صفؔی آج یہ صُمٌّ بُکمٌ کہیے کچھ تو نئی پرانی کہیے



کھویا کہیں کچھ تو کچھ کہیں پایا ہے ادلا بدلا تو ہوتے ہی آیا ہے
طفلی میں صفؔی کھائی تھی ہم نے مٹّی مرجانے پہ مٹی نے ہمیں کھایا ہے



سورج مری بے کسی کا اب تک نہ ڈھلا ارمان کوئی ذرا بھی پھولا نہ پھلا
قائم رہے داتا تری لک لُٹ سرکار دے بھی تو بھلا ہو جو نہ دے بھی تو بھلا



خود کو گنتا ہے سب سے نادان اچھا خود ہی اچھا نہ اُس کا دیوان اچھا
پھر بھی مانو صفؔی کو اے اہلِ دکن باہر کے ولی سے گھر کا شیطان اچھا



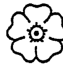
جو لوگ صفی کی گت بناتے بھی ہیں　　کچھ اس سے زیادہ داد پاتے بھی ہیں
اِس کو تو بس آتا ہے غزل لکھنا ہی　　وہ خیر سے لکھتے بھی ہیں گاتے بھی ہیں



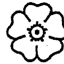
کس کام کا مجبور کے جیسا پینا　　پینے کو نہ چاہے جی تو کیسا پینا
پینے کا مزا پلانے والے کے ساتھ　　دشمن کو بھی ہو نصیب ایسا پینا



جب میں پیوں ہر پیر وجواں پیتا ہے　　کیا پیر وجواں سارا جہاں پیتا ہے
لیکن مجھے ملتا نہیں ہرگز وہ کیف　　جب ساتھ مرے پیرِ مغاں پیتا ہے



اُشترکہ بہ دہرہست ہم قدِ سہی　　پُرہست زِ اُستخوان و از گوشت تہی
ھذا عُجبٌ عُجاب در اُمِّ کتاب　　کَیفَ خُلِقَتْ نوشت مِنْ اَوَّلِہٖ



اک دوست سے اک دوست نے پوچھا اے دوست　　اچھا ہوتا ہے بھائی اپنا یا دوست
اس دوست نے سوچ کر کہا اے بھائی　　بھائی بھی وہ اچھا ہے جو ہو اپنا دوست



تن ڈھاکوں تو آگ پیرہن کو لگ جائے　　دیمک جنگل کی تن بدن کو لگ جائے
کپڑا عزت کی چیز ہے مگر دستِ جنوں!　　تجھ سے جو بچاؤں تو کفن کو لگ جائے



جتنے بھی طغرے پنج تن کے دیکھے دیکھا اللہ میاں ہیں اول بیٹھے
کیوں دیکھنے والوں کو شش و پنج نہ ہو مشہور تو یہ پانچ ہیں گنتی میں ہیں چھے



سب لوگ مجھے کیا کہوں کیا دیتے ہیں اللہ نے جو کچھ بھی دیا دیتے ہیں
جو کچھ نہیں دے سکتے ہیں ایسے مجبور گالی دیتے ہیں یا دعا دیتے ہیں



دنیا ہے نثار مال ہے تو سب ہے خلقت ہے فدا جمال ہے تو سب ہے
دونوں جو نہ ہوں کمال سیکھے انساں انسان میں کچھ کمال ہے تو سب ہے



مطلب کے لئے وقار کھو لیتے ہیں دیوانے ہیں آبرو ڈبو لیتے ہیں
ہیں قابلِ التفات مجبور ترے کچھ ہو نہیں سکتا ہے تو رو لیتے ہیں



شدت کی تپش ہے تابہ کئے آہ بھروں ہیں پیرِ مغاں آپ تو پھر کس سے ڈروں
نَے میں ہے شراب سے بھگادوں گرمی بِالضّد نہ کروں علاج بالمثل کروں



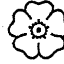
اک چٹپٹی اور میں ہوں یہ رات کہاں ہر شب ہے شب برات وہ بات کہاں
میں ایک غریب اور وہ شاہنشہِ حسن مجھ میں ان میں بھلا مساوات کہاں



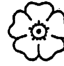
مبنی یہ کلام رشک و غیرت پہ نہیں
صورت پہ جو رجحان ہے سیرت پہ نہیں
بے فائدہ عینکیں لگانے والو!
ہے آنکھ بصارت پہ بصیرت پہ نہیں



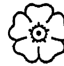
یہ گلشنِ عالم ہے صفؔی دو روزہ
اے مردِ خدا تم بھی تو رکھو روزہ
ہم کو یہ توکل نے پڑھایا ہے سبق
مل جائے تو روزی ہے نہیں تو روزہ



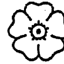
لکھنے پڑھنے میں اک توانائی دی
پیری میں مجھے قوتِ برنائی دی
فرمائی مرے ضُعفِ بصارت کی روک
عینک نہیں! سرکار نے بینائی دی



کعبے کے سفر سے آئے واعظ تن کر
گویا پھر سے بگڑ گئے ہیں من کر
نادانوں پہ یہ دباؤ اللہ اللہ
بچوں کو ڈراتے ہیں یہ حاجی بن کر



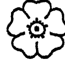
مہمل ، واہی تباہی ، کیوں بکتا ہے
حیرت سے ہر ایک منہ ترا تکتا ہے
مضمون ترے شعر کا ناداں شاعر
ہوتا ہے، ہوا ہے، یا ہوسکتا ہے



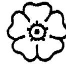
دم تو بھی کسی خود سر و بدخو پر دے
دل چین نہ فرصت کبھی چشم تر دے
او دشمنِ عشاق! کہوں اور تو کیا
اللہ کسی پر تجھے عاشق کر دے



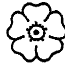
یارم باشی بمن بباشی اے دوست   از بہر من دو روزہ جاں دار نکوست
یارم بامن چرانہ ومن میرم آہ   گویند نمیرد آں کہ یارش با اوست



شاعر یہ مرے سامنے جب ہوتے ہیں   اندازِ سخن ان کے غضب ہوتے ہیں
کچھ پاسِ تخلص بھی نہیں ان کو صفی   پوتے دادا سے بے ادب ہوتے ہیں



تکلیف کا رنج ہو نہ راحت کی خوشی   عسرت کا ملال ہو نہ عشرت کی خوشی
میرے مالک مجھے تو اپنا کرلے   دوزخ کا ڈر رہے نہ جنت کی خوشی



گو رنج میں عیش غم میں راحت نہ رہی   اس طرح تو بدمزہ طبیعت نہ رہی
اب یا تو صفی ہم وہ صفی ہی نہ رہے   یا یہ کہ کسی چیز میں لذّت نہ رہی



تکلیف میں شاد غم میں خرسند رہا   دل اور کھلا کام جو کچھ بند رہا
رونا آیا تو ہنس کے ٹالا اس کو   اب تک تو صفی وضع کا پابند رہا



ہر ایک کو جی بھر کے پلانے والے   مے خواروں پہ مے خانہ لٹانے والے
ہے دید تری عید سے کیا کام ہمیں   ہم تو ہیں تری عید منانے والے



جو تم سے نہ بر آئے وہ امید ہی کیا — دیکھے نہ تمھیں آنکھ [illegible]
جب تم نہ رہو خوش تو خوشی ہی کیا خاک — جب تم نہ [illegible]



یہ بزم فزوں محفلِ جمشید سے ہے — اقبال یہ سب غیب [illegible]
ہے پیرِ مغاں سے رونقِ بزم صفی — ذرّوں کی سب آب [illegible]



شام عید

مشکل آسان تو بنا دیتا ہے — ہر ایک کی شان [illegible]
اے پیر مغاں! عید منانے کے لئے — بوڑھوں کو جوان [illegible]

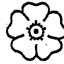


شام عید

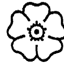
میرے لئے اپنے کو بھی پابند کرو — اس سے بھی حفاظت [illegible]
میں بادۂ سرجوش کا خم ہوں لیکن — کھولو بھی تمھیں [illegible]



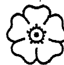
اب کے عربی داں ہیں عجب خواہ مخواہ — رکھتے نہیں [illegible]
شیطان کے نام پر پڑھ دیتے ہیں — لا حول [illegible]



اللہ رے نڈر کہ خوفِ استاد نہیں — اوہو رے جگر کسی سے امداد نہیں
ہوگی جب بازپرس کیسا ہوگا — مٹھس تجھے آموختہ بھی یاد نہیں



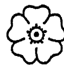
بے فکرِ معاش کچھ نہ کچھ ہوتے ہم — آرام سے تنہا تو کبھی سوتے ہم
جھوٹے موتی ہی کاش ہوتے آنسو — رونے کو بنے تھے تو رہے روتے ہم



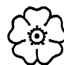
جی بھر کے کبھی ہنس نہ سکے رو نہ سکے — غم سے فارغ کسی طرح ہو نہ سکے
جب غم نہ رہے تو کوئی اندیشہ رہے — ہم بھی کیا ہیں کہ نیند بھر سو نہ سکے



غالبؔ جو یگانہؔ کی نظر میں نہ جچا — اِس پر ہے شاعروں میں کیوں شور مچا
حیرت کی جگہ کیا ہے ارے دیوانو! — اِس چودھویں صدی میں بھتیجا ہے چچا



کہنے سے طبیعت نہیں میری تھکتی — حیرت سے ہے دنیا مرے منہ کو تکتی
میں نے تری تعریف میں کھولی ہے زباں — اب میری بھی تعریف نہیں ہوسکتی



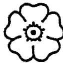
اِس بھاپ کی تاثیر کہوں میں کس سے   تبخیر وہ ہے دل ہے پریشاں جس سے
کرتے ہیں دماغ و دل کو جو بے قابو   جرمن بھی تو واقف نہیں اُن گیس سے



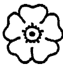
کب تک تیرِ تقاضہ سینہ چھیدے   کب تک کریں قرض خواہ میرے، لے دے
فرما! فرما! نہال فرما! فرما!   دے دے دے! دے دے! مرادد ے دے دے دے



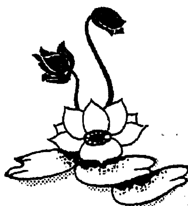
خاموشی میں زباں کی راحت ہے   عصیاں سے بچو تو جاں کی راحت ہے
قِلّت اسباب کی ہے راحت دل کی   دل کی راحت جہاں کی راحت ہے



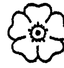
عادت پہ عوام کی گزارے کیوں کر   ہے عقل تو دم عشق میں مارے کیوں کر
موجود میں موجود وہی ہے تو صفی   اللہ کو اللہ پکارے کیوں کر



اُستاد بنا جُہلِ مرکّب جن کا   کیا سمجھیں گے رنگ غالبؔ و مومنؔ کا
کیا پائیں گے میرؔ اور مرزاؔ کے نکات   باوا آدم ہی جب نیا ہے اِن کا



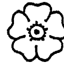
قطعات



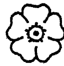
هم نشیں تجھ کو کھوج کیوں اتنی　　کون تھا کیا ہوا کہاں بیٹھے
جس سے ملنا تھا ہم کو اس سے ملے　　بیٹھنا تھا ہمیں جہاں بیٹھے
ہم بھلے گھر بھلا صفؔی اپنا　　اجنبی آدمی کہاں بیٹھے



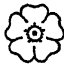
دل ہوا غیب تو میں نے پوچھا　　اب کوئی اس کو گیا ہی جانے
بھولے پن سے یہ جواب اُس نے دیا　　غیب کا حال خدا ہی جانے



لکھ لکھ کے میں نے حالِ دلِ دردمند عشق　　رنگ اپنا خاص تھا جو اُسے عام کردیا
اب اُن کی سنیے کہتے ہیں ہر ایک سے یہی　　بدنام کردیا مجھے بدنام کردیا



شاعری سے نفعِ مالی کے لئے　　عہدہ داروں کا اثر درکار ہے
عہدہ داروں کے اثر کے بعد بھی　　ایسے کاموں کو جگر درکار ہے



تم اپنی بزم میں اتنا تو انتظام کرد　　کہ قاعدے سے قرینے سے بیٹھے جو بیٹھے
ہے اس طرح درِ دولت پہ عاشقوں کا ہجوم　　کوئی یہ سمجھے بھکاری ہیں بھیک کو بیٹھے

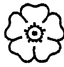


تحت مفاد جاگیرداراں مجلس مقننہ کیلئے مستغنی عن الالقاب نواب تراب یار جنگ بہادر
کے منتخب ہونے کی عام مسرت پر

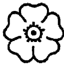
ہے آج مقنّنہ میں اِس بات کی دھوم
یعنی ہوئے منتخب سعیدِ مخدوم
تئیس ۲۳ میں اِن کو جو ملے چودہ ووٹ
بے شک ہیں مدد پر اِن کی چودہ معصوم



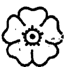
ہر ایک سے ملاپ مسرت کے ساتھ ہے
برتاؤ جس کسی سے ہے عزت کے ساتھ ہے
مشقِ سخن بھی ، دادِ سخن بھی ہے ساتھ ساتھ
جینے کا لطف تیری محبت کے ساتھ ہے



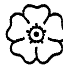
رونقِ بزم یہ جو ہم سے ہے
یا جو کچھ دام سے دِرَم سے ہے
ہم ہیں کیا دام کیا دِرَم ہے کیا
سارا ہنگامہ تیرے دم سے ہے



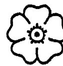
بے نیازِ صلہ و شکر سہی تیرا عمل
تیری آنکھوں میں تمنائے ستائش بھی تو ہے
مجھ کو صنعت کی نمائش میں کہاں لے آیا
کہ ترے شہر میں فاقوں کی نمائش بھی تو ہے



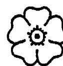
جب تری یاد پاس رہتی ہے
موت بھی بدحواس رہتی ہے
ہائے کیا خوب چیز ہے معشوق
مرتے دم تک بھی آس رہتی ہے



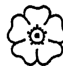
کہا ایک حضرت نے شاگرد سے　　　کہ شہرت محال اور مشکل نہیں
کئے جاؤ تنقید اور اعتراض　　　اگرچہ کہ حق تم کو حاصل نہیں



دیکھنے کو ہم نے بھی دیکھے ہیں صدہا آدمی　　　لیکن اب تک تو نظر آیا نہ ایسا آدمی
آپ سے دیوانہ پن کو ہم صفیؔ کے کیا کہیں　　　ہے تماشے کا تماشا آدمی کا آدمی

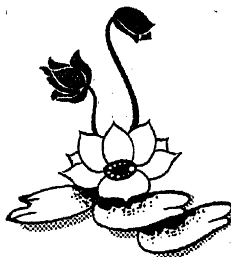


یہ عید الفطر اُن کی ہے کہ جن کے　　　لبوں پر پان ہے آنکھوں میں سرمہ
بلا تکلیف جو دن بھر میں سو بار　　　اُڑاتے ہیں سیویاں شیر خُرمہ



عید قرباں ۱۳۵۹ھ

بے شعوری سے لڑکپن میں تھی نادانی کی عید　　　عشق سے تھی، نوجوانی میں پریشانی کی عید
عید کی خوشیاں منائے اور پھر مجھ سا ادھیڑ　　　کیوں نہ ہوں قربان تیرے، ہے یہ قربانی کی عید



نظمیں، مثنوی، واسوخت وغیرہ

داستان بمبئی

’’داستانِ بمبئی‘‘ دیکھنے سے یقین ہوتا ہے کہ جناب صفؔی نے بمبئی کا سفر کیا تھا اور وہاں رہے تھے۔ وہاں کے لوگوں سے ملے، بمبئی والوں کی زبان اور ان کے عجیب طرز کلام کو سنا، وہاں کے بازارات اور مختلف سواریوں کو دیکھا، وہاں کے مناظر اور سمندر کی سیر سے لطف اندوز ہوئے تھے۔

دیکھنے میں آئے ہر ملت کے ہر مذہب کے لوگ
اب وہ نووارد ہوں یا باشندگانِ بمبئی

پارسی، گجراتی، میمن، مرہٹے کثرت سے ہیں
یک زباں ہیں سب کے سب پیر و جوانِ بمبئی

کچھ عجب بولی، عجب لہجہ، عجب طرز کلام
سو زبانوں سے بنی شاید زبانِ بمبئی

صاف ستھری خوش مزہ خوش رنگ پاکیزہ نفس
خالی از حکمت نہیں جنسِ گرانِ بمبئی

چلتے ہیں وکٹوریہ بائیسکل موٹر ٹرام
آتے جاتے ہیں اسی پر ساکنانِ بمبئی

خوب جی بھر کے نہیں کی ہم نے چوپاٹی کی سیر
ہائے وہ منظر کہ جس کو کہیے جانِ بمبئی

ہے اُسی کی یاد اسی کی دُھن اسی کا تذکرہ
بمبئی میں پڑھ رہا ہوں داستانِ بمبئی

چھوڑ کے دیکھیں گے یہ بھی چھوڑتی ہے یا نہیں
ایک دن ہم یوں کریں گے امتحانِ بمبئی

لوگ خوش ہو ہو کے سنتے ہیں یہاں کے واقعات
اور میں رہ رہ کے کرتا ہوں بیانِ بمبئی

دیدہ و دل کی ضیافت بھی ہوا کی دم بدم
ہم رہے جتنے دنوں تک مہمانِ بمبئی



قطعہ

مندرجہ ذیل قطعہ بہ طور عرض، معروضہ، گذارش والتماس ہے۔ مخاطبت کس سے ہے پتہ نہیں چلتا۔

اے ممدِ عاجزاں جوئندۂ آرامِ خلق
صاحبِ تیغ و قلم، جاہ و حشم جود و کرم

ہے تصنّع یوں مرے نزدیک وقتِ عرض حال
ہو صریحاً عیب جیسے شعر میں پہلوئے ذم

کام ایسا جس کا ہم دردی پہ ہوتا ہے مدار
لوگ ایسے دوسروں کو تو کہیں اپنے کو ہم

وجہ استغنا ہوئی مایوسی تدبیر و بخت
داغ بھی سوزِ فلاکت کا ہے کم از یک درم

یوں تو خوش خط بھی ہوں لیکن خطِ قسمت میں نہیں
اس سے پھر کیا نفع جو ہو بھی گیا گوہر رقم

اس قدر آشوبِ پامالی ہیں بے سامانیاں
کچھ نہیں سرمایۂ تسخیر جز نقشِ قدم

بزم ہے یا رزم جو کہہ لو بیاضِ شعر ہے
نغمہ ہے یا گریہ جو سمجھو ہے آوازِ قلم

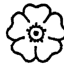
صبر سچا ہو تو کوئی پیاس میں غصہ پیے
اشتہا کاذب اگر ہو تو کوئی کھائے قسم

نوکری عنقا ہو ایسی اور موسم کا یہ حال
ایک آفت؟ ایک ہیبت؟ ایک صدمہ؟ ایک غم؟

ہوں دو عملی میں پھنسا حرفِ مشدّد کی طرح
ہے مگر ناکامیوں میں کام کا میرا بھی دم

جو ہے، یہ ہے، عرض، معروضہ، گزارش، التماس
مختصر یہ ہے خدا کھولے نہ دشمن کا بھرم

"شرم می گوید مگو تکلیف می گوید بگو
در بیانِ عرضِ مطلب ہائے خود در حیرتم"



مسدس بطور واسوخت نوشتہ در ۱۳۲۹ھ

اصل پرچہ کو جھینگر چاٹ گئے، جتنے بند پڑھے گئے نقل کر لئے گئے۔ (صفی)

شکوۂ جور و جفا آپ سے کب تک نہ کروں
گلۂ شرم و حیا آپ سے کب تک نہ کروں

التجا ہو کہ دعا آپ سے کب تک نہ کروں
نہ کروں یوں جو بھلا آپ سے کب تک نہ کروں

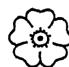
کوئی تدبیر بتا دیجے کہ مرجاؤں میں
جیتے جی آپ ہی کہیے کہ کدھر جاؤں میں

کیا کروں پھر میں اگر شکوۂ اعدا نہ کروں　　تم نہ کرنے کی کرو اور میں پروا نہ کروں
تم تو سب کچھ ہی کرو اور میں اتنا نہ کروں　　اپنی والی پہ جو آجاؤں تو پھر کیا نہ کروں

جو ستانے کے سوا تم کو کوئی کام نہیں
سوتے مُردے نہ جگا دوں تو صفؔی نام نہیں

ہاں اگر تم سے کوئی بات ہو بے جا نہ کہوں　　نہ سنو تم میں اگر شمع کو پروانہ کہوں
نہ کہوں اور تو کیا اپنی تمنا نہ کہوں؟　　واہ اچھی کہی حالِ دلِ شیدا نہ کہوں

تم تو پوچھو بھی نہیں حال مرے رونے کا
مہرباں بندے سے ایسا تو نہیں ہونے کا



نظم

''محبی مولوی عبدالحلیم بیگ صاحب ہنؔر کی فرمائش''

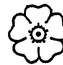
قابلِ حیرت ہے اپنے دین و دولت کا زوال　　مل نہیں سکتی ہے دنیا میں کہیں اس کی مثال
دین کا جو حال ہے وہ واعظوں سے پوچھیے　　مل نہیں سکتی ہے دنیا میں کہیں اس کی مثال
مشترک دونو زبانوں پر فقط اک حرف ہے　　یعنے ''لا'' بس جو سمجھئے اب سمجھ کا ہے کمال
ہے ادب بھی خوف بھی مانع کہوں تو کیا کہوں　　آدمی کو چاہیئے ، ہر بات کا رکھے خیال
بن گئی ہے ملک کی آب و ہوا مہرِ دہن　　کس دوعملی میں پھنسا ہوں ہائے یہ میں اور یہ حال؟
واعظوں کو کچھ اگر لکھیے تو ڈر تکفیر کا　　اور امیروں کو جو کچھ لکھیے تو جینا ہو محال
چین سے گزران ہوتی پھر نظر آتی نہیں　　سوچ کر انجام ہوجاتے ہیں جذبے پائے مال
دین کی تو خیر ہوگی آخرت میں پوچھ گچھ　　آئینہ ہوجائے گا ہر اک پہ اپنا اپنا حال

مال تو زینت ہے اک بہرِ حیاتِ دُنیوی ۔۔۔ یعنی ہو دنیا چلانے کے لئے انساں کو مال
ہاں نہیں ہے درہمِ داغ جگر تک بھی نصیب ۔۔۔ عاشقوں کا بھی ہوا ہے اس زمانے میں یہ حال
پوچھیے جس کو مزاج افلاس سے اس کا خراب ۔۔۔ دیکھیے جس کو رُپے کے واسطے ہے جی نڈھال
آسرا ہے زندگانی کا فقط اب قرض پر ۔۔۔ اور پھر ہے قرض کا آسان ملنا بھی محال
ساہوؤں کی ایسی خود غرضی کہ اللہ کی پناہ ۔۔۔ جس کو دیکھا کھینچتا ہے اپنی ہی روٹی پہ دال



اپنی اپنی انجمن سے قرض لیجئے آج سے ۔۔۔ چین میں جان اپنی رکھیے اور جتن سے اپنا مال
اپنے جان و مال کی مالک جو ہے سرکار ہے ۔۔۔ دوسروں نے کردیا ننگا یہ کردے گی نہال
کہہ دیا سب کچھ مگر جو بات تھی وہ رہ گئی ۔۔۔ شاید اس کے بعد آئے اُس کا وقت قیل وقال

ہے صفؔی کی نظم اب چاہے اثر ہو یا نہ ہو
یہ صدائے صور ہے بھائی نہ آواز بلال



قطعہ

یہ ایک بڑی پُر اثر نظم ہے جس میں شکوۂ بخت بھی ہے اور شکایت زمانہ بھی۔ یہ حقیقت بھی آشکار ہوتی ہے کہ انتہائی پریشانیوں، مجبوریوں اور ضرورتوں کے باوجود ہر کسی کے آگے دستِ سوال دراز کرنا اپنی شان خودداری اور پاس وضع داری کے خلاف جانتے تھے۔ دو ایک ان کے قدردان تھے، جو ان کے حسن طلب کے رمز شناس تھے۔ ایسے ہی ایک قدردان سے وہ مخاطب ہیں۔ گمان غالب ہے کہ ممدوح نواب معین الدولہ بہادر ہی ہوں گے۔

بختِ برگشتہ نے اب میرا بنایا یہ حال ۔۔۔ اپنا جینا بھی ہوا جان کا میری جنجال
کیا لکھوں کیا نہ لکھوں، ضبط شکن دردوالم ۔۔۔ کیا کہوں کیا نہ کہوں، صبر طلب رنج و ملال

چارہ گر سے نہیں ممکن کہ کرے اس کی دوا
ہم نشیں سے نہیں امید کہ پوچھے احوال

وقت کہتا ہے کہ پھیلا کہیں دامانِ طلب
وضع کہتی ہے کہ اُٹھے نہ کبھی دستِ سوال

کبھی ہم رنگیٔ دنیا، کبھی تقلیدِ سلف
عرض مطلب کی کبھی دھن کبھی عزت کا خیال

کبھی سودائے معیشت میں سروتن بھی گراں
کبھی ارمان فراغت میں دل و جاں بھی وبال

سنگِ رہ مَیں جو بنوں لوگ لگائیں ٹھوکر
سبزہ سا خاک نشیں ہوں تو کریں سب پامال

مجھ کو یک رنگیٔ عسرت نے پڑھایا ہے سبق
ایک ہی معنیٰ کے دو لفظ ہیں یہ ماضی و حال

نفع کی فکر میں ہر طرح کا دیکھا ہے ضرر
اوج کی کھوج میں ہر طور سے مایا ہے زوال

اپنی راحت کے زمانے کو ہوں ایسا بُھولا
جس طرح خوابِ فراموش کا رہتا ہے خیال

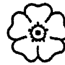
درد کام اپنا جو کرجائے تو کیا پاؤں چین
غم اثر اپنا دکھائے تو رہوں کیا خوش حال

اس پریشانی میں کس طرح نہ دل گھبرائے
اس تردّد سے طبیعت نہو کس طرح نڈھال

آپ ہیں شانِ کرم، کان کرم، جانِ کرم
آپ ہیں نیک روِش نیک چلن، نیک خصال

آپ کے عدل و سخاوت کی نہیں کوئی نظیر
آپ کے بذل و عنایت کی نہیں کوئی مثال

میری امید برائے بِرا مطلب نکلے
آپ کو شاد رکھے صاحب اکرام وجلال



مسدس (ناتمام)

به تقریب گل پوشی محمد شرف الدین صاحب، ساکن محلّہ دیوڑھی عالم علی خان

کہا دل نے کہ اس شعروسخن سے باز آئے ہم
جو ہو بدنام سب میں ایسے فن سے باز آئے ہم

اب ایسی چال سے ایسے چلن سے باز آئے ہم
کہاں تک آخر، اس بے ہودہ پن سے باز آئے ہم

نہ ہو مشہور اگر شاعر تو یہ ہم کو ہے آمنّا
مگر کہلا کے شاعر اچھے خاصے بھانڈ کیوں بننا

کہیں شادی ہوئی تو بس ہوئی سہرے کی تیاری　　کسی نے پائی خدمت تو قصیدہ لکھ لیا بھاری
کسی کا سل رحلت ہے بہ صد اظہار غم خواری　　کہیں سن ولادت میں شریک رحمت باری
کروں کیوں شاعری میں، کیوں بنوں گم راہ دیوانہ
پرائے گھر کی شادی اور عبداللہ دیوانہ

ملامت ختم جب اپنے دلِ شوریدہ سرنے کی　　مجھے اپنے ارادے سے سمائی در گزرنے کی
تامل کر کے سوچا پائی میں نے سر بسر نیکی　　مگر اک بات یاد آئی مجھے جو تھی بھی ڈرنے کی
نہیں ہوتا ہے ڈر تو زور کا زر کا حکومت کا
زباں کی لاج ہے یا پاس ہے ہم کو محبت کا

یہ کیسا نام چھیڑا کون یہ ہم کو ستاتا ہے　　یہ ظالم کون ہم کو آٹھ آٹھ آنسو رلاتا ہے
یہ ٹھنڈا کیوں نہیں دل کون ہے ہم کو جلاتا ہے　　ابھی اچھے تھے پھر یہ کیوں کلیجہ منہ کو آتا ہے
الٰہی کیا کریں ضبط محبت ہم تو مرتے ہیں
یہ نالے تیر بن بن کے کلیجے میں اترتے ہیں

جہاں چرچا نہ تھا میرا وہاں چرچا کیا اُس نے　　مری عزت ڈُبوئی خلق میں رُسوا کیا اُس نے
کہوں کیا اب کہ میرے ساتھ اب تک کیا کیا اُس نے　　غرض جو کچھ کیا اچھا ہوا اچھا کیا اُس نے
خطِ تقدیر سمجھوں اُس بت بے پیر کا لکھا؟
اجارہ کچھ نہیں یہ ہے مری تقدیر کا لکھا

بھلا کس سے کہوں جو رات دن میں سر کو دُھنتا ہوں　　کبھی تارے بھی گنتا ہوں کبھی تنکے بھی چنتا ہوں
ل آتش ہے جس سے دل ہی دل میں اپنے بُھنتا ہوں　　ذرا یہ تو کہے کوئی کہ تیرا حال سنتا ہوں
فغاں میں آہ میں فریاد میں شیون میں نالے میں
سناؤں دردِ دل طاقت اگر ہو سننے والے میں

کہاں وہ ولولے، وہ جوش، وہ ارمان وہ حسرت　　کہاں وہ آرزو وہ دل وہ شوق و ذوق وہ وحشت
لہاں وہ عقل سے اَن بَن کہاں وہ ضعف کی طاقت　　کہاں وہ شکل ہے میری کہاں وہ اسکی ہے حالت
میں پروانہ ہوں وہ جو شمع کو خاموش پاتا ہے
میں بلبل ہوں مگر اُس گل کا جو مرجھائے جاتا ہے

اگر نیکی کسی سے کی بدی سے پیش وہ آیا — سمجھ کی بات تو اُلٹے اُسی نے مجھ کو سمجھایا
ہنسایا میں نے جس کو اس نے مجھ کو خوب رُلوایا — غرض دنیا میں بدلہ دوستی کا دشمنی پایا

مرا سوز یست اندر دل اگر گویم زباں سوزد
وگر دم درکشم ترسم کہ مغز استخواں سوزد

ابھی تک ہم اسی کو زینتِ محفل سمجھتے ہیں — اُسی کافر ادا کو پیار کے قابل سمجھتے ہیں
وہی ہے جان اپنی سب جسے قاتل سمجھتے ہیں — دُکھاتا ہے ہمارا دل جو اس کو دل سمجھتے ہیں

یہاں اب تک نہیں کچھ فرق اپنے دوستانے میں
مگر آواز طوطی کی کہاں نقارخانے میں

اگر کوئی کہے راحت ہے وہ جو آشنائی ہے — اگر کوئی سمجھتا ہے کہ اس میں کچھ بھلائی ہے
یہ سچ ہوگا مگر اپنے تو دل میں یہ سمائی ہے — کہ یہ بے ہودگی ہے بے دلی ہے بے حیائی ہے

کسے دیوانہ می گوید کسے مستانہ می گوید
غرض ہر شخص مارا از خرد بے گانہ می گوید

بھلا پھر سب تو سب یہ دن نصیب اپنے دکھاتے ہیں — کہ وہ بھی اب ہمارا رنگ اپنی طرز اڑاتے ہیں
خدا کی شان ہے معشوق بھی عاشق کہاتے ہیں — تو رہ رہ کر ہمارے دل میں کیا کیا وہم آتے ہیں

محبت قاعدے سے کی ہے مے خواری طریقے سے
کئے ہیں ہم نے بھی یہ کام لیکن کچھ سلیقے سے

وہ ظالم بے وفا ہوگا کسے معلوم تھا ایسا — نتیجہ یہ برا ہوگا کسے معلوم تھا ایسا
ہوا کیا اور کیا ہوگا کسے معلوم تھا ایسا — نہ ہوگا وصل یا ہوگا کسے معلوم تھا ایسا

اگر دانستم از روز ازل داغِ جدائی را
نمی کردم بہ دل روشن چراغِ آشنائی را



قصیدہ

بغیر عنوان و تاریخ (۶۱) شعر کا یہ قصیدہ نواب معین الدولہ بہادر کی پچاس سالہ سالگرہ کی تقریب میں لکھا اور پیش کیا جو حضرتِ صفؔی کی شخصیت کا عکس اور اُن کی صاف گوئی اور خودداری کی منہ بولتی تصویر ہے۔

آج تک اپنے وطن میں کہ وطن سے باہر
میری آنکھوں نے بھی دیکھے ہیں ہزاروں منظر

اس طرح ساتویں ذی قعد نہیں دیکھی تھی
آج کے دن کا نہیں دیکھا کوئی دن ہم سر

آج سرکار کی یہ سال گرہ کا دن ہے
اور اس رسم سے واقف ہے ہر اک فردِ بشر

سال ہوتا ہے شروع آج سے اکاون واں
میرا اللہ عطا ان کو کرے عمرِ خضر

یہ بھی اک عید ہی گویا ہے نمک خواروں کی
ہاں مگر میرے لئے عید سے بھی ہے برتر

عید اک مشترکہ جشن ہے دنیا کے لئے
آج کی عید میسر ہو ہر اک کو کیوں کر

عید میں نذر تو ہوگی مگر اسپورٹس کہاں
عید میں خاص تو آئیں گے مگر عام کدھر

نیزہ بازی یہ کہاں عید کے دن ہوتی ہے
سوچتا کون ہے اس کام میں ہر نفع و ضرر

عید میں ہوتی ہے پیغام رسانی یہ کہاں
سائنکل رَالے جسے کہئے بہ الفاظِ دگر

جلد گھوڑوں پہ سواری ہوئی کس عید کے دن
میوزیکل ریڈ میں دیکھے تھے کہاں ایسے نڈر

پلِو فیٹنگ بھلا ایسی کہاں دیکھی تھی
اسپ چوبیں پہ نظر آئے تھے کب ایسے ہنر

اونٹ کس عید میں دوڑائے گئے تھے ایسے
اور پھر وہ بھی دو فرلانگ کے اندر اندر

عید کے روز کہاں ہوتی ہے یہ پیدل دوڑ
کب سپاہی کی مدد کرتے ہیں ایسی افسر

عید میں بوائز ڈرل کا یہ سماں کب دیکھا
یہ ہے "بس کودک و ذی قعد کا اک صاف اثر"

کھینچا جاتا ہے کہاں عید میں ایسا رسّا
اٹھتے جاتے ہیں کہاں آدمی یوں گر گر کر

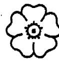
قہقہے عید کے دن ایسے کہاں ہوتے ہیں
گونجے جس سے یہ فضا اور یہ سارا منظر

سب تو سب میں نے کہاں نظم پڑھی ہے ایسی
کب دکھائے تھے کسی عید میں اپنے جوہر

آج ہر آدمی مسرور نظر آتا ہے
اس نگر کو میں کہوں آج سے مسرور نگر
الغرض عید جو ہے عام خوشی کا دن ہے
اور یہ خاص خوشی خاص خوشی کا منظر
عام کو خاص پہ ترجیح نہیں ہوسکتی
اور بس اس سے زیادہ نہیں عرضِ احقر
ان دلائل سے بھی مانیں جو نہ میرا کہنا
پڑھ دوں یہ شعر میں بے ساختہ ان کے منہ پر
میں ہوں نادانئ ابنائے وطن کا شاکی
اور ''خار وطن از سنبل و ریحاں خوش تر''
گلِ مقصد چمنِ دہر میں دیکھا ہی نہیں
جیسے بے پھول کا پھل سارے پھلوں میں گولر
میں جو اکسیر کو چھولوں تو وہ مٹی ہوجائے
لعل کو ہاتھ لگاؤں تو بنے وہ پتھر
گر شتر مرغ کو کہیئے کہ ذرا اڑ تو سہی
تو کہے اونٹ ہوں میں اونٹ اُڑے گا کیوں کر
اور اگر اونٹ سمجھ کر کوئی لادی لادے
تو کہے صاف پرندہ ہوں میں دیکھو مرے پر
ہے یہی حال صفیؔ کا کہ اُدھر بیچ میں ہے
نہ گدا ہے نہ تونگر نہ اِدھر ہے نہ اُدھر
اس لئے آتا ہوں گھر چھوڑ کے دوڑا دوڑا
تھا یہ ارشاد کہ ''اس گھر کو سمجھ اپنا گھر''
آج تک میں نے عمائد کی نہیں کی تعریف
آج تک میں امرا کا نہوا مدحت گر
آج منظور ہے تعریفِ معین الدولہ
آج کرتا ہوں میں دل کھول کے تعریف مگر
حد سے بڑھ کر نہیں آتا ہے غلو کا برتاؤ
آج تک مجھ میں اوائل سے ہے اتنی تو کسر
اُٹھتی جاتی ہیں زمانے سے پرانی باتیں
آج منواؤں بھلا اُن کو تو کیسا؟ کیوں کر؟
وہ نہیں ہوں کہ جو دارا کو بناؤں درباں
وہ نہیں ہوں کہ سکندر کو کہوں آئنہ گر
وہ نہیں ہوں کہ کہوں جم کو بھی اک جام گزار
وہ نہیں ہوں کہ فریدوں کو کہہ دوں اختر
فائدہ کیا جو کروں جھوٹ سے کسرِ کسریٰ
نفع کیا ہے جو کہوں کچھ نہیں قصرِ قیصر
قول ہی کیا ہے وہ جس قول کی اڑ جائے ہنسی
بات ہی کیا ہے وہ جس بات کا ہو پانو نہ سر
اس طرح اپنے ہر اک شعر کی ہے قدر مجھے
جس طرح بت کو کرے سجدہ خود اول بُت گر
آپ ہی کیجئے انصاف کہ میرے سرکار
سچی تعریف ہو کیا آپ کی اس سے بڑھ کر
وہ خطا پوش ہو بے کس سے کرو عفو خطا
وہ عطا کوش ہو یہ مفلس کو کرو صاحبِ زر

خفگی کا ہے یہ عالم کہ زباں پر نہیں کچھ — دل کسی سے جو پھرا پھیر لی بس اس سے نظر
جان کر ہوتے ہیں ان جان وہ آقا ہیں آپ — سن کے ہو جاتے ہیں خاموش ہیں ایسے سرور
کوئی وابستہ جو ہو تیرِ حوادث کا شکار — آپ ہو جاتے ہیں خود اس کے لئے سینہ سپر
بے دلیل آتا ہے ہر ایک کی نیکی پہ یقیں — حتی الامکان برائی نہیں کرتے باور
وہ تخاطب کہ ہو جس طرح برابر والا — ہو جو کم فہم وہ ہو جائے سے اپنے سے باہر
محفلِ خاص میں بھی عام کی شرکت ہے قبول — میں نے دیکھا نہیں اس طرح کا بندہ پرور
عارضی ہوتی ہے جو بھی ہو غضب کی گرمی — جس طرح گرم طبیعت نہیں تھرمامیٹر
شرفا کی ہے بہر طور رعایت منظور — غربا پر ہے ہر اک طرح عنایت کی نظر
ہاں ہر اک طور سے ہے اپنے قدیموں کا لحاظ — ہاں ہر اک طرح سے ہے اپنے ندیموں کا اثر
قہر اس لطف کا ہے کھانے میں جس طرح نمک — مہر اس رنگ کا ہے دودھ میں جیسی شکر
چاہتے ہیں کہ گزر جائے ہنسی اور خوشی — بے غم و رنج کسی طرح سے ہو جائے بسر
نہ ہو رنجیدہ مری بزم میں آنے والا — مجھ سے دل شاد رہیں سب مرے نوکر چاکر
زر ہے کیا چیز جواہر سے کیا مالا مال — بخشتے ہیں بدگہروں کو بھی تو الماس و گہر
آپ انسان کی پہچان میں ایسے کامل — جس طرح جوہری ایک آنکھ میں پرکھے جوہر
میں سمجھتا ہوں کہ ہیں خوب سمجھتے سرکار — عیب پوشی سے زیادہ نہیں دنیا میں ہنر
میرے آقا تجھے اللہ سلامت رکھے — خاص جوہر بھی ہیں ان خوبیوں کے قطع نظر
سلطنت کے جو فوائد ہیں وہ سب نوکِ زباں — مملکت کے جو قواعد ہیں وہ ہیں سب از بر
ملک و مالک کی بہی خواہی کے ہر دم عادی — اپنے اجداد کی تقلید کے بہتر خوگر
آپ دل شاد تو گھر آپ کا آباد رہے — آل اولاد کا گل زار رہے بار آور
ہو خدا آپ کی امداد پہ اور اس کا رسولؐ — اور پشتی پہ رہے سلسلۂ گنج شکر
ضعف آئے نہ کبھی قوتِ ایمانی میں — رہے ہر حال میں ہر رنگ میں مالک پہ نظر

اب رہی میری گزارش! تو بھلا میں کیا چیز
آپ سے کیا میں کہوں آپ امیرِ اکبر



''پندِ بے سود''

جلسۂ انجمن امداد باہمی محدود محکمہ نظم جمعیت صرف خاص مبارک

منعقدہ ۲۵/ ربیع المنور ۱۳۴۸ھ م ۲۵/ مہر ۱۳۳۸ف روز شنبہ

اگر ہو پند میں تاثیرِ مفقود — تو ایسی پند ہوگی ''پندِ بے سود''
صداقت میں اثر ہوتا ہے لیکن — صداقت اس زمانے میں ہے محدود
صداقت وہ نہیں! جو کاغذی ہو! — صداقت وہ ہے جس سے خوش ہو معبود!
زباں پر آدمی کی ہو وہی بات — رہے جو بات اُس کے دل میں موجود

۲
مگر ہے شاعری کا رنگ کچھ اور — نری سچ بھی کبھی ہوتی ہے بے سود
اثر کو فاتحہ پڑھتے ہیں شاعر — صداقت سے تو جلتا بھی نہیں عود
صداقت میں ہو تھوڑی شاعری بھی — تو پھر حاصل بھی کچھ ہوتا ہے مقصود
مگر موضوع بھی ہو کچھ مزے دار — اگر ایسا نہو تو لطف نابود

۳
یہی مشکل مجھے بھی آپڑی ہے — اگر ہے جھوٹ تو جھوٹا ہے مردود
خدا لگتی کہے! کوئی خدا دوست — بھلا شاعر کرے کیا اس میں افزود
یہ قصہ ہے وہی پارینہ قصہ — جو بہرِ نظم جمعیت ہے محدود
وہی ہے باہمی امداد منظور — وہی ہم دفتروں کی سعیِ بہبود
یہ ہے اس انجمن کا تیسرا سال — ابھی تک تو ہوا ہر کام مسعود
رپورٹ اس سال جو اِس کی چھپی ہے — وہ گو چودہ ہی صفحوں میں ہے محدود
مگر یہ سب کے سب ہیں کارآمد — ہر اک شے ہے معِ اعداد و معدود
قیامِ انجمن کا ذکر ظاہر — نظامِ انجمن کا حال موجود

کئے ہیں تین تختے اس میں شامل — کہ جن میں درج ہے سب حسبِ معہود
حقیقی نفع و نقصاں آمد و خرچ — نہیں اپنی طرف سے کچھ بھی افزود
ہر اک صیغے کا بہر ماضی و حال — توازن ہے بطرزِ نیک و مسعود
لکھے ہیں اس میں اسمائے اراکین — جو ہیں اس کام میں ہر طرح خوش نود
مراتب سب ہیں خدمت کے برابر — عمر مفلوک ہو یا زیدِ مجدود
مری اک نظم بھی اس میں چھپی ہے ۴ بنا رکھا ہے جس نے مجھ کو محسود
مگر خوش ہوں کہ میں حاسد نہیں ہوں — ادا ہو کس زباں سے شکر معبود
قلم کاغذ کی ہے میری لڑائی — نہیں درکار گولی اور بارود
کروں کیوں گفت و گو ترکی بہ ترکی — دعا ہے دے سمجھ ایسوں کو معبود!
وہ مالک ہے بنا دے ہست کو نیست — وہ خالق ہے کرے نابود کو بود
تو ہاں! دفتر بھی ہے اس انجمن کا — نہیں ہے کام کچھ اس کا بھی بے سود
وظیفہ پاتے ہیں اک صاحب اُس سے — کہ وہ کرتے ہیں کام آمد ہے محدود
دعا پر ختم ہے یہ سال نامہ ۵ دعا اُس کی جو ہے مقبولِ معبود
نظام الملک آصف جاہ سابع — جسے مدِ نظر ہے سب کی بہبود
دعا میں بھی کروں ہے فرض میرا — ہر اک سامع سے ہے "آمین" مقصود
الٰہی! از طفیلِ ماہِ میلاد — خداوندا! بحقِ شاہِ مولودؐ
کر اس کے دشمنوں کو خوار و برباد — دکھا! شانِ دعائے حضرتِ ہودؑ
یہ گویا اک طرح کا ہے خلاصہ ۶ اگرچہ ہیں مرے اشعار معدود
ریپوٹ اس کو کہو یا سال نامہ — کہ ہے امرود جام اور جام امرود
اب اس کے آگے آخر کیا کہوں میں — سخن کوتاہ راہِ فکر مسدود
اگر کچھ ہے تو گنجائش ہے اتنی ۷ بس اپنی رائے کر سکتا ہوں افزود
تو اس احقر کی ذاتی رائے یہ ہے — کہ یہ ہے ایک کارِ نیک و مسعود

اسے ہے باہمی امداد درکار نہیں ہے انجمن کچھ طالبِ جود
نہ شخصی فائدہ ہے اس کا مقصد نہ ذاتی سود مندی اس کا مقصود
نہ ہوسکتا ہے اس میں کچھ کم و بیش نہ کرسکتے ہیں اس میں کچھ غتربود
کتاب اس کی نہیں ہے شاخ در شاخ حساب اس کا نہیں ہے سود در سود
یہ خود ہے آپ اپنی شاہدِ کار یہ خود ہے آپ ناقد آپ منقود
پڑھو! پڑھ کر ذرا سمجھو بھی اس کو! ٨ لکھا ہے اس میں سب مذموم و محمود
یہاں تک تو ہوا حال انجمن کا مگر ہے شاعری کا لطف مفقود
یہ ہے تلوار! لیکن زنگ خوردہ یہ ہے آئینہ! لیکن گرد آلود
نہ عبرت اس عبارت سے ہے ظاہر نہ لذت اس حکایت میں ہے موجود
نہ یہ حالِ کلیم اللہ و فرعون نہ یہ ذکرِ خلیل اللہ و نمرود
نہ تعریفِ ضیائے دستِ موسیٰؑ نہ توصیفِ ادائے لحنِ داؤدؑ
پھر اس پر ایک یہ بھی ہے مصیبت ٩ جو کردیتی ہے ہر جذبے کو نابود
اِدھر ہے عیب تکرارِ قوافی ادھر ہیں قافیے معدود و محدود
نہیں معدود و محدود اس کو مانا! مگر سب کب ہیں میرے حسبِ مقصود؟
سبب اک اور اس سے بھی بڑا ہے ١٠ کہ جس سے بے مزہ ہے میری شدبود
کہاں میں؟ اور کہاں جلسے؟ کہاں نظم؟ کہاں میں؟ اور کہاں قرضے؟ کہاں سود؟
میں! اک شاعر ہوں! پھر وہ بھی غزل گو! مرا رنگِ سخن مخصوص و محدود!
جو میرے رنگ کے اشعار ہوتے تو ہوتے ان میں لاکھوں حسن موجود
نہ یہ ہے داستانِ قیس و لیلیٰ نہ یہ وصفِ ایاز و مدحِ محمود
لب و دنداں نہیں ہیں لعل و گوہر دلِ سوزاں نہیں ہے مجمرِ عود
یہاں پروانۂ بے پر نہیں عشق تو ہوگا حسن پھر کیوں شمع بے دود
اشارے میں کہوں کیا حرفِ مقصد کنائے میں کروں کیا شرح مقصود

خیالِ جدتِ تمہید بے کار ۱۱ کمالِ ندرتِ تشبیہہ بے سود!
نہ میری نظم میں گل ہے نہ بلبل　　نہ اس میں کوئی شاہد ہے نہ مشہود
مگر پوچھو کسی شاعر کے دل سے　　کہ ہو موضوع جس دم خشک و محدود
رہے پیشِ نظر پھر صاف گوئی　　ملیں پھر قافیے بھی اس کو معدود
تو پیش آتی ہے کیسی کیسی مشکل؟　　ارادے کیسے ہوجاتے ہیں نابود؟
بہت خونِ جگر کھاتا ہے شاعر!　　نہیں کچھ شاعری حلوائے بے دود!
یہ اک بڑ ہے! مگر اے سننے والو! ۱۲ اگر اس انجمن سے کچھ ہے مقصود؟
تو اتنا اور اک احساں ہو اِس پر!　　خدا رکھے تمھیں خوش حال و خوش نود!
یہ ستر(۷۰) شعر ہیں پڑھنے کے قابل　　ہے ان میں قاری و سامع کی بہبود

نہ دیکھو کچھ! صفی کی نظم دیکھو!
ہوا کرتا ہے پیارا، اصل سے سود!



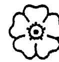
نظم جلسۂ انجمن امداد باہمی

متعلقہ دفتر نظامت صرف خاص مبارک

جیتے جی بھی ہوتے ہیں انسان پر لاکھوں عذاب　　کیا کروں میں ان کی گنتی کیا بتاؤں میں حساب
یک اُن میں قرض وہ بھی قرضِ سودی کی بلا　　جس کو یہ لپٹی ہوا پھر اس کا گھر کا گھر خراب
پہلے تو یہ ہے کہ قرض آسان بھی ملتا نہیں　　بے توسط کون ساہوجی کے ہاں ہو باریاب
باریابی بھی ہوئی تو چاپلوسی چاہئے　　ہو مہاراجہ زباں پر اور کبھی عالی جناب
اک غرض مند ایک بے پروا خدا کی شان ہے　　ہے کبھی آدھی تسلی اور کبھی سوکھا جواب
یہ خوشامد عاجزی گر ہو کسی معشوق کی　　عاشقِ ناکام ہو مقصد میں اپنے کامیاب

پیچ والے کا بھی حقِ سعی ہے ٹھہرا ہوا ۔۔۔ کچھ کما لیتا ہے حسبِ مقدرت وہ بھی ثواب
چیز پر تنخواہ پر جا داد پر قرضہ ملا ۔۔۔ وہ بھی جس کی تین میں گنتی نہ تیرہ میں حساب
ایسے پیاسے کی طرح مقروض کی حالت ہوئی ۔۔۔ دوڑے جو پانی سمجھ کر اور وہ نکلے سراب
سَو(۱۰۰) میں ستر(۷۰) ہاتھ آئے تو بڑی دولت ملی ۔۔۔ اب ہو گیا کم سر کا سودا اور دل کا پیچ و تاب
مطمئن ہونے لیا تھا قرض وہ اک خواب تھا ۔۔۔ فکر ادائی کی گلے ڈالی یہ ہے تعبیرِ خواب
جس کے ہیں مقروض اس کے آگے منہ کھلتا نہیں ۔۔۔ گھر میں رہ جاتی ہے ساری شان و شوکت رعب و داب
ہائے کن کن کو کیا ادبار نے خوار و ذلیل ۔۔۔ لاکھ کے گھر خاک ہیں افلاس کا خانہ خراب
نام دفتر میں۔ پھٹا پانو میں راحت ذہن میں ۔۔۔ ہاتھ خالی اور فتح خاں جیب خالی اور نواب

یہ ہماری زندگی کی نیم رخ تصویر ہے
یہ ہماری داستاں کا ایک ہے چھوٹا سا باب



ایسی حالت میں ہماری رحم دل سرکار نے ۔۔۔ محکمہ قائم کیا اک بے نظیر و لاجواب
باہمی امداد جس کا خاص نصب العین ہے ۔۔۔ فائدہ جس سے اٹھا سکتے ہیں سارے شیخ و شاب
اس کی سالانہ رپوٹیں بھی ہوا کرتی ہیں طبع ۔۔۔ اس کے اغراض و مقاصد کی بھی ملتی ہے کتاب
اس میں لکھے ہیں قواعد بھی بڑی تفصیل سے ۔۔۔ اور تقریریں بھی ہیں حکام کی با آب و تاب
صدر دفتر ہے وہ لیکن پھر ہر اک دفتر میں بھی ۔۔۔ اس کی اک اک شاخ کھولی ہے ز روئے انتساب
چوں کہ اس دفتر میں بھی یہ کام جاری ہو چکا ۔۔۔ ہو چکے ہیں جس سے اکثر کام گار و کامیاب
پہلا سالانہ یہ جلسہ اس کا ہے سنئے رپورٹ ۔۔۔ اب تو روشن ہو گیا کیا ہے خطا کیا ہے صواب
اب یہ ہے دفتر کا دفتر انجمن کی انجمن ۔۔۔ آپ ہی اپنی مثال اور آپ ہی اپنا جواب
میرِ مجلس اور نائب میرِ مجلس معتمد ۔۔۔ ان میں ہر اک بے نظیر و بے عدیل و انتخاب
پھر اراکین و محاسب بھی ہیں اس کے سب امیں ۔۔۔ جوڑتے ہیں پیسے پیسے پائی پائی کا حساب

میں بتاؤں نام کس کا میں سناؤں کس کا وصف
میں کروں کس کو مخاطب میں کروں کس سے خطاب

نام سے کیا، کام سے مطلب ہے دیکھو کام کو
قطرے کو دریا نہ ذرّے کو بناؤ آفتاب

بعض ناموں کی تو گنجائش بھی ہے اس میں محال
اس لئے یہ شجرہ لکھنے سے کیا ہے اجتناب

گر کروں مدح و ثنا تو جتنے انساں اتنے منہ
جتنے ہیں اتنی زبانیں کیا ہے اس کا سدِّ باب

کیوں دلیلیں پیش کر کر کے بنوں میں خود ذلیل
کیوں جواب ان کے ادا کر کر کے ہوں میں لاجواب

پر کا یہ کوّا بنائیں حرف کی یہ داستاں
اور کیا کیا کچھ کہیں واللہ اعلم بالصواب

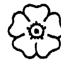
سب سے افضل اور بہتر تو یہی اک بات ہے
وہ دعا مانگیں کہ جو ہوجائے فوراً مستجاب

یا الٰہی دم قدم سے جس کے ہر دم ہے ہمیں
ذوقِ بیداری میسر اور حاصل لطفِ خواب

وہ ہیں حضرت آصفِ سابع رئیس المسلمیں
علم پرور علم گستر رحمدل گردوں جناب

دوست اولاد آل اس کے شاد اور خرم رہیں
ہر جگہ ہوں کام بخش و کامگار و کامیاب

رکھ زمیں پر اس کو یوں سب میں بڑا مالک مرے
سارے سیّاروں میں جیسا آسماں پر آفتاب



نظم

رجب ۲۴ تاریخ ۲۴ شعر ۱۳۵۹ھ (خانہ باغ شہ گنج)

س نظم بلاعنوان کے بارہ شعر ہیں۔ دوسرے حصہ میں قصیدہ معلوم ہوتا ہے کہ جو نواب معین الدولہ بہادر کے کسی فرزند کی شادی کے موقع پر خانہ باغ شاہ گنج میں لکھا گیا ہے۔

ہے دوست مہرباں تو ضرورت حجاب کی
دنیا بدل گئی دلِ پُر اضطراب کی

کیا جانے رند کیفیتِ نشّہ وصال
دیکھی نہیں ہے آنکھ مرے مست خواب کی

جو دل کہیں لگائے اسی سے یہ پوچھئے
ہوتی ہے ایک ایک گھڑی کس عذاب کی

تب قہرمان عشق دکھاتا ہے اپنا زور
چلتی نہیں ہے پیش کچھ افراسیاب کی

دم بھر کو ٹوٹتا ہی نہیں آنسوؤں کا تار
ندی اترتی ہی نہیں چشم پُرآب کی

معنی ہیں اور عشق کی تاثیر اور ہے
سمجھاؤں کیا یہ چیز نہیں ہے کتاب کی

دیکھو جمالِ شمع پتنگے کی آنکھ سے
بلبل کے دل میں ڈھونڈیے عزت گلاب کی

الفت کو کیا نمائشِ ظاہر سے واسطہ
رہتی نہیں ہمیشہ سیاہی خضاب کی

کہتے ہیں جس کو حسن وہ مستور ہی رہا
کس نے حقیقت اس کی بھلا بے نقاب کی

اب یہ جو عرفِ عام ہے دراصل عشق ہے
کرتا ہے پیش آئنہ صورت جواب کی

جن کو خبر ہے وہ تو ہیں خاموش جس طرح
گونگے کا خواب گونگے کو تعبیر خواب کی

تاکید ضبطِ آہ سے منہ بند کردیا
گھرُ کی بڑی ہے عشق جلالت مآب کی

جب حسن اپنی شان سے ہوتا ہے رونما
رہتی نہیں تمیز حضور و غیاب کی

اس بزم میں بھی جلوؤں کی بہتات دیکھنا
خنجر بنی ہر ایک کرن آفتاب کی

یہ دن ہے کامیابی کا نوشہ ہے کامیاب
محفل میں چھاؤں تک نہیں ناکامیاب کی

ایجاب اور قبول کی تاثیر کیا کہوں
لڑ بندھ گئی ہے دل سے سوال و جواب کی

ہر لحظہ ایک حسنِ مجسّم ہے ہم خیال
اب بحث ہی نہیں ہے خطاب و عتاب کی

یہ سب طفیل کس کا ہے سرکارِ کا طفیل
اک دل لگی ہے بارگہِ مستطاب کی

ہیں عشق و حسن دونوں بھی شرمندۂ کرم
قربان ہیں دعائیں مجیب و مجاب کی

ممکن نہیں ہر ایک سے دو دل کا جوڑنا
سرکار کو جزا ملے اس انقلاب کی

یہ پرورش کے ڈھنگ ہیں یہ پرورش کے رنگ
ہے آج صرفِ مدح زباں شیخ و شاب کی

میں بھی امیدوارِ عطا ہوں عطا جو ہو
لے لوں بلائیں ہر نظرِ انتخاب کی

ان کی عطا کے آگے ہے فکرِ زمانہ کیا
دریا کے آگے کیا ہے حقیقت سراب کی

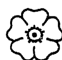
میرے یہ شعر آپ ہی اپنا جواب ہیں
جس طرح آفتاب دلیل آفتاب کی



مندرجہ ذیل نظم بلا عنوان ہے جس کے ۲۴ شعر ہیں

اب کہاں ہے وہ رنگِ لیل و نہار ہائے اے آسمان کج رفتار
نہ تو وہ لوگ ہیں نہ وہ باتیں نہ وہ عادات ہیں نہ وہ اطوار
رہ گئیں ہیں کہانیاں باقی جن کے مضمون سے ہمیں ہے عار
واقعہ من گھڑت بنا افسوس کام کی چیز ہوگئی بے کار
وہ رئیس اب کہاں زمانے میں جن کے دربار کو کہیں دُربار
وہ امیر اب کہاں ہیں دنیا میں جن کو لکھیں حضور فیض آثار
اشرفی جن کے پاس وہ اشراف بر سرِ کار جو ہیں وہ سرکار
نام لکھنا بھی جن کو یاد نہیں کیا کہوں ان کے علم کا معیار
وہ بہادر کہ چیخ کر اٹھیں خواب میں بھی جو دیکھ لیں تلوار
اور کہنے کو کیا؟ فلانے جنگ نام سننے سے جن کا آئے بخار
اور ایسے سخی کہ سائل کو دیں نہ اک حبہ، گالیاں دیں ہزار
ایسے نیچے خیال کے انسان اور اونچی مکان کی دیوار
موم دل کیا ہوں ایسے مکھی چوس شہد کھائیں نہ خود- جو ہوں بیمار
ٹھوکریں ماریں ایسے نیک روش دل کے ٹکڑے کریں وہ خوش گفتار
پانو میں بوٹ آنکھ پر عینک ہاتھ میں بید اور منہ میں سگار
علم دینی ہے اس اجالے کا کہ پڑھیں مقبروں میں استغفار
ہائے اب ہم کہیں تو کس سے کہیں؟ ''کار درویش مستمند برآر''
اُن کو اپنے سگے عزیز نہیں غیر تو غیر اس کا کس میں شمار
ہیں وہ محتاج تھڈیوں کے لئے کون؟ تسکین دے جو اُن کو اُدھار
رحم کھائیں نہ یہ کسی پہ کبھی ہے تو استاد ان کا ساہوکار

یہ مہاجن بھی بغل میں لئے — بس ہمیشہ ہے ان کے سر پہ سوار
چوں اگر کی تو دعویٰ ٹھونک دیا — آ پڑی کچھ جو سود کی تکرار
ہاں وکیلوں سے یہ بہت خوش ہیں — ان کو سو کی جگہ بھریں گے ہزار
ایسے مرجائیں تو خدا جانے — کیا قیامت اٹھائیں زیرِ مزار
یہ تو مُردوں کو بھی ستائیں گے — ایسے ناقابل ایسے ناہنجار
اٹھ گئی جب کہ قدرِ علم و ہنر — کس سے اس کا کرے کوئی اظہار
اور کچھ ہے تو ہے غریبوں کو — ہیں جو بے چارے آپ ہی نادار
قدر مفلس کی کیا کرے مفلس — "خفتہ را خفتہ کَے کند بیدار"
کہو پھر کس کی ہم کریں تعریف — جھوٹ کہنے سے کیا نہ آئے عار
رنج کھا کھا کے تنگ آیا ہوں — خون پی پی کے ہوگیا بے زار
کروں اب اپنی کچھ دوا درمن — کہ نہ پیدا ہو اور کچھ آزار
فکر تیری بھلا کروں کب تک — تجھ کو موت آئے اے دلِ بیمار
تیرے بہلانے کو پڑھے ناول — تیرے سمجھانے کو پڑھا اخبار
تجھ کو میں نے لہو پلایا ہے — پھر بھی اب تک ہے تشنۂ دیدار
تیری تفریحِ طبع کی خاطر — کچھ حسینوں کو بھی کیا ہے پیار
عشق کا بھی مزہ چکھایا تجھے — تار ہے لطفِ زندگی سے دوچار
لخلخہ زلف کا سنگھایا تجھے — کہ ہو تیرا دماغ بر سرِ کار
وہم سایہ سپٹ کا بھی کچھ تھا — تو کیا ہم نے نقش - پائے یار
آتشِ حسن نے تجھے سینکھا — کہ کہیں دب گئی نہو کچھ مار
دامنِ وصل کی ہوا بھی دی — کہ اتر جائے کچھ تو تیرا بخار
داغِ فرقت بھی دے کے دیکھا تجھے — کہ یہی تھا علاج آخر کار
تو بھی اچھا نہیں رہے گا کبھی — "اے زبردست زیردست آزار"

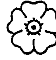


(بہ تقریب شادی "مرزا سردار")

آیا آبان آئی طرفہ بہار | نظر آتی ہے ہر گلی گل زار
ابر ہے آسمان پر چھایا | لطف دیتی ہے ہلکی ہلکی پُھوار
طوطیوں کے ترانے ہیں ہر سو | نغمے بلبل کے ہیں ہزار ہزار
چہچہے طائروں کے ہیں اک سمت | اور موروں کی ایک سمت پکار
ٹکڑیاں ٹکڑیاں بطیں ہیں اِدھر | اور بگلے اُدھر قطار قطار
پتی پتی ہے باغ کی سرسبز | ڈالی ڈالی چمن کی صاحب بار
پودے پودے پہ دل کشی صدقے | غنچے غنچے پہ دل بری ہے نثار
نہیں لالے کو آج جوششِ خوں | چشمِ نرگس نہیں ہے اب بیمار
وجد میں خانقاہ میں صوفی | رقص میں مے کدے میں ہے مے خوار
یہ سماں اور ہائے یہ موسم | اب کسی دل کو کس طرح ہو قرار
نہیں اپنے میں کوئی عیش پرست | نہیں نچلا کوئی طبیعت دار
دیکھئے جس کو شاد و خرم ہے | ملئے جس سے وہ بے پئے سرشار
مجھ کو دہری خوشی ہے آج کے دن | اپنے صدقے ہوں صورتِ پرکار
وہ خوشی جس کو کہتے ہیں شادی | سنتِ خاصِ سیدِ ابرار
میرے اس دوست کی یہ شادی ہے | نام جس کا ہے "میرزا سردار"
ہے اقارب پہ اُس کا خاص اثر | دوستوں میں ہے اس کا خاص وقار
جمع ہیں دوست بھی اعزہ بھی | آج دل شاد ہیں صغار و کبار
بزم یہ بزمِ جم سے بہتر ہے | شاہدِ حال ہیں در و دیوار

نہیں نغمہ ہی وجہ گرمیٔ بزم
حسن کی بھی ہے گرمیٔ بازار

دل سے اس دم دعا نہ نکلے کیوں
کیوں نہ ظاہر ہو واجب الاظہار



شاہدِ رویت

ہلال ربیع الآخر ۱۳۶۰ھ

یہ چھوٹی سی نظم دل چسپ ہے۔ چاند کو دیکھ کر شاعر کو محبوب کا چاند سا چہرہ یاد آجاتا ہے

چاند دیکھا ربیعِ آخر کا
کیا نکیلا ہے، کیا منوّر ہے

دیکھ کر اِس کو دیکھتے ہیں غنم
رسم دنیا کی یہ مقرر ہے

سال میں ایک بار اُس کی حیات
ایک ساعت کے اندر اندر ہے

اور ہر وقت، ہر گھڑی، ہر دم
دید تیری ہمیں میسّر ہے

ہر مہینے اسے زوال و عروج
کبھی گھٹ کر، کبھی یہ بڑھ کر ہے

اِس کا مظہر زمین کی گردش
جس کی اتنی پکار گھر گھر ہے

اِس کو دیکھیں سلام تجھ کو کریں
یہ ہے بہتر کہ تو ہی بہتر ہے

یہ ہے مجبور وقت کا پابند
تو ہے مختار، بندہ پرور ہے

یہ کہیں ہے کہیں نہیں ظاہر
واسطے سب کے تو برابر ہے

تیرا دیدار، رات دن حاصل
اِس کا جلوہ جو ہے گھڑی بھر ہے

تو ہے نزدیک اور دور ہے وہ
تو زمیں پر وہ آسماں پر ہے

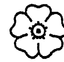


منظوم خط

(حضرت صفیؔ نے اپنے ایک دوست فیض الدین کے مشورہ کے جواب میں یہ نظم کہی۔ موصوف نے شاید یہ کہا تھا کہ تخلص صفیؔ کچھ ٹھیک نہیں ہے۔ اس کو بدل نے کا مشورہ دیا تھا جس کا جواب یہ منظوم خط ہے۔)

نیّرِ آسماں بہارِ زمیں　　میرے محسن جنابِ فیض الدیں
آپ کے فیض سے نہیں خالی　　دامِ صیاد و دامن گل چیں
مشورہ آپ نے جو مجھ کو دیا　　کہ تخلص ''صفی'' تو خوب نہیں
شکریے کو زباں کہاں سے لاؤں　　مجھ کو آتی نہیں چنان و چنیں
خوب آنکھی ہے میرے عیب کی بات　　آپ کی آنکھ پر ہے سو تحسیں
سنیے سچ سچ بیان کرتا ہوں　　آئے اب یا نہ آئے اس کا یقیں
کی بہت غور، دیر تک سوچا　　لفظ ایسا تو سوجھتا ہی نہیں
آپ ہی کہیے کیا تخلص ہو　　جس کی اچھائیاں ہو مہر مبیں
ہو اچھوتا بھی عام فہم بھی ہو　　نہو تانیث جس طرح تمکیں
ہو سہ حرفی اگر تو اچھا ہے　　چار حرفی بھی ہو تو عذر نہیں
اور مشتق نہو یہ یاد رہے　　یعنے جامد ہو اور بیاں سے قریں
لفظ مفرد ہو جوڑواں بھی نہو　　پھر تو راضی ہے یہ نیاز آگیں
چار حرفی جو ہو نہو موقوف　　شرط بس آخری ہے یہ دسویں
جس کے پڑھتے ہی چیخ اٹھیں عاشق　　جس کے سنتے ہی لوٹ جائیں حسیں
جو خود آرا ہوں اُن کو خاتم ہو　　اور خاتم کے واسطے ہو نگیں
دل کو بجلی نظر کو تیرِ بلا　　عشق کو تلخ حسن کو نمکیں
جسمِ انساں میں جیسے آنکھ کا حسن　　آنکھ میں ہو جو مردُمک آگیں

کام آنے میں تیشۂ فرہاد نام پانے میں غمزۂ شیریں
جو بنے طوطیائے چشم کور جو رہے انبساطِ جانِ حزیں
اہلِ دل اس کو اپنا دل سمجھیں اور دل سمجھے موجبِ تسکیں
جس سے حسرت میں ہو مصقّلِ روم جس سے حیرت میں ہو مصوّرِ چیں
الغرض قصہ مختصر یہ ہے آپ جو کہیے میں کہوں آمیں
زندگی بھر نیاز مند رہوں آپ کا آستاں ہو میری جبیں
آپ فرمائیں داد بھی دیجے میں کہوں واہ ، مرحبا ، تحسیں



”من نمانم ایں بماند یادگار“

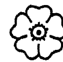
(بحرِ مثنوی)

(اس نظم میں زمانہ کا شکوہ اور دنیا کی مکاریوں کا ذکر ہے۔ اور دورِ آخر میں اپنے چند دوستوں کے نام کے ساتھ ان کی خوبیوں کی سراہنا کرتے ہوئے اپنے پر بھی دلچسپ ریمارکس کیے ہیں۔)

الاماں اے آسمانِ بدشعار تو نے پہنایا ہے داغِ غم کا ہار
اف ری تیری تفرقہ پردازیاں ہند میں بکتے ہیں کابل کے انار
وصلِ دل بر سے کوئی بے حد ہے خوش ہے شبِ فرقت کوئی اختر شمار
مولوی و مسٹر و شاعر حکیم تو نے کر رکھے ہیں اک پیسے میں چار
دوستوں کی دوستی ہے بوئے گل دشمنی دشمن کی ہڈی کا بخار
بھاگتے ہیں مکھیوں سے عنکبوت اب ہرن کرتے ہیں شیروں کا شکار
ہائے کیا الٹا زمانہ آگیا ”ایلوا“ اور نام اس کا گھی گنوار
بے وفاؤں کا تصور بے وفا آنکھ اِدھر جھپکی اُدھر تھا وہ فرار

نیک و بد کا بھی پریکھا اُٹھ گیا — الغیاث اے انقلابِ روزگار
ہتھکنڈوں سے اس زمانے کے کبھی — ''نا سزائے راچو بنیٔ'' بختیار
سچ ہے مجبوری بھی ہوتی ہے بُری — عاقلاں تسلیم کردند اختیار
ایک جانب شیشہ و ساغر کی لام — ایک جانب مے پرستوں کی قطار
کہنا ساقی کا کہ ہاں چھک کر پیو — مجھ کو دے دے گا مرا پروردگار
روزہ بھی اس طرح کا روزہ رکھا — بوند بھر پانی پہ تھا سارا مدار
نشہ کا کہنا مجھے سر پر چڑھا — عقل کا کہنا اسے دل سے اُتار
کہہ کے بسم اللہ جب رکھا قدم — لگ گئی میرے گلے بادِ بہار
بلبلوں کا عندیہ شور و فغاں — گل کا مقصودِ دلی سولہ سنگھار
اشرفی کے جھاڑ اوگے باغ میں — باغ باں بھی بن گیا اک مال دار
اُس طرف لالے کا چہرہ سرخ سرخ — اِس طرف نرگس کی آنکھوں میں خمار
دوسرے پر ایک کا قابو نہیں — درد بھی اٹھتا ہے تو بے اختیار
بارشِ رحمت ہوئی ہے اس قدر — اب تو دل میں بھی نہیں آتا غبار
زحمتِ خاطر پہ رحمت ہوگئی — ایک نکتے میں ہوئے سو کے ہزار
یاد کرتی ہے ہوائے فصلِ گل — ہچکیوں کے بدلے آتی ہے ڈکار
اس طرف کو کیپٹن پاشو میاں — دور اندیش و خلیق و بردبار
اُس طرف کو میرزا محبوب بیگ — دوستوں کے حق میں سچے جاں نثار
ایک جانب جلوہ فرما غوث بیگ — اک طرف اک صاحبِ عالی وقار
کون وہ دشمن کش و احباب دوست — کون وہ قادر علی خاں دوست دار
جس پہ سو دل دل سے میں صدقے کروں — لاکھ جانیں ہوں تو میں کردوں نثار
بس یہی ہے ایک اپنی زندگی — اس کو اچھا رکھ مرے پروردگار
ہاں محمد غالبِ فرخندہ خو — دوست اوروں کے تو میرے رازدار

اور جمال الدین ذی عقل و ذکی ذی مروت رتبہ دان و شرم سار
اور فخر اللہ خاں فخرِ جہاں صلح کل مردم شناس و پاس دار
ہاں محمد خواجۂ شبلی شیم ہیں جو صرف و نحو کے سر رشتہ دار
سب کی سب کے ساتھ اپنی تو کہو اے صفیؔ تم کون سے ایمان دار
آج گائیں آپ کی کل اور کی تم سے رندوں کا بھلا کیا اعتبار
اور اس پر کام میں چالاک و چست ہو ضرورت سے زیادہ ہوشیار
اب جو کرتا ہے دعا یہ کمتریں سب کہیں آمین اے پروردگار
اپنے نیک و بد کی کس کو ہے تمیز مرنے جینے کا ہے کس کو اعتبار
اتحاد اے سامعیناں اتحاد ہوشیار اے ہم نشیناں ہوشیار
میری محنت کام آئی آج کو سچ تو ہے یہ داشتہ آید بہ کار
ہاں کسی کی کون سنتا ہے صفیؔ ہاں پرائے دل پہ کس کو اختیار
ایں ہمہ، ہیچ است چوں می بگزرد بخت و تخت، امر و نہی و گیرودار

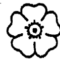


نظم دل کشا (۱۳۴۵ھ)

(بہ تقریب شادی ریاست علی)

رسوم میں جو خدا کو بھولا، تو پھر ہو کیا خوش گوار شادی ہمیں نے دیکھا ہزار دولہا، ہمیں نے دیکھی ہزار شادی
جو خرچے پیسا کھلے خزانے، کہ عقل دی ہی نہیں خدا نے فضول خرچی ہوئی تو جانے، بڑی ہوئی زور دار شادی
ہے مقنعہ منہ پہ جو سنہرا، چھپالیا ہے اُسی نے چہرا پھر اور طرّہ ہے اس پہ سہرا، ہے سر پہ گویا سوار شادی
جو سر پرستوں کا حال دیکھا، یہی بس اُن کا خیال دیکھا کہیں جو مال و منال دیکھا، تو کردی بے اختیار شادی
ہوئے تو کیا دوست آشنا خوش، ہوا تو کیا خاک سب جتھا خوش رہے میاں بیوی دونوں ناخوش، تو پھر رہی در کنار شادی
کرو نہ یہ کام بے ضرورت، خلافِ عقل و خلافِ فطرت کہے گی ورنہ تمام خلقت، اُدھار دُلہا اُدھار شادی

درست ہے "ہر کہ زن ندارد"، بجا ہے "آرام تن ندارد" ہو دل سے آوارہ پن ندارد، اگر رہے خوش گوار شادی
نہو، اگر ہو تو قرض کم ہو، اُٹھاؤ بوجھ اس قدر کہ دم ہو بجائے شادی ہمیشہ غم ہو، کرے اگر زیر بار شادی
اِسی سے ہر دم چہ غم میں گذرے، اِسی سے ناز و نعم میں گذرے اسی سے ہر وقت غم میں گذرے، اگر ہو بے اختیار شادی
اِسی سے دونی ہو گھر کی زینت، اِسی سے ہو دور ساری کلفت امیر کو وجہِ عیش و عشرت، غریب کو پردہ دار شادی
بہت سی بدکاریاں چھڑادے، بشر کو یہ آدمی بنادے یہ پردے آنکھوں سے سب اُٹھادے، نہ رکھے غفلت شعار شادی
کرائے کاہل سے یہ مشقت، سکھائے یہ نوکری تجارت دکھائے مفلس کو راہ دولت، جمائے سب کاروبار شادی
ٹلائے لاکھوں بلائیں سر سے، لگائے یہ بے گھرے کو گھر سے بچائے اسرافِ بد اثر سے، بنائے پرہیز گار شادی
یہی ہے دنیا کی زندگانی، یہی جوانی کی ہے نشانی بہار ہے عمر کی جوانی، جوانی کی ہے بہار شادی
خوشا مقدر جو گھر سے خوش ہے، ہر ایک اُس خوش سِیَر سے خوش ہے خدا بھی ایسے بشر سے خوش ہے، کرے وہ گو ایک بار شادی
میسر اس سے ہو گھر کی راحت، سکون دل کا جگر کی راحت حصول ہو عمر بھر کی راحت، دلائے وہ غم گسار شادی
ہماری اولاد اس سے قائم، ہماری اجداد اس سے قائم ہماری بنیاد اس سے قائم، ہماری سررشتہ دار شادی
جہان کی کون اس سے قائم، اُس آن کی شان اِس سے قائم ہے نسلِ انسان اس سے قائم، ہے کس قدر ذی وقار شادی
نہ عیش ہے کوئی اس سے بہتر، نہ دین و دنیا کا اس میں کچھ ڈر جو سنتِ حضرتِ پیمبر، تو حکم پروردگار شادی
نہیں ہے بے کار یہ ضمیمہ، بھلائیوں کا ہے پیش خیمہ ضرور ہو دعوت ولیمہ، اگر کرے دین دار شادی
ستارے پھول اور کلی بنے ہیں، حسود کو بے کلی بنے ہیں بنا ریاست علی بنے ہیں ہے وجہ صد افتخار شادی
نہ اس میں مہندی نہ اس میں ساچق، نہ اور بدعت ہے اس میں مطلق جہاں ہو شادی کی شرع رونق، تو کیوں نہو سازگار شادی
صفی کی ہر بات ہے نرالی، خیال اعلیٰ ہے فکر عالی یہ نظم کب ہے اثر سے خالی، کہ خود ہے اک مستعار شادی



مژدۂ وصل

(بہ تقریب شادی شرف الدین)

زہے نشاط یہ فرحت فزا گلوں کی شمیم زہے طرب کہ یہ ٹھنڈی ہوا سحر کی نسیم
ہر ایک کوچہ ہے انبارِ گل سے غیرتِ خلد گلی گلی ہر اِک رشکِ باغ ابراہیم
مسرت ایسی مسرت، خوشی بھی ایسی خوش ہے اس زمانے میں مدقوق کی بھی نبض عظیم

مگر سبب نہ کھلا کچھ، کہ واقعہ کیا ہے؟ کسی نے کی جو نہ پوری طرح مری تفہیم
زیادہ اور ہوئی فکر، کی بہت کوشش کھلی نہ فال کوئی، گرچہ دیکھ لی تقویم
کہا یہ دل نے کہ ہے کچھ بسنت کی بھی خبر اسی پہ آپ کو دعویٰ ہے یہ کہ میں ہوں حکیم
ہے آج تہنیتِ عقد، اس مکرم کی کہ جس کی ہوتی ہے احباب میں بہت تعظیم
عقیل و عاقل و مردم شناس و خوش اوقات خلیق و نیک روش، قدرداں، شریف و فہیم
وہ کون، وہ کہ کہیں نام جس کا شرف الدین کہ جس کا طرز عمل زاہدوں کو دے تعلیم
نوید یہ جو سنی میں نے بس ہوا یہ شوق کہ ہے مرا بھی تو ممدوح مہربان قدیم
لکھوں وہ مطلع پرنور مدح حاضر میں کہ اہل بزم پہ چھا جائے بے خودیِ کلیم
تو وہ ہے لائقِ تعریف و قابلِ تعظیم مطلع۲ کہ اک ہوا ہے ترے بادکش کی باد نسیم
لکھے کوئی تری مدحت تو کیا لکھے کوئی جو لکھنے والے کی مدحت ہو اک کتابِ ضخیم
تجھے یہ آج کا دن ہے وہ دن کہ اے نوشاہ مرادیں مانتے ہیں جس کی شاہِ ہفت اقلیم
ترا یہ عقدِ مبارک تجھے مبارک ہو کہ تو نے کی ہے ادا سنتِ رسولِ کریم
بلائے چرخ کو یہ خوف ہو ترا دل میں ادب سے جھک کے بجا لائے دُور سے تسلیم
فراق بھی ہو تجھے تو نہو تمیز فراق کہ جیسے ہو گیا پھر چاند، ایک، ہو کے دو نیم
کرے جو تجھ کو پریشان وہ پریشاں ہو خوشی کی نے (خ) کو بدلجائے صاف رنج کی جیم
عدو ہو درپئے ایذا جو تیرے ہونے دے تو پاک باش برادر مدار از کس بیم
ہمیشہ عشرت و راحت میں ہو بسر تیری بحق سورۂ طٰہٰ و سورۂ حٰم

ترقیوں پہ ہو اقبال، روز افزوں ہو
ہو تیرے ساتھ صفی بھی نیاز مند قدیم



قصیدہ

یہ قصیدہ کم سے کم چالیس پچاس شعر کا مولوی دلاور علی صاحب صفدری مرحوم ساکن عطاپور کی شادی میں لکھا گیا۔ گم ہو جانے سے بر بناء یادداشت لکھ لئے گئے۔ ۱۹/ بہمن ۱۳۲۹ف

خزاں نے سیکڑوں گلشن میں رنگ بدلے ہیں
رہے مگر گلِ مضموں ہمیشہ پھول کے پھول

جنابِ شیخ کی جاگیرِ زہد ضبط ہوئی
کترتے بیٹھے ہیں اب کاغذی نقول کے پھول

کئی دنوں میں یہ منت مراد بر آئی
اثر دعا کے بنے ہیں درِ قبول کے پھول

نہیں ہے نرگسی چشمِ عدو سے یرقانی
یہ پیلے پیلے ہیں گویا کہ دو ببول کے پھول

عجیب گل ہیں گلِ نقش پائے عمرِ رواں
ہم ان کو سمجھے ہیں افسوس خاک دھول کے پھول

ذرا یہ خندۂ گل دیکھنے کے قابل ہے
خوشی میں کہتے ہیں کیا آج پھول پھول کے پھول

ضرور ان میں ہے اغیار و یار کی تخصیص
صفؔی کے شعر ہیں کانٹوں کے کانٹے پھول کے پھول



نامکمل قصیدہ

یہ بہت بڑا قصیدہ جناب اشرف الدین صاحب اشرف کی شادی میں ۱۳۳۴ھ میں لکھا گیا تھا۔ گم ہو جانے سے جو کچھ بے سلسلہ شعر یاد آ گئے بطور یادداشت قلم بند کر لئے گئے۔ (صفؔی) ۱۹/۳/۱۳۲۹ف

کیا کروں اے دلِ آشفتہ و مایوس و علیل
ہاں کچھ اب تو ہی نکال اپنے بہلنے کی سبیل

تیری جو بات ہے عالم میں نہیں اُس کی مثال
تیرا جو کام ہے دنیا میں نہیں اُس کا عدیل

کیا تری وجہ سے رسوائے زمانہ ہو کوئی
کیا ترے واسطے ہو جائے کوئی سب میں ذلیل

گو تری ملک نہیں ہے یہ سکون و آرام — اس کے دینے میں بھی یہ بخل ہے؟ اللہ رے بخیل
بارہا تیری امیدوں کی ہوئی یک سوئی — سیکڑوں وقت ہوئی آرزووں کی تکمیل
ہم نے جس طرح ترے ناز اٹھائے ظالم — حکم حاکم کی بھی کرتا نہ کوئی یوں تعمیل
تو بلاؤں میں گھرا ہم نے دیا ساتھ ترا — تُو نے کچھ جرم کیا بن گئے ہم تیرے وکیل
نیچ اونچ ایک نہ سوجھی کبھی یاری میں تری — دیکھی ارمان کی خندق نہ تمنا کی فصیل
تو نے وحشت کی لی جنگل میں منائے منگل — آگ کے پھول کو سمجھا کیے گل زارِ خلیل
شعر اچھا جو سنا ہوگیا از خود رفتہ — حسنِ صورت سے زیادہ ہوا حسنِ تخئیل
اشک خونی سے جو دامن کو مرے آگ لگے — مے کو پھر آتشِ سیال سے کیوں دوں تمثیل
ایسی حالت میں بھی تو ہاتھ بٹایا تیرا — جب کہ وحشت میں گریباں نہ ہو دامن کا کفیل
تجھ کو انسانوں سے عار آدمیوں سے نفرت — ہم تو سنتے تھے کہ الجنس الی الجنس یمیل
تیرے ہاتھوں سے تو توبہ نہ ہوئی میری قبول — آیا آنکھوں پہ ورم پڑ گئے رخسار میں نیل
تھا سہولت کا کوئی کام لگائی جلدی — وقتیہ بات تھی کوئی تو ہوئی اس میں ڈھیل
صاف ظاہر ہے کہ دشمن ہے بغل میں گویا — مدعی کا رہے مجرم کے مکاں میں جو وکیل
تیرا پرہیز ہے دنیا سے نرالا پرہیز — غم کے کھانے میں ہے کثرت تو غذا میں تقلیل
گھیر کر مجھ کو پڑھاتا ہے محبت کا سبق — واہ واہ واہ رے استاد تری قال و قیل
تیری مانوں بھی تو کس طرح سے مانوں ناداں — صرف دعویٰ ہے نہ برہان نہ حجت نہ دلیل
تیرا مذہب ہے جدا تیری عقیدت ہے الگ — نہ یہودی نہ نصاریٰ نہ بنی اسرائیل
قصہ کوتاہ کیے تو نے جو کچھ مجھ سے سلوک — عمر بھر مجھ سے نہ ہوگی کبھی اس کی تفصیل
دل من داند و من دانم و داند دل من — محض بے کار ہے بے سود ہے اس کی تاویل
غیب سے مل گئی آخر مرے دعوے کی دلیل — مطلع بن گیا نور سحر شاہد اللہ جمیل
باغ یاں پھول گیا لے کے زرِ گل ایسا — کچھ بھی مطلب نہیں قارون سخی ہو کہ بخیل
باغ کی سیر سے اس طرح سے جی سیر ہوئے — لوگ کھاتے ہیں ہوا بھی تو بمقدار قلیل

اس مسرت میں ہر اک سرخ و سپید ایسا ہے
جس کی مل سکتی ہے کچھ لالہ ونسریں سے دلیل

پھول کا پھل کا اک انبار ہے کل شاخوں پر
ڈالیاں کرتی ہیں گویا عملِ جرِ ثقیل

پرتوِ مہر نے نرگس کو لگایا کاجل
نہ دھواں بن کے ہوا قطرۂ شبنم تحلیل

بیچ میں بلبل و گل کے جو اچھل پڑتا ہے
کہیے یہ کون ہے فوّارہ نہ قاضی نہ وکیل

دے سکے کون بھلا دخل قصیدے میں مرے
قافیے میں بھی یہاں آ نہ سکا حرف دخیل

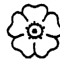
حاصل سیرِ گلستاں جو کہو تو یہ ہے
خطِ گل زار میں لکھا ہے کہ اللہ جمیل

زر بھی نکہت بھی تبسم بھی اسی میں سب کچھ
دہنِ غنچہ ہے یارب کہ عمرو کی زنبیل

یاد خالق سے پرندے بھی نہیں ہیں غافل
لوگ کہتے ہیں کہ ''یٰسین'' کہا کرتی ہے چیل

نہ عروضی ہوں کوئی میں کہ تجھے سمجھاؤں
فقر ، اضماء ، ستر ، جبن ، ترفیل

شاذ ہوتا ہے کہیں ظاہر و باطن یکساں
پوستِ ہیل کے ہم رنگ نہیں دانۂ ہیل



نظم ولیمہ

یہ نظم اپنے قریبی دوست عمر بن صلاح یافعی کے چھوٹے بھائی محمد بن صلاح یافعی کے ولیمہ میں سنائی تھی۔ شادی ۴/ شعبان ۱۳۴۵ھ یکشنبہ کو ہوئی تھی اور ولیمہ عمر یافعی مرحوم کے مکان متصل بیگم کی مسجد روبرو مکہ مسجد مقرر تھا۔ (کلام صفی غیر مطبوعہ۔ مرتبہ محمد نورالدین خان)

ہے عجب طرفہ تماشا جسے دنیا کہیے
اس میں سچے کا مرن ہے تو بھلا کیا کہیے

بزمِ شادی اسے کہیے تو یہ ہے سچی بات
شاعری ہے جو اِسے اِس سے زیادہ کہیے

بزمِ انجم اسے ٹھہرایئے تو ہے تشبیہ
سب کہیں گے یہ طریقہ ہے پرانا کہیے

خوان یغما جو کہیں خوان کو تو پس خوردہ
لوگ سچ سمجھیں اگر کہیے تو ایسا کہیے

کہیے روٹی کو جو رشکِ مہ و خورشید تو پھر
شاہ کاسہ کو نہ کیوں گنبد خضرا کہیے

کہیے پانی کے کٹورے کو جو حوضِ کوثر — کیوں نہ بریانی کو رشکِ من و سلوا کہیے
تارِ مسند کو بنا دیجے شعاعِ خورشید — اور مسند کو تو خورشید سے اچھا کہیے
یہ کوئی کہنے میں کہنا ہے الٰہی توبہ — ایسے کہنے کو تو چوں چوں کا مربّا کہیے
یعنے تحقیر کسی شئے کی اگر ہو منظور — یدِ بیضا کو ہتیلی کا پھپولا کہیے
ہو بڑھانا ہی کسی شے کا اگر مدِ نظر — بالا خانے کو تو پھر عالمِ بالا کہیے
دل نشیں ہو جو پری رویوں کی تعریف تو پھر — ایسی صحبت کو تو اِندر کا اکھاڑا کہیے
باغ میں مردہ دلی دور اگر ہو جائے — نکہت گل کو بہارِ دمِ عیسیٰ کہیے
گوش شنوا ہو تو پھر گل کو سمجھیے بہرا — چشمِ بینا ہو تو آئینے کو اندھا کہیے
دہن و عارض و گیسو کی ہو تعریف اگر — اسے شیریں اسے عذرا اسے لیلا کہیے
زرِ گل نکہتِ گل جلوۂ گل کی تشبیہ — حسنِ یوسف دمِ عیسیٰ ید بیضا کہیے
کیجئے پابندیٔ الفاظ سے انصاف کا خون — ہو فرنگی کوئی کالا بھی تو گورا کہیے
ہاں مگر اپنی طرف سے تو نہ کہیے کچھ بھی — یعنے جیسا جسے کہتی ہے یہ دنیا کہیے
یہ عنایت ہے کسی بد کو اگر کہیے نیک — یہ شرافت ہے برے کو بھی جو اچھا کہیے
اس نئی روشنی میں اس قدر اندھیر صفیؔ — دوسرا ہو تو اسے کہیے تمھیں کیا کہیے
ہو جو تاثیرِ سخن میں اسے جادو گنیے — طبع آجائے روانی پہ تو دریا کہیے
کیوں گلِ داغِ جگر کو مہِ کنعاں لکھیے — بختِ خوابیدہ کو کیوں خوابِ زلیخا کہیے
فائدہ کیا ہے جو شوقِ دلِ مجنوں لکھیے — واسطہ کیا ہے جو وصفِ رخِ لیلا کہیے
گنجلک کہنے ہی میں ہے جو کوئی استادی — نہ قصیدہ نہ غزل صرف معما کہیے
بات غالبؔ کی جو تھی ساتھ گئی غالب کے — زیب دیتا ہے اُسے جس قدر اچھا کہیے
اب میں کہتا ہوں کہ لیجے مرا کہنا سنیے — یہ نہیں عرض کسی سے مرا کہنا کہیے
بات کہنے میں اگر وقت گزر جاتا ہے — آپ ہی سوچ کے کہیے کہ بھلا کیا کہیے
یہ محمد کی ہے شادی کہ جو ہے ابنِ صلاح — اور دعوت یہ وہ ہے جس کو ولیما کہیے

مجھ سے نوشاہ سے نوشاہ کے بھائی سے خلوص ۔۔۔ جس قدر آپ سمجھیے اسے جتنا کہیے
مجھ سے دونو میں کسی نے بھی نہ کی فرمائش ۔۔۔ ہاں مگر تھا یہی لوگوں کا تقاضا کہیے
اور تاکید پہ تاکید تھی ہر دم جاری ۔۔۔ زور دے کر یہی کہتے تھے کہ اچھا کہیے
اور یہ میں کہ بھلا اپنی کروں کیا تعریف ۔۔۔ کوئی کہہ دے جو مری شادی کا سہرا کہیے
دوستانے ہی کو دے دیتا ہوں میں استعفیٰ ۔۔۔ اب مجھے آپ برا کہیے کہ اچھا کہیے
کار و افکار کا یہ رنگ کہ ''گویم مشکل'' ۔۔۔ مشق بالکل نہیں اس پر مجھے جھوٹا کہیے
یہ تو اک شکل ہوئی اور ''نہ گویم مشکل'' ۔۔۔ آپ سے طالبِ انصاف ہے بندہ کہیے
نہ ہو تحریر کی فرصت تو بھلا کیا لکھیے ۔۔۔ نہ ہو تقریر کی طاقت تو بھلا کیا کہیے
ہاں گئی جس کی عنایت سے مری مردہ دلی ۔۔۔ اس کے کہنے کو حریفِ دمِ عیسیٰ کہیے
اب ہوئی سوچ کہ سنگ آمد و سخت آمد ہے ۔۔۔ دل میں جو بات ہے آخر اسے کیسا کہیے
کبھی فرصت کا اشارہ کوئی سہرا لکھیے ۔۔۔ کبھی غیرت کا تقاضہ کہ قصیدہ کہیے
کبھی تفتیش کہ لکھیے بھی تو کیا کیا لکھیے ۔۔۔ کبھی تشویش کہ کہیے بھی تو کیا کیا کہیے
کبھی یہ فکر کہ تزئینِ سخن کی خاطر ۔۔۔ خوب جی کھول کے نوشہ کا سراپا کہیے
بال کو کہیے وبالِ دلِ حورانِ بہشت ۔۔۔ رشکِ ظلمات و حریفِ شبِ یلدا کہیے
زلف کو جل متیں، سنبل و عقرب لکھیے ۔۔۔ کافر و طرہ طرار و چلیپا کہیے
سرِ نوشاہ کی تشبیہہ ہو منظور اگر ۔۔۔ آسماں اور اسے خیمۂ لیلا کہیے
مانگ کو لکھیے کہ ہے جادۂ راہِ ظلمات ۔۔۔ اور پھر کاہ کشانِ شبِ یلدا کہیے
آنکھ کو مانیے صد غیرتِ چشمِ آہو ۔۔۔ چشمِ آہو نہ سہی غیرتِ شہلا کہیے
لکھیے رخسار کو گلنار و گلِ لالہ ہے ۔۔۔ اور آئینہ سمجھیے کفِ موسیٰ کہیے
خال کو مشتری و زنگی و ہندو لکھیے ۔۔۔ خط کو زنگار و پری زاغ و بنفشا کہیے
لب کو لکھیے کہ ہے یاقوت و عقیق و مرجاں ۔۔۔ اور پھر اس سے سوا خضر و مسیحا کہیے
تنگ کیجیے جو دہن کو تو سمجھیے معدوم ۔۔۔ کبھی درجِ گہر و خاتم و غنچا کہیے

سلکِ الماس سے دانتوں کو جو دیجے تشبیہہ
کیوں انھیں اور بڑھا کر نہ ثریا کہیے

سیب لکھیے جو زنخ داں کو تو غبغب کو ہلال
رہی گردن تو اسے گردن مینا کہیے

یہ نوالے ہیں چبائے ہوئے سب لوگوں کے
سحرِ گوان سلف کا اسے جھوٹا کہیے

کیوں نباتات، جمادات سے دیجیے تشبیہہ
کہیے ایسا کہ کہیں لوگ دوبارہ کہیے

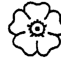
آدمی اشرف مخلوق ہے مسجودِ مَلَک
اس کی عزت ہے اگر خاک کا پتلا کہیے

آج کی بزم ہے تقریبِ ولیمہ کی بزم
جس کی خاطر سے ہے یہ بس اُسے دولہا کہیے

اس نے پائی ہے وہ نعمت جو ملی آدمؑ کو
دوسرے معنوں میں یا پسلی کا جوڑا کہیے

انتظامات اگر بزم کے آجائیں پسند
تو اسے حضرتِ داعی کا سلیقہ کہیے

اور میں نے جو لکھا یہ تو ہے مجذوب کی بڑ
تہنیت اس کو سمجھیے نہ قصیدہ کہیے



بسم اللہ خوانی

کسی ضلع میں بسم اللہ خوانی کی دعوت میں مدعو کیے جانے پر شریک ہو کر یہ مختصر سی نظم بہ طرز مثنوی لکھی گئی۔

مرا پیشہ نہیں ہے مدح گوئی
مرا شیوہ نہیں ہے مدح خوانی

غزل گو ہوں قصیدہ گو نہیں ہوں
میں اپنی آپ کہتا ہوں کہانی

سمجھتا ہوں کہ لاحاصل ہے یہ طرز
مرے افلاس کی ہے یہ نشانی

مسافر ہوں وطن میں دل ہے میرا
کہاں کی شعر گوئی شعر خوانی

رکھے بچپن میں یہ ہر ایک کو خوش
یہی تو ہے سعادات کی نشانی

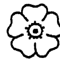
جوانی میں نہ ہو بے احتیاطی
بڑھاپے میں نہ آئے ناتوانی

جہاں مدعو کیا ہے ضلع بھر کو
مسافر کی بھی کی ہے مہمانی

یہ اُن کا خلق یہ ان کی محبت
یہ ان کی مہربانی قدر دانی

نہ کہیے کچھ تو فرمائیں گے سب لوگ　　فقط باتیں ہی باتیں تھیں زبانی
نہ یہ فرہاد و شیریں کا فسانہ　　نہ یہ مجنون و لیلیٰ کی کہانی
ادا بندی نہ ہے زورِ تخیّل　　نظیریؔ ہوں نہ خلاق المعانی
نہ لہجہ میرؔ کا مجھ کو میسّر　　نہ مجھ میں داغؔ کی سی خوش بیانی

بروکے بدلے پتی کا قلم ہے
سیاہی کے عوض ہے آسمانی



نظم

بمسرت عقد نواب بشیر الدین خاں خلف نواب معین الدولہ مرحوم (تاریخ عقد) (تاریخ نیک بنیاد ۱۳۵۸ھ)

نواب بشیر الدین خاں المخاطب نواب بشیر جنگ جن کا تخلص دلؔ تھا، ان کی شادی نواب لطف الدولہ بہادر (امیر پائیگاہ) کی صاحبزادی شجاعت النساء بیگم صاحبہ سے ہوئی تھی۔ اس موقع پر یہ نظم تاریخی کہی گئی۔

ربیع الاولیں کی بیس آئی　　مسرت سی مسرت ساتھ لائی
بشیر الدین خان دولہ بنے ہیں　　مجھے ہے یہ بشارت انتہائی
بہاریں اور سہرے کی بہاریں　　پھر اس پر طرہ یہ گل گوں قبائی
معین الدولہ کے دل بند ہیں یہ　　یہاں دولت کا شیوہ جبہہ سائی
اِنھیں کہتے ہیں سبطِ آسماں جاہ　　یہاں ہوتی نہیں سب کی رسائی
مرتب اِن کی بزم عقد ہے آج　　گھٹا ہے عیش کی ہر سمت چھائی
بجے جاتے ہیں ہر سو شادیانے　　نہیں خاموش دم بھر شاہ نائی
احبّا کی دعا نے بار پایا　　اقارب کی مرادِ دل بر آئی
رفیقوں نے سنوارا کام اپنا　　بزرگوں نے عطا اپنی دکھائی
امیر اپنے مراتب سے ثنا گو　　فقیر اپنے قرینوں سے دعائی

نفر ہیں اپنے مالک کے تصدق — بشر ہیں اپنے آقا کے فدائی
ملازم شاد ہیں ، مہمان خوش ہیں — خوشی ہر ایک دل میں ہے سمائی
نئی وردی میں ہیں سب فوج والے — غضب ہے فُل ڈریسوں کی صفائی
لذائذ سے ہیں دستر خوان معمور — مزہ ہی آگیا جو چیز کھائی
سرود و رقص کے لطف آرہے ہیں — بلا ہے گائنوں کی خوش نوائی
بنے ہیں ہم زباں ہندو مسلماں — نظر آتے ہیں سب آپس میں بھائی
تصدق ہے یہ سب دولھا دلھن کا — یہ ہیں ٹوٹے دلوں کو مومیائی
صفی! تو؟ اور اِن کا وصف؟ ناداں! — مراحل طے نہ ہوں گے ابتدائی!
دعا دے دے، کہ بس اِن سے ہمیشہ — خدا راضی رہے خوش ہو خدائی

اسی انداز میں تاریخ بھی کہہ
فراواں ہو نشاطِ کد خدائی
۱۳۵۸ھ



بمسرت عقد نواب محمد لطیف الدین خاں مرحوم خلف نواب معین الدولہ مغفور

مندرجہ ذیل تاریخی نظم نواب معین الدولہ بہادر کے فرزند نواب لطیف الدین خاں کے عقد کے موقعہ پر کہی گئی ہے۔

تھی تری دیر ، میرے حسنِ خیال — مرحبا ، مرحبا ۔ تعال! تعال!
منجھلے نواب کی ہے نو شاہی — کررہا ہوں جو تیرا استقبال
آج کچھ تو بٹا دے میرا ہاتھ — آج تھوڑا تو میرا کام نکال

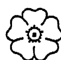
آج ہیں رنگِ خاص میں ڈوبے — مشرق و مغرب و جنوب و شمال
آج کا کاج عقد کی تفصیل — اور یہ عقد ، عیش کا اجمال
کم سے کم ایک تہنیت ہوجائے — زور اپنا دکھائے سحرِ حلال
میں کہوں تجھ کو ہاں "اک اچھی نظم" — تو کہے ہاں "قلم دوات سنبھال"
کیوں نہ دینے سے پہلے خود مانگوں — کیوں نہ پانی سے پہلے باندھوں پال
کاج ہے ایسی پائگاہوں کا — ہیں جو دونوں بھی آپ اپنی مثال
ایک مرآتِ تابشِ خورشید — آنکھ بھر دیکھ لے یہ کس کی مجال
ایک اپنے بلند رتبے سے — نیّرِ آسمانِ جاہ و جلال
یہ چھٹی بھی ربیع آخر کی — یاد سے اُترے گی نہ سال ہا سال
خدمتی اپنے کام میں مصروف — میہماں شاد سرپرست بحال
ہے خور و نوش کا ہر اک ساماں — نعمتوں سے بھرے ہیں تھال کے تھال
ہے ہر اک چیز سامنے حاضر — جی جسے چاہے کیجیے استعمال
ہم جو سنتے تھے چھُپ نہیں سکتے — کھائے کے گال اور نہائے کے بال
اس ضیافت میں آکے دیکھ لیا — اثر اغذیہ کا استعمال
بزم رقص و سرود کا عالم — کیا بیاں ہو کہ ہے یہ امر محال
گائنوں نے لُٹا دیا سب کو — بن گئی دل کی چوٹ ہر اک تال
شعرا نے بھی مدح خوانی کی — اپنے اپنے دکھائے خوب کمال
خیر خواہوں نے یہ دعائیں دیں — میرے نوشہ! ترے عدو پامال
یوں ہی دودھوں نہائے پوتوں پھلے — تیری اولاد ، اور تیری آل
دُرِ مقصد یہاں نہ کیوں پاتے — گھر میں راجہ کے موتیوں کا کال؟
اے مخاطب بڑی عنایت کی — تجھ سے اب کچھ نہیں صفؔی کا سوال
اور بس دو ہی شعر لکھنے دے — اک دعائیہ ایک بہرِ سال

ہر مہم میں ہو کارگر تدبیر | ہر ارادے میں ساتھ دے اقبال

عرض کرتا ہوں مصرعِ تاریخ

عقد نو شاہ والدین خصال

۸ ۵ ھ ۳ ۱



تاریخ مثنوی فیاض

(برائے تائید عقدِ بیوگان)

یہ مثنوی فیاض نامی کسی صاحب نے عقد بیوگان کی تائید میں لکھی تھی۔ حضرت صفی اُس مثنوی کی اپنے ۱۲۸ اشعار میں تائید کرتے ہوئے بیواؤں کے عقد نہ کرنے کی بُرائیاں بیان کی ہیں اور تاریخ بھی نکالی ہے۔

نہ رہا اشتباہ کیا کہنا | واہ فیاض واہ کیا کہنا
نظم یہ مختصر مفید بھی ہے | اور حسبِ صواب دید بھی ہے
اب جو لوگوں میں یہ رواج نہیں | اس مرض کا تو کچھ علاج نہیں
ان سے پوچھو کہ ہے یہ شیوہ کیا | عیب ہے کوئی عقدِ بیوہ کیا
ہو جوانی نہ ہو بڑھاپا بھی | آ پڑے سر پہ پھر رنڈاپا بھی
کیا مزہ آئے کھانے پینے میں | دل ہی آخر ہے اُس کے سینے میں
آنکھ سے یاس سی ٹپکتی ہے | گھر میں اک اک کے منہ کو تکتی ہے
منہ سے کچھ اپنے کہہ نہیں سکتی | بے حیا بن کے رہ نہیں سکتی
جی میں ڈرتی ہے شرم کے مارے | یہ تو مرتی ہے شرم کے مارے
ایک عورت کی جان پر یہ ستم | ہائے اک بے زبان پر یہ ستم
کچھ دنوں تک تو اس نے صبر کیا | صبر کیا اپنے دل پہ جبر کیا

آخر آئی ہی دل کی چالوں میں — خوب اُلجھی بُرے خیالوں میں
شوق طالب ہوا تو پھر کیا تھا — نفس غالب ہوا تو پھر کیا تھا
اب تو شیطان ہم نشیں ٹھہرا — روزنِ در ہی دوربیں ٹھہرا
پھر یہ کام اختیار کرتی ہے — گھر میں بیٹھی شکار کرتی ہے
یہ لگی آپ اپنے دھندے میں — اور ماں باپ اپنے دھندے میں
کوئی بیوہ کو کیوں بٹھا رکھے — سچ لکھا ہے تجھے خدا رکھے
کام کے شعر ایسے ہوتے ہیں — نام کے شعر ایسے ہوتے ہیں
اس کی اخبار داد دیتے ہیں — اور سو بار داد دیتے ہیں
ہر بد و نیک اس کی قدر کرے — دل سے ہر ایک اس کی قدر کرے
قدر ہر اک کے کام آتی ہے — قدر شاعر کا دل بڑھاتی ہے
دل بڑھے گا تو کام بھی ہوگا — کام ہوگا تو نام بھی ہوگا
شعر کا ذوق اس کو کہتے ہیں — نظم کا شوق اس کو کہتے ہیں
روز مرہ زبان ہے اس کی — اور تاثیر جان ہے اِس کی
ساری دنیا اِسے پسند کرے — اس کی بندش عدو کو بند کرے
دل دُکھے اس کو پڑھ کے آہ کریں — دوست احباب واہ واہ کریں
اب صفؔی کرکے غور کیا لکھے — مصرع سال اور کیا لکھے
سب کے مرغوب مثنوی لکھی — بھائی کیا خوب مثنوی لکھی

۸ ۳ ۵ ۳ ۱



مستزاد

اصناف شاعری میں ''مستزاد'' بھی ایک دلچسپ صنفِ سخن ہے۔ صرف دو شعر ہی دستیاب ہیں جو اہل ذوق کے لئے نمونتاً پیش ہیں۔

ہم پر اب تیری وہ پہلی سی عنایات نہیں   وہ ملاقات نہیں
وہ تلطف ، وہ تواضع ، وہ مدارات نہیں   یہ تو کچھ بات نہیں
میرے گھر چلنے میں اب آپ کو تکرار ہے کیوں؟   آخر انکار ہے کیوں
کچھ اندھیرا نہیں ، آندھی نہیں ، برسات نہیں   دن بھی ہے رات نہیں

قطعہ تاریخ عقد مرزا قدرت اللہ بیگ آغا (آغا جانی)

آغا جانی دولہ بنے   خوشیوں کی معراج ہوئی
میں نے کہی تاریخ صفی   شادیٔ آغا آج ہوئی
۲ ۴ ھ ۳ ۱

صاحب زادہ میاں میر حامد علی خاں طول عمرہ نور چشم مکرمی عالیجناب صاحب زادہ میر مکرم علی صاحب زادہ کرمہ (نبیرۂ ہمایوں جاہ مرحوم) کی تقریب تسمیہ میں۔

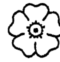
میاں حامد علی نے ماہ دے میں   پڑھی ''بسم اللہ'' اور ''اقراء'' زبانی
صفی نے مصرعِ تاریخ لکھا   طریقِ صدق ''بسم اللہ خوانی''
۸ ۴ ف ۳ ۱

دوم

ہوئے حامد علی مکتب نشیں آج — شبِ قدر اور پھر یہ رسم دینی
کیا منظوم سال اس کا صفؔی نے — عجیب عصرِ کی مکتب نشینی

۷ ۵ ۵ ۳ ۱

(۲۶/ رمضان ۱۳۵۷ھ م ۱۵/ دی ۱۳۴۸ف روز شنبہ)



قطعہ

مرے اک دوست ہیں اللہ رکھے — سخن دان و سخن گوئے و سخن ور
نہیں ہیں گو ابھی اس فن میں مشاق — طبیعت ہے مگر موزون و بہتر
تخلص تاؔج تاج الدین ہے نام — جگہ دے کیوں نہ پھر ہر ایک سر پر
سمجھ لیتے ہیں دل کی بات بھی وہ — سمجھ ہے اُن کی آنکھوں کے برابر
دیا ہے حسنِ سیرت بھی خدا نے — متانت میں ہے کچھ شوخی بھی مضمر
اُنھیں دیکھے تو انساں رنج بھولے — نہ دے کچھ رنج اُن کو زندگی بھر
طبیعت میں ہے چہرے کی صفائی — صفائی میں ہیں آئینے کے جوہر
مجھے حضرت لکھیں اپنے کو خادم — یہ ہیں کچھ دل میں گھر کرنے کے تیور

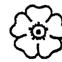
پسند آئے مجھے آدابِ تحریر
بس اتنی بات پر یہ دل ہے مضطر



قطعۂ تاریخ

بھائی فرشی کے گھر ہوا فرزند ماہ رو ماہ پارہ ماہ جبیں
نام اُس کا معین دیں رکھا نام کیا ہے ہے ایک حسنِ حسیں
ہے یہی نام خواجۂ اجمیر وہی اِس کے رہیں ہمیشہ معیں
اے صفی جب کہ والدِ مولود ہیں ترے دوست کوئی غیر نہیں

لکھ! یہ تاریخ بھی دعا بھی ہے
کہہ! جواں بخت ہو معین الدیں
۸ ۳ ف ۳ ۰ ۱



قطعہ

اے ہم وطنانِ ہم مقدر جتنی چاہو خوشی مناؤ
گو دکھ پایا ہے تم نے اب تک لیکن اب سکھ ہمیشہ پاؤ
لالچ نہ کرو زیادہ ہرگز دنیا جیسی چلی چلاؤ
بادل سے کہو کہ فصل بدلی سبزوں سے کہو کہ لہلہاؤ
پھولو! دکھلاؤ اپنا جوبن غنچو! پھولوں نہ تم سماؤ
جو بھول گئے ہو یاد کرلو جو یاد ہے اس کو بھول جاؤ
کرلو بے کس کی دست گیری بے کار کو کام سے لگاؤ



بقر عید

ہم روئیں لہو اور اِدھر عید اُدھر عید
کیا آئی ہے قربان ترے ہائے بقر عید

ہم دل کے منانے میں ہیں کیا عید منائیں
ہیں دید سے محروم کہاں عید کدھر عید

ہو اس کی جدائی کا وہ دن واہ ری قسمت
جس دن کو گنے شوق میں ہر ایک بشر عید

خوش ایسے ہیں عید آنے سے پہلے مرے ہم دم
جیسا ترے آنے ہی کی لاتی ہے خبر عید

وہ بے اثرا آج مرے رنج سے خوش ہے
اللہ کرے کچھ نہ کرے مجھ پہ اثر عید

یہ عید بھی گزری نہ مٹا صدمۂ فرقت
اب روز ترے حق میں ہے اے دردِ جگر عید

پھرتے ہیں نگاہوں میں مری عید کے جلسے
جاتی ہے پریشان بنا کر مجھے ہر عید

اب تک تو نہیں میری نظر عید کی پابند
جب وہ نظر آتے ہیں تو آتی ہے نظر عید

وہ مجھ سے گلے مل کے کہیں عید مبارک
میں سر کو جھکا کر کہوں ایسی ہو مگر عید

سامانِ سرور آج کہاں مجھ کو میسر
کہہ دے کوئی اُن سے کہ جدھر وہ ہیں اُدھر عید

گھر چھوڑنا پڑتا ہے صفیؔ سال میں دو بار
اب کے بھی میرے واسطے ہے وجہ سفر عید



عید

صدمے ہیں یہاں دل پہ اِدھر عید اُدھر عید
آنے بھی دو آئی ہے زمانے میں اگر عید

لائی تھی کسی شوخ کے ملنے کی خبر عید
لیکن مری تقدیر کہاں اور کدھر عید

وہ میری جدائی کا ہَوَن[1] واہ ری قسمت
جانے جسے دنیا میں ہر اک فرد بشر عید

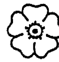
رکھتے نہ کبھی دل میں گلے ملنے کی حسرت
معلوم جو ہوتا ہمیں تڑپائے گی ہر عید

اس کان کے کچے کے عوض موت ہی آئے
اللہ مرے! نام اسی کا ہے آگر عید

---

[1] ہَوَن ہندوؤں کی ایک مذہبی رسم، جس میں منتر پڑھتے اور آگ میں گھی ڈالتے ہیں۔ (فیروز اللغات)

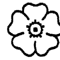
یہ سن، یہ نگاہیں، یہ ادائیں، یہ سجاوٹ
ایسا تو نہ ہو تم کو لگائے جو نظر عید
تن تن کے وہ چلتے ہیں دکھانے کو ہمارے
اچھا ہے جو روز آئے اسی طرح اگر عید
روتا ہوں نصیبوں کو ابھی اس قدر اتنا
پھر اس پہ ہنساتی جو مجھے چار پہر عید
خوش ہیں وہ مرے رنج سے میں خوش ہوں اسی میں
اللہ! کرے مجھ پہ نہ کچھ اپنا اثر عید
اس سے نہ ملاقات ہوئی عید بھی گزری
ہے آج ترے حق میں تو اے دردِ جگر عید
نادان زمانہ ترے رونے پہ ہنسے گا
یہ عید ہے ہاں عید ہے اے دیدۂ تر عید
دشمن کی خوشی آنکھ سے دیکھی نہیں جاتی
لا دے کوئی مجھ کو کہیں بکتی ہے اگر عید
مل کر نہ ہوئے اُن سے صفؔی چار مہینے
عید رمضاں جاتے ہی کیا آئی بقر عید



ہم دوست کو منائے تو دنیا منائے عید
اپنی گزشتہ عید بھی ہے یاد ہائے عید
اب کم سے کم دکھائے کوئی وہ سماں مجھے
دو بچھڑے دوستوں کو گلے جب ملائے عید
جب وہ نہ ہوں تو عید سے کیا واسطہ مجھے
آئے تو اُن کے ساتھ نہیں تو نہ آئے عید
دو ہی سہی خوشی کے بھی آنسو ہوں سرفراز
یہ کیا کہ اشکِ غم ہی کا دریا بہائے عید
دنیا تمام آج ہے دلہن بنی ہوئی
ایسے میں کاش میری بھی بگڑی بنائے عید
ہے بندوبست، عیش کا اس اہتمام سے
جیسا کہ وہ نہ آئے تو جانے نہ پائے عید
گھر میں رہے جو عید تو گھر کا کرے طواف
بازار میں بکے تو کوئی مول لائے عید
کیوں سب کو آج بادہ و ساقی نصیب ہے
کیوں ہم کو آج خونِ جگر ہی پلائے عید
نکلی نہ اس برس کے برس دن بھی آرزو
بس اپنا حق عود نہ باقی رکھائے عید
کیا کیا بنانے والے ہیں دنیا جہاں میں
دیکھوں تو کوئی میرے لئے بھی بنائے عید
آجائے آج اور وہ پھر سال بھر نہ آئے
ہونے نہ پائے شام گزرنے نہ پائے عید

آ میرے چاند عید کا روزہ حرام ہے
کس طرح تیری شکل کا بھوکا منائے عید

ناخواندہ مہماں کی صفؔی قدر تا بہ کے
آنے لگی ہے گھر میں مرے بے بلائے عید



اونٹ

وہ سر و قد، سہی بازار میں تماشا اونٹ
کسی کی اونٹنی وارفتہ ہے کسی کا اونٹ

ادھورا تم کو یہاں تک سمجھتے ہیں احباب
اتارتے نہیں تصویر میں بھی پورا اونٹ

بنے تو لیجیے "اسٹو" کی کمپنی خبر
رکھا ہے اُس نے نشانِ تجارت اپنا اونٹ

تم اپنے گھر سے جو نکلو یہ ہو ہجومِ خلق
کہ جیسے ہوتا ہے دیہات میں اچنبھا اونٹ

تمھارے نام کی یہ لاج ہے کہ مومن خاں
قبول کرتے جو رنجیت سنگھ دیتا اونٹ

عنانِ نفس نہ دے اپنے ہاتھ سے غافل
خبر نہیں؟ شترِ بے مہار کس کا اونٹ

بناتے ہیں جسے بنتے ہیں پہلے خود احباب
اُس ایک اونٹ کی خاطر بنی ہے دنیا اونٹ

خدا کرے کہ یہ ہو تیری کثرتِ اولاد
پکارتے پھریں دنیا میں لوگ پیسا اونٹ

بساطِ دہر بھی شطرنج کی بساط ہوئی
کہ ایک گھر میں نہیں جاتا ایک گھر کا اونٹ

الٰہی خلد میں ہوگا کہاں شتر خانہ
جو سب کو اونٹ کے بدلے وہاں ملے گا اونٹ

نہ جانے کیوں شترِ قیس تھا بُزِ اخفش
نہ اونٹ ہوتا ہے بکرا نہ کوئی بکرا اونٹ

حکومت آئی ہے شطرنج اُن کو کیا آئی
یہ ہاتھی؟ بادشاہ؟ فرزیں؟ پیادہ؟ گھوڑا؟ اونٹ؟

یہ طرفہ گردشِ لیل و نہار ہے صاحب
کہ آپ رات کی ہیں اونٹنی تو دن کا اونٹ

ں کے دن الفِ کو فی جب ہوئے تقسیم
ق
سنا ہے ہم نے کہ حاضر وہاں نہیں تھا اونٹ

ھے نے اس کی جگہ اپنی حاضری دے لی
گدھے کا نام جب آیا تو اُس دم آیا اونٹ

تو دیکھا اُس نے یہ میں، اور یہ میرا ہتھیار
تو اپنے آپ میں ناخوش ہوا بہت سا اونٹ

چلا وہاں سے اُدھر کو جدھر سے آیا تھا نہ تھا کچھ اپنے بھی نزدیک آپ اچھا اونٹ
ملائکہ نے وہی آلہ پھینک کر مارا ذرا بھی جس کے مناسب کبھی نہیں تھا اونٹ
یہ اُس کے بخت کہ بے جا لگا چپک بھی گیا بہار ہا ہے اُسی دن سے اُلٹی گنگا اونٹ
یہ ہاتھی ، اونٹ ، فقط سانس تک ہے اے منعم جو اکھڑی سانس تو پھر کس کا گھوڑا کس کا اونٹ
بہت بجا ہے بڑوں کی ہر ایک بات بڑی کہ بیٹھ جانے پہ بھی ہے گدھے سے اونچا اونٹ
نہ پائی گرد بھی لیلیٰ کی تو نے اے مجنوں یہ اپنا اپنا مقدر یہ اپنا اپنا اونٹ
اٹھا کے بارِ امانت بنا ہے خود جاہل بشر بھی واقعی پورا گدھا ہے خاصا اونٹ

غزل ہوئی ہے یہ تعطیلِ عید قرباں میں
نہیں تو سر بھی کٹا کر صفی نہ ملتا اونٹ

اونٹ

بلا عنوان دو نظمیں ''اونٹ'' پر دیوان میں موجود ہیں۔ جناب خالدی مرحوم کے داماد جناب عزمی صاحب نے مجھ سے فرمایا تھا کہ جناب صفی کے ایک بے تکلف دوست جناب عبدالرؤف خاں صاحب مددگار لوکل فنڈ تھے۔ اونچے قد کے ہونے سے دوستوں نے ان کا خطاب اونٹ دے رکھا تھا۔ موصوف کو یہ خطاب پسند نہ تھا، وہ چڑتے اور خفا ہوتے تو دوست احباب لطف اٹھاتے۔ جناب صفی کو شرارت سوجھی اور انہوں نے ایک مشاعرہ کا اعلان کر دیا۔ مشاعرہ کے لئے مصرعہ طرح دینے کی بجائے شعراء سے ''اونٹ'' پر نظم کہنے کی فرمائش کی اور پھر دلچسپ بات یہ کہ مشاعرہ کے لئے مقام مسجد شتر خانہ دارالشفاء انتخاب کیا۔ بے تکلف دوست اور شاگرد اس مشاعرہ میں شریک ہو کر نظمیں سنائی تھیں۔ جناب خالدی مرحوم بھی اس یادگار مشاعرہ میں شریک ہوئے تھے اور پر لطف نظمیں سنی تھیں۔

یہ نہ پوچھو کون ہے؟ یہ اونٹ یا وہ اونٹ ہے اونٹ جس کی چڑ ہے میرا مدعا وہ اونٹ ہے
اونٹ کو بھولے ہیں حاجی موٹروں کو دیکھ کر آج تیرہ سو برس تک جو چلا وہ اونٹ ہے

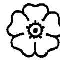
قدوقامت پر سمجھتے ہو تم انساں غیر کو؟ عقل کی باتیں کرو صاحب! ذرا وہ اونٹ ہے
مینگنی کے اس کی انگارے بُجھا لو شہد میں آگ لے لو جب ذرا دے لو ہوا وہ اونٹ ہے
دیکھنا کانٹی نہیں کھاتا ہے کوئی جانور ہضم جو کر جائے سب اچھا بُرا وہ اونٹ ہے
اونٹ کی رفتارِ ناہموار پر کیوں غور و فکر طبع کا اس کی یہی ہے مقتضا وہ اونٹ ہے
رُکتے رُکتے وصفِ قد وقامتِ دشمن ہے کیوں آپ کا منشا یہ ہے شاید ذرا وہ اونٹ ہے
سب کی تربت ہے زمیں پر اِس کی اِس کی پیٹھ پر کہتے ہیں مُردہ بہ دستِ زندہ کیا وہ اونٹ ہے
کوئی دیکھے تو شترِ غمزے مرے ممدوح کے اونٹنی کی اونٹنی ہے اونٹ کا وہ اونٹ ہے
غیر کی شوخی کا وہ عالم؟ متانت کا یہ حال ہے ہرن یا اونٹ کا بچہ ہے؟ یا وہ اونٹ ہے
جو شُتر کینہ ہو اس سے دل لگی ہم کیا کریں اپنے دل میں جس نے کچھ کینہ رکھا وہ اونٹ ہے
جمع اضدادِ ضمائر کا ''شتر گربہ'' ہے نام شعر میں کیا یہ کوئی بلّی ہے؟ کیا وہ اونٹ ہے
جس کا سر چھوٹا ہے جس کے لمبے لمبے ہاتھ پانو جان لو از ابتدا تا انتہا وہ اونٹ ہے
اونٹ اور کولے کی یاری تو سنی ہے اے ندیم کچھ شترِ غلطی نہ کر جائے بھلا وہ اونٹ ہے
ناقۂ صالح خرِ عیسیٰ سگِ اصحابِ کہف کیا یہ کتا؟ وہ گدھا ہے؟ اور کیا وہ اونٹ ہے
راستے سے اونٹ جائے اور میں گھر میں رہوں شاہدی بھرتی ہے خود آوازِ پا وہ اونٹ ہے
رقص کرتا ہے حُدی خوانوں کی جو آواز پر آشنائے معنیٔ حمد و ثنا وہ اونٹ ہے
ناقۂ لیلیٰ نے رکھا قیس کو محروم دید آنکھ کو بے جا پلک کا آسرا وہ اونٹ ہے
اُس سہی قامت کو گو میں نے بنایا آدمی ہائے لیکن آج تک بھی اونٹ کا وہ اونٹ ہے
باعثِ صد رنج ہو جائے نہ شطرنج آپ سے ق ق آپ جس کو چل گئے کس کا بھلا وہ اونٹ ہے؟
ہم سے یہ چالیں نہ چلئے رنگ تو پہچانئے دیکھئے! یہ اونٹ ہے؟ یا آپ کا وہ اونٹ ہے؟
جانور بنتے ہیں وہ میرے دکھانے کے لئے سب سمجھتے ہیں یہ کتا یہ گدھا وہ اونٹ ہے

جس کی خاطر کی ہے اتنی خامہ فرسائی صفیؔ
دیکھیں کس کروٹ پہ آخر بیٹھتا وہ اونٹ ہے

لطفِ توارد

آنکھوں میں یوں وہ لے گئے دل
کانوں کان ایک کو خبر نہ ہوئی (مرزا امداد علی آیاد)

آنکھوں آنکھوں میں دل لیا اُس نے
کانوں کانوں مجھے خبر نہ ہوئی (صفؔی اورنگ آبادی)



قطعہ تاریخ متعلقہ طباعت دیوان ''معین سخن''

(از صفؔی مولانا حکیم بہاء الدین بہبود علی صاحب صدیقی اورنگ آبادی)

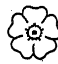
''معین سخن'' چھپ گیا، واہ واہ — یہ آئین دل کش، یہ طرزِ حسن
غزل کی زبان صاف مفہوم صاف — جسے صاف سمجھے ہر اک مرد و زن
کہیں حمدِ خلاقِ کون و مکاں — کہیں نعتِ پیغمبرِ ذوالمنن
کہیں منقبت آل و اصحاب کی — کہیں مدحتِ تاج دارِ دکن
کہیں کعبہ و شیخ کا ہے بیاں — کہیں ذکر بُت خانہ و برہمن
کہیں خرقۂ فقر پر فخر و ناز — کہیں عیش، قربانِ رنج و محن
کہیں اپنی تقدیر کا ہے گلہ — کہیں شکوۂ جورِ چرخِ کہن
کہیں ہوش میں باوجود الم — کہیں جوش میں سر سے باندھے کفن
کہیں موئے کاکل، بلا در بلا — کہیں تاب گیسو، شکن در شکن

کہیں سیلِ گریہ ہے طوفانِ غم — کہیں اشک ہیں رشکِ درِّ عدن
کہیں قلب عاشق ہے نالہ کناں — کہیں چشمِ معشوق، ناوک فگن
کہیں داغ سے ہے جگر لالہ زار — کہیں زخم سے سینہ ہے، پھول بن
کہیں ٹکڑے ٹکڑے، جنوں میں قبا — کہیں دھجیاں دھجیاں پیرہن
کہیں فکرِ باد سموم خزاں — کہیں ذکر رنگِ بہارِ چمن
کہیں عشرتِ وصل سے رنگِ عید — کہیں سوزِ فرقت سے دل میں جلن
کہیں شکوۂ ناز ہم مشرباں — کہیں مدحتِ ساقیِٔ گل بدن
کہیں نازنینوں کا ہے جمگھٹا — کہیں مئے پرستوں کی ہے انجمن
کہیں لوٹ جاتے ہیں عاشق مزاج — کہیں مسکراتے ہیں غنچے دہن
کہیں بلبل و گل میں راز و نیاز — کہیں ظلمِ گل چیں، ہے ہمت شکن
کہیں ٹیڑھ سی ٹیڑھ میں سادگی — کہیں سیدھ سی سیدھ میں بانکپن
حیا ہے کہیں مانع داروگیر — ادا ہے کہیں طرفہ شمشیرزن
جہاں ذکرِ لیلا وہاں قیس بھی — جہاں نام شیریں، وہاں کوہ کن
معیّت میں موسیٰ کی ہیں برق وطور — تو پابند منصور دارورسن
امیری میں شانِ فقیری کہیں — کہ بس آپ اپنی جگہ ہیں مگن
کہیں دیس کی دھن ہے پردیس میں — سرودِ غریباں، ثنائے وطن
جو اسکے علاوہ بھی دیواں میں ہے — اُٹھائیں گے اس سے مزے اہل فن
نسب جنکا گنجِ شکر سے ملے — کہیں کیوں نہ لوگ انکو شیریں سخن
اِنہی کی بڑی سب سے ہے پائیگاہ — یہی ہیں اُمیر کبیر دکن

صفؔی اب تمہاری ہے، سب کا بھلی
نہ مانے جو کوئی تو ہے حسنِ ظن

زبانی بھی ارشادِ عالی ہوا | تمہیں اوّلاً، ثانیاً، ثالثاً
نہیں صرف، ''مکتوب'' پر اختصار | یہ انداز آخر ہیں کیا جانِ من
بہت سچ کہ ہو مبتلائے زحیر | مگر کام ہی کون سا ہے کٹھن
ربیع المنور کا یہ چاند ہے | دکھادو کچھ آبِ رواں کا چلن
کہو صاف لکھو طباعت کا سال | ہے موزون دلِ کش معین سخن

۱۳۵۸



پھر تازہ رنج پہونچا، پھر تازہ آفت آئی | جاتی نہیں الہی، تقدیر کی برائی
یا صبر کرلیا تھا، یا جبر کرلیا تھا | القصہ اب تو دل میں کچھ اور تھی سمائی
اس کا خیال دل سے اتنا بھلادیا تھا | یا اس سے دوستی تھی یا صورت آشنائی
یہ بھی سمجھ چکا تھا، سب کوششیں عبث ہیں | جب دل میں میل آیا کیا خاک پھر صفائی
نالوں کو روکنے کی عادت بھی ہو چلی تھی | یہ بھی سمجھ چکا تھا، ہے اس میں جگ ہنسائی
اب کچھ دنوں سے یہ بھی مدنظر ہوا تھا | دیدار کی تمنا ہے ایک بد نمائی
میں اپنے حوصلوں کا اندازہ کررہا تھا | میں اپنی کررہا تھا، اب صبر آزمائی
راحت نہ تھی تو کوئی تکلیف بھی نہیں تھی | کیا شوق وصل کا تھا کیا تھا غمِ جدائی

دل بھی صفی ہے اپنا، ہونٹ اپنے دانت اپنے
کس کی کریں مذمت؟ کس کی کریں برائی

قطعہ تاریخ محمد شفیع بیدل (۲ر ربیع الآخر ۱۳۶۹ھ)

مخلص بیدل کا ہوا ازدواج | نیک ہوئی یکم دوّم ربیع
مصرع سال اس کا صفی نے کہا | رحمتِ دل عقد محمد شفیع

فارسی کلام

ہوالکامل

از حسنِ عمل در خور صد تحسینی
خوش وقتی و خوش بختی و خوش آئینی
ننکست برای تو کمالِ دنیا
نامت گوید کہ تو کمالِ دینی

صفی اورنگ آبادی ۱۳۶۰ھ

غزل

بہ دہر گشت چہ بے سود صرفۂ نظرم — چہ بخشم و چہ گزرم چہ گیرم و چہ برم
نہ طپش ہجر میسّر نہ عیش وصل نصیب — دلم بہ دل برم ست و نہ دل برم بہ برم
زہے کہ مژدۂ وصل تو گشت شادی مرگ — خہے کہ فربہیم را امالہ شد بہ ورم
بنازِ خاص بمامی کنند ردِّ سوال — شدیم عاشقِ غنج و دلالِ اہلِ کرم

صفیؔ زویر در آید بحلقۂ مایاں
قبول باد الٰہی دعائے اہل حرم

تمتعم زخدائے و توقع ام زِبتاں
نگاہ برفلک و چشم برزمیں دارم
صفیؔ طرف شدہ ام از نظیریؔ و غالبؔ
خطا نودہ ام و چشمِ آفریں دارم



سراپا ناامیدم دل بغیر و سر بہ پائے او | کہ جانِ دشمن است و دشمنِ جاں ہر ادائے او
بجائے پندِ بے جا بایدم شوخے کہ اے یاراں | تنگ گیرم در آغوش و دمے ماند بجائے او
کشیدم نالہ و مخلوق برمن جمع ہم آمد | نیامد در دلِ امّا رائے گیرم از برائے او
چو عشقِ خانہ ویراں دردِ لم جا کرد دانستم | کہ بہر ہر یکے جاہست حسبِ مقتضائے او
نہ خواہد امتیاز عاشق و معشوق برخیزد | نہ گردد مبتلا داند کہ ہستم مبتلائے او
ہزاراں سجدہ مزدِ کار و کارش پائے بوسی ہا | خوشا سنگے کہ گردد زینۂ دولت سرائے او
دل است و قہرمانِ عشق کارما دعا کردن | ازیں پس ہرچہ بادا باد او ہست و خدائے او
نہ گیرم انتقام از بدگمانی ہائے روز افزوں | نہ خواہم آشنائے را کہ باشد آشنائے او
دہد کے دست افسونے چنیں افسانہ سازاں را | کہ مجنوں پائے سگ بوسید و بوسیدیم پائے او
مرا از آب آئینہ فتاد اندر جگر آتش | فدائے خویشتن چوں دیدمش گشتم فدائے او
ادائے او دلم دز دید و قاضی را قضا آمد | چہ بے ہنگام مرد ایں ناسزا خواہم سزائے او

صفی ار بر طریقِ حضرتِ مجنوں روش دارد
الٰہی کار دشوار است و فہم نار سائے او

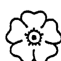


دو چشمت ہمچو خواب آلودہ و مستانہ می آئی | بگو از خانہ می آئی کہ از مے خانہ می آئی
فریبم دادی و جانم ربودی شرم می آید | کہ معشوقی و با اندازِ بازرگانہ می آئی
شدم دیوانہ و در کوچہ و بازار می گردم | شنیدستم کہ بہر دیدنِ دیوانہ حی آئی
بخوان و حال من بشنو بیا و جان من بستاں | چہ ناز است ایں کہ می خوانی مرا حالانہ می آئی
خموشی و تبسّم اللہ اللہ معنیئے دارد | نہ فہمیدم کہ می آئی بہ فردا یا نہ می آئی

صفی رندے ست شاہد باز و او باشے ست عاشق گر
قدم رنجہ بفر مائی و تا مے خانہ می آئی

مشرّہ نشتر، نگہہ نشتر، زرہ در بر کلاہ بر سر
چہ دور است ایں اگر از خانہ تا افسانہ می آئی

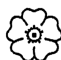
مرسلہ:...... جناب خواجہ معین الدین عزمی (از امریکہ) ماخوذ:...... (کلام صفی غیر مطبوعہ مرتبہ محمد نور الدین خان



قصیدہ فارسی در مدح

نواب معین الدولہ مرحوم

بہ پینم مرتبت در شانِ رفعت آں چناں گردد زمینِ کوئے تو باشد کہ ہفتم آسماں گردد
چنیں فیضِ سخن باشد چناں فیضِ زباں گردد بہر کس ہر چہ می گوئی ہماں باشد ہماں گردد
زبہر جملہ گاں باشد وجود تو وجود تو نشان تو برائے جملۂ عالم نشاں گردد
شگفتہ می نمایم آں گل وصف تو عالی جہ بہارِ صفحۂ کاغذ بہار بوستاں گردد
ارادت ہر چہ در دل داری وکارے کہ می جوئی بفضل رب باری او چنیں باشد چناں گردد
سِرِ کشفِ تو ہر وقت ہر چیزے کہ می خواہی عیاں باشد نہاں گردد نہاں باشد عیاں گردد
دواماً عمر و اقبال تو معراج ترقی را بہ شہرت مہر ومہ باشد بہ رفعت آسماں گردد
اگر حرفے زنم از وصف تو در بزم ایں عالم حکایت در حکایت داستاں در داستاں گردد
تہی دست آمد و پر کیسہ رفت از درگہِ عالی کدام ست آں کہ محروم از معین الدین خاں گردد
مثال تو عدیل تو نمی بیند نہ می شنود کسے گر کو بہ کو ہم نیز در ہندوستاں گردد
اگر مدحِ مسیحائی تو من برزباں آرم دماغِ ایں زمینِ شعر چارم آسماں گردد
سخن سنجی بفرمائی اگر قدرش بیفزائی بعلت ہر چہ ارزان ست از حکمت گراں گردد
صفؔی را از نوازش ہائے خود بنواز ایں صورت کہ ایں ہرزہ سرا سحر البیاں شیریں زباں گردد
بسازد پیشہ خود تا دعا گوئی رضا جوئی بحقِ آل و اولادت ہمیشہ مدح خواں گردد



متفرقات

ہم کیا ہیں تہمتوں سے پیمبر نہیں بچے
نادان! کیا زمانے کے منہ کو لگام ہے
(صفی)

"الف"



کچھ روز اچھے لوگوں کی تو جوتیاں اٹھا
اچھا بنوں یہ شوق اگر ہے تو اے صفؔی

ظالم تجھے آتا ہے مرتے کو بچا لینا
بے آس مجھے پاکر سینے سے لگا لینا

دینا ہے یہ کیا دینا لینا ہے یہ کیا لینا
سمجھو تو سہی کب تک دکھ دے کے دعا لینا

اتنی بڑی سمجھ کا وہ انسان ہوگیا
لوگوں کو اب فریب بھی دینے لگا صفؔی

لیکن نہیں ہوتا انھیں باور نہیں ہوتا
وہ کون سا صدمہ ہے جو ہم پر نہیں ہوتا

وہ ہم پہ ہوا ہے جو کسی پر نہیں ہوتا
وہ تم نے کیا ہے جو عدو بھی نہیں کرتے

ڈراتا ہے ہمیں لو اب ہمارا راز داں کیا کیا
کسی سے حالِ دل کہنا بھی ہے آخر کو پچھتانا

مجھے دیتا ہے گھر بیٹھے مرا روزی رساں کیا کیا
کسی کی التجا تک اے صفؔی کرنی نہیں پڑتی

آدمی ہے بہت بڑے سر کا
عقل مندی میں کیا صفؔی کی شک

دیکھو یہ جب گیا تو اب آیا
جانے قاصد پہ کیا غضب آیا

کبھی دشمن کو خوش رکھنا کبھی مجھ کو ہنسا دینا
یہ حسن صلح کل بھی آپ نے قسمت سے پایا ہے

میں اک تماشہ ہوگیا بیمار کیا ہوا
ہر ایک پوچھتا ہے "مرے یار کیا ہوا"

وہ سائل ہے کہ جس نے مانگنے سے پیشتر پایا؟
سخی وہ ہے کہ جس نے بے طلب سائل کی خاطر کی

فائدہ تو نہیں ہے کوڑی کا
غرق ہے شعر شاعری میں صفؔی

دیکھ میری نہ سنے گا تو پشیماں ہوگا
اس کی محفل میں صفؔی کوئی نہ پرساں ہوگا

اتنا اتنا کر کے اتنا ہوگیا
عشق بڑھتے بڑھتے سودا ہوگیا

ہوتے ہوتے وہ بھی ہم پر مہرباں ہوجائے گا
آج کی پہچان کل کی دوستی پرسوں کا عشق

صبح کا مہمان ہے یا شام کا
اب تو یہ حالت صفؔی کی ہوگئی

خرامِ ناز رسوائی کی باتیں بھی سکھائے گا   ذرا اتنا سمجھ لو چال بگڑی تو چلن بگڑا

اے صفیؔ اُن کے دور دورے ہیں   ظلم کا نام انتظام ہوا

چین کھویا جان دے دی دل گیا   آپ سے مل کر ہمیں کیا مل گیا

وہ صفیؔ سے ملیں تو کیا خوش ہوں   آدمی ہے پرانے فیشن کا

کوئی بھلا صفیؔ سے ملے کس امید پر   وہ ایک آدمی ہے پرانے خیال کا

نظم کی امیدواری کیوں پسند آئی صفیؔ   شہر بھر میں اور کوئی آپ کو دفتر نہ تھا

دیوانہ وار پھرتا ہے گلیوں میں اب صفیؔ   افسوس اس غریب کا کیا حال ہوگیا

صفیؔ وہ کیا سنبھالیں گے مجھے آ کے دمِ آخر   جو موت آئے تو کرتی ہیں دوائیں بھی اثر اُلٹا

ساری دنیا حسین کہتی ہے   اور کیا آپ کو خدا کہنا

حضرتِ دل اور اُس کی آرزو   آپ کتنے آپ کی اوقات کیا

عشق دل میں اور دل سینے میں تھا   لطف کھانے میں مزا پینے میں تھا

کچھ بھی سہی صفیؔ نے ہوس تو نکال لی   اِس آئیں بائیں شائیں سے دیوان ہوگیا

باتوں سے ہے صفیؔ کی یہ سب قدر و منزلت   باتیں نہ ہوں تو یہ نہیں کوڑی کے کام کا

شعر کہہ لینا بہت آسان ہے لیکن صفیؔ   ہے بہت دشوار کرنا انتخاب اشعار کا

صفیؔ جس حال سے آیا تمھارے یاد کرنے پر   کوئی اس طرح ننگے پانو ننگے سر نہیں آتا

کریں دیوان کے جانے کا کیا غم   ہماری شاعری کیا اور ہم کیا؟

اب خدا کے واسطے چھوڑ اپنے اشغال اے صفیؔ   اور ابھی کیا ہوگا ہاتوں میں تو رعشہ آ گیا

سو دولتوں کی ایک یہ دولت ہے اے صفیؔ   مجھ کو قبولِ خاطر و لطفِ سخن ملا

شام آئی میرے ساقی جامِ شراب نکلا   اک آفتاب ڈوبا اک آفتاب نکلا

ا ہے داغِ محبت تری محبت میں   سلامتی کا چراغاں فقیر کو پہنچا

ا ہی تماشے کا انسان ہے   صفیؔ اب تو گوشہ نشیں ہوگیا

ہر جدتِ خیال کے قربان اے صفیؔ   سب کو حدیث ہے ترا اکثر کہا ہوا

اب تو کج بحثوں سے جینا مجھ کو مشکل ہوگیا
ایک سے پیچھا چھٹا تو ایک نازل ہوگیا

صفی مغرور سا مغرور مجھ سے جھک کے ملتا ہے
تصدق ہے یہ میرے کبریا کی کبریائی کا

کیا پوچھتے ہو صفی کی نسبت
شاعر ہے چودھویں صدی کا

جھٹپٹا وقت ہے بہتا ہوا دریا ٹھیرا
صبح سے شام ہوئی دل نہ ہمارا ٹھیرا

ہے وہ صفی کی صاف گوئی
دل میں جو تھا زبان پر تھا

ہم نے میرؔ و داغؔ کو پرکھا صفی
اُس میں لہجہ اِس میں تیکھا پن ملا

اے صفی شاعری کو روتے ہو
اب محبت میں بھی مزا نہ رہا

مجنوں کی قدر اتنی ہے سرکارِ عشق میں
امیدوارِ محکمۂ جنگلات تھا

معلوم ہے دل لیتے ہی بے داد کرے گا
لے بھولنے والے مرے! کیا یاد کرے گا

پیار سے دیکھا تو ہم نے پانو پر سر رکھ دیا
آج گویا اپنا مطلب ان کے منہ پر رکھ دیا

دنیا تمام جینے لگی اُن کو دیکھ کر
اندازہ ہوگیا مجھے اپنی پسند کا

ساقی اب ایسے لطف کا امیدوار ہوں
پیالہ جو مے سے پُر ہو تو تھالا گزک بھرا

معشوق سے زمانہ مرے حق میں کم نہیں
اُس نے دیا جو زخم تو اِس نے نمک بھرا

تو بھی ہے میرے واسطے کیا چیز ہم نشیں
لکچر دیا ہے آج عجب گنجلک بھرا

ان مہربانیوں کا مجھے اعتبار کیا
گو اس نے خط لکھا ہے مگر حک و شک بھرا

چوری چھپی کا عشق نہیں جانتا صفی
دم اِس نے جب کسی کا بھرا بے دھڑک بھرا

اُتر یوں دل سے بس دل میں اُتر جا
تنزل میں ترقی کیوں نہ کر جا

ادا یوں حقِ گوش و چشم کر جا
صدا پر لوٹ جا، صورت پہ مر جا

مکینِ فرش ہوکر عرش کی سیر
کہیں چکر نہ آجائے اُتر جا

بہانہ موت کا ان کو بنا لے
اگر سچ مچ ہے مرنا، راست مر جا

نہیں جب ذلت و عزت کی پروا
تو ہر محفل میں بے خوف و خطر جا

منایا تجھ کو سمجھایا بہت او روٹھنے والے
مگر ہر وقت اپنے پاؤں پر ہے اب تو سر میرا

وہ بے وعدہ تشریف لائے ہیں آج ۔۔۔ خدا جانے دل میں یہ کیا آگیا
ملا تھا دل بھی اس کی دُھن کا پکا کام کا پورا ۔۔۔ بڑی شرمندگی ہوتی جو یہ ڈھل مُل یقیں ہوتا
وہ خوشامد سے بھی کب راضی ہوئے ۔۔۔ لامحالہ پھر تو کچھ کرنا پڑا
وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم سے اپنا دل لے لیجئے ۔۔۔ ہو چکی مدت تو پھر یہ مال ہے آیا گیا
اے صفیؔ آفت میں دیتا ہے کسی کا ساتھ کون ۔۔۔ مرگیا تو جان تونے دی، کسی کا کیا گیا
اس زمانے میں بصارت نہ بصیرت ہے صفیؔ ۔۔۔ ڈال دے اندھے کنویں میں کہیں دفتر اپنا
کہیں بھی دوستی جوڑیں گے غم کھائیں گے جی لیں گے ۔۔۔ کبھی بھوکے نہیں رہنے کے ہم میں ہے ہنر اتنا
ترے کہے پہ یقین آئے کس طرح قاصد ۔۔۔ وہ شاہِ حُسن ہوئے یہ غریب خانہ ہوا
کیا کریں گے آپ نااہلوں کی خاطرداریاں ۔۔۔ یہ تو اک ادنیٰ کرشمہ ہے مری تقدیر کا
دیدنی تو تھے ہمارے واقعاتِ زندگی ۔۔۔ دم کا کیا بے چارہ جیسا آیا تھا ویسا گیا
بزمِ دشمن میں ستم اس بانیٔ بے داد کا ۔۔۔ خون پی کر رہ گیا موقع نہ تھا فریاد کا
مسوڑھے اِس قدر پھولے ہیں منہ کھولا نہیں جاتا ۔۔۔ بھری ہیں منہ میں گویا گھنگھنیاں بولا نہیں جاتا
لٹائی ہائے کن بے دردیوں سے حسن کی دولت ۔۔۔ انھی پر غصہ اب آتا ہے جن پر پیار آتا تھا
معلوم ہے، بس اُن سے مرا سامنا ہوا ۔۔۔ پھر اس کے بعد کچھ نہیں معلوم کیا ہوا
جب میں اٹھا کہ بارِ امانت اُٹھاؤں گا ۔۔۔ اس وقت کیا زمیں اُٹھی آسماں اُٹھا
ایسے مگرے سے بھلا کون بڑائی کرتا ۔۔۔ بندہ مجبور نہوتا تو خدائی کرتا
وہ ملا مجھ سے تو بے مہری کا خوگر ہوگیا ۔۔۔ لعل میرے ہاتھ میں آیا تو پتھر ہوگیا
لذتِ دیدار میں دل اور مضطر ہوگیا ۔۔۔ گھر سے باہر کیا ہوا آپے سے باہر ہوگیا
خیالِ موت سے اہلِ وفا پسپا نہیں ہوتے ۔۔۔ پیادہ چاہے مہروں کا ہو پیچھے ہٹ نہیں سکتا
ہیں دیر و کعبہ دونوں ہی اُس گھر کے راستے ۔۔۔ ہاں! کچھ وہ دور کا ہے تو یہ کچھ قریب کا
اُن سے دو ٹوک ہوگئی یا رب ۔۔۔ وقت آیا ہے ہم پہ مشکل کا
آج تک کھیل سمجھتے تھے لگانا دل کا ۔۔۔ کیوں صفیؔ دیکھ لیا آنکھوں سے جانا دل کا

نہیں چھوڑو گے تم بیداد کرنا اجازت ہے ہمیں فریاد کرنا؟
صفیؔ اسکا تصور ہی غنیمت کسی صورت بھی دل کو شاد کرنا

دمِ آخر کسی کا نام، لب پر ہو دعا یہ ہے میرے سو سال کے جینے میں دھوکا ہے گھڑی بھر کا

پسِ مردن بھی وہی دشمنِ جانی نکلا نہ رکھا ہم کو وہاں جس جگہ پانی نکلا

وہ فاتحہ کو بھی نہیں آتے یہ خوف ہے سنتے ہیں زندہ رہتا ہے مردہ شہید کا

کام آئے گا نہ یہ ماوشما کا آسرا چاہئے انسان بس رکھے خدا کا آسرا

چھیڑ سے اُن کو کہا کرتے ہیں سارے کیا کیا اب وہاں ذکر نکلتے ہیں ہمارے کیا کیا

مصلحت سے خالی تھا کب ہر اک بیاں اپنا اُن کا دوست بن جاتا کاش رازداں اپنا

وہ مرا کہنا کہ ''اس فدوی کا معروضہ ہے ایک'' آپ کا وہ ناز سے کہنا کہ ''ہم سے کام کیا''
ہو مبارک ان کو الفت غیر کی اچھے رہیں اے صفیؔ ہم کو کسی سے کیا غرض ہے کام کیا

دل کی خاطر سے اُٹھائی ہے ندامت کیا کیا دیکھنا اور بھی کرتے ہیں یہ حضرت کیا کیا

لذت جو پائی قتل کی بس دل تڑپ گیا میری تڑپ کو دیکھ کے قاتل تڑپ گیا
میں علم شئے سے اور ہوا مبتلائے غم جس وقت حرفِ درد پڑھا دل تڑپ گیا

آہیں، دعائیں رہ گئیں سب آسمان پر اللہ کو خبر پسِ دیوار کیا ہوا

کسی سے دل لگا کر دردِ دل، داغِ جگر پایا الٰہی جو نہ کرنا تھا کیا پھر کرکے بھر پایا

صفیؔ باعث مری رسوائیوں کا ہے جنوں میرا تو اُنکا حسن روز افزوں ہے باعث اُنکی شہرت کا

معلوم ہو چکا ہے قصہ دل و جگر کا مجھ پر نکالتے ہو غصہ اِدھر اُدھر کا

دل لیا اور پائے مال کیا تم نے یہ بے گنہ کا حال کیا
ایک منہ سے ہزار باتیں کی تم نے کچھ بھی مرا خیال کیا
اے صفیؔ اس سے دل لیا اپنا آج تم نے بڑا کمال کیا

کس نے کہا کہ آپ کو میں نے برا کہا لڑنا اگر ہے دل میں تو جو کچھ کہا کہا
ہم سے کھچے کھچے نظر آتے ہو اے صفیؔ کہیے تو اے بزرگ تمہیں ہم نے کیا کہا

اچھا کیا جو ہم سے کسی کو برا کیا	بس دوستوں نے دوستی کا حق ادا کیا
نہ سہی دوست، کسی غیر کا احساں لیں گے	آدمی ہم کو تو مرضی کے موافق ہونا
ہیں پاک محبت کی نشانی مرے آنسو	ناپاک کبھی آبِ رواں ہو نہیں سکتا
غم اِس سے اپنے مرنے کا دہ چند ہوگیا	کچھ اُن سے کہنے والے تھے منہ بند ہوگیا
اُسی کے سامنے دل بے قرار ہو نہ سکا	ہزار بار ہوا ایک بار ہو نہ سکا
دلِ پُر داغ میں ارمان آیا	یہ پھر جنت میں کیوں شیطان آیا
زک اُٹھائی اُن سے دشمن نے صفی	حق کا حق ناحق کا ناحق ہوگیا
مرا شکوہ مرے پیچھے، بھلا تم کو مناسب تھا	تمہیں کہنا تھا میرے منہ پہ کہتے میں تو غائب تھا
ہمارے ساتھ شغلِ بادہ ہوگا	کبھی اس پر بھی وہ آمادہ ہوگا
ہم اپنے دل کی دو باتیں تو کہہ دیں	کہ وہ ناراض یا آمادہ ہوگا
اُسے دل دے کے خالی ہاتھ آیا	صفی سا آدمی بھی سادہ ہوگا
ہم نے دل میں کچھ اور ٹھانی تھی	ملنے والا اگر نہیں ملتا
آپ دشمن سے مل کے خوش کیا ہیں	دل سے دل عمر بھر نہیں ملتا
مہربانی ہے تو ایسی کہ جفا کی ہی نہیں	جب بدلتا ہے تو ایسا کہ کبھی یار نہ تھا
کس ستم گر کی نظر کھا گئی بے چارے کو	اچھا خاصہ تھا صفی تو کوئی بیمار نہ تھا
اُس سے ٹوٹی جو دوستی اپنی	آس بھی ٹوٹتی تو کیا ہوتا
جو ہوا عاشق اُسے مرنا پڑا	مہ جبینوں سے بھی اب ڈرنا پڑا
وہ خوشامد سے بھی راضی کب ہوئے	لامحالہ پھر تو کچھ کرنا پڑا
آپ کا اقرار پھر اقرارِ وصل	زندگی کے نام پر مرنا پڑا
جب یہی ہے دشمنی کی اصلیت	دوستی کے نام سے ڈرنا پڑا
آہ سے آپ بھی ہوئے برہم	آسماں کا بھی آسرا نہ رہا
جسے تم چاہتے ہو حضرتِ دل، وہ ہے اک آفت	تڑپنا کیا اگر تم مرگئے بھی تو نہیں ملتا

ملایا مجھ کو اس کے تن کے ملنے کی اداؤں نے
اگر سب کی طرح جھک جھک کے ملتا تو نہیں ملتا

تمہاری اتنی اتنی بات اُسے معلوم ہوتی ہے
تمہارا ملنے والا روز گو تم سے نہیں ملتا

صفیؔ ملتا نہیں تم سے کہیں اس بات کو کیوں کر
اسے ملتے ہیں ہر روز ایک دو تم سے نہیں ملتا

عوض وفا کے کیا ظلم اُن سے کیا پوچھیں
یہی کہیں کا لکھا ہے کتاب میں اُلٹا

آفتیں ڈھائیں غضب برپا کیا
خیر تم نے جو کیا اچھا کیا

اے صفیؔ معشوق کا شکوہ نہ کر
تیرے آگے آئے گا تیرا کیا

بھلا معشوق ہوکر آپ کی گوشہ نشینی کیا
تصدق ان بڑی آنکھوں کے یہ کوتاہ بینی کیا

پورا کرے سوال کوئی اس غریب کا
صدقہ خدا کا اور خدا کے حبیب کا

ہوتا چلا ہے دوست پہ دھوکا کا رقیب کا
یہ رنج بچ گیا تھا ہمارے نصیب کا

اب اُن کو مہربان ہی ہونا ضرور تھا
وہ بات ہی نہیں رہی جس پر غرور تھا

معشوق کو بدنام بھی کرنا نہیں آتا
لوگوں کو بُرا کام بھی کرنا نہیں آتا

ہم نے دل سے رنج و غم یوں دھولیا
جب ذرا کچھ جی بھر آیا رو لیا

کی ہم آغوشی کی حسرت غیر نے
آڑے ہاتھوں آپ نے ہم کو لیا

اُن سے دشمنی ہے اب، جن سے دوستانہ تھا
یہ بھی اک زمانہ ہے وہ بھی اک زمانہ تھا

وہ اب تک نہیں آئے کیا ہوگیا
ہمارا تو وعدہ وفا ہوگیا

واعظِ اعتراض پیشہ، بس
ساری دنیا بُری ہے تُو اچھا

زمانے بھر میں تو شہرہ ہے مہربانی کا
اِدھر بھی دیکھ لے صدقہ تری جوانی کا

ہمیں جینا کوئی مشکل نہ ہوتا
اگر کم بخت یہ اک دل نہ ہوتا

ناصبوری قلبِ مضطر کی دکھاؤں کیا تمہیں
صبر بھی اتنا نہ ہوگا حضرتِ ایوبؑ کا

ہوگیا وہ جو انِ خیالوں کا
یہ تصدق ہے پیچ والوں کا

گھر سے قدم نکالنا باہر محال ہے
کیوں عاشقوں نے تم کو بھی بے زار کردیا

کہنا دشمن کو باوفا کہنا
آپ کی بات واہ کیا کہنا

صفیؔ یہ قافیے تو بے شمار ہیں لیکن
غزل نہ ہونی تھی کوئی قصیدہ ہونا تھا

پوچھنے والا نہیں کوئی بھی بے چاروں کا
ہے برا حال بہت آپ کے بیماروں کا

یہ بھی اک بے داد ہے سب سے نئی
پوچھتے ہیں وہ کہ ہے ''بیداد'' کیا

عشق سچا ہے تو شکوہ کس لئے
جان دینی ہے تو پھر فریاد کیا

اُن سے بے رخ ہوگئے اب اس قدر
کیوں صفیؔ یہ ''ہرچہ بادا باد'' کیا

بس صفیؔ صاحب ہیں اور اُن کی گلی
دھوپ کالا[1] کیا انہیں برسات کیا

لوٹتا ہوں یاد آتا ہے جو اپنا لوٹنا
ہائے وہ دن چیخنا، رونا، تڑپنا، لوٹنا

میں نظر سے گر گیا اچھا ہوا
آپ کا دل پھر گیا اچھا ہوا

اسے دیکھا تو بس، پہلے ہی دن ماتھا مرا ٹھنکا
ہوا کرتا ہے دشمن، دوست جو ہوتا ہے دشمن کا

دیکھ کر اُن کو ہوا بے ہوش میں
پھر نہیں معلوم آگے کیا ہوا

بعد گلہ موافقِ مطلب ہوے تو کیا
پہلے ہی چاہئے تھا اُنہیں اب ہوئے تو کیا

بزمِ اغیار میں رونے سے میں بے طور پھنسا
تو نہ ہنس میں ترے قربان ہنسا اور پھنسا

جب اس سے آنکھ لڑی دل سے اختیار گیا
ہمیشہ میری پلک جھپکی اور ہار گیا

یہ بندہ زخمِ دل سے کیوں ڈرے گا
مثل ہے ''جو کرے گا وہ بھرے گا''

سب نے چاہا جسے خدا نے چاہا
رب کا پیارا جو ہے وہ سب کا پیارا

عدو ہی تھا نہ عاشق تھے نہ محفل تھی نہ میلا تھا
نہیں معلوم کیسا جی لگا جب تو اکیلا تھا

ہاں اے صفیؔ گمان[2] مزے کا تھا آدمی
باتوں میں تھی مٹھاس تو منہ پر نمک بھی تھا

ٹکٹکی باندھنا نہ چھوڑ صفیؔ
آنکھ چوکی تو مال یاروں کا

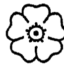
ضرورت سے زیادہ مہربانی جان لیتی ہے
کیا تھا کل کا وعدہ آگئے تم آج ہی کیسا

سرِ تسلیم خم ہونے پر اُس نے مار ڈالا ہے
نہیں معلوم کیا ہوتا، جو لب پر مدعا ہوتا

آنکھ میں آ آکے آنسو خشک ہوجانے لگے
طور بن بن کر بگڑ جانے لگا برسات کا

وحشت ہوئی تو قیس بھی گھر سے نکل پڑا
اب میری کیا چلے گی، کہ یہ کام چل پڑا

ہوگیا صاف بدگماں میرا آج خوش ہے رُواں رُواں میرا
میں پیوندِ خاک و زمیں ہوگیا برابر جہاں کا وہیں ہوگیا
اب اس کی گلی سے کام ہی کیا چھوڑی نگری کا نام ہی کیا
تم اور صفؔی اُس کے نگہ بان بنے ہو بس آج سے اللہ نگہ بان تمہارا
وہ غیر کی محفل میں بھی مل جائے تو غم کیا عاشق ہوں تو عاشق کیلیے دیر و حرم کیا
نہ رکھئے کوہ کن کو نام، اس نے حوصلہ برتا نہ رہتا نام زندہ وہ اگر ایسا نہیں مرتا
اُن کے بلانے پر بھی جو لوٹا نہیں صفؔی عاشق ہے یا فقیر ہے تو نقش بند[1] کا
ہے خیالِ خام بے دکھ درد بننا کام کا کھینچ کچھ تکلیف، طالب ہے اگر آرام کا
اظہارِ عشق میں ہے خطا کیا قصور کیا میں کیا ہوں اور آپ نے سمجھا حضور کیا؟
ہوتا مجھے غرور جو وہ مجھ کو چاہتے میں ان کو چاہتا ہوں کروں میں غرور کیا
ہمہ تن گوش ہے صفؔی محفل وقت ہے دیکھ گوشوارے[2] کا
دنیا میں کیا کر جانا کھانا، پینا، مرجانا
دل ہمارا صاف اب اے بندہ پرور ہوگیا آپ نے باور کرایا ہم کو باور ہوگیا
گوشہ کوئی اُلٹ دے جو اپنے نقاب کا پھر جائے منہ اِدھر سے اُدھر آفتاب کا
عشق پرُ ارمان دل میں روئے آتش ناک کا ایک دن ہوجائے گا یہ لاکھ کا گھر خاک کا
دل مرچکا، دماغ پہ ٹھیرا مدارِ عشق دیکھو صفؔی! نظامِ حکومت بدل گیا



"ب"

ہم بھی پوچھیں گے صفؔی سے کون سی وہ بات تھی اس کی محفل میں ہوئی تھی آج حضرت کی طلب
مجھ سے کشیدہ رہتے ہیں سرکار بے سبب ناحق، فضول، کچھ نہیں، بے کار، بے سبب

(۱) موسم گرما (۲)۔شاگردصفؔی

کھایا ہے دل پہ داغ کہیں تو نے اے صفؔی　　جلتے ہوئے نہیں ترے اشعار بے سبب
آپ اور مجھے خط لکھیں ایسے مرے نصیب　　احسان آپ کا زہے قسمت زہے نصیب
اہلِ وطن کے قابلِ صحبت نہیں صفؔی　　افسوس ہائے ایک غریبی ہزار عیب
پوچھتے پوچھتے دلّی کو چلے جاتے ہیں　　آپ کو گھر نہیں معلوم صفؔی کا کیا خوب
اے ناصحِ شفیق نہ رہ عمر بھر خراب　　گر ہوسکے تو عشق میں اوقات کر خراب
دے خدا جس کو زمانے میں یہ دو چیزیں ہیں　　عشق خوبانِ جہاں و ہوسِ جامِ شراب
کی تم نے ہم سے ترکِ ملاقات کیا سبب　　کیا جرم، کیا قصور ہے، کیا بات، کیا سبب
دل سے جاتی ہی نہیں اُس فتنہ قامت کی طلب　　پڑگئی اب تو ہمیں عشق و محبت کی طلب
تیری دوری نے تو ہم کو اس کا عادی کردیا　　روز ہی ہونے لگی اب دردِ فرقت کی طلب
پوچھتے ہیں وہ اے صفؔی مجھ سے　　"وصل کیا بات اس سے کیا مطلب"
دل نے گو سن لیں دعائیں سب کی سب　　اپنی یہ کہتا ہے گائیں سب کی سب
بھاگئیں اُن کی ادائیں سب کی سب　　ایک دم آئیں بلائیں سب کی سب
رہ رہ کے تم مجھے نہ کہو خان و ماں خراب　　ہوتی ہے ایسی باتوں سے دیکھو زباں خراب
ٹھیرے گا بعدِ وصل دلِ بیقرار کب　　جب اب نہیں تو اے مرے پروردگار کب
تنگ آیا کر کے سب ہوتی نہیں راحت نصیب　　اب خدا پر تجھ کو چھوڑا اے دلِ آفت نصیب

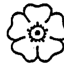
"پ"



رکھیں گے کہیئے مجھ سے کہاں تک ملاپ آپ　　آخر پھر ایک روز کو میں میں ہوں آپ آپ
اُس کو تو خود پسند تمھیں نے کیا صفؔی!　　پھر پوچھتے ہو کون، اجی آپ آپ آپ
آئینے میں جب کمی اپنے میں کچھ پائیں گے آپ　　اور جو ہم بھی نہ ہوں گے کیا ہی پچھتائیں گے آپ

(۱)۔ نقشبندیہ سلسلہ سے وابستہ فقیر　　(۲)۔ حسابی کاغذ کے صفحہ کی میزان

"ت"



دل سے گھڑی جو اس نے تو ایمان آ گیا؟ میرا بیان جھوٹ؟ عدو کا بیاں درست
نازک مزاجیوں کا پڑا مجھ پہ یہ دباؤ اُن کی ہر ایک بات پہ کہتا ہوں ہاں درست

عشق میں بدنامیاں میری صفیؔ حد سے بے حد ہیں بہت بھائی بہت

کیا کرے کوئی تری ابروئے خم دار سے بات یہ لڑاکا تو کیا کرتی ہے تلوار سے بات

رہ رہ کے یہ کہتا ہوں دمِ ترکِ محبت کس منہ سے میں کھاؤں قسمِ ترکِ محبت
آگے مرے آیا مری تقدیر کا لکھا جس وقت اٹھایا قلمِ ترکِ محبت

بسمل کو سزوار ہے قاتل کی شکایت دل نے مجھے مارا، ہے مجھے دل کی شکایت
کیا آب و ہوا ہے ترے کوچے کی ستم گر دیکھا جسے، دیکھی ہے اُسے دل کی شکایت
آداب نہ اخلاق ، محبت نہ مروت کرتے ہیں ہزاروں تری محفل کی شکایت

شیخ صاحب! زندگی پانی سے ہے آدمی کو چاہئے پینا بہت

سنتا ہوں آج میں کہ سنی اس نے سب کی بات آخر یہ کب کا واقعہ ہے اور کب کی بات

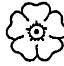
آہوں پہ اعتبار ، دعاؤں پہ اعتماد ہم سا بھی کوئی شخص نہ ہوگا ہوا پرست
صورت پرستیوں میں کٹی سب صفیؔ کی عمر باتیں تو ایسی جیسے کہ سچا خدا پرست

یہ عشق بھی ہے میرے پروردگار آفت اک سر ہزار سودے اک دل ہزار آفت

حالِ دل اس سے ہم کہیں گے صفیؔ آگے پھر یا نصیب یا قسمت

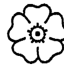
رنج کیا عاشقوں کے مرنے کا تم سلامت رہو غلام بہت
روئے منہ ڈھانک کر تو اُس نے کہا ہوگیا آپ کو زکام بہت
شعر کہنے پہ ہیں صفیؔ مجبور آج کل کر رہے ہیں کام بہت

"ج"

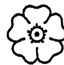


دن بھر میں لاکھ رنگ ہیں ایسا بھی کیا مزاج　　دیکھ ایسی اچھی شکل پہ ایسا بُرا مزاج
سب ظاہری ہیں آپ کی یہ مہربانیاں　　چھپتا نہیں جناب بنایا ہوا مزاج
اترا ہوا سا منہ ہے صفؔی ہونٹ خشک ہیں　　کیوں بھائی خیریت سے تو ہے آپ کا مزاج
سمجھیں گے خوب دیکھنا اُس بے وفا سے آج　　ہو جائے بھی جو قطع محبت بلا سے آج
کیا اُس ستم شعار سے دو ٹوک ہوگئی　　بیٹھے ہوئے ہیں آپ صفؔی کیوں خفا سے آج
کوئی یاد آ گیا یاد آنے والا　　بڑی تکلیف گزری رات بھر آج
سلامِ روستائے بے غرض نیست　　صفؔی کیوں خیر ہے کیسے اِدھر آج

"ح"



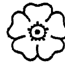
میں نے تو ایک بھی نہیں دیکھا تری طرح　　سج دھج نرالی، وضع اچھوتی، نئی طرح
دشمن بھی چاہتے ہیں کہ تڑپیں مری طرح　　انسان کو بھی چین نہیں ہے کسی طرح
تیرے جوابِ سخت کا کیا پوچھنا مگر　　دل پر صفؔی کے چوٹ لگی ہے بری طرح



"خ"

طرح دے دے کے دشمن کو بگاڑا　　بنایا شوخ تم نے وہ ہوا شوخ

"د"



اے دل وطن کی عید ہے یا عید زر کی عید
چپ رہ غریب اپنی کہاں کی کدھر کی عید

کیا کیا مزے تھے ہائے کسی کے فراق میں
تکلیفِ انتظار بھی تھی رات بھر کی عید

کب تک منائیں اور منائیں تو کس قدر
اب خاک چھانتی ہی پھرے در بدر کی عید

اب ہم نے جی میں ترکِ تعلق کی ٹھان لی
لہنا ہو دشمنوں کو مرے عمر بھر کی عید

وہ جامِ مئے کے دور، وہ لطفِ بہارِ گل
وہ رات دن کا عیش، وہ شام وسحر کی عید

اس قدر ہے اضطرابِ دل کہ اُڑ جاتی ہے نیند
کس کو چین آتا ہے فرقت میں کسے آتی ہے نیند

تیری مژگاں کے تصور نے جگایا رات بھر
ہم تو سنتے تھے کہ کانٹوں پر بھی آجاتی ہے نیند

امید ہے ملنے کی قیامت میں کسی سے
اُس دن بھی نہ آجائے کہیں رنج وقلق یاد

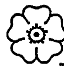
اب تو یہ حال ہوگیا ہے صفی
آٹھ کا خرچ چار کی آمد

اب تو سنتا ہی نہیں وہ بتِ خود سر فریاد
تجھ سے فریاد ہے، اے داورِ محشر! فریاد

یہ کیا کہا کہ آئیں گے ہم دو گھڑی کے بعد
اے شوخ مرنہ جائیں گے ہم دو گھڑی کے بعد

یہ ذوقِ طبیعت تو کسی کی نہیں جاداد
یہ کام خدا ساز ہے یہ بات خداداد

ہائے ہُو چھوڑ کے اب اینڈتے[1] پھرتے ہیں صفی
آج کل کوئی حسیں دانو میں آیا شاید



(۱)۔اکڑتے

"ر"

شبِ وعدہ نہو کیوں قدر مجھے اشکوں کی
کہ جوشب رو ہیں چلا کرتے ہیں وہ تاروں پر

ہوتا ہے ایسا کیا مرے منہ پر لکھا ہوا
پہچانتے ہیں بات وہ اکثر کہے بغیر

ہر خاص بات میری نہ ہو جائے عام بات
سنتے نہیں وہ کچھ بھی مکرر کہے بغیر

سنتے ہیں وہ کسی کی ذرا سی خلاف بات؟ رُکتے ہیں وہ کسی کو برابر کہے بغیر؟

اے دل غمِ عشق میں جلا کر بے کار مباش کچھ کیا کر

شاید کسی غریب کو دے دیں یہ زہر بھی دشمن ہیں تیری بزم میں سب انتظام پر

یہ بے رخی صفؔی کی برائے نمود ہے حضرت تو ریجھتے ہیں محبت کے نام پر

نحس ہے یہ سوچنا کیا ہے صفؔی یوں بیٹھ کر ہر گھڑی گھٹنوں پہ سر رکھتا ہے اُکڑوں بیٹھ کر

وہ جو کہتے ہیں کیا کرتا ہوں ''منہ دیکھے کی بات'' کیا کروں خاموش ہو جاتا ہوں صورت دیکھ کر

ہنسنے ہنسنے میں ہی آج اُن سے لڑائی ہو گئی صبح کو اُٹھے تھے یارب کس کی صورت دیکھ کر

بھیس بھی بدلا جنابِ دل! تو تم نے کیا کیا چھوڑتے ہیں اس کی محفل میں تو صورت دیکھ کر

دوسروں کی شکل گو تجھ سے کوئی اچھی نہیں پیار آتا ہے مگر خلق و مروت دیکھ کر

لوگ میری شاعری پر وجد کرتے ہیں صفؔی ہاں مگر باور نہیں آتا ہے صورت دیکھ کر

چال وہ چال جو تیرے لئے زیبا ہو چل کام وہ کام جو تیرے لئے شایاں ہو کر

نہ آیا وہ ستم گر، ہائے آخر موت ہی آئی ہمیں ٹالا کیا بس آج کل، پرسوں، اترسوں پر

ذرا دل جلوں کے بھی نزدیک بیٹھو نہیں موم بہہ جاؤ گے جو پگھل کر

بھلا ان سے کیا پیش چلتی کسی کی بہت پانو پھیلائے دل نے مچل کر

ابھی تو اُنہیں پھر ہے کچھ پاس اپنا مگر دیکھئے کیا ہو آئندہ چل کر

صفؔی کو کہیں چین آتا ہے توبہ گیا اُن کی محفل میں صورت بدل کر

دل بھر گیا ہے دیکھ لی سارے جہاں کی سیر نالے ہیں میرے اور ہے اب آسماں کی سیر

جس سے نفرت ہو تو پھر اس سے محبت کیسی شیخ دنیا میں رہا تارک دنیا ہو کر

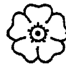
داغِ عصیاں نہ مٹا گریہ وزاری سے صفؔی رہ گیا دامن اعمال پہ دھبا ہو کر

صفؔی کو چھیڑتے ہو کس لئے تم کہ بے دل دوست ہے دشمن برابر

ملکِ عرب سے دور اگر ہوں تو کیا صفؔی دل سے نہیں ہوں حضرتِ شاہ عرب سے دور

یہ تو مُردوں کو بھی ستائیں گے ایسے ناقبل ایسے نابکار

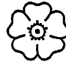
پیرہن کی بھی جھلک پڑتی ہے رخساروں پر ۔۔۔ واہ وا خوب لُٹایا مجھے انگاروں پر
کوئی عشاق کی فہرست مرتب کرلے ۔۔۔ نام لکھے ہیں ہزاروں تری دیواروں پر
میں نے مہندی کے لگانے کا سبب کیا پوچھا ۔۔۔ آپ کی سرخیٔ رخسار ہوئی اور سے اور
مجھے للہ اے آسودگانِ خاک سمجھادو ۔۔۔ یہ کیسا چین آیا ہائے تم کو ایک کروٹ پر
وہ ایک ڈھب سے پاس ہیں اور ایک ڈھب سے دور ۔۔۔ ہونے کو سب کے دوست ہیں لیکن ہیں سب سے دور
پایا ہے دخل بے ادبوں نے مزاج میں ۔۔۔ سرکار! پھر صفیؔ نہ رہے کیوں ادب سے دور
آفت ہے دردِ عشق سے دونوں جہاں پر ۔۔۔ اک چیخ ہے زمین پر اک آسمان پر
سب دل نشیں پہ غش ہیں مرے دل کو دیکھ کر ۔۔۔ لیلیٰ کو پیار کرتے ہیں محمل کو دیکھ کر
نہ کر اصرار ذکرِ فرقت پر ۔۔۔ بار ہوجائے گا طبیعت پر
نہ شکوہ دوستوں کا سن نہ دشمن کی شکایت کر ۔۔۔ اگر عزت کا طالب ہے تو خود بھی اپنی عزت کر
یہی دو کام کر دنیا میں باقی سب پہ لعنت کر ۔۔۔ جو آنکھیں ہیں تو جلوے دیکھ، دل ہے تو محبت کر
صفیؔ تجھ سے محبت کون رکھے ۔۔۔ بھلے مانس کہیں نوکر نہ چاکر
مرگیا میں چارہ سازوں کی نظر کو دیکھ کر ۔۔۔ ان کو پہچانا مرے زخمِ جگر کو دیکھ کر
وعدے کے دن تھا یوں گھر سے باہر ۔۔۔ باہر سے اندر - اندر سے باہر
دونوں میں اتحادِ نظر کب ہے اے صفیؔ ۔۔۔ اُن کی نگہ پر آنکھ ہے، میری خیال پر
ہم نے یہ اثر دیکھا پیسے میں صفیؔ صاحب ۔۔۔ سچوں کے خزانوں میں جھوٹوں کی زبانوں پر



’’ڑ‘‘

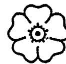
بند مُٹھی کا بھرم کھل جائے گا اے مُنعمو! ۔۔۔ جی بہلنے کے لئے کرتے ہو کیوں سائل سے چھیڑ
جیب و دامن سے زیادہ دے کے حیراں کردیا ۔۔۔ میرے داتا نے نکالی اس طرح سائل سے چھیڑ

سازگار آیا ہے سب کو نغمۂ تارِ نفس چھیڑ اس کو چاہے آسانی سے یا مشکل سے چھیڑ
تو جو لہرا کر کبھی آتا ہے دریا کی طرف مچھلیاں پانی سے، موجیں کرتی ہیں ساحل سے چھیڑ
میں ہی کب تک واقعاتِ عاشقاں پوچھا کروں کچھ نہ کچھ آخر کسی دن تو بھی اپنے دل سے چھیڑ



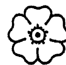
"ز"

ہے ایک بلا اُس بُتِ طنّاز کا انداز تسخیر کی تسخیر ہے انداز کا انداز
ایمان ہے کہ ہے وہ مجھے جان سے عزیز اے توبہ جان ہوتی ہے ایمان سے عزیز؟
مال سے جان، تو ہے جان سے ایمان عزیز تو مجھے سب سے زیادہ ہے مری جان عزیز
عاشقی کے واسطے دل چاہیئے غم نہیں ہر ایک کے کھانے کی چیز



"س"

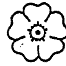
ابھی تک ہے سرورِ عیشِ ماضی فدا ہوں ایک باسی پھول پر بس
نہیں مجھ کو اے میرے ساقی ہوس بس اللہ بس اور باقی ہوس



"ش"

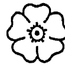
دل بھی خوش اور دل رُبا بھی خوش میں بھی خوش ہوں مرا خدا بھی خوش

جو اطاعت پرست بندے ہیں اُن سے بندے بھی خوش خدا بھی خوش
جو کسی کو بُرا نہیں کہتے اُن سے اچھا بھی خوش بُرا بھی خوش
کی جو کچھ التجا تو فرمایا آج کچھ دل ہے آپ کا بھی خوش
کھوج دل کی کبھی جگر کی تلاش بڑھ گئی اب تری نظر کی تلاش
یاس و امید کے مزے لوٹے مجھ کو جب تک تھی تیرے گھر کی تلاش
دل لے کے نہ کر مجھ کو مری جان فراموش اچھے نہیں ہوتے کبھی احسان فراموش
خوش آئے مجھے بھی کردیا خوش جاؤ میں خوش مرا خدا خوش
ہم زخمِ دل سے اور وہ تیرِ نظر سے خوش ہم اپنے گھر سے خوش ہیں تو وہ اپنے گھر سے خوش



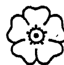
"ص"

میرے معاملات نہیں عام اے صفی دشمن ہیں خاص خاص تو احباب خاص خاص



"غ"

تیرے ستم اٹھائے؟ کہاں غیر کا دماغ اے شوخ یہ کلیجہ مرا ہے مرا دماغ
معشوق بھی ہوئے ہیں کہیں باوفا صفی اتنی ہی تیری بات ہے جتنا ترا دماغ



"ف"

کیا ہو کرو جو تم بھی مری اک خطا معاف کرتا ہے سو گناہ بشر کے خدا معاف

چاہوں معافی غیر سے میں جی خطا معاف
جرم آپ کا کیا ہے کرے دوسرا معاف؟

کردیں میری خطا حضور معاف؟
آپ ایسے نہیں قصور معاف

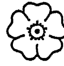
ہم کو عشقِ بتاں گنہ؟ اے شیخ!
اور حضرت کو عشقِ حور معاف؟

وہ کس کو دیکھتا ہے ذرا یہ تو دیکھئے
آپ اور اپنے طالبِ دیدار کے خلاف

اپنا بھلا ذرا بھی جو چاہوں تو اے صفی
ہونا پڑے گا حسن کی سرکار کے خلاف

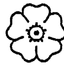
دل ہے خود ایک بلا دل سے اٹھائی تکلیف
آج تک ہم نے کبھی اُن سے نہ پائی تکلیف

دیکھ سکتا ہے کہاں جس نے اٹھائی تکلیف
اپنی تکلیف سمجھتا ہے پرائی تکلیف



''ق''

کیا اُس کا پوچھنا کہ وہ بندہ نواز ہے
ہم سے ہی کچھ ادا نہ ہوا بندگی کا حق



''ک''

بے تاب نہ ہوگا دل بے تاب کہاں تک
آخر یہ غمِ دوریٔ احباب کہاں تک

کھائی ہے قسم اس نے نہ ملنے کی کسی سے
جب سے یہ سنا ہم ہیں پریشان ابھی تک

سہارے کوئی دردِ فرقت کہاں تک
کہاں تک خداوند نعمت کہاں تک

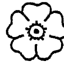
شاید اس سے کم ہو کچھ وسواس تھوڑی دیر تک
بیٹھ جا ظالم ہمارے پاس تھوڑی دیر تک

عمر بھر میں کُل گھڑی بھر کیلئے زندہ رہے
تیرے ملنے کی بندھی تھی آس تھوڑی دیر تک

اپنی سمجھ کہ کچھ بھی نہ سمجھے ہم اے صفی
وہ تو الف سے بول گئے والسلام تک

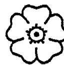
نہ کھلے ہم سے تم کبھی اب تک
یہ تکلف مزاج میں کب تک

ہوگئے دشمن سے بڑھ کے تم دشمن مہربانی ہے عرضِ مطلب تک
ہمارا نام تو آئے زباں تک کہاں تک بدظنی آخر کہاں تک
تمہارے دل کی حالت کیا چھپے گی پہنچتی ہیں نگاہیں آسماں تک
صفی ہوتے ہیں پھیرے روز لاکھوں کسی کی بزم سے اپنے مکاں تک



''گ''

کام ڈالے خدا نہ ان سے کوئی لوگ پھر اس کی انجمن کے لوگ
خلق و تہذیب میں خدا رکھے ہیں غنیمت بہت دکن کے لوگ
شاعری کھیل ہوگئی ہے صفی اِکّے دُکّے رہیں ہیں فن کے لوگ



''ل''

صورت بھی اپنی اُس میں نظر آ گئی مجھے بس! آپ آئینے سے زیادہ ہیں صاف دل
یہ تو نہ کہیے ''ہم نے تمھارا لیا ہے کیا'' بندہ نواز! یاد دہانی معاف ''دل''
سب آرزوئیں بھی انہیں معلوم ہوگئیں افسوس کیوں نصیب میں ہونا تھا صاف دل
اگرچہ ہے گستاخ نادان دل مری جان دل ہے مری جان! دل
کیوں کر رہے گا عہدِ ملاقات کا خیال رہتا نہیں تمہیں تو کسی بات کا خیال
مجھے یہ کہہ کے اس نے دے دیا دل مبارک آپ کو ہو آپ کا دل
کون کرتا ہے وفا لے ہوش کے ناخن صفی ساری دنیا اپنے مطلب کی ہے بھائی آج کل

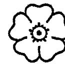
وہ حسیں جو دل نشیں ہے آج کل
مجھ کو دنیا بھر حسیں ہے آج کل

شوق ہے اُن کو جو سیرِ باغ کا
پتّہ پتّہ نازنیں ہے آج کل

دولت اس ''پرحسن'' پھر اس پر شباب
وہ تو اپنے میں نہیں ہے آج کل

ہر طرف چھائی ہیں ناامیدیاں
آنکھ پرنم، دل حزیں ہے آج کل

بے سبب ہو شاعری سے فائدہ
اے صفی اب جی بہلنے کو کوئی دفتر نکال



''م''

معشوق ہے معشوق ہے تو! مان گئے ہم
اِس ضبطِ تبسم کے بھی قربان گئے ہم

اب کیا ہے، چلو آؤ بھی! پہچان گئے ہم
تم جان گئے ہم کو تمہیں جان گئے ہم

آزردہ ہے آزردہ ہے تو جان گئے ہم
آ آ، ترے صدقے، ترے قربان گئے ہم

ایسے مجبور ہوگئے ہم
تجھ سے بھی تو دور ہوگئے ہم

اس کو پایا تو کھو گئے ہم
قسمت جاگی تو سو گئے ہم

مرنے پہ ہماری قدر ہوگی
دشمن کو بھی یاد آئیں گے ہم

یہ حسرت دید اک بلا ہے
دیکھو گے صفی دکھائیں گے ہم

اب بھی کچھ چلتی تو کرتے کچھ نہ کچھ تدبیر ہم
بے بسی سے ہوگئے ہیں قائلِ تقدیر ہم

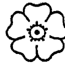
اہلِ زباں نہیں ہوں زباں داں ہوں! اے صفی
رتبہ مرا زیادہ ہے اور اعتبار کم

نہیں ہے اہلِ زباں ہاں مگر محقق ہے
صفی وقار میں بڑھ کر ہے، اعتبار میں کم

ناکسوں کو سلام کر کے صفی
اپنے ہاتھوں سے خود ذلیل ہیں ہم

جو آپ کی وہ آپ کے دربان کی قسم
نادان ہے سند نہیں نادان کی قسم

اظہارِ عشق کے لئے احباب اے صفی
مجھ کو کھلاتے ہیں مرے دیوان کی قسم



’’ن‘‘

غنیمت آدمی ہے ایک یہ بھی یار باشوں میں
طرف داری نہیں، ہم کو صفؔی سے کچھ نہیں لالچ

ذرا بھی اس کی طبیعت میں احتیاط نہیں
صفؔی کی قدر ہی کیا ہو کہ سب سے ملتا ہے

اس سے نیچا کوئی مقام نہیں
طالبِ قدر کیوں ہوئے ہو صفؔی

حاسدو! سننے میں پھر آئیں گی یہ باتیں کہاں
ہے صفؔی کے ساتھ یہ اردو، یہ اندازِ غزل

چار کپڑے زیادہ پھاڑے ہیں
کیوں نہ ہو مجھ کو قدر مجنوں کی

بھائی مجنوں کو جو رکھ لیتے قرنطینے میں
عام ہوتا نہ کبھی عشق کا آزار صفؔی

کہ میں بھی آدمی سا آدمی انسان سا انساں ہوں
تری محفل میں میری باریابی کیوں نہیں ہوتی

اُن کے معاملے بھی عجیب وغریب ہیں
آنکھوں سے دور ہیں مرے دل سے قریب ہیں

جہاں ہم بیٹھ جاتے ہیں تو اکثر بیٹھ جاتے ہیں
کہاں کا ضعف دلچسپی ہے باتوں سے محبت کی

دل دُکھے تو آنکھ میں رونے کو دو آنسو نہیں
بے کسی میں ایک بھی تسکین کا پہلو نہیں

اے صفؔی اب کوئی اپنا قوتِ بازو نہیں
بارِ غم پھر بھائیوں کی موت کا کیسا اٹھے

لوگ اکثر اسے جینے کی دعا دیتے ہیں
آپ کہتے ہیں کہ ’’مرجائے صفؔی غارت ہو‘‘

پھر بھی لذت ہے جفائے یار میں
بن گئی گو جان پر آزار میں

شاد ہوں بزمِ خیالِ یار میں
خواہشیں سب چُھٹ گئیں تکرار میں

بھائی ہم تو طبیب آدمی ہیں
اے صفؔی شاعری نہیں معلوم

تھوڑی خوشی ہے یہ کہ غمِ دو جہاں نہیں
اس کی تلاش ہے کہ کہاں ہے کہاں نہیں

اب تو خط ہاتھ ہاتھ بھر کے ہیں
ان کے شکووں کا تار ٹوٹے گا

نہیں آسکتا کوئی کام اطاعت کے مقابل میں
محبت بے اطاعت ایک دھوکا ہے اطاعت کا

اسے دیکھوں تو آخر جو مدد کرتا ہے مشکل میں
بلا سے میری ہر مشکل پیامِ موت بن جائے

قاصد اس نے مجھے خط خوب لکھا خوب لکھا ہم تو یہ زورِ قلم طرزِ قلم دیکھتے ہیں
اسے میں مانتا ہوں دل سے ہاں یہ فیصلہ اچھا بتا لو، چار لوگ اس دل کو کس کا دل سمجھتے ہیں
کیوں بتائیں کہ تری یاد کہاں رکھتے ہیں ہے جہاں ہے اسے رکھتے ہیں جہاں رکھتے ہیں
ہے فیصلہ وفا کا جفا کا ستم شعار میرے تمہارے آج کوئی درمیاں نہیں
کوہ کن آدمی بڑا گذرا کم نکلتے ہیں چھوٹی اُمت میں
چاہنے والوں کی اپنے مطلقاً پروا نہیں یہ تغافل تم کو زیبا ہے، تمہیں زیبا نہیں
ناز اٹھانے تک اُٹھائے ظلم سہنے تک سہے اب تو تیری طرح ہم کو بھی تری پروا نہیں
ہر کسی کی ہے شکایت ہر کسی کا ہے گلہ اک تمہیں اچھے ہو دنیا میں کوئی اچھا نہیں
ہم تری بزم میں کیوں کر بیٹھیں غیر جب تیرے برابر بیٹھیں
تھی قسم تو نہیں پوری کرنی آپ آئیں تو گھڑی بھر بیٹھیں
ستم گر تجھ سے دنیا میں اگر دو چار ہو جائیں تو پھر بندے خدا کے جان سے بے زار ہو جائیں
جو مے خانے سے مے آشام پی پی کر نکلتے ہیں تو ساری پوتیاں کھلتی ہیں سب جوہر نکلتے ہیں
کسی پر پیار آتا ہے کسی پر جان جاتی ہے زمانے میں حسیں بھی اک سے اک بہتر نکلتے ہیں
مگر ہم سے نہ ملنا خاص دل کی بات ہے اُن کی وہ گھر سے کیا نکلتے ہی نہیں اکثر نکلتے ہیں
عام دشمن بھی نظر آتے تھے مجھ کو خاص دوست جب یہ آنکھیں جلوہ ہائے دوست سے معمور تھیں
پانوں پھیلا کر یہاں کیا سوسکو گے اے صفیؔ بھائی یہ دنیا ہے کوئی قبر کا کونا نہیں
موت کیوں آئی الٰہی انتظارِ یار میں ہچکیاں جب لگ چکیں پھر کیا رہا بیمار میں
صفیؔ کو سمجھتے ہیں کیا آپ لوگ یہ حضرت پرانے گنہ گار ہیں
صفیؔ داغِ محبت میری برسوں کی کمائی ہے اسے پالا ہے سینے سے لگا کر مہرباں برسوں
ہاتھ اٹھانے میں کیا برائی ہے لوگ تم کو سلام کرتے ہیں
تیرے قربان تیری محفل میں دوستی منہ پہ دشمنی دل میں
اے صفیؔ پانو تو پڑنے سے رہے ہم ان کے بیٹھنے دو جو وہ آن جان بنے بیٹھے ہیں

خانہ بدوشیوں کا صفیؔ کی شمار کیا
مسجد میں ہیں کبھی تو کبھی خانقاہ میں

رات بھر آپ کی امید میں دھوکے کھائے
تھا یہی حال یہ آتے ہیں کہ وہ آتے ہیں

زنجیر ہم نے ڈال لی خود اپنے پانو میں
انساں کبھی نہ جائے حسینوں کی چھانو میں

صفیؔ صاحب کی خود ہی باریابی ہے وہاں مشکل
پھر اس پر ایک دو کو ساتھ حضرت لے کے جاتے ہیں

جگر کے درد کو یا سوئے چشمِ تر دیکھوں
الٰہی ایک ہوں آخر کدھر کدھر دیکھوں

زندگی کا کیا بھروسہ اے صفیؔ
آج گھر میں ہیں تو کل ہیں گور میں

تم سلامت رہو تو کیا غم ہے
مرنے والوں کی کچھ کمی ہی نہیں

اے صفیؔ اُنکی دشمنی کے نثار
لوگ میری نظیر دیتے ہیں

اُن کے لطفِ ستم آمیز کوئی کیا سمجھے
خط بھی آتے ہیں تو محصول طلب آتے ہیں

صفیؔ صاحب کی حالت کچھ سمجھ ہی میں نہیں آتی
زمانے بھر کے بےفکرے ہیں پھر حضرت پریشاں ہیں

دردِ دل، فکرِ معیشت دونوں ضد ہیں اے صفیؔ
اب غزل گوئی کریں یا مرثیہ خوانی کریں

مہرباں آپ نے کی مجھ پہ عنایت کس دن
کہیے! کس طرح، کہاں، کون سی ساعت، کس دن

دل آزاری، جفا، ایذا رسانی، ظلم، بے باکی
غرض تجھ میں ستم گر سب ستم گاروں کی باتیں ہیں

دغا، شوخی، شرارت، شوخ چشمی، جور، ہٹ دھرمی
یہ معشوقوں کے شیوے ہیں؟ یہ دل داروں کی باتیں ہیں

لوگوں سے پوچھتے ہیں یہ دیوانہ کیوں ہوا
جیسے وہ آئینہ تو کبھی دیکھتے نہیں

دل جو دُکھے تو جی نہ چھوڑ صفیؔ
مرد ہمت سے کام لیتے ہیں

مرے طرزِ عمل پر لوگ کیا کیا نام رکھتے ہیں
صفیؔ میں بےادب ہرگز نہیں ہوں بےتکلف ہوں

ہر اک کا حالِ دل ہر ایک کا مطلب سمجھتے ہیں
حسینوں کو نہ سمجھو کم سمجھ، یہ سب سمجھتے ہیں

میں اُن پہ جان دینے کو پیدا ہوا صفیؔ
جنت کی آرزو نہیں دوزخ کا ڈر نہیں

انھیں تو رات کیا آتی ہے گویا دن نکلتا ہے
کہ دن بھر سوتے ہیں وہ شام کو بیدار ہوتے ہیں

صفیؔ کیوں شاعروں میں نام لکھوایا ہے سنتے ہیں
"زباں گدّی سے کھینچی جائے گی" اِن کی قیامت میں

وہ دشمنِ جاں اور ہو غیروں کے اثر میں
اس لاگ نے اک آگ لگا دی ہے جگر میں

نہ چھوڑو سلامت روی اے صفؔی زمانے کی رفتار اچھی نہیں

ہاں ہاں صفؔی غریب بہت ہی غریب ہے لیکن غریب ہونا تو کوئی خطا نہیں

میدان سرخ رو نہیں مدحت میں اے صفؔی یہ کسر تو ضرور ہے میرے کمال میں

آپ کیوں مجھ پہ عنایت کی نظر رکھتے ہیں اتنی اتنی کی بھی اغیار خبر رکھتے ہیں

ہم جانتے ہیں صاحبِ فن تو نہیں صفؔی لیکن اثر بلا کا ہے اُس کے کلام میں

مرتے مرتے جی گیا بیمارِ غم اس سے بڑھ کر تو کوئی ذلت نہیں

سوچ لوں تو دوں ابھی خط کا جواب سر کھجانے کی مجھے فرصت نہیں

غزلیں نہیں کہی ہیں جوانی میں اے صفؔی لکھے ہیں یہ قصیدے حسینوں کی شان میں

بے غرض دنیا میں جینا بھی ہے بدنامی کا گھر لوگ مجھ کو یہ سمجھتے ہیں کہ میں مغرور ہوں

اُس خودغرض سے کام کسی کو پڑا نہیں آنکھیں بڑی بڑی ہیں مگر دل بڑا نہیں

کیا بتاؤں چارہ گر کس حال کس حالت میں ہوں تو نے جس آفت میں چھوڑا تھا اسی آفت میں ہوں

دنیا میں صفؔی نہیں تو کیا غم
ہونے کے کام ہو رہے ہیں

ہے صفؔی کے ساتھ یہ اردو یہ اندازِ غزل حاسدو سننے میں پھر آئیں گی یہ باتیں کہاں

تم کو حیرت ہے کیوں؟ صفؔی ایسا ایک ہوتا ہے ہر زمانے میں

صفؔی کا رتبہ کیا ہے شاعروں میں یہ خدا جانے مگر سب لوگ اکثر اس کو پڑھواتے ہیں آخر میں

لوگ ہیں طالبِ کمال صفؔی جی رہا ہوں کمال کرتا ہوں

اسکا طالب ہے تو پھر دنیا کو چھوڑ راستہ ہے صاف اے نادان! ''ہوں''

نہ ملا کچھ معاوضہ دل کا مال خاوند سرفراز نہیں

ایک معشوق پر کفایت کی کیا صفؔی اب بھی پاکباز نہیں

عشاق اپنے دل کو مناتے ہیں اے صفؔی دنیا کے لوگ عید مناتے ہیں عید میں

مجھے دیکھو کہ سب کچھ سن رہا ہوں انہیں دیکھو کہ وہ سب کہہ رہے ہیں

دیکھئے آپ کے مریض کا حال اب اُترتی کوئی دوا بھی نہیں

سچ تو یہ ہے نہوتے گر عاشق
آپ کو کوئی پوچھتا بھی نہیں

تذکرہ اس کا کیوں نکالتے ہیں
لوگ جلتے پہ تیل ڈالتے ہیں

صفی کو شاعری آئے نہ آئے
مگر مشہور تو ہے شہر بھر میں

غضب دیکھتے ہیں ستم دیکھتے ہیں
تجھے پیار سے پھر بھی ہم دیکھتے ہیں

صفی صاحب کا شاید یہ بھی کوئی ٹوٹکا ہوگا
کہ وہ ہر شب قلم کاغذ سرہانے رکھ کے سوتے ہیں

اے ساکنانِ کوچۂ دلدار دیکھنا
سب لوگ عیدگاہ کو جاتے ہیں عید میں

اے صفی اللہ جانے یہ غزل کیسی رہی
منہ کو جو آتا گیا کہتے گئے ہم جوش میں

حضرت صفی کا ظاہر و باطن ہے ایک سا
جو سادگی مزاج میں ہے وہ لباس میں

کب ترے لب پر بھلا نالے نہیں
اے صفی جینے کے یہ چالے نہیں

کسی پر کروں غور کیا اے صفی
مجھے اپنے جھگڑوں سے فرصت نہیں

گدائے میکدہ ہوں اور پھر نراسا ہوں
مرے نصیب کہ دریا میں رہ کے پیاسا ہوں

اسکا گرویدہ ہے اس کی شکل کا بھوکا ہے دل
ایسا نادیدہ تو ہم نے آج تک دیکھا نہیں

ابھی سب عہد ہو جائیں، ابھی اقرار ہو جائیں
بڑے ہوں آپ تو شاید طبیعت دار ہو جائیں

ہوتے ہوتے ہی ہوا کرتا ہے اس کا تو اثر
جذبِ دل ہے جذبِ دل، جادو نہیں ٹونا نہیں

جان دے دے اُن کا دامن اے دلِ نہ چھوڑ
دیکھ یہ آئی ہوئی شئے ہاتھ سے کھونا نہیں

موت کیوں آئی الٰہی انتظار یار میں
ہچکیاں جب لگ چکیں پھر کیا رہا بیمار میں

وہ گئے دشمنوں کی محفل میں
جان میں جان دل نہیں دل میں

بیمار ہوں تو اپنے مرض کی دوا کریں
لکھی ہوی نصیب کی گردش کو کیا کریں

آپ تو ایسے مری جان بنے بیٹھے ہیں کے
دیکھنے والے بھی حیران بنے بیٹھے ہیں

میں اور میری داد تری بارگاہ میں
بھرتا نہیں غریب کسی کی نگاہ میں

ہائے دل کھول کے رونا بھی نہیں ہوسکتا
سب یہی مجھ کو ڈراتے ہیں کہ وہ آتے ہیں

ان کو تاخیر نہ تھی وعدہ وفا کرنے میں
خیر میری ہی کمی ہوگی دعا کرنے میں

جنابِ دل کی خاطر دشمنوں کی بزم بھی دیکھی
وہاں خود ہو کے میں جاتا ہوں؟ حضرت لیکے جاتے ہیں

فقط باتیں ہی باتیں ہیں دلاسا ہی دلاسا ہے
یہ آنے والے کیا میری مصیبت لیکے جاتے ہیں

اے صفؔی بے چین کیوں ہو اس قدر
تلملی کے بیج تو کھائے نہیں

اے فلک، کہہ کے آہ کرتا ہوں
چوٹ آئی تو کوئی بات نہیں

اب وہ کیفیتیں نصیب کہاں
ہم کہاں، غم کہاں، رقیب کہاں

سبب کیا ہے بتا کیوں ظلم ہم پر ایسے ہوتے ہیں
محبت کے طریقے اے ستم گر ایسے ہوتے ہیں

عدو کو تو برابر بات بھی کرنی نہیں آتی
مگر ان کا کھلونا ہے مقدر ایسے ہوتے ہیں

کہیں الفت کے سچے دشمن بدفال ہوتے ہیں
ہتیلی میں کسی کی اے ستم گر بال ہوتے ہیں

کہیں کیا ہے جو کیفیت ہمارے دل کے داغوں میں
نہ ایسا رنگ پھولوں میں نہ ایسے پھول باغوں میں

آج تک پرسش حال دلِ رنجور نہیں
پھر یہ کہتے ہو "تغافل ہمیں منظور نہیں"

ان کی خاطر خون دل پیتا ہوں میں
دوسروں کے واسطے جیتا ہوں میں

مرے ناصح کی ہر اک بات قانون محبت ہے
لگائی ہو گی کیا کیا آگ حضرت نے جوانی میں

میں تو یہ چاہتا ہوں نہ ان سے ملا کروں
دل مانتا نہیں مرے اللہ! کیا کروں

اور تو دل میں کوئی حسرت نہیں ہے اے صفؔی
ہاں کفن ہے جس کو ہم نے آج تک پہنا نہیں

صیاد کا وجود نہ تھا اُس زمانے میں
جب آشیاں چمن میں تھا ہم آشیانے میں

توقع تو نہیں ہے ہاں خدا چاہے تو بچ جائیں
کچھ ایسی ٹھنڈی ٹھنڈی تیرے بیماروں کی باتیں ہیں

مانا کہ "انتظار میں ہے لطفِ دوستی"
لیکن، تمام رات کرے ہائے ہائے کون

ذرا پھر تو یہ کہنا "میں تو اُن سے بے تعلق ہوں"
صفؔی اس جھوٹ کے قربان ہو جاؤں تصدق ہوں

تمہاری مہربانی، دوسروں کے رنج کا باعث
کھٹکنے لگ گئے ہیں اب تو ہم چشم احبا میں

چلے جاؤ بھی کب تک وضع داری، دیکھ تو لو گے
صفؔی وہ جانے والے ہیں کہیں امروز و فردا میں

حیا خود تکلف کا ہے پیش خیمہ
وہ لاتے ہیں سامان تکلیف؟ لائیں

صفؔی اب کوئی چال ایسی نکالو
یہاں وہ کسی روز تشریف لائیں

دوا جس کی نہیں دنیا میں میں وہ درد پنہاں ہوں
کسی کی آنکھ کی حسرت کسی کے دل کا ارماں ہوں

یہی ڈر ہے کہیں بھولے سے پڑ جائے نہ اوروں پر
تجھے دیکھا ہے جب سے اپنی نظروں کا نگہ باں ہوں

تری صورت پرستی نے مجھے رسوا کیا ایسا
زمانہ مجھ کو سب کہتا ہے کافر، میں مسلماں ہوں

تری محفل میں میری باریابی کیوں نہیں ہوتی
کہ میں بھی آدمی سا آدمی انساں سا انساں ہوں

آنکھوں سے دور ہیں مرے دل سے قریب ہیں
اُن کے معاملہ بھی عجیب و غریب ہیں

کیا کہا تم نے صفی کو، ایسے
سو میں دو چار ہوا کرتے ہیں

طرف داری نہیں، ہم کو صفی سے کچھ نہیں لالچ
غنیمت آدمی ہے ایک یہ بھی یار باشوں میں

آج کیوں ملنے کی سوجھی آپ کو
ہاں بروں کی دوستی اچھی نہیں

ہتکنڈے اُن سے اے دلِ ناداں
چال بازوں سے چال کی باتیں

وہ جواں ہو کے بے وفا ہوگا
میری باتیں ہیں فال کی باتیں

اُنکو مجھ سے کام ہے اُن سے مجھے مطلب نہیں
یہ زمانہ جب نہیں تھا، وہ زمانہ اب نہیں

اس نے میری جان لے لی اور مجھ سے یہ کہا
''اتنی اچھی چیز رکھنے کا تجھے کچھ حق نہیں''

اب آنکھیں موندنا مشکل ہے وہ نقشے نظر میں ہیں
کبھی میں اُن کے گھر میں ہوں کبھی وہ میرے گھر میں ہیں

کہاں کا ضعف دل چسپی ہے باتوں سے محبت کی
جہاں ہم بیٹھ جاتے ہیں تو اکثر بیٹھ جاتے ہیں

فراقِ دولت میں تسکینِ دل کو مرتے ہیں
برس کے بارہ مہینے یُنہی گذرتے ہیں

نقشِ پا پر اُس کے سر رکھ دے صفی
دیکھ ایسے موقع کھوتے نہیں

احباب کی دھن ہے کہ مری طرز اڑا لیں
میری یہ تمنا کہ یہ اپنا سا بنا لیں

وہ روٹھ گئے ہیں تو سمجھ آئی ہے ہم کو
سوجھی ہے کہ بس آپ ہی اپنے کو منا لیں

فرقت کے زمانے ہی میں آوارگی اچھی
دل اس نے دکھایا ہے تو ہم پانو دُکھا لیں

مرا ہونا نہ ہونا ایک ہے، میں بھی عجب کچھ ہوں
نہیں سمجھو تو میں کچھ بھی نہیں سمجھو تو سب کچھ ہوں

وہ خوشیاں وصل کی خوشیاں تھیں یہ غم ہجر کا غم ہے
حقیقت کیا ہے میری میں تو جب کچھ تھا نہ اب کچھ ہوں

کیا کہوں اے نامہ بر کس حال کس حالت میں ہوں
تو نے جس حسرت میں چھوڑا تھا اسی حسرت میں ہوں

میری للچائی نگہ نے کیا کیا ایسا قصور
دیر سے کیوں آپ غصے میں ہیں میں حیرت میں ہوں

کچھ علاجِ دل بیمار کروں یا نہ کروں
ان حسینوں کو بھلا پیار کروں یا نہ کروں

دلِ گستاخ بتا تیرا ارادہ کیا ہے
اب اسے نیند سے بیدار کروں یا نہ کروں

کچھ سن کے روٹھے بیٹھے ہیں اب مانتے نہیں
وہ میرے منہ کی بات بھی پہچانتے نہیں

میرے احباب مراغم نہ کریں سانس نہ لیں
ان غریبوں کو بھی ناحق وہ کہیں پھانس نہ لیں

میں باوفا نہیں تو نہیں کوئی باوفا
تم نازنیں نہیں تو کوئی نازنیں نہیں

آپ ہی کوئی مشورہ دیجے
ہم تو دل کو بہت سنبھالتے ہیں

لوگ جس کو وصال کہتے ہیں
ہم اسے اک خیال کہتے ہیں

اُس کے جلوے کی خبر عام ہوی یاروں میں
بٹ گئی ایک دوا سیکڑوں بیماروں میں

ہم سے اچھی تھی وہ اک سوت کی انٹی والی
رکھ لیا نام تو یوسف کے خریداروں میں

ایسے بے درد بھی گذرے ہیں زمانے میں صفی
زندہ لوگوں کو جو چن دیتے تھے دیواروں میں

جن کے دلوں میں، میں ہوں، میں خوب جانتا ہوں
جن مشکلوں میں، میں ہوں، میں خوب جانتا ہوں

یوں بات کو نہ ٹالو، تم غیر پہ نہ ڈھالو
شکووں گلوں میں، میں ہوں، میں خوب جانتا ہوں

آپ کیا جانیں کہ دل کیا چیز ہے انسان میں
کچھ اداؤں میں گذاری آپ نے کچھ شان میں

بے غرض دنیا میں جینا بھی ہے بدنامی کا گھر
لوگ مجھ کو یہ سمجھتے ہیں کہ میں مغرور ہوں

آپ میرے دل میں ہیں، میں آپ کے دل میں نہیں
آپ مجھ سے دور ہیں؟ یا آپ سے میں دور ہوں

عاشقی کیا کی ہے، گویا دوسرے الفاظ میں
چیخنے رونے تڑپنے کیلئے مامور ہوں

دنیا میں اب وہ عیش نہیں ہے کہ غم نہیں
یہ جو بھی تھے وہی ہے مگر ہائے ہم نہیں

یہ جو دل تھامنے کی باتیں ہیں
سب ترے سامنے کی باتیں ہیں

اپنے جلوے سے وہ کریں انکار
آمنے سامنے کی باتیں ہیں

حضرتِ دل کو سیکڑوں غم ہیں
پیرومرشد بھی خود کوئی کم ہیں

ہر طرح سرفراز فرمایا
پھر بھی ہیں آپ آپ، ہم ہم ہیں

آج کس پر نگاہ ڈالی تھی　　تیری آنکھیں ذرا ذرا نم ہیں
حضرت دل وہاں مچل بیٹھے　　ایسے نادان دوست بھی کم ہیں

صفی آرام کی ہے آس تجھ کو آج کل کس سے　　ارے قاضی کے گھر کے چوہے بھی ہشیار ہوتے ہیں

ہاں ہاں صفی غریب بہت ہی غریب ہے　　لیکن غریب ہونا تو کوئی خطا نہیں
تو ابھی ان کی نگاہ ناز کے قابل نہیں　　دیکھ اب بھی مان لے میری، نہیں اے دل نہیں
دشمن اس کا دوست تو میرا بھی دوست　　مجھ میں اس میں کوئی غیریت نہیں
جان ہی کیا اور کچھ ارشاد ہو　　ہے! تو پھر حاضر میں کچھ حجت نہیں

اللہ اللہ ری تیری سخت دلی　　کتنے سنگِ مزار دیکھے ہیں
کیوں وہ تڑپے مرے تڑپنے پر　　سیکڑوں بے قرار دیکھے ہیں

کھل کھیلنا تو ان کیلئے ایک کھیل ہے　　لیکن وہ کھیل جس میں ہماری سہی نہیں
ذرا تو آہ و فغاں سے نجات ملتی ہے　　جو لوگ آہ و فغاں کے اثر کو دیکھتے ہیں
مرے دل میں عدو کو بھی جگہ دی　　اسی کا نام ہے دشمن بغل میں
ہمارے غم سے وہ ہیں اس قدر خوش　　کہ ہیں اشکوں سے موتی چور آنکھیں
شکوہ دہر؟ توبہ توبہ صفی　　دخل دینے لگے خدائی میں
ہائے میں جان سمجھتا ہوں انہیں کو اپنی　　کہ بُلاؤں تو مری جان کو آجاتے ہیں
نہ دے تاثیر گریہ میں حوالے مجھ کو اے ہم دم　　بہائی ہے عجب الٹی ہی گنگا سب کتابوں میں
کرہی کیا سکتا ہوں اس نازک طبیعت کے خلاف　　دیکھنے کو تو دل مجبور کی خدمت میں ہوں
چارہ گر نے ہاتھ چھوڑا دیکھئے آجائے　　اپنی اپنی دھن میں ہیں تیمار، میں فرصت میں ہوں
آہ کرتا ہوں اے فلک ہٹ جا　　چوٹ آئی تو مجھ پہ دوش نہیں
کسی کی آس نہیں کوئی غم گسار نہیں　　ہماری زیست ہی کیا ہے کہ خوش گوار نہیں
مجھے کیا ہے جو مجبور، اختیار ان کا　　یہ کوئی مسئلۂ جبر و اختیار نہیں
جواب صاف دیا اور اب وہ کیا دیں گے　　کہ آج سے میں کسی کا امیدوار نہیں

زبان دے کے پلٹنا تو خوب آتا ہے
نہ رکیئے عہد پہ کیا خود پر اعتبار نہیں

نہ پوچھیں دوست مجھ سے لوگ تجھ کو کیا سمجھتے ہیں
خدا اُن کو نظر دے جو مجھے اندھا سمجھتے ہیں

کیوں نہو مجھ کو قدر مجنوں کی
چار کپڑے زیادہ پھاڑے ہیں

دور کیا ہے جو اثر دے آہ میں
ہے بڑی قدرت مرے اللہ میں

امیدوار بناؤ تو پھر نہ تڑپاؤ
یہ انقلاب کے بعد انقلاب ٹھیک نہیں

کہاں کہاں نہیں اس التفات کا چرچا
نہیں نہیں یہ مجھی سے حجاب ٹھیک نہیں

حسینوں کیلئے آنکھوں سے دل تک صاف ہے رستہ
تو پھر آنکھوں میں آنسو دل سے کیوں مشکل سے آتے ہیں

نہیں کسی میں بھی یہ حسن یہ جمال یہ نور
اندھیرے میں بھی وہ پورے دکھائی دیتے ہیں

دیکھے سے یہ حسرت ہے کہ آنکھوں میں چھپالوں
کیا ہو؟ جو اسے بھینچ کے سینے سے لگالوں

غلام کاتبِ اعمال کا غلام نہیں
یہ کامیہ ہیں نکمّے سے ان کو کام نہیں

سوچتا ہوں بدن میں خون نہیں
کیا یہ وسواس بھی جنون نہیں

اگر چہ صبر کی ہمت دل حزیں میں نہیں
ملا رہا ہوں تری ہاں میں ہاں، نہیں میں نہیں

حضرت صفؔی کا ظاہر و باطن ہے ایک سا
جو سادگی مزاج میں ہے وہ لباس میں

نہیں دیوانگی بھی قابلِ رحم
لوگ اب یوں بھی مجھے ستاتے ہیں

ترے دل باختہ ہوش و خرد بھی ہار بیٹھے ہیں
کئی دن سے کراماً کاتبین بے کار بیٹھے ہیں

نادانیوں سے موردِ قہر و عتاب ہوں
یہ تو نہیں کہ مجھ پہ کسی کی نظر نہیں

شاید امیدِ صحتِ باطن نصیب ہو
جس دن نہاؤں میں عرقِ انفعال میں

اُن کے شکریے کا شکریہ ضروری ہے صفؔی
مجھ سے فرمایا گیا ہے "ہم ترے مشکور ہیں"

صفؔی جن کو نہیں پہچانتا میں
مجھے وہ بھی حسیں پہچانتے ہیں

اس نے جس دم مزاج پوچھ لیا
پڑ گئی جان میری رگ رگ میں

وہ میری عرض ان آنکھوں میں کچھ حجاب نہیں
وہ ان کا جھینپ کے کہنا نہیں جناب نہیں

ترے لئے تری تصویر بھی جواب نہیں
قسم خدا کی خدائی ہے یہ شباب نہیں

ابھی لوگوں پہ میں ظاہر نہیں ہوں
چھپاتا ہوں ہنر، کافر نہیں ہوں

دوست ہے صیاد گرم نالۂ فریاد ہوں
صدقہ مالک کا، کہ جو چاہوں کروں، آزاد ہوں

جیسے کے وہ طالب ہیں کچھ اس سے بھی سوا ہوں
بس کسر ہے اتنی سی کہ ارمان بھرا ہوں

بچ گیا فرقت کے صدمے سے صفؔی
تم سلامت! اب وہ کیفیت نہیں

جو یہ ارمان پورا ہو کہ بے ارمان ہو جاؤں
تصدق آپ کے ہو جاؤں میں قربان ہو جاؤں

تیرے نازک ہاتھ کو پھولوں کی ڈالی کیوں کہوں
ہائے اس کی نازکی پھولوں کی ڈالی میں کہاں

کل صبح کو امتحان، یہ آدھی رات
کیا خاک پڑھوں چراغ میں تیل نہیں

معنئ عشق تجھے خاک بتاؤں ہم دم
جو سمجھنے میں مزا ہے، نہیں سمجھانے میں

کیا صلح؟ کیا ملاپ؟ جو شکوے گلے نہیں
ایسے ملے ہم آپ کہ جیسے ملے نہیں

خلقت اُنھیں کہتی ہے جس سمت وہ جاتے ہیں
بگڑی ہوئی تقدیریں یہ لوگ بناتے ہیں

معتوب ہو کے دل سے مجبور ہو رہا ہوں
نزدیک ہو رہا ہوں یا دور ہو رہا ہوں

کچھ تو ایسے ہیں اُنھیں چھیڑ کے کرتے ہیں سلام
اور کچھ دیکھ کے ان جان بھی ہو جاتے ہیں

ناز و غرور والے کب ہم سے بولتے ہیں
ایک آنکھ بند کرتے ایک آنکھ کھولتے ہیں

صفؔی کو ہوا ترکِ دنیا کا خبط
اُسے چھوڑ تا ہے جو حاصل نہیں

رنج میں ہم جو مسکراتے ہیں
وقت سے فائدہ اُٹھاتے ہیں

دھرا کیا تھا چمن کے لال پیلے اودے پھولوں میں
مگر وہ لوگ جن کو جھولتے دیکھا ہے جھولوں میں

نہیں ہے رنج و غم، گو رنج بھی ہیں اور غم بھی ہیں
ہمارے ساتھ جب یہ ہیں تو ان کے ساتھ ہم بھی ہیں

محبت کیا نبھے آپس میں جب ایسی گرفتیں ہوں
ہنسے کیوں؟ آہ کیوں کھینچی؟ یہ ایسا کیوں؟ وہ ویسا کیوں؟

خط و خالِ شرافت اے صفؔی کیا خاک دل کش ہوں
وہ کیا پھولے پھلے رہ کر پلے جو ہم غریبوں میں

پاس ہیں وہ اور جی گھبرا رہا ہے، کیا کروں
آہ کرنے سے تو روکا جا رہا ہے، کیا کروں

بیداد کا شکوہ کیا اُن سے جب یاد کوئی بیداد نہیں
یہ بھول گئے وہ بھول گئے، یہ یاد نہیں وہ یاد نہیں

ہر طرح آرام پاؤں ہر طرح اچھا رہوں
یا تو میرے پاس تم ہوں یا تو میں تنہا رہوں

کام یابی کی مسرت نے نہ رکھا ہوش میں
وہ تھے یا اُن کا تصور تھا مری آغوش میں

وہ جاتے جاتے کچھ مجھے فرما گئے تو ہیں
مڑ مڑ کے دیکھتے ہیں لگاوٹ ضرور تھی

دوستی ہے تو سب برابر ہیں
کیوں غریبوں سے وہ مکدّر ہیں

آپ دل دادہ ہیں کہ دل بر ہیں؟
اے صفیؔ اُن سے چاہنے کی ہوس

اپنی زلفیں بنانے والے
کس کی بگڑی سنوارتے ہیں

جو ہیں تیرے کرم کے طالب
جیسی گزری گزارتے ہیں

یہ سب انداز و ناز والے
اُن کی نقلیں اتارتے ہیں

اتنا بھی جی کو مارتے ہیں؟
رویا تو کرو صفیؔ شبِ ہجر

ذرا بھی اس کی طبیعت میں احتیاط نہیں
صفیؔ کی قدر ہی کیا ہے کہ سب سے ملتا ہے

اِس سے نیچا کوئی مقام نہیں
طالبِ قدر کیوں ہوئے ہو صفیؔ

تجھے پیار سے پھر بھی ہم دیکھتے ہیں
غضب دیکھتے ہیں ستم دیکھتے ہیں

پیرو مرشد بھی پیٹ بھر کے ہیں
فاقے کھینچا کریں صفیؔ لیکن

چپ بیٹھیے اس وقت میں اپنے میں نہیں ہوں
جی میں ہے کہ سب چھوڑ کے بس گوشہ نشیں ہوں

اے صفیؔ جینے کے یہ چالے نہیں
کب ترے لب پر بھلا نالے نہیں

دشمن کو بھی گلے سے لگاتے ہیں عید میں
آخر میں کس امید پر اُن سے گلے ملوں

ہم اب تو ان کے منہ پر کہہ رہے ہیں
یہ آنکھیں ہیں کہ دریا بہہ رہے ہیں

مجھے دیکھو کہ سب کچھ سن رہا ہوں
انہیں دیکھو کہ وہ سب کہہ رہے ہیں

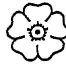
خدا نے آج یہ دن بھی دکھایا
تمہاری بے رخی بھی سہہ رہے ہیں

نہیں تو کس لئے جب وہ تڑپتا ہے یہ روتی ہیں
بہت سچ دل کے آنے کا سبب آنکھیں ہی ہوتی ہیں

ہمارے آنسوؤں کو خوب سمجھے ہو کہ موتی ہیں
تمہارے سامنے رونا ہے اپنی آبرو کھونا

ہم کچھ اپنے میں جان پاتے ہیں
جب تجھے مہربان پاتے ہیں

دشمن جو اس کو کرتے ہیں رسوا کیا کریں
بے لوث آدمی ہے صفیؔ جانتے ہیں آپ



"و"

تمہاری پاک محبت میں رشکِ غیر ہوا
یہ کس نے آگ لگادی مری کمائی کو

بات جس کی پھوٹ جائے، راز جس کا فاش ہو
پھر کوئی آزردہ دل، کم بخت کیا بشاش ہو

اے صفی عشق و محبت کا تو پھر کچھ لطف ہے
کم سے کم دل میں اگر ایمان اک خشخاش ہو

ہم نشیں! تجھ سے دل بہلتا ہے
ہائے کس طرح چھوڑدوں تجھ کو

اے صفی روکے کیوں ڈراتے ہو
گرم پانی سے گھر جلاتے ہو؟

رہ رہ کے قبر میں بھی تو اکتا گیا ہے دل
آتا ہے فاتحہ کو نہ کوئی درود کو

حسیں وہ کیا، جو ظالم آپ ہی اپنے پہ نازاں ہو
کسی کی آنکھ کی ٹھنڈک، کسی کے دل کا ارماں ہو

تو نے آزار دئے اے بتِ خودسر ہم کو
منہ پہ کہہ دیتے ہیں، ہاں ہم کو ستم گر ہم کو

کیوں میری طرح کراہتے ہو
کیا تم بھی کسی کو چاہتے ہو

دل لے کے پائے مال کیا بدتمیز ہو
انسان تو وہی ہے جو ہر دل عزیز ہو

سکھاتا ہے نئی ہر ایک اُس کو
ہدایت دے الٰہی نیک اُس کو

رقیبوں سے رکھو تم دوستی اغیار کو چاہو
کوئی آنکھوں سے دیکھے اپنی، یہ کس کا کلیجا ہو

عدو سے دشمنی، مجھ سے محبت، دونوں دوبھر ہیں
مرے کس کام کے تم، تم سے ایسا ہو نہ ویسا ہو

چھپاتے ہو ہمیں سے کام کی باتیں صفی صاحب
اجی بس پیر و مرشد، تم تو دنیا بھر میں رسوا ہو

شکوہ اغیار کا ہوتا ہے سنانے ہم کو
مہرباں! اتنی سمجھ دی ہے خدا نے ہم کو

یہ دل لگی خراب ہے، یہ دل لگی نہو
اک دن ہنسی ہنسی میں کہیں دشمنی نہو

معلوم ہوگیا کہ وہ نازک مزاج ہیں
اللہ دوستی میں کہیں دشمنی نہو

ایسا نہو تو ہم کو اِن آنکھوں سے فائدہ
صورت شناس سب سے ہوں گو دوستی نہو

حسیں ہو، مہ جبیں ہو، نازنیں ہو
مگر تم، قول کے سچے نہیں ہو

اک جگہ تم نہیں رہتے ہو تو ہرجائی ہو
اور یا میری طرح سے کوئی سودائی ہو

فکر اب خطاط و منشی کی نہیں مضمون کو
آفریں ہے ٹائپ کو شاباش ٹیلیفون کو

کسی کی ماتمی پوشاک کیا تھی اک قیامت تھی
نہ بھولیں گے صفؔی! ہم عید میں بھی اِس محرم کو

ہونٹوں پہ اُن کے اے دلِ ناداں نہ جان دے
میٹھے ٹھگوں سے کام پڑا ہوشیار ہو

تم نے بھی کس سے دوستی رکھی ہے اے صفؔی
انسان کو زبان کا کچھ اعتبار ہو

کسی کو منہ سے برا یا بھلا سمجھ کے کہو
زبان منہ میں ہے لیکن ذرا سمجھ کے کہو

بدنام میری طرح کوئی بے سبب نہ ہو
مالک مرے! کسی پہ بھی ایسا غضب نہ ہو

نیند آتی نہیں ہے راتوں کو
یاد کرتا ہوں اُن کی باتوں کو

عاجزی، منّت، خوشامد پر بھی وہ چپ ہی رہے
منہ سے بول اٹھتا اگر پڑتے کسی پتھر کے پانو

جان لی بہتوں کی لاکھوں کے گلے پر چل گیا
ایسے کیا فولاد کے ہیں آپ کے خنجر کے پانو

جان بھی جاتی تو یہ ذلت نہیں ہوتی پسند
ایک تیرے واسطے پڑتا ہوں دنیا بھر کے پانو

دیکھنے والے ذرا دیکھیں خدا کی شان ہے
اک وفا پابند کا سر اور اک خودسر کے پانو

اللہ حالِ دردِ جگر عام تو نہو
بد ہو تو ہو مگر کوئی بدنام تو نہو

آپ کیوں دوسروں کے دل کے بنے رکھوالی
غیر کا غیر کو دے دیجے، ہمارا ہم کو

تیرے صدقے ترے قربان، نہو آزردہ
کچھ یہ دل تجھ سے زیادہ نہیں پیارا ہم کو

دوست کو دے فرار کا موقع
گھیر کر مارتے ہیں دشمن کو

ہم کو شک میں ڈال دیتی ہے صفؔی کی بول چال
دوستو! تحقیق کرنا یہ اُدھر والا نہ ہو

عید کے دن بھی ہماری آرزو پوری نہو
میرے مالک عشق میں اتنی بھی مجبوری نہو

میرے سارے دوست ہی معشوق ہیں گویا صفؔی
روٹھ ہی جاتے ہیں فرمائش اگر پوری نہ ہو

جو مجھے تم خیال کرتے ہو
سچ تو یہ ہے کمال کرتے ہو

صفؔی! تم اور خواہش وصل کی اللہ ری گستاخی
ذرا اپنے کو دیکھو اور اس ارمان کو دیکھو

خرام ناز کے صدقے گیا کوئی تو کیا غم ہے
چلو جانے بھی دو جو کچھ ہوا اچھا ہوا بیٹھو

صفیؔ تُو دوستوں سے کیوں لیا کرتا ہے وحشت کی
ارے ہم تجھ کو چاہیں اور تو جنگل کے جھاڑوں کو

اگر تجھ کو بھی کچھ مشہور ہونے کی تمنا ہے
صفیؔ دو چار غزلیں یاد کروا دے حسینوں کو

صفیؔ بھی ہے تمھارے بس میں آخر
تمھارا بس چلے تو مار ڈالو

جام نہ ہو تو مے کشو عیش نہ بدمزا کرو
دستِ خود و دہانِ خود اوکھ سے پی لیا کرو

ہونٹوں پہ مسکراہٹیں آنکھوں میں یہ لگاوٹیں
کہتی ہیں سب بناوٹیں ہم سے کچھ التجا کرو

دم نکل جائے شبِ غم درد وغم اتنا تو ہو
وہ نہ آئیں تو نہ آئیں کم سے کم اتنا تو ہو

کہیں بیٹھو جو شب بھر، ہم کو کیا اس سے سوا بیٹھو
ہماری بات تو سن لو، اِدھر آؤ، ذرا بیٹھو

خوشامد، چاپلوسی، جبر سب کچھ کر کے بھر پایا
تم اپنے فعل کے مختار ہو اب جاؤ یا بیٹھو

یا رب کسی کی عشق میں حالت بُری نہ ہو
حالت اگر بُری ہو تو قسمت بُری نہ ہو

دشمن بھی اپنے دوست سے شاد اور خوش رہے
یا رب! کسی بُرے کی بھی حالت بُری نہ ہو

ہو جامہ زیب کوئی مگر اس قدر نہو
آج اُن کے دشمنوں کو کسی کی نظر نہو

جس طرح دردِ دل نے صفیؔ سے کیا سلوک
اس طرح سے شریف کوئی در بہ در نہو

الٰہی کوچہ گردی اس طرح کی ہم سے کب تک ہو
کسی صورت تو دل کو چین ہو آنکھوں کو ٹھنڈک ہو

گیہوں کے ساتھ گھُن بھی پس گئے اے خوبیِ قسمت
رقیبوں سے وہ بدظن ہو تو ہم سے بدگماں کیوں ہو

مردہ دل جان گئے اپنے پرائے ہم کو
کاش پھر وہ ستم ایجاد ستائے ہم کو

یہی ہم ہوں، وہی دردِ جگر ہو
الٰہی پھر انہی قدموں پہ سر ہو

ہمارے دوست ہی ہیں دشمنِ جاں
زمانے سے ابھی تم بے خبر ہو

مجھ سے بڑھ کر چاہتے ہیں وہ مرے احباب کو
بندگی کو بندگی آداب ہے آداب کو

صفیؔ جھوٹا ہے اس کے شعر جھوٹے ہیں یہ سب سچ ہے
مگر اس جھوٹ کا نقصان کیا پہنچا زمانے کو

ہماری موت پہ بے درد اشک بار نہو
کہے جو دوست بھی اس کا تو اعتبار نہو

لال میں اُن کے لب لعلیں کی رنگینی کہاں
پیار کی چیز آج تک سمجھا ہے کس نے لال کو

آج کے دکھ سے ہو کے نڈر سے کل ملیئے ہے کل کیوں ہو
کل کی دنیا آج نہیں ہے، آج کی دنیا کل کیوں ہو

اگر تم کو صفیؔ سے ایک اچھے کی ضرورت ہے مری آمین! کوئی ایک اچھا اس سے پیدا ہو
ترکِ دنیا میں ہے زاہد کا خیال چھوڑتا ہے اُس کو جو حاصل نہو
ہے صفیؔ کا حال جو کچھ، ہے نظر کے سامنے دیدہ و دانستہ بھی اب کوئی شاعر ہو تو ہو
مسکراتے ہوئے دیکھے ہیں ہزاروں گل رو کیا پسند آئے گا کلیوں کا تبسم مجھ کو
نہیں ہے فرق کچھ عشق و ہوس میں چُھپاؤ اِس کو تو اُس کو نکالو
اچانک آنکھ میں آنسو تو آیا خطا تو ہے جدھر ڈھل جائے ڈھالو
اس کے نہ بنو بڑے، جو ہو بے ہودہ اس کو نہ بڑا بناؤ جو ارذل ہو
پوچھنا کیا ہے اس جوانی کا آپ معشوق آپ زیور ہو
نہ سہی چارۂ زخمِ دلِ مُضطر ہم کو خاک پاھے پہ پڑے آگ لگے مرہم کو
عارضِ گل رنگ لے کر دیکھنا گل زار کو چلیے پھولوں کی نظر لگ جائے گی سرکار کو
رشک وہ چیز ہے اغیار کی کچھ قید نہیں اور تو کیا کہ بھروسہ نہیں ہم پر ہم کو



"ہ"

کیوں تاڑ نہ لے کوئی نہ کیوں بات بگڑ جائے چالاک ہیں ہم بھی تو ضرورت سے زیادہ
سب کا وہ دل دار ہے اور اس کا دل بر آئینہ بس یہی نقشہ ہے وہ ہے اور دن بھر آئینہ
منہ لگا کر غیر کو بدنام و رسوا ہو گئے آج کو یہ بات جھوٹی آپ کے سر آئی نا
شوقِ خود بینی تمھیں ہے، اس کو لپکا دید کا تم سوا ہو آئنے سے، تم سے بڑھ کر آئینہ
یہ استادی مرے شاگرد کا استاد کب جانے صفیؔ آساں نہیں ہے دوسرے کے مال پر قبضہ
ذرا بے وقت کھڑکائی اگر زنجیرِ مئے خانہ تو ایسی برہمی یہ بے رخی اے پیرِ مئے خانہ



"ھ"

ہر آدمی کو اس کے خلاف آزما کے دیکھ
دشمن کو دوست، دوست کو دشمن بنا کے دیکھ

او آئینے کو چومنے والے اِدھر تو دیکھ
ہم روز دیکھتے ہیں ہمارا جگر تو دیکھ

ہے گردش ہی میرے مقدر میں کچھ
گھڑی بھر میں کچھ ہوں گھڑی بھر میں کچھ

آپ اپنی طرف ذرا دیکھیں
بن گئی ہے لڑائی کا گھر آنکھ

کتنوں کا خون کرچکے اللہ کو خبر
مہندی بغیر آپ کے یہ لال لال ہاتھ

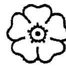
بندے سے کھینچ، آگے خدا کے پسار ہاتھ
بندے کے دو ہیں اور خدا کے ہزار ہاتھ

زندہ ولی ہوں جب سے ترے پانو چھو لئے
ہر ایک چومتا ہے مرے ناپکار ہاتھ

وعدے پہ میں نے ہاتھ بڑھایا ہے قول دے
دل میں جو کچ لپیٹ نہیں ہے تو مار ہاتھ

میری دعا کا راز ہم آغوش ہو کے پوچھ
تیرے ہیں یا اثر کے ہیں امیدوار ہاتھ

رہنے دیا بھی سر کو ہمارے تو کتنی دیر
زانو پہ مارتے ہیں وہ کیوں بار بار ہاتھ



"ی"

صفی اللہ کا احسان ہے اب وہ زمانہ ہے
مثالیں لوگ دیتے ہیں کہیں اُن کی کہیں اپنی

نہ آیا کام آخر سو طرح باتیں بنانا بھی
مجھے تو اپنے دن بھی یاد ہیں تیرا زمانا بھی

اب اُس کے در سے اُٹھ کے کہاں جائیں ہم نشیں
تھوڑی سی رہ گئی ہے بہت سی گذر گئی

غالبؔ نے جب کہا تھا یہ مصرع مگر صفیؔ
اب آبروئے شیوۂ اہلِ نظر گئی

ہم سے کھچے کھچے بھی ہیں اب اور دور بھی
اپنے کو کچھ سمجھنے لگے ہیں حضور بھی

صفیؔ کی جھوٹ پر ملتی ہے کیوں داد
اگر جھوٹوں پہ لعنت ہے خدا کی

میرؔ و غالبؔ کو رونے والو
اِک دن یاد آئے گا صفیؔ بھی

مشکل سے کیوں نہ ہوگی صفیؔ کی گذر بسر
شاعر بھی ہے غریب قدامت پسند بھی

پھر ان سے ہم سے آج ملاقات ہوگئی
پھر میل جول ہوگیا پھر بات ہوگئی

میرے رونے پہ وہ بت روئے خدا کی قدرت
سخت حیرت ہے کہ کیسے ہوا پتھر پانی

عاشقی میں سیکھ ہی جاتے ہیں سب آدابِ عشق
یہ محبت خود سبق بھی ہے سبق آموز بھی

کچھ عجیب چیز ہے محبت بھی
کہ مصیبت نہیں مصیبت بھی

آدمی یوں تو آدمی سب ہیں
ہے مگر شرط آدمیت بھی

شاعری خوب چیز تو ہے صفیؔ
ہو مگر لاگ پر طبیعت بھی

آج اس کی دُھن میں ہم ایسے چلے
راہ میں کتنوں سے ٹکر ہوگئی

آنکھوں آنکھوں میں دل لیا اس نے
کانوں کانوں مجھے خبر نہ ہوئی

اُنہیں صفیؔ کی وفاؤں نے کردیا مجبور
زمانہ سمجھا ہے شاعر کی قدردانی کی

پیماں شکن ہو، شوخ ہو، مغرور ہو کوئی
لیکن وہ کیا کرے جسے منظور ہو کوئی

مجھ سے بڑھ کر قدر میرے شعر کی ہے اے صفیؔ
آگئی لفظوں میں اچھائی مری تقدیر کی

بہرِ مذاقِ عام حقیقت میں اے صفیؔ
تھوڑی سے چاشنی بھی دیا کر مجاز کی

پیری میں تجھ کو شوقِ عبادت ہوا صفیؔ
ناطاقتی میں سوجھی ہے روزے نماز کی

پہلے اس نے زبان لی میری
پھر ہر اک بات مان لی میری

صفیؔ اچھا کہوں کس طرح اُس ہندوستانی کو
جو کہتا ہو ''مری اُردو سے میری فارسی اچھی''

عاشق کو ضرورت ہی نہیں ہے کسی شئے کی
یہ بات کہی آپ نے تو لاکھ رُپے کی

بس بس یہ سب چنین و چناں چھوڑ اے صفیؔ
دل صاف کر، کہاں کی صفائی زبان کی

عاشقی عیش بھی ہے خواری بھی
بے وقوفی بھی ہوشیاری بھی

شعر میں ہر بات سیدھی ہو صفیؔ
اور ایسی جو ہو سب کے کام کی

جاڑوں کی چاندنی کی طرح ہیچ ہے صفیؔ
مفلس کا عشق اور جوانی غریب کی

جنہیں عادت تھی میرے پاس دن سے رات کرنے کی
اُنہیں کو اب نہیں فرصت برابر بات کرنے کی

یہ بے رُخی تمہاری عاشق نوازیاں ہیں — سب خوب جانتے ہیں تقصیر اپنی اپنی

کم نگاہی بے رُخی اچھا ہوا تم سے ہوئی — شکر اس کا ہے کہ اس کی ابتدا تم سے ہوئی

ہائے کیا بھولا تھا، دُنیا کب جگہ تھی سیر کی — جلد آنکھیں ڈھانپ لیں میرے خدا نے خیر کی

تری اُلفت میں میری جان تو اے نازنیں نکلی — نہیں نکلی اگر دل کی کوئی حسرت نہیں نکلی

تجھ کو ہر ایک مانے واہ صفیؔ — سب نہیں مانتے خدا کو بھی

بزمِ دشمن ہے یا قیامت ہے — موت بھی تو وہاں نہیں آتی

ترے قربان بس اے فتنہ گر بس — ابھی تک ہے سرورِ عیشِ ماضی

صفیؔ اپنا مذاقِ طبع اب وہ کیا چھپائیں گے — جنہوں نے دلبری سے پہلے میری رازداری کی

کسی کو جان سے مارا کسی کا دل لوٹا — ستم شعار ادائیں تری جوانی کی

وفا کی تجھ سے ہو امید کیا وفا دشمن — ستم کیا جو بڑی مجھ پہ مہربانی کی

صفیؔ اب کہاں ہے وہ ذوقِ سخن — مری شاعری کو نظر ہوگئی

جگر میں درد ہے تو اپنے مرنے کی دعائیں کیوں — صفیؔ دنیا میں آخر کس کو بیماری نہیں ہوتی

صدمہ رہا، ملال رہا، بے کسی رہی — لیکن کسی کی دھن تو ہمیشہ لگی رہی

اس کو عشاق کی تمیز ہوئی — آج محنت ہماری چیز ہوئی

کیفیتِ مے سے ہے کیوں بے خبری اتنی — اے شیخ نہ پی چکھ لے، تھوڑی سی، ذری، اتنی

صفیؔ تم پر عنایت اور اس غارت گرِ جاں کی — بس اب اپنی زباں روکو بہت کچھ دون کی ہانکی

خالی خولی مجھ سے لڑتا ہے وہ کافر کیا کروں — اے صفیؔ منہ سے نکالا میں نے الا اللہ بھی

ہماری خاک کتنی دربدر ہوگی خدا جانے — کہ مرنے پر بھی اے ظالم تری حسرت نہ چھوٹے گی

صفیؔ کی دوستی ہے شہر کے سارے حسینوں سے — نہ چھوٹی آج تک اِن سے کوئی صورت نہ چھوٹے گی

فکرِ بتاں نہ ذکرِ خدا ہے جنہیں صفیؔ — ایسوں نے شاعری کی بھی مٹی خراب کی

گو ہمارے دل میں ہے ارماں بھی غم بھی سوز بھی — لیکن اتنا دیکھ، اُف تک تو نہ کی، اک روز بھی

ہماری بات اب تم دوسروں سے بھی نہیں سنتے — بری کیسی ہوئی یہ آج، کیوں تھی آج تک اچھی

قیامت میں انصاف ہو کر ہی رہے گا
صفؔی کی ہے آخر کو جنت صفؔی کی

صفؔی تم ہو گر دل جلے آدمی
ہماری بھی سن لو بھلے آدمی

مری جان دوزخ سے کیا واسطہ؟
اگر آدمی سے جلے آدمی

کل اُس کی بزم میں کچھ دیر چین سے بیٹھے
جناب دل نے بڑی مجھ پہ مہربانی کی

سنیے تقریرِ غیر کا مطلب
آپ کو یہ زباں نہیں آتی

اب کون پوچھتا ہے پابندیٔ وفا کو
دیوانو! توڑ ڈالو زنجیر اپنی اپنی

نویدِ وصل کے سنتے ہیں سکتہ ہو گیا مجھ کو
صفؔی مارے خوشی کے بات بھی منہ سے نہیں نکلی

آزماتے ہیں وہ رہ رہ کے محبت اپنی
ہے ابھی تو مرے قابو میں طبیعت اپنی

فرقت میں ہائے ایک نہ اک بات بڑھ گئی
دن بھی اگر گھٹا جو کبھی رات بڑھ گئی

دل میں شوقِ وصل بھی ہے آرزوئے دید بھی
ہائے کیسی عید ہے یا رب ہماری عید بھی

خدا کے ہاتھ ہے دیوانگانِ عشق کا پردہ
کسی نے چھین لی آرائش اتنوں کے مقدر کی

کر نہ فکرِ انبساط اپنے دلِ غم ناک کی
بند مٹھی لاکھ کی ہے کھل گئی تو خاک کی

پھر حسرتِ دید نے ابھارا
پھر میری دہنی آنکھ پھڑکی

آپ کی صورت نظر آیا کرے
ہے یہی صورت مرے آرام کی

چارہ گر احسان مجھ وحشت زدہ پر اور بھی
مارے سو پتھر جہاں اک آدھ پتھر اور بھی

دیکھئے اب تو آہ کرتا ہوں
پھر نہ کہنا ہمیں خبر نہ ہوئی

دکھا کر جلوہ رکھ لی بات مجھ ایسے اپاہج کی
رہے اقبال روشن! عمر پاؤ چاند سورج کی

دین کی فکر ہے نہ دنیا کی
اللہ اللہ بندۂ خاکی

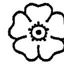
وہ بھی کیا دور تھا جب آپ سے ملنے کیلئے
ہم سے ملنے کی ہزاروں کو ہوس ہوتی تھی

رُخِ حبیب سے ہٹ کر جو سوئے طور گئی
قصور اپنی نظر کا ہے، بات دور گئی

بے توقع سامنے جب تیری صورت آ گئی
دل میں آئی جان، آنکھوں میں طراوٹ آ گئی

صفؔی بیماریٔ فرقت سے اُٹھا
کسی پر مر کے مُردوں کو دغا دی

اظہارِ شوق اُن سے گناہِ عظیم ہے جن کو نہو نصیب بلندی خیال کی
رُویا میں بھی نصیب نہیں ہے جمالِ دوست مدت ہوئی کہ لذتِ خواب گراں گئی
پامال بھی نہوسکے ہم اس کی راہ میں کوشش جو عمر بھر کی تھی سب رائگاں گئی
کیا خون رگوں میں رہے جاری ساری جب خاک میں مل جائیں امیدیں ساری
کیسے جگر کے لوگ ہیں جو تیرے پاس ہیں آرام سے نہ بیٹھ سکے ہم تو دور بھی
ہم خوب جانتے ہیں زمانے کے انقلاب نزدیک بھی رہے ہیں ترے اور دور بھی
ہنسنے میں تم بگڑنے نہ پائے کہ ہنس پڑے دیکھو تو کس مزے کا ہے میرا قصور بھی
خیر میں جو ہے فرشتہ، شر میں ہے شیطان بھی کچھ عجب مجموعۂ اضداد ہے انسان بھی
اے صفؔی بخشے گئے ہم بھی قیامت میں تو کیا سنتے ہیں فردوس میں حوریں بھی ہیں غلمان بھی



”دوہے“

ایسی ڈائن سے کیا بچوگے صفؔی موت باسٹھ برس سے تاک میں ہے
نہ سہی اُن سے محبت مگر اک چھیڑ سہی کچھ بھی ہوجائے طبیعت تو بہل جاتی ہے
ہیں بڑھاپے میں بھی اشعار صفؔی کے ویسے کہیں عاشق کی طبیعت سے چُہل جاتی ہے
اُمرا دوست بن رہا ہے صفؔی شاعری کو خراب کرتا ہے
ذرا دیکھو تو واعظ کا تن و توش یہ کس چکی کا آٹا کھا رہا ہے
بنتا ہے صفؔی جو غیر شاعر یہ بھی اک اُس کی شاعری ہے
پابند وضع ہم نے صفؔی سا سنا نہیں یہ بندۂ خدا بھی عجب فاقہ مست ہے
اشتیاقِ دید ہے آنکھوں کا روگ دیکھنے میں تو خوشی کی بات ہے
لالہ و گل کا یہ جوبن چار دن کا ہی سہی سیر کے قابل بہارِ گلشنِ ایجاد ہے
وحشت بھی ہوتو کب ہمیں جنگل سے کام ہے گھر میں اودھ کی صبح بنارس کی شام ہے

اب دوست سے غرض ہے نہ دشمن سے کام ہے
دونوں کو دونوں ہاتھوں سے اپنا سلام ہے

نہ کسی سے کوئی مطلب نہ شناسائی ہے
بزمِ دنیا مجھے اک گوشۂ تنہائی ہے

ان سے اظہارِ تمنا پہ حیا آئی ہے
ہائے کس وقت طبیعت مری شرمائی ہے

ایسے لوگوں میں بسر کیا ہو ہماری کہ جہاں
قیس آوارہ ہے، بدنام ہے، سودائی ہے

مدد شوقِ دیدار و تابِ نظارہ
اب اُن سے مرا آمنا سامنا ہے

دوست بیمار ہے تو کیا پوچھوں
دشمنوں کا مزاج کیسا ہے

آپ کو کیا کام ہے، حالِ دلِ رنجور سے
آپ رکھئے دور کی صاحب سلامت دور سے

تن پروروں سے طالبِ تعظیم ہو صفی
مر کر بھی یہ اٹھیں گے تو جرِ ثقیل سے

ہاتھ جوڑے، کوئی سو بار ترے پانو پڑے
اُف رے بے درد، کسی پر نہ تری چھانو پڑے

ابھی اس زود برہم کے ارادے سب بدل جاتے
اگر اِن بدنصیب آنکھوں سے دو آنسو نکل جاتے

اس کو خیالِ عشق و محبت ضرور ہے
لیکن کھچا کھچا ہے، ذرا دور دور ہے

بچپن میں تم کو حُسن پر اتنا غرور ہے
کاہے میں کچھ نہیں، ابھی دلّی تو دور ہے

ملنے کو کھچ کے ملتے عدو سے بھی ہم مگر
اخلاق سے بعید، مروت سے دور ہے

دولت ملے صفی کو تو کیا جانے کیا کرے
کاہے میں کچھ نہیں ہے تو اتنا غرور ہے

وفا دشمن سے، امید وفا کیا چیز ہوتی ہے
تمنائے حصول مدعا، کیا چیز ہوتی ہے

کوئی اختر شمارانِ شبِ غم سے ذرا پوچھے
گجردم ٹھنڈی ٹھنڈی سی ہوا کیا چیز ہوتی ہے

صفی نے خونِ دل کھایا، تو اشکوں میں بھی رنگ آیا
خدا کی شان، انساں کو غذا، کیا چیز ہوتی ہے

جگر میں درد ہے، لب پر فغاں ہے
جہاں جو چیز ہونی تھی، وہاں ہے

حسینوں کو غرور اپنا سا بخشا
مرا اللہ میاں بھی، بس میاں ہے

تری محفل میں تو موجود ہیں سب
صفی اورنگ آبادی کہاں ہے

بس ایک آپ ہیں، جو صفی کو نہیں نصیب
شاعر ہے زندہ دل ہے، ذکی ہے، متین ہے

جسکا دل دکھے، تڑپتا بھی ہے وہ، روتا بھی ہے
صبر اچھا ہے، مگر کیا دوستو، ہوتا بھی ہے؟

قتل کرنا ہی محبت کا اگر دستور ہے　　میرے سر آنکھوں پہ، جو کچھ آپ کو منظور ہے

مجھ کو حیرت ہے، صفؔی کو وہ نہیں پہچانتے　　بچہ بچہ جانتا ہے، شہر میں مشہور ہے

لکھا ہے حساب اس میں حسینوں کی جفا کا　　دیوان صفؔی کا ہے، کہ بنئے کی بہی ہے

آپ ہیں، میں ہوں، کوئی اب دخل در معقول کیوں　　سنتے آئے ہیں کہ ''دو میں تیسرا شیطان ہے''

وصل کی رات یاد آتی ہے　　بات پر بات یاد آتی ہے

اس زمانے میں صفؔی نام کو انصاف نہیں　　دیکھئے جس کو ہمیں کو وہ برا کہتا ہے

ستم گر ایک تجھ سے دوستی ہے　　مگر دنیا تو ہم کو کوستی ہے

ملنے کو ہیں وہ کس نے کہا تجھ سے اے صفؔی　　یہ مسئلہ ابھی تو وہاں زیرِ غور ہے

دل لگی دُکھ بھی ہے دوا بھی ہے　　عشق اچھا بھی ہے برا بھی ہے

دیوان کو صفؔی کے نہ پامال کیجئے　　کچھ تو لحاظ کیجئے، آخر کتاب ہے

صفؔی، یہ قائل و معقول معشوقوں سے اے توبہ　　ارے، کم بخت عاشق ہے کہ فخرالدین رازی ہے

دمِ آخر زباں پر بس اسی کا نام آتا ہے　　خدا بندے کے آڑے وقت میں بھی کام آتا ہے

بڑی مشکل نہیں ہے جان دینا　　مگر ہر اک سے ہوسکتا نہیں ہے

مرا ہر آسرا ٹوٹا ہوا ہے　　وہ کیا چھوٹے ہیں دل چھوٹا ہوا ہے

صفؔی کے شعر ہوں کس طرح سچے　　وہاں سو بار یہ جھوٹا ہوا ہے

برسات نہیں، دھوپ نہیں، رات نہیں ہے　　کیوں رُکتے ہو؟ آجاؤ! کوئی بات نہیں ہے

پرانی روش چھوڑ دے اے صفؔی　　زمانے کی رفتار اب اور ہے

آپ نے بھی صفؔی کو داغ دیا　　دل جلا سوختی میں بیٹھا ہے

حسن سے عشق کی نبھے کیوں کر　　ایک خود بیں ہے ایک خودسر ہے

شوخ معشوق، بوالہوس عاشق　　شرم اب اٹھ گئی زمانے سے

چارہ گر! شرم کر خدا کے لئے　　ہر مرض کا علاج ہوتا ہے؟

رند مشرب ہے صفؔی سا آدمی　　کیا مسلمانی ہے کیا اسلام ہے

بہت محال ہے شاگرد[1] پیشگی میں عروج ہر ایک کوئی محمد شکور ہوتا ہے!

پھر نہ کہئے مجھ کو تو بدبخت ہے بدنام ہے جو بھی ہوں اپنے لئے ہوں، آپ کو کیا کام ہے

غزل کی دھن نہ سامانِ غزل کی صفؔی کیوں؟ آج کل کیا ہو رہا ہے؟

طالعِ ناساز میرا ساز ہے دُکھ بھرا ہوں، دُکھ بھری آواز ہے

یہ جس میں کھائیں اس میں چھید ماریں کمینوں کو صفؔی سب کچھ روا ہے

ہیں سارے دوست آشنا پیسے کے اے صفؔی دنیا میں بھائی ساری محبت اسی کی ہے

ہے موت میں، نیند میں بس اتنا ہی فرق وہ آکے نہیں ٹلتی یہ ٹل جاتی ہے

صفؔی کوئی بھی ایطائے خفی سے بچ نہیں سکتا نہیں یہ عیب کچھ، البتہ ایطائے جلی کچھ ہے

آپ کیا پوچھتے ہیں ہم سے صفؔی کا قصہ خیر جس حال میں رہتا ہے غریب اچھا ہے

اب بھی رندوں میں جام چلتا ہے شیخ! چلنے کا کام چلتا ہے

آپ کے ساتھ آپ کے گھر تک ٹھیریئے یہ غلام چلتا ہے

یہ گلشنِ دکن رہے شاداب اے صفؔی سیتا پھل اپنے واسطے جنت کا سیب ہے

مبارک ہوں گے اُن کے در کے سجدے صفؔی تیری بھی پیشانی بڑی ہے

تقدیر کو روتا ہوں مگر شکر ہے اس کا اب تک بھی مری آنکھ میں آنسو تو نہیں ہے

دولت و حسن پہ ایمان خدا ہی رکھے ایسے موقعوں پہ تو نیت ہی بدل جاتی ہے

اُن سے کر بیٹھے جو دشمن کی محبت کا گلہ نہ نکلنے کی بھی غصّے میں نکل جاتی ہے

وہ اگر مجھ سے بدل جائے تو حیرت کیا ہے دیکھتے دیکھتے دنیا ہی بدل جاتی ہے

اچھی صورت جو نظر آتی ہے دل سے اک آہ نکل جاتی ہے

طبیعت جب کبھی آزردہ یا مغموم ہوتی ہے کسی کی بات تک اچھی نہیں معلوم ہوتی ہے

جو تم نے کہا وہ تو مجھے یاد ہے سب کچھ جو میں نے کہا کچھ تمہیں وہ یاد نہیں ہے

بھلا اورنگ آبادی صفؔی کا بھی سمجھنا کیا طبیعت میں ہے جیسی سادگی اشعار میں بھی ہے

---

[1] شاگرد پیشہ، اعلیٰ حضرت کے غلام کا عہد جس پر رہ کر محمد شکور نے عروج حاصل کیا۔

درد کا نام ستم گر نے دوا رکھا ہے
عاشقی کا ہے کی دیوانہ بنا رکھا ہے

جب تعلق نہیں رکھا ہے تو کیا رکھا ہے
تم ہو بے لاگ تو کیوں مجھ کو لگا رکھا ہے

وہ یہاں کل لائے جو تشریف یہ کہہ کر گئے
ذاتِ اقدس تو ہیں اچھے ہم سنے تھے مر گئے

زبان دے کے پلٹ لیں یہ ہو نہیں سکتا
خطا شریفوں سے اے دل وفا کمینوں سے؟

صفی مرتے ہیں جس پر وہ بھی کوئی چیز ہی ہوگی
نہیں تو ایسے ویسے کو یہ حضرت دیکھنے والے!

غزلوں میں اپنی صرف کیا میں نے اے صفی
جو کچھ ملا مطالعۂ میرؔ و داغؔ سے

مل نہ مل ہم سے بات کر کہ نہ کر
ہم تو بھوکے ہیں تیری صورت کے

لطف کیا ملنے کا جب کھچ کر ملے تن کر ملے
کاش ملنے کے طریقے سے وہ غارت گر ملے

کسی سے دوستی اب سے کروں تو میں نے توبہ کی
صفی اک آدھ دھلے چوک ہو جاتی ہے انساں سے

اُن سے ملنے کا وقت کیا ملتا
ایک اُٹھا تو چار آ بیٹھے

ہمیں معلوم ہے جو کچھ بھی ہوگا جیسی گذرے گی
مگر بیمار کو تم دیکھ جاتے اپنی آنکھوں سے

اُن کی مری جو ایک ذرا بھی چخ گئی
دشمن ڈھنڈورا پیٹتے بازار میں پھرے

امیدوارِ فضل و کرم ہی رہے مدام
پھرنے کو عمر بھر تری سرکار میں پھرے

نہ اتنا تن کہ کھائے ہر قدم پر ٹھوکریں لاکھوں
نہ اتنا جھک کہ اپنی ٹھوکروں میں تیرا سر آئے

اب صفی کو خبط ہے تو کیا کریں
عاشقی کرتے ہیں، صورت دیکھئے

غریبوں سے ہٹ کر الگ سو گئے
جواں ہو کے تم، کیا بڑے ہو گئے

میں ہوں اس سرزمیں کی خاک صفی
ابر برسا کئے جہاں ہُن کے

صفی اہلِ وطن سے کس لئے بے آس ہوتا ہے
خدا رکھے! ابھی ہیں پوجنے والے مزاروں کے

نہ نکلے غم اگر دل سے تو دم ہی کم سے کم نکلے
الٰہی! یہ غضب کیا ہے نہ غم نکلے نہ دم نکلے

یہ ہیں آداب اس کی بارگاہِ بے نیازی کے
زباں گدّی سے کھینچیں گر کسی کے منہ سے "ہم" نکلے

آبرو کھو کر کوئی کیوں اہلِ دولت سے ملے
پاؤ ٹکڑا لاکھ نعمت ہے جو عزت سے ملے

شاید الم بھی کوئی بڑی چیز ہے صفی
قرآں کی ابتداء ہے الف۔لام۔میم سے

رزق تو رکتا نہیں روکے سے لیکن اے صفؔی
آدمی کو کچھ نہ کچھ حیلہ بھی کرنا چاہئے

جاتے ہیں روز بھیس بدل کر صفؔی وہاں
شاعر نہیں جناب تو بھروپئے ہوئے

خواہ مخواہ بیچ میں رقیب پڑے
اب تو لڑتی میں ہم غریب پڑے

دل بھی گھر اس کا اور کعبہ بھی
ہاں اُدھر ہی کو جو قریب پڑے

ہم وہ ہیں کبھی منتِ اعدا نہ کریں گے
مرجائیں گے ایسا تو کیا تھا نہ کریں گے

صفؔی میں نے مانا کہ اب مبتدی ہوں
مگر کچھ تو ہوجاؤں گا کہتے کہتے

قدر بے چارے صفؔی کی کچھ زمانے نے نہ کی
اُس نے اپنے کو بدل ڈالا زمانے کے لئے

صفؔی ذوقِ سخن ہے جن کو، مجھ سے بھی کبھی مل لیں
جو سمجھیں گے مجھے تو کچھ مرے اشعار سمجھیں گے

گھٹتی چلی ہے رونقِ بازارِ کائنات
سستے چھٹے دکان جو اپنی بڑھا گئے

لوگ ہٹ دھرم ہیں سب اپنے زمانے میں صفؔی
نہ وہ ہندو ہی رہے اب نہ مسلمان رہے

کس طرح چھوڑیں صفؔی عادتِ نوشیدنِ مے
چھوٹنے کی ہو کوئی چیز تو ہم سے چھوٹے

یوں تو کھوجانے کو لاکھوں ہی دِرم کھوئے گئے
کھو گیا دیوان اب ایسا کہ ہم کھوئے گئے

بعد مرنے کے مری قدر اُنہیں ہوگی صفؔی
ہچکیاں لے لے کے روئیں گے رُلانے والے

نبھتی کہاں تک اُس بتِ خودسر سے دوستی
جو دن گذر گئے وہ غنیمت گذر گئے

دیکھی ہے اُن کی شکل جو پہلے پہل صفؔی
سائے کی طرح ساتھ تھے ہم وہ جدھر گئے

جو آئے تو خفا آئے جو ٹھیرے تو ذرا ٹھیرے
وہ آئے بھی تو کیا آئے وہ ٹھیرے بھی تو کیا ٹھیرے

صفؔی سارا زمانہ بس انہیں کا کلمہ پڑھتا ہے
حسینانِ جہاں عشاق کے حق میں خدا ٹھیرے

کچھ آئے نہ آئے عاشقی میں
لیکن دل کی سنبھال آئے

محبت سے تو ہم نے ٹھان لی ہے ہاتھ اُٹھانے کی
وہ آخر کیا کرے جو ہر طرح بے زار ہوجائے

قیامت میں تو سب دیکھیں گے لیکن دیکھنا اُس کا
یہاں بھی جس کو صاحب آپ کا دیدار ہوجائے

جو ہے اللہ کا بندہ تو بس اللہ والا بن
کہ دنیا میں تجھے اللہ کا دیدار ہوجائے

بڑی ہے تاک جھانک اے حضرتِ واعظ مگر دیکھو
اگر سچ مچ مجھے اللہ کا دیدار ہوجائے

میرے گھر آتے ہمیشہ عار آئی آپ کو
خیر جھوٹوں ہی کبھی مجھ کو بلا کر دیکھئے

جس میں ہوتا ہے خونِ امیدوں کا
عاشقی وہ امیدواری ہے

قابلِ عفو نہیں حکم عدولی آقا
چلتے چلتے جو قلم ٹوٹ گیا سر کاٹے

ٹھیر جا کھل جائیگا سب ہم سے جن کو لاگ ہے
دل جلوں کی آہ ظالم اوپلی کی آگ ہے

تمہاری سادگی بھی ہائے کیا ان مول گہنا ہے
اِدھر آؤ کہ مجھ کو کان میں اک بات کہنا ہے

ہے صفؔی بھی عجیب مردِ خدا
اس کو دل سے دعا نکلتی ہے

ستم گروں سے گھڑی بھر نباہ مشکل ہے
صفؔی خدا کی قسم ضبطِ آہ مشکل ہے

جو سنا ہے تم نے دشمن کی زبانی اور ہے
میرا قصہ اور ہے میری کہانی اور ہے

قیس و فرہاد ہوں گے کیسے لوگ
آج تک جن کا نام چلتا ہے

وصل کی رات یاد آتی ہے
بات میں بات یاد آتی ہے

مرے رنج و غم کی اُنہیں کیا خبر ہو
صفؔی درد جس کا وہی جانتا ہے

رُکے ہم سے، اگر وہ خودسر و خودکام رُکتا ہے
کہ رُکنے سے کسی کے کیا کسی کا کام رکتا ہے

غریبوں کو ستاؤ، مار ڈالو، بے نشاں کر دو
نہ کوئی کہنے والا ہے نہ کوئی سننے والا ہے

فلک ویسا ہے، تم ایسے ہو، دل ہے دشمنِ جانی
ہمارے بعد کوئی بھی ہمارا رونے والا ہے؟

اس سے نہ اب ملیں گے یہ عہد کر لیا ہے
آئندہ دیکھتے ہیں جو مرضیٔ خدا ہے

ٹکٹکی دیر سے تم نے جو اُدھر باندھی ہے
آج کیوں ایسی سخاوت پہ کمر باندھی ہے

صفؔی دیکھی ہے دن بھر شیخ کی اونگھ
یہ شب بیدار ہے یا پوستی[۱] ہے

طالبِ دیدار کب سے ہوں یہ کیا انصاف ہے
میں ہی میں ہوں، دیکھ میرے چاند مطلع صاف ہے

تم جس پہ مٹ رہے ہو صفؔی بے وفا سہی
لیکن بڑا شکیل بڑا وضع دار ہے

غمی خوشی میں، خوشی میں غمی، یہ حالت ہے
کسی سے وصل ہے ہم کو کسی سے فرقت ہے

تمہیں کیا کام اگر رونا کسی کا بے تحاشہ ہے
چلو رستہ سنبھالو، یہ بھی کیا کوئی تماشہ ہے

---

[۱] وہ شخص جو خشخاش کے بونڈے گھول کر پیئے۔

بجز اک زخم دل میں کیا دھرا ہے فقط اس گھر کا دروازہ بڑا ہے

نہ سمجھو اس کو اندازِ تغافل ہمارا آشنا ناآشنا ہے

ملنے کو ہیں وہ کس نے کہا تجھ سے اے صفؔی یہ مسئلہ ابھی تو وہاں زیرِ غور ہے

غمِ فردا نہ کھا، سن یہ مثل اللہ مالک ہے کہ اے دل آج تو گزری ہے کل اللہ مالک ہے

دوا کیا سوچتا ہے اے دلِ وحشی بہلنے کی خدا کے بندے گھر سے تو نکل اللہ مالک ہے

کہاں کے دوست اپنے دشمنوں کو بھی رُلادیں گے صفؔی ہم ایک لکھیں گے غزل اللہ مالک ہے

کیا کروں کیا نہ کروں بس یہی حیرانی ہے ایک غم ایک الم ایک پریشانی ہے

کچھ نہ کچھ تو ترے ملنے میں بھی ملتا ہوگا ورنہ مخلوق خدا کی کوئی دیوانی ہے

پھر اسی سے ہے صفؔی تجھ کو وفا کی اُمید ہائے کم بخت یہی تو تری نادانی ہے

مدد شوقِ دیدار و تابِ نظارہ اب اُن سے مرا آمنا سامنا ہے

دوست بیمار ہے تو کیا پوچھوں دشمنوں کا مزاج کیسا ہے

کس لئے افسردہ خاطر ہیں یہ تم سے کیا کہیں اب خوشی ہے تو خوشی ہے رنج ہے تو رنج ہے

یہ مانا ہم نے اُسکے ہجر کا دن حشر کا دن ہے ہمارا کیا، مرے ہم آج تو کل دوسرا دن ہے

صفؔی ہم جیسے مغلائی کی پوچھ اس روز کیا ہوگی یہ سنتے ہیں قیامت جسکو کہتے ہیں بڑا دن ہے

حسینوں کے قدِ موزوں میں ہے تو فرق اتنا ہے بڑا ہے تو قیامت ہے ذرا سا ہے تو فتنا ہے

میں کہوں دن ہے تو دن ہے، رات ہے تو رات ہے کچھ دنوں پہلے کی کہیے! یہ تو اب کی بات ہے!

زمانے کا ہر دم نیا روپ ہے کبھی چھانو ہے تو کبھی دھوپ ہے

کبھی ظلم وستم بھی ہے، کبھی مہر و وفا بھی ہے تعجب ہے کہ اچھا بھی ہے وہ ظالم بُرا بھی ہے

دیکھا جو غور سے تو یہ ثابت ہوا صفؔی انسان اپنے درپئے آزار آپ ہے

کچھ اس طرح دلِ دشمن کا داغ جلتا ہے کہ جیسے چور کے گھر کا چراغ جلتا ہے

اس کی وفا کو اے دلِ ناداں وفا نہ گن جھانسا ہے، دم ہے، چال ہے، جُل ہے، فریب ہے

جوشِ جنوں نے یہ تہ و بالا مچادیا دامن میں آستین، گریباں میں جیب ہے

کیا گُن بھرے ہیں پیٹ میں اُسکے خدا بچائے
صورت تو دیکھنے کو بڑی دل فریب ہے

روتے ہنستے بروگ بھرنا ہے
اے صفؔی ایک روز مرنا ہے

نہ جانے ہجر میں کیا ہے وصال میں کیا ہے
کسے خبر ہے کہ اُن کے خیال میں کیا ہے

موت کو برحق سمجھنا اور، مرنا اور ہے
یوں سمجھ لو منہ سے کہنا اور کرنا اور ہے

کسی کو تو خاطر میں لا اے صفؔی
ارے یہ تکبّر بُری چیز ہے

فضیلت کس کو ہے عشق و محبت میں خدا جانے
مجھے یہ مسئلہ کچھ حل طلب معلوم ہوتا ہے

مری فریاد پر وہ اور بھی بے داد کرتا ہے
سمجھتا ہے خدا سے یہ مری فریاد کرتا ہے

سامنے میں بھی ہوں لیکن وہ ہیں اوراخبار ہے
میرے ان کے بیچ میں اب کاغذی دیوار ہے

اے صفؔی میں اپنی گردش میں ہوں مجھ کو کیا خبر
یا زمیں چکر میں ہے یا آسماں چکر میں ہے

مجھ کو اس ظالم کی صورت زہر ہے
عاشقی کیا ہے خدا کا قہر ہے

ہے صفؔی ہی ایک ایسا خوش کلام
جس سے قائم آبروئے شہر ہے

ہنسی منہ پہ نہیں کھلتی مری حالت ہی ایسی ہے
"کہا روتے ہو کیوں؟" کہنے لگے صورت ہی ایسی ہے

بندہ مختار ہو نہیں سکتا
دیکھئے بات دُور جاتی ہے

مہر آنکھوں میں دکھانے کو ہے دل میں قہر ہے
اب تمہارا مسکرانا مجھ کو میٹھا زہر ہے

زندگانی موت کا پیغام ہے
بعد ہر تکلیف کے آرام ہے

بھولتا ہے کون ایسے رنگ کا شعر اے صفؔی
شعر کا ہے شعر جو تصویر کی تصویر ہے

سب سے بے لاگ جیا کرتے ہیں جو دنیا میں
جان اُن لوگوں کی آسان نکل جاتی ہے

دل دیا ہم نے اور اس نے لیا
ہاتھ کو ہاتھ کیوں نہ پہچانے

بات ہے یا نغمۂ باساز ہے
معجزہ ہے یا تری آواز ہے

یہی دنیا ہے تو اللہ ری دنیا
بجائے خود ہر اک بندہ خدا ہے

جسے دل کا مکیں میں جانتا ہوں
وہی کہتا ہے تیرے دل میں کیا ہے

ہماری آزمائش تم نے کی تو کیا برائی کی
کہ اپنے خاص بندوں کو خدا بھی آزماتا ہے

جب سے احساس موت کا ہے صفؔی زندگی معرضِ خطر میں ہے

موت سے پہلے جو مرتے ہیں صفؔی ترکِ دنیا بس اُنہیں کا کام ہے

غم نہ کھانے کا تو کھانے کو ملا کیوں صفؔی آخر خدا رزّاق ہے

جو دولت نہیں ہے تو کیا ہے صفؔی مری جان! عزت بڑی چیز ہے!

ہوئی جو شام رخِ بے نقاب دیکھا ہے چراغ دیکھ کے آج آفتاب دیکھا ہے

سینے میں میرے کب دلِ عزلت پسند ہے اک خط ہے راز کا جو لفافے میں بند ہے

صفؔی ہی سے صفؔی کے شعر سنیئے تو مزہ آئے مصنف کی زباں سے خوبیِ تصنیف کھلتی ہے

دمِ آخر زباں پر بس اُسی کا نام آتا ہے خدا بندے کے آڑے وقت میں بھی کام آتا ہے

سہارُوں درد کو تو آس جینے کی نہیں رہتی جو کچھ تڑپوں تو اُس بے درد پر الزام آتا ہے

دل کی نقدی الگ اڑائی ہے واہ کیا ہات کی صفائی ہے

ہر اک مایوس کو بھی کچھ نہ کچھ امید ہوتی ہے برس دن ہے برس دن عید آخر عید ہوتی ہے

جوانی اور غم، پھر غم بھی کس کا، غم محبت کا یہی دن ہیں کہ جن میں خون کی تولید ہوتی ہے

حالِ دنیا بھی کیا ہی مبہم ہے یہی جنت یہی جہنّم ہے

دشمن سے اور، مجھ سے ملاقات اور ہے اب وہ بنائیں بات تو یہ بات اور ہے

برہم ہیں وہ مجھ پہ اور چپ چاپ ہوں میں غصے کا علاج یوں بھی خاموشی ہے

دنیا کی ہستی ہی کیا ہے، یہ تو فریبِ ہستی ہے مفت آئی تو ہم سمجھے تھے پڑی رہے گی سستی ہے

رُلایا اِس نے جو حضرت کو آٹھ آٹھ آنسو وہاں جناب صفؔی تین پانچ بھول گئے

زمانے بھر میں کسی تو رحم آئے گا شکایت ان کی کریں گے بہت حسینوں سے

ان کی باتیں تو صاف سیدھی ہیں دل کی حالت صفؔی خدا جانے

خوب روئے ترے گلے مِل کے نکلے آنکھوں سے حوصلے دل کے

پھرتے پھرتے وہ بھی پھر جائیں گے اپنی راہ سے صبر کر اے دل بڑی امید ہے اللہ سے

اے اجل جب وہ یہاں آئے تو آنا تُو بھی مجھ کو اک نیک گھڑی چاہیے مرنے کیلئے

حالت مری لوگوں کی زبانوں سے تو سُنیے
آنکھوں سے نہیں دیکھتے کانوں سے تو سنیے

شوخیاں فرقت میں کرتے ہیں دل ناکام سے
دوسروں کو ہم بلاتے ہیں تمہارے نام سے

آپ کو کیا کام ہے حالِ دلِ رنجور سے
آپ رکھیئے دُور کی صاحب سلامت دور سے

وہ تیغ بہ کف ہیں نہ کہیں وقت گزر جائے
مرنا جسے منظور ہو جلدی سے وہ مر جائے

وہ اور عیادت کو کسی شخص کے گھر جائے
پھر بھی کوئی کم بخت جو مر جائے تو مر جائے

ابتدائے عشق میں کیوں جان کو یہ غم نہ تھے
وہ ہمیں تھے یا وہ کوئی اور ہی تھا ہم نہ تھے

وہ جان کا دشمن ہی بنے ہم سے بگڑ کے
ہونی ہے جو ہو جائے مگر دل تو نہ دھڑکے

چاہتے ہیں ہم تو، ہم کو دل ملے دل بر ملے
جو نہو تقدیر کا ملنا کہوں کیوں کر ملے

ستیاناس جائے اِس دل کا
جو کہیں ضد کرے کہیں نہ کرے

مجھ سے وہ تنگ آ کے کہتے ہیں
کہ کسی کو خدا حسیں نہ کرے

بزمِ دشمن میں کوئی کیا بیٹھے
لیکن اس نے بٹھالیا بیٹھے

بعد مدت کے آج آئے تھے
ایک دو بات کی ذرا بیٹھے

اپنے مرجانے کی افواہ جو لوگوں سے سُنی
ایسے دیوانے کہ ہم خود بھی پریشان رہے

ہم پہ بہتان ہے شکوے کا، ہم ایسا جو کریں
کوئی چاہے، تجھے اس بات کا ارمان رہے

ہمیں فرصت کہاں فریاد سے نالے سے شیون سے
تمہیں ٹھنڈا کرو اپنا کلیجہ سیرِ گلشن سے

وہ ہنسیں دشمن سے کچھ کہتے ہوئے
پھر مرے آگے مِرے رہتے ہوئے

آپ کو جو کچھ کہا اغیار نے
شرم آتی ہے مجھے کہتے ہوئے

حضرتِ دل کو ہے یہ ناز کہ ہم سے چھُوٹے
اور اچھا ہوا ہم دردو الم سے چھُوٹے

ہے وہ ارمانِ وصالِ ستم آرائے جہاں
نامہ لکھوں تو سیاہی نہ قلم سے چھوٹے

ابھی تو میرے عزیز مجھ کو دوا کریں گے دعا کریں گے
جو اِسکے آگے بھی میں نہ سنبھلا تو میری قسمت کو کیا کریں گے

کیا صفی خود ہو کے تم سے آ ملے
یہ امید ایسے طبیعت دار سے

بھول کر بھی نہ کیا تو نے کبھی یاد مجھے
ہاں! اِدھر دیکھ! مجھے او ستم ایجاد مجھے

اپنا شیوہ ہی نہیں دوست کا شکوہ کرنا
تو سمجھتا ہے ترے ظلم نہیں یاد مجھے

تو بھی اے عشق کیا قیامت ہے
آدمی تڑپے آدمی کے لئے؟

اللہ تری شان ہے یہ، ہے تری قدرت
منہ شیخ کا مے خانے کی زنجیر کے بوسے

بتوں کے پھندے سے کیا جان لیکے جائیں گے
یہی ہے شکر جو ایمان لیکے جائیں گے

ہزاروں غم ہیں، لاکھوں آفتیں ہیں، سیکڑوں صدمے
صفی اب رو رہا ہوں اپنے جینے کی دعا کر کے

آ رہی ہے وہ یاد پھر کل سے
ہائے وہ دھوم دھوم کے جلسے

چار دن سے صفی وہاں نہ گئے
ہفتہ، اتوار، پیر، منگل سے

زمانہ تھا کبھی لاکھوں حسیں اپنے بھی محسن تھے
وہ راتیں بھی عجب راتیں تھیں وہ دن بھی عجب دن تھے

آگ پھر آگ محبت کی، محبت بھی تری
کیا عجب ہے جو بنے ایک جہنّم دل سے

حسن پر طرہ جوانی ہوگئی
اُن کے شہرے اب تو گھر گھر ہوگئے

بات کرتے جھینپتی تھی آنکھ جن کی لاکھ بار
اب وہی تن تن کے چلتے ہیں ہمارے سامنے

تری محفل کی کوئی کچھ اگر تعریف کرتا ہے
نکل جاتا ہے منہ سے ہم بھی جاتے تھے وہاں پہلے

بے تکلف اُن سے ہوتا ہے صفی
اور کیا ہوتا ہے دیکھا چاہئے

صفی یہ چیز مقدر سے ہاتھ لگتی ہے
تو دوستوں کو مری جاں کوئی کتاب نہ دے

غمِ فراق میں آنکھوں کو اپنی رو بیٹھے
وہ ایک تو نہ ملا اور دو کو کھو بیٹھے

رقیبوں سے، کہیں کیا وجہِ گریہ
یہی پہلے ہمارے رازداں تھے

تڑپتے تھے کبھی جو تیری خاطر
بڑا دھوکا ہوا وہ ہم نہیں تھے

ہمارا ساتھ نہ دے راہ بر زباں تو دے
اتا پتہ تو بتادے، ذرا نشان تو دے

ہاتھ سے اس آسماں کے شاد کس دن ہم ہوئے
ایک غم سے کچھ اگر فرصت ملی سو غم ہوئے

ہوا ہے میرے دل کا خون ظالم
خدا اِس کا تجھے نعم البدل دے

میں آج کل بُرا ہوں جو سارے جہان سے
''اچھا'' کہا تھا آپ نے پھر کس زبان سے

دیدۂ تر کم سے کم اتنا تو ہو
اپنی بدنامی کے دھبّے دھو سکے

تجھ کو پالینا تو کیا دشوار ہے ہم اُسے مانیں جو کوئی کھو سکے

اپنے اچھے پن پہ کیوں ہے اس زمانے میں غرور اے صفیؔ وہ ناپ کُتا لے گیا وہ دن گئے

میاں صفیؔ کو بھلا شاعری سے کیا نسبت یہ شوق امیر کرے یا کوئی فقیر کرے

آدمی دل کو بَلا ہی جانے بلکہ کچھ اس سے سوا ہی جانے

میں جو روٹھا تھا تو وہ مجھ کو منانے آئے تھے یا فقط خاموش بیٹھے مسکرانے آئے تھے

تمہارے نام پر ہی مرنے والے جان دیتے ہیں وہ کیا ہوتا جو تم کو دیکھ جاتے اپنی آنکھوں سے

مجھے معلوم ہے جو کچھ بھی ہوگا جیسی گزرے گی مگر بیمار کو تم دیکھ جاتے اپنی آنکھوں سے

اُس کو غرور حسن پہ ہے عشق پر مجھے میری نظر اُسے ہوئی اُس کی نظر مجھے

تو اب بھی اس کی یاد نہیں چھوڑتا صفیؔ جو بے وفا گیا تجھے بے تاب چھوڑ کے

حسن اور اس پہ رنگ مہندی کا پانو یا ہاتھ چوم لوں اُن کے

جبھی تو عمرِ دو روزہ ملی ہے فدوی کو کہ جس کو پیار کرے اُس کا آزما نہ سکے

کسی کی جو سمجھ ہی میں نہ آئے یہ کافر عشق وہ سب کر دکھائے

آپ اب دیکھیں گے ایسا دیکھنے والا کہاں میری آنکھیں بند ہوجائیں تو پردا کیجیے

اُسے کیا روزِ وصل و روزِ فرقت جو یہ سمجھے کہ سب دن ہیں خدا کے

محبت شان سے کر اور مے خوری سلیقے سے کیا کرتے ہیں ہر اک کام کرنے کے طریقے سے

مکان میرے لئے لامکاں میرے لئے میں اُن کے واسطے دونو جہاں میرے لئے

آپ کے نام پر تڑپتا ہے وہ جو ہے اک صفیؔ صفیؔ کر کے

کبھی معشوق یوں عاشق کی ہاں میں ہاں ملاتے ہیں جو بے چارہ خوشی کے مارے دل پھٹ کر ہی مرجائے

نہ پوچھو تم صفیؔ کے خرچِ روزانہ کی کیفیت اسے سگریٹ بس ہوتے نہیں ہیں آٹھ آنے کے

ناصح کی نصیحت کو بے غوری سے ٹالا ہے اِس کان سنا ہم نے اِس کان نکالا ہے

آپ کرتے ہیں احترام مرا یا سکھاتے ہیں احترام مجھے

صفیؔ صاحب کو جس دم آپ کے درباں نے روکا تھا کوئی اتنا تو کہتا چھوڑ دے حضرت کو جانے دے

میری حسرت اگر نکالو گے — موت سے پہلے مار ڈالو گے

جنہا سی کو نسبت کیا ہے اُس ظالم کے بالوں سے — جو پھولوں کو ملا کر دیکھتا ہوا اپنے گالوں سے

دل میں آتی ہے سرِ بزم جو کوئی چوری — دیکھتے جاتے ہیں وہ چور نگاہوں سے مجھے

شاعری تو صفیؔ کی اچھی ہے — جھوٹ کیا سچ ہے کیا خدا جانے

نیند محبت کیلئے موت مصیبت کیلئے — یا خدا شکر کروں کون سی نعمت کیلئے

تسلّی تو دے اپنے مایوس کو — گھڑی بھر تو یہ حسبِ منشا جیے

وہ اچھا تھا جو دل کے ساتھ ہی اوسان کھو جاتے — ترے ہونے کے بدلے کاش ہم جنگل کے ہو جاتے

وہ دل کی بُجھاتے ہیں، لگی، مجھ کو رُلا کے — پانی کے لئے دوڑتے ہیں آگ لگا کے

وہ گھڑی بھر جو پاس ہو جائے — کچھ تو جینے کی آس ہو جائے

رنگِ بازارِ حُسن اس سے پوچھ — جس کا کاتا کپاس ہو جائے

خون گھٹتا ہے رنج کھانے سے — برکت چل بسی زمانے سے

ہم اور محفلِ دشمن ذرا تو سوچ کے دیکھ! — پہنچ گئے ہیں یہاں تک ترے نہ آنے سے

مزہ ناز کا ناز بردار سے — مری جان سودا خرید خریدار سے

جدائی کی مصیبت ہم کسی سے کہہ نہیں سکتے — گزر جاتا ہے دن، دن بھر در و دیوار کو تکتے

جہاں جاتے ہیں وہ جاتے ہیں ہو کر میرے گھر ہی سے — زمانے بھر کا اُن کو راستہ ہے کیا اِدھر ہی سے

دی جان، تیری راہ گزر سے گزر گئے — مرنا تھا ایک دن ہمیں ایسے ہی مر گئے

یہیں آئے وہ سیدھے اپنے گھر سے — الٰہی آج دن نکلا کدھر سے

صفیؔ کو آدمیت سے ہے انکار — یہ بچنا چاہتا ہے خیر و شر سے

رات بھر محفل میں بس اُن کی نظر دیکھا کیے — وہ جدھر دیکھا کیے ہم بھی اُدھر دیکھا کیے

قیامت میں بھلا کیا خاک عزت ہو گی دیوانو! — اگر فرہاؔد سے پیچھے رہے مجنوںؔ سے کم نکلے

ہر ایک کو یہ فکر ہے جائیں گے کہاں ہم — کوئی یہ نہیں سوچتا آئے ہیں کہاں سے

بے آس ہو کے جان پر اپنی نہ کھیل جاؤں — بے دل بنا رہے ہو کہ تم بے جگر مجھے

وہ سب کچھ جان کر ایسا ہے جیسا مجھے جانے نہ میرا نام جانے
اسے معلوم ہی کیا شامِ وعدہ جو اپنی صبح کو بھی شام جانے

دلِ عاشق کی دعا بابِ اثر تک پہنچے کاش اس گھر کی لگی آپ کے گھر تک پہنچے

کس کی محنت چیز کی عشقِ ستم ایجاد نے دودھ کی ندی بہادی دیکھئے فرہاد نے

کیوں دردِ عشق سہہ نہ سکے اور مر گئے ہم اپنے ساتھ اُن کو بھی بدنام کر گئے
وہ تو خرامِ ناز جو کرنا تھا کر گئے اُن کی بلا سے مر گئے عشاق مر گئے

توبہ کیجئے، میں بھلا توبہ کروں فریاد سے اِس جکڑ بندی کی اُمید، اور مجھ آزاد سے

صفیؔ صاحب تو شاید پارسا ہی بن کے بیٹھے ہیں کچھ ایسے ہو گئے حضرت نکلتے ہیں نہیں گھر سے

صفیؔ کا ذوق ہر حالت میں اُس کا ساتھ دیتا ہے شکر خورے کا منہ، اللہ بھر دیتا ہے شکر سے

آپ کیا پوچھتے ہیں ہم سے صفیؔ کا قصہ خیر جس حال میں رہتا ہے غریب اچھا ہے

اب بھی رندوں میں جام چلتا ہے شیخ! چلنے کا کام چلتا ہے
آپ کے ساتھ آپ کے گھر تک ٹھیرئے یہ غلام چلتا ہے

مبارک ہوں اُن کے در کے سجدے صفیؔ تیری بھی پیشانی بڑی ہے

تقدیر کو روتا ہوں مگر شکر ہے اس کا اب تک بھی مری آنکھ میں آنسو تو نہیں ہے

دولت و حسن پہ ایمان خدا ہی رکھے ایسے موقعوں پہ تو نیت ہی بدل جاتی ہے
اُن سے کر بیٹھے جو دشمن کی محبت کا گلہ نہ نکلنے کی بھی غضب میں نکل جاتی ہے
وہ اگر مجھ سے بدل جائے تو حیرت کیا ہے دیکھتے دیکھتے دنیا ہی بدل جاتی ہے
نہ سہی اُن سے محبت مگر اک چھیڑ سہی کچھ بھی ہو جائے طبیعت تو بہل جاتی ہے
ہیں بڑھاپے میں بھی اشعار صفیؔ کے ویسے کہیں عاشق کی طبیعت سے چُھل جاتی ہے

پابندِ وضع ہم نے صفیؔ سا سنا نہیں یہ بندۂ خدا بھی عجیب فاقہ مست ہے

بنتا ہے صفیؔ جو غیر شاعر یہ بھی اک اُس کی شاعری ہے

مجھ سے دل لے کے روٹھنے والے کہہ ترے دل میں اور کیا کیا ہے

یہ گلشنِ دکن رہے شاداب اے صفیؔ
سیتا پھل اپنے واسطے جنت کا سیب ہے

طبیعت جب کبھی آزردہ یا مغموم ہوتی ہے
کسی کی بات تک اچھی نہیں معلوم ہوتی ہے

اچھی صورت جو نظر آتی ہے
دل سے اک آہ نکل جاتی ہے

امرا دوست بن رہا ہے صفیؔ
شاعری کو خراب کرتا ہے

آج ہم آغوش ہم سے یادِ ہم آغوش ہے
رات ہے یا دن نکل آیا ہے کس کو ہوش ہے

مرا ہر آسرا ٹوٹا ہوا ہے
وہ کیا چھوٹے ہیں دل چھوٹا ہوا ہے

صفیؔ کے شعر ہوں کس طرح سچے
وہاں سو بار یہ جھوٹا ہوا ہے

برسات نہیں، دھوپ نہیں، رات نہیں ہے
کیوں رُکتے ہو؟ آجاؤ! کوئی بات نہیں ہے

پرانی روش چھوڑ دے اے صفیؔ
زمانے کی رفتار اب اور ہے

آپ نے بھی صفیؔ کو داغ دیا
دل جلایا سوختی میں بیٹھا ہے

حسن سے عشق کی نبھے کیوں کر
ایک خود بیں ہے ایک خود سر ہے

شوخ معشوق، بل ہوس عاشق
شرم اب اُٹھ گئی زمانے سے

چارہ گر! شرم کر خدا کیلئے
ہر مرض کا علاج ہوتا ہے؟

رند مشرب ہے صفیؔ سا آدمی
کیا مسلمانی ہے کیا اسلام ہے

صفیؔ کوئی بھی ایطائے خفی سے بچ نہیں سکتا
نہیں یہ عیب کچھ، البتہ ایطائے جلی کچھ ہے

صفیؔ یہ قائل و معقول معشوقوں سے اے توبہ
ارے کم بخت عاشق ہے کہ فخر الدین رازی ہے

ذرا دیکھو تو واعظ کا تن و توش
یہ کس چکی کا آٹا کھا رہا ہے

بہت محال ہے شاگرد پیشگی میں عروج
ہر ایک کوئی محمد شکور ہوتا ہے

پھر نہ کہئے مجھ کو تو بد بخت ہے بدنام ہے
جو بھی ہوں اپنے لئے ہوں آپ کو کیا کام ہے

غزل کی دُھن نہ سامانِ غزل کی
صفیؔ کیوں؟ آج کل کیا ہو رہا ہے؟

طالعِ ناساز میرا ساز ہے
دُکھ بھرا ہوں دُکھ بھری آواز ہے

جو تم نے کہا وہ تو مجھے یاد ہے سب کچھ
جو میں نے کہا کچھ تمہیں وہ یاد نہیں ہے

صفؔی کو ہے سب کچھ خدا کا دیا فقط کھانے کپڑے سے محتاج ہے

بھلا اورنگ آبادی صفؔی کا بھی سمجھنا کیا طبیعت میں ہے جیسی سادگی اشعار میں بھی ہے

درد کا نام ستم گر نے دوا رکھا ہے عاشقی کا ہے کی دیوانہ بنا رکھا ہے

جب تعلق نہیں رکھا ہے تو کیا رکھا ہے تم ہو بے لاگ تو کیوں مجھ کو لگا رکھا ہے

حشر میں جو کچھ بھی ہو، ہم تو چھپانے کے نہیں نامۂ اعمال بھی کیا دوست کی تصویر ہے

یہ جس میں کھائیں اُس میں چھید ماریں کمینوں کو صفؔی سب کچھ روا ہے

ہیں سارے دوست آشنا پیسے کے اے صفؔی دنیا میں بھائی ساری محبت اسی کی ہے

ہے موت میں، نیند میں بس اتنا ہی فرق وہ آ کے نہیں ٹلتی یہ ٹل جاتی ہے

ستم گر ایک تجھ سے دوستی ہے مگر دنیا تو ہم کو کوستی ہے

کہانی دردمندوں کی بڑی ہے لڑائی ہوگئی قسمت لڑی ہے

پابندِ وضع ہم نے صفؔی سا سنا نہیں یہ بندۂ خدا بھی عجب فاقہ مست ہے

پھر سے کہہ دیجئے لے مرنے سے کیا حاصل ہے؟ ہوش میں آؤ! کسے تم نے دیا دل؟ کیا ہے؟

آج ہم آغوش ہم سے یاد ہم آغوش ہے رات ہے یا دن نکل آیا ہے کس کو ہوش ہے

زندگانی وہ بتِ خود کام ہے اور بس آگے خدا کا نام ہے

سب سے بے لاگ جیا کرتے ہیں جو دنیا میں جان اُن لوگوں کی آسان نکل جاتی ہے

دل پرائے[1] و معشوق مرے بار نہیں ہے مل جائے اگر اب بھی تو انکار نہیں ہے

وہی معشوق ہے گویا ہمارا ہمارے حال پر جو مہرباں ہے

بھلا وہ عید ہے کیا عید جو بے دید ہوتی ہے کسی کی دید ہوتی ہے تو اپنی عید ہوتی ہے

نوازا آپ نے مجھ کو بڑی مہماں نوازی کی ٹھہر جاؤں اگر منظورِ خاطر اور بھی کچھ ہے

غضب ہیں تیرے دیوانے کوئی کیا اُن کو پہچانے کسی کا مشغلہ کچھ ہے کسی کی دل لگی کچھ ہے

لالہ و گل کا یہ جوبن چار دن کا ہی سہی سیر کے قابل بہارِ گلشنِ ایجاد ہے

---

(۱)۔ بال چھڑ

آپ اب تک خانماں برباد سمجھے ہیں مجھے — یہ بھی سمجھے، کس کی خاطر خانماں برباد ہے
چاہتا ہوں آخری سانسیں ہوں اطمینان کی — زندگی بس ایسے جینے کیلئے برباد ہے
اور کیا اپنی نظر سے بھی کبھی گر جاؤں گا — میری قسمت میں اگر ایسی بھی اک اُفتاد ہے
آئینہ دیکھ کے نہو بے دل — میری سن لے ابھی گیا کیا ہے
وحشتِ دل کی خطا ہے خارِ بے تقصیر ہے — یہ تو اپنی شامتِ اعمال دامن گیر ہے
دوسرے کو چاہنا کیا دیکھ سکتے بھی نہیں — دِل میں تیری یاد آنکھوں میں تری تصویر ہے
زخم دل کا جس نے دیکھا تیر سا دِل پر لگا — زخم سمجھو زخم ہے یہ تیر سمجھو تیر ہے
چودھویں کے چاند کو دیکھو ذرا میری قسم — ہو بہو، گویا تمہارے ناز کی تصویر ہے
اہلِ محشر کیا چُھپاتے ہیں یہ ان کے ہاتھ میں — نامۂ اعمال ہے یا دوست کی تصویر ہے
آپ کے ایک مسکرانے پر — ہم کو کیا کیا اُمید ہوتی ہے
دل نہو مستفیدِ حُسن، غلط — آنکھ جب مستفید ہوتی ہے
چین تنہائی میں حاصل ہے نہ اب محفل میں ہے — بس اُسی میں دل ہے جب سے وہ ہمارے دل میں ہے
بے وفاؤں سے ہے اب تک بھی وفاؤں کا خیال — عمر کا حاصل ہماری سعیٔ لاحاصل میں ہے
خُلد میں ہرگز نہ ہوں گے دہرِ فانی کے مزے — نیک بندو بات جس منزل کی اُس منزل میں ہے
کر تکلف مگر محل سے کر — بے محل ناگوار ہوتا ہے
اپنا عالم دکھا تو یہ بھی دیکھ — عالم اُمیدوار ہوتا ہے
ہو جہاں بھی جمالِ باعظمت — سجدہ سر پر سوار ہوتا ہے
کیوں چُھٹ گیا ہے اُن کا سنورنا نہ پوچھئے — اب کے برس بہار ہماری خزاں میں ہے
دیوانہ کہہ دیا جسے دیوانہ ہوگیا — تاثیر جس کو کہتے ہیں اُن کی زباں میں ہے
بربادِ خانماں کا ٹھکانا نہ پوچھئے — جس دن سے یہ مکاں میں نہیں لامکاں میں ہے
میں بھی ہوں کارروان میں اے میرِ کارواں — گنتی غبار کی بھی اگر کارواں میں ہے
اُمید کے خلاف کچھ اُمید آج ہے — اب اُس کے ہاتھ دردِ محبت کی لاج ہے

بے صبریاں یہ کیا ہیں یہ کیا اختلاج ہے
رحم اے دلِ حزیں کہ وہ نازک مزاج ہے

ہم اُس سے چھوٹ کر بھی تو اُس سے نہ چُھٹ سکے
جو اختلاج تھا ابھی وہ اختلاج ہے

ہر ایک کو عزیز ہے وہ جان سے سوا
کیا چیز ہے کہ جس کی مجھے احتیاج ہے

یہ مانا سانس کی آس آج تک ہے
مگر مجھ کو مرے ہونے میں شک ہے

ذرا تو غور سے اے چارہ گر دیکھ
ابھی شاید کہیں پر کچھ کسک ہے

اب نمک ریزی پہ بھی زخمِ جگر خوں ریز ہے
جور بھی معشوق کا کتنا محبت خیز ہے

کسی سے دردِ فرقت مانگنا یہ خواہشِ دل ہے
تصدق اس کے ہوں کتنا سلیقہ دار سائل ہے

ان آنکھوں کے تصدّق اور اپنے دل کے قربان ہوں
مجھی سے پوچھئے میری طبیعت جس پہ مائل ہے

خوشی ہو رنج ہو جو کچھ ہو تم کو یاد کرتا ہوں
تمہاری یاد تو نیکی بدی میں سب میں شامل ہے

غمِ فرقت نہ ہو دُشمن کے حصے میں کبھی یارب
کسی سے کیا کہوں جو لذّتِ بےتابیٔ دل ہے

وہاں بھی اگر صلحِ کُل میں رہے تم
تو محشر لڑائی کا میدان ہوگا

سب سے اچھا کب مقامِ جلوہ کوہِ طور تھا
دیکھنے والے کو تنہا دیکھنا منظور تھا

معشوق کو بدنام بھی کرنا نہیں آتا
لوگوں کو برا کام بھی کرنا نہیں آتا

دل دادگانِ مہر و وفا کا ہو کیا شمار
مخلوق کی زبان پہ ہے نام چند کا

اوروں کے واسطے ہو ہنگامۂ قیامت
اپنے لئے بہت ہے اک فتنہ ساز اپنا

لکھ لکھ کے میں نے حالِ دلِ دردمندِ عشق
رنگ اپنا خاص تھا جو اسے عام کر دیا

کس قدر عقل سے مجبور ہیں دُنیا والے
سر خریدا نہ کسی نے ترے دیوانے کا

تم اور صفی اُس کے نگہبان بنے ہو
لو آج سے اللہ نگہبان تمہارا

ستم ہو یا کرم ہر حال میں ہم سے مِلا کیجیے
نہیں تو دل میں ہو جاتے ہیں لاکھوں وسوسے پیدا

کام آئے گا نہ یہ ما و شما کا آسرا
آدمی کو چاہیئے رکھے خدا کا آسرا

سب کی ہنسی ہے حال دلِ بے قرار کا
سچ ہے کہ اب زمانہ نہیں اعتبار کا

دل کے بہلانے کو سمجھے آپ کا دیوانہ کیا
گھر ہی جب چھوٹا تو بستی کیا اُسے ویرانہ کیا

اللہ اگر سمجھ میں آتا بندہ ہر عیش بھول جاتا

وہ آدمی نہیں جو نہ ہو آشنا پرست پھر کوئی بت پرست ہو یا ہو خدا پرست

اس شوخ کی ادا دلِ ویراں میں بس گئی اب کوئی خود پرست بنے یا خدا پرست

سب رہے حیرت میں تیرے مبتلا کو دیکھ کر حشر میں تیرا خیال آیا خدا کو دیکھ کر

خیال اِک دُکھ بھری آواز کا کب تک وہ رکھیں گے کہ سچ مچ تیر تو بنتا نہیں نالہ رسا ہو کر

بزمِ دشمن میں ستم اس بانیٔ بیداد کا خون پی کر رہ گیا موقعہ نہ تھا فریاد کا

حاسدوں میں اک اضافہ روز وہ کرتا گیا جب گیا میرے گلے مِل کر مجھے مہکا گیا

دل کے جانے پر نہ کہہ بے درد ایسا کیا گیا لُٹ گئے ہم تو ہمارے پاس جو کچھ تھا گیا

واعظ کے نیک و بد کی تو اللہ کو خبر ظاہر میں آدمی تو بہت شان دار تھا

وہ واقعات کسے یاد اک زمانہ ہوا کسی نے کیا نہ کیا اور ہم پہ کیا نہ ہوا

دل میرا بنا تھا تو میں سمجھا تھا اسی دن دُنیا میں کہیں قصد ہے کعبہ کی بِنا کا

لڑکھڑائیں نہ مرے پانوِ دمِ نظارہ کتنی بدمست ہیں ساقی کی خماری آنکھیں

دوست نے مجھ کو مصیبت میں تسلی کیا دی ڈال دی اور نئی ایک مصیبت دل میں

ترے لطف و کرمِ عام نے برباد کیا پہلے رکھتے بھی نہ تھے ہم کوئی حسرت دل میں

دل ہے کیا چیز اگر اس کو سمجھ لے انساں نظر آنے لگے اللہ کی قدرت دل میں

ہم پہ جو وقت ہے اللہ وہ دشمن پہ نہ لائے ہے ترے آنے کا دھوکا بھی غنیمت دل میں

اے صفؔی اب شہر میں یہ مسئلہ مشہور ہے دیکھنے کی چیز ہے قادر علی خانِ صفؔی

آپ سنتے ہیں داستاں میری بس نہ کھلوایئے زباں میری

اے صفؔی جُرمِ عشق سے توبہ چھین لی آپ نے زباں میری

مری جان دوزخ سے کیا واسطہ اگر آدمی سے جلے آدمی

اگر ہو نہ افسوس میں کچھ مزا کہو ہاتھ پھر کیوں ملے آدمی

ہے حکم کہ ایسے کو بھی دیجے پانی رہ کر دریا میں بھی جو مانگے پانی

انکار بھی کیا تو کیا اس ادا کے ساتھ — گردن جھکا کے اور بہت ہاتھ جوڑ کے

وقت جو آپڑا گزارا ہے — کیوں گزارا ہے ہم نہیں کہتے

شہابی گال تیرے چشمِ بددور — میں ایسے پھول لوں کس باغباں سے

کچھ نہیں روز اک سلام تو لے — ہم سے کوئی نہ کوئی کام تو لے

مرے دل میں پڑے ہیں زخم ظالم تیری باتوں سے — مثل مشہور ہے بجتی ہے تالی دونوں ہاتھوں سے

تم کبھی تھے اجنبی یا جان کر انجان تھے — جو بھی تھے ایسے مگر مشکل نہ تھے آسان تھے

کسی کو زندگی کا بھید کیا معلوم ہوتا ہے — کہ رفتہ رفتہ ہر معلوم نامعلوم ہوتا ہے

میری تقدیر کا لکھا نہ مٹے تو نہ مٹے — بن نہ جائے تری دہلیز کا پتھر کاغذ

اپنی تصویر میں تو خود کو کہاں دیکھے گا — آئینہ آئینہ، کاغذ ہے ستم گر کاغذ

دردِ عشاق کی برداشت کا اندازہ تھا — کھو دیا سب نے بھرم اپنا پریشاں ہوکر

داد خواہوں سے بچانا سرِ محشر دامن — رہ نہ جائے کہیں عاشق کا گریباں ہوکر

ناز ابنائے زمانہ کے اُٹھائے ہم نے — ناز برداریٔ معشوق پہ نازاں ہوکر

ساقی سے بدعقیدہ ہو تم، ہے کدھر دماغ — اے زاہدانِ خشک ذرا تو ہو تر دماغ

وہ ایک ڈھب سے پاس ہیں اور ایک ڈھب سے دُور — ہونے کو سب کے دوست ہیں لیکن ہیں سب سے دُور

اُنگلی کتر کے یاد کروگے ہمارا قول — جب اُنگلیوں سے تم کو بتائیں گے چار لوگ

میں، اور میری داد، تری بارگاہ میں — بھرتا نہیں غریب کسی کی نگاہ میں

پہچان لیتے ہیں تجھے ہر رنگ روپ میں — کیا ہم نے اپنے بال پکائے ہیں دھوپ میں

اب جیوں یا جان سے قربان ہوں — مل چکے وہ کیا کروں حیران ہوں

پریشانی کہاں کی اہل دل تو سیر دیکھیں گے — قیامت خاص دن ہے حسن کی فرماں روائی کا

سراپا آپ کا دیکھیں تو آئے چین کیا ہم کو — اسی عالم نے اپنا کرلیا ہے ایک عالم کو

دشمن کو خط میں دوست کا پہنچالوں اے صفی — پیغمبری جو وقت پڑا ہے تو کیا کروں

دل دُکھایا جو میری آنکھ میں آنسو نہ رہے — وہ غریبوں کی بھی امداد کیا کرتے ہیں

بندۂ عشق و محبت بندۂ عالم نہیں
آپ سے کم ہوں میں لیکن دوسروں سے کم نہیں

بھلا اے حضرتِ دل آپ اور الفت حسینوں کی
یہ باتیں کام والوں کی ہیں بے کاروں کی باتیں ہیں

مرے مرنے پہ وہ خوش ہیں یہ کوئی کس طرح سمجھے
بہ ظاہر کہنے سننے کو تو غم خواروں کی باتیں ہیں

باوفا ہوتے ہیں کہیں معشوق
دیکھنا کیا کہیں سنا بھی نہیں

گنہہ گار ہوں کرتا ہوں، پاؤں پیشانی
خجالت اپنی مٹاتا ہوں یہ نماز نہیں

قسم کیسی کہاں کی وضعداری کس کی پابندی
جو پوچھا پیار سے اُس نے کہ کیوں چلتے نہیں گھر کو

سب جانتے ہیں آپ مرے حالِ زار کو
کیوں کر کہوں کہ آپ کو کچھ بھی خبر نہیں

اتنا ہے دیکھنے کیلئے آنکھ چاہئے
ہر سمت اُس کا جلوہ ہے کہئے کدھر نہیں

تیر کی طرح سے چلتی ہیں نگاہیں دل پر
تیغ کی طرح اتر جاتے ہیں ابرو دل میں

آنے والا بھی تو آئے کوئی ان باتوں میں
لوگ کیوں شور مچاتے ہیں کہ وہ آتے ہیں

بے چین شامِ وعدہ ہوں اُن کے خیال میں
یہ وقت مشترک ہے فراقِ وصال میں

اگر اب تک نہیں پی ہے تو یہ معلوم ہوا
لوگ بہکاتے ہیں اور آپ بہک جاتے ہیں

میرے مالک کسی بندے سے کبھی کام نہ ڈال
ایک اک کر کے سب احباب سرک جاتے ہیں

جامہ زیبی بھی عجب چیز ہے دنیا میں صفؔی
ایسے ویسے بھی تو آنکھوں میں اٹک جاتے ہیں

نہیں معلوم کس بارے میں کیا ارشاد ہوتا ہے
ہر اک انسان اپنی رائے میں آزاد ہوتا ہے

یہ جان دولتِ دیدار کا بدل ہوجائے
عطائے تو بہ لقائے تو بر محل ہوجائے

وقت انسان پہ اچھا نہ برُا رہتا ہے
دغدغہ موت کا اس پر بھی لگا رہتا ہے

شکوہ جفا کا نکلا خود باعث نظارا
وہ دیکھتے ہی نامہ غصہ میں بھر کے آئے

شاعر نہ مانیں لوگ تو اب کیا کروں صفؔی
میں جھوٹ بولوں کونسی دنیا کے واسطے

آنسو ہوں رواں تو خوب رولے
بہتی گنگا ہے ہاتھ دھولے

بیتاب کیا دِکھا کے جلوہ
کِس حسن سے مرے عیب کھولے

دنیا کھیتی ہے آخرت کی
جو کچھ بونا ہے جلد بولے

کہنے میں رکھے زبان انساں ۔ جو کچھ بولے سمجھ کے بولے

دل کی حالت تو خدا سے نہیں کچھ پوشیدہ ۔ یہ نہ سمجھو کہ نہیں آتی ہے فریاد مجھے

ہے میری نظر میں تو وہی تارکِ دنیا ۔ جو زینت دنیا سے سروکار نہ رکھے

مجھے نگاہ میں رکھ کر جو آئینہ دیکھو ۔ تو وہ ملے جو مجھے ہر خطا سکھاتی ہے

یوں دُکھاؤ دل کہ عاشق رو سکے ۔ اور پھر اب تم سے جو کچھ ہو سکے

ذرا سی لاگ میں انسان کچھ کا کچھ سمجھتا ہے ۔ صفائی ہم کو کرلینی پڑی سو بار دشمن سے

شرم آتی تھی التجا کرتے ۔ لیکن اس دل کو اپنے کیا کرتے

بے تکلف جو وہ ملا کرتے ۔ نہیں معلوم لوگ کیا کرتے

مجھ کو کہتے اگر بُرا سب میں ۔ آپ اپنے لئے بُرا کرتے

نہ منا رات بھر بھی کوئی صفیؔ ۔ ہوگئی صبح التجا کرتے

پھر کچھ ہماری قدر ہو پھر کچھ مزا ملے ۔ تم کو تمہاری طرح جو کوئی برا ملے

اب تو جنابِ شیخ کو پینے سے کام ہے ۔ مہنگی ملے خراب ملے بدمزا ملے

کہہ دیتے ہیں ہم صفیؔ سے کہ اس نے کیا ہے یاد ۔ اے کاش آج ہم سے وہ مردِ خدا ملے

ذرا میں زندگی سے اور کچھ مایوس ہو جاؤں ۔ تو کھل جائے وفائے آشنا کیا چیز ہوتی ہے

ایک سے ایک خوب صورت ہے ۔ اس کی محفل نہیں ہے جنت ہے

اس پہ قربان ساری خلقت ہے ۔ آدمی کیا خدا کی قدرت ہے

دل کو قربان کردیا اُن پر ۔ اب مجھے عمر بھر کی فرصت ہے

ایسے مزے کی بات محبت میں چاہئے ۔ دونوں طرف حجاب طبیعت میں چاہئے

بے تابیوں کے لطف نے اپنا بنالیا ۔ جی چاہتا ہے تجھ کو عداوت میں چاہئے

دل تو گیا ہے تم بھی بگڑ جاؤ اب ذرا ۔ ایک اور فکر ہم کو مصیبت میں چاہئے

پھر کیا رہا جو حسرتیں دل کی گئیں صفیؔ ۔ ارمان و آرزو تو محبت میں چاہئے

یوں محبت ہے درد کو دل سے ۔ جیسے لیلیٰ کو اپنی محمل سے

ناتوانی پہ زور کیا اپنا دو قدم بھی چلے تو مشکل سے
دوستوں کے نصیب سیدھے تھے بچ کے نکلے جو اُس کی محفل سے

رنج ہے اس رنج سے ہم کو تو غم اُس غم سے ہے جو شکایت ہم کو اُن سے تھی وہ اُن کو ہم سے ہے
کیا پڑی ہے پھر کسی کے واسطے روتا ہے کون آبروئے دید اپنے دیدۂ پرنم سے ہے
دشمنوں کا دو ہی دن میں سب بھرم کھل جائیگا اُن کی ساری شان و شوکت ایک میرے دم سے ہے
اس مذاق خاص کے بھی لوگ دیکھے ہیں کہیں آپ کی بھی جان پہچان آخر اک عالم سے ہے

پوچھو اُسی کے دل سے مزے اس ملال کے جس کو برا وہ کہتے ہیں اپنے پہ ڈال کے
بن بن کے مہرباں نہ کرو آزمائشیں پاؤگے ایک دو بھی نہ میرے خیال کے
اک آس رہ گئی ہے کہیں وہ نہ ٹوٹ جائے دل سے تم اپنے مجھ کو اُتارو سنبھال کے

رکھا بیگانہ اُس ناز آفریں سے شکایت ہے نگاہِ اولیں سے

دیا ہے عیش جسے پھر اُسے ملال نہ دے عروج دے کے کسی کو خدا زوال نہ دے

قصورِ بادہ ہے اس میں نہ کوئی جرم ساقی ہے مرا بے ہوش ہونا وارداتِ اتفاقی ہے

جیتے ہیں ایک روز مرنے کو زندگی موت کی نشانی ہے
خون روتا ہے اور خوش ہے صفؔی یہ بھی اک رنگِ زندگانی ہے

ترا صدقہ ہر ایک میخوار کا ممنون ہوں ساقی گدائے میکدہ ہوں ہر دوکاں پر اپنی پھیری ہے
صفؔی صاحب تو شعر و شاعری میں غرق رہتے ہیں خدا جانے نحوست کب سے یہ حضرت کو گھیری ہے

بلا سے دل پہ عاشق کے کوئی صدمہ گزر جائے اُسے کیا ہے کوئی مرتا ہے کل تو آج مر جائے
جہاں کوئی نہ پوچھے، اس جگہ جانے سے کیا حاصل جہاں عزت نہو تو کیوں کوئی بارِ دگر جائے
صفؔی اتنا تو اُس سے بے تکلف ہو نہیں سکتا نظر بھر کر جو دیکھا ہو تو آنکھوں سے نظر جائے

کہو کچھ اور کچھ نکلے زباں سے یہ آخر آج آئے ہو کہاں سے
بشر کا قُرب خلاقِ جہاں سے زمیں کرتی ہے باتیں آسماں سے
نہیں یہ بجلیاں اے بادہ خوارو اشارے ہو رہے ہیں آسماں سے

برائے نام پاسِ ہمت مردانہ ہوتا ہے جب آ پڑتی ہے سر پر آدمی دیوانہ ہوتا ہے

پھرتے ہیں اب تو شیخ مصلیٰ لئے ہوئے ہوں گے مگر جوانی میں کیا کیا کئے ہوئے

مستانہ چال اُس کی وہ مستانہ چال ہے جس طرح آئے کوئی ڈھلکتا پئے ہوئے

وہ تُو کہ تُونے کہنے کو کیا کچھ نہ کہہ دیا یہ ہم کہ آج تک ہیں تحمل کئے ہوئے

محفل میں اسکی چین نہ دم بھر ہوا نصیب آئے کبھی اُٹھے کبھی، بیٹھے کبھی چلے

یہ بھی مزاج ہے؟ ابھی خوش تھے ابھی خفا یہ کوئی بات ہے ابھی آئے ابھی چلے

عالمِ خرامِ ناز کے قربان ہوگیا کیا کیا کریں نہ آپ اگر آپ کی چلے

ہم نے بھی تو تیرے لئے تکلیف سہی ہے سو جان سے قربان ہوں کیا بات کہی ہے

کیا کیا نہ ہوا تیری محبت جو رہی ہے اللہ کو روشن ہے جو تکلیف سہی ہے

یہ وضع کی پابندیاں دو دن کی ہیں ساری یہ بات ہمیشہ کو رہے گی نہ رہی ہے

بڑھتا ہے کہاں شوقِ ترے لطف وکرم سے تعریف کے قابل تو تری کم نگہی ہے

دوست پہلوئے دوست ہی میں رہے آدمی کا مقام ہوتا ہے

وہ حسیں جس میں ہو متانت بھی قابلِ احترام ہوتا ہے

لگا کر ٹکٹکی میں نے پلکِ دانستہ ماری ہے وہ آنکھیں اور آنسو جیتنے کی شرط ہاری ہے

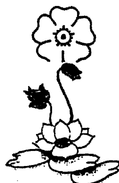
فلک ویسا ہے تم ایسے ہو دل ہے دشمنِ جانی ہمارے بعد کوئی بھی ہمارا رونے والا ہے

اگر اب تک نہیں پی ہے تو یہ معلوم ہوا لوگ بہکاتے ہیں اور آپ بہک جاتے ہیں

رُخِ حبیب سے ہٹ کر جو سوئے طور گئ قصور اپنی نظر کا تھا بات دور گئ

آرامِ ملازمت بھی پایا نہ صفیؔ اب تو مجھے شاعری پہ کچھ ناز نہیں

اِس زمانہ میں بصارت نہ بصیرت ہے صفیؔ ڈال دے اندھے کنویں میں کہیں دفتر اپنا



صفیؔ کے متفرق قطعات اور اشعار

حضرت صفیؔ نواب معین الدولہ بہادر کے زمانۂ حیات تک ان کے دربار سے وابستہ رہے۔ انہوں نے نواب صاحب موصوف کی تعریف میں متعدد قطعات اور اشعار موزوں کئے ہیں۔ راقم الحروف کو کلیاتِ صفی کی طباعت کے دوران، صفیؔ ہی کے قلم سے، خوش خط تحریر کئے ہوئے مذکورہ قطعات اور اشعار، جن میں سے بعض پر تاریخ تصنیف بھی درج کی گئی ہے، عزیزی رؤف رحیم سے ملے ہیں جن کو شکریہ کے ساتھ کتاب کے آخر میں شامل کیا جارہا ہے۔

اخگر

متفرق قطعات

۲۹ رمضان ۱۳۵۹ھ

مدح ثنا

دے کر غمِ دنیا سے اماں دیتے ہیں
جب دے نہیں سکتے ہیں زباں دیتے ہیں
ہر کام میں عذر کار ہیں اللہ میاں
دیتا ہی جب اللہ میاں دیتے ہیں

داد طلب صفیؔ

شبِ ہلال عید فطر ۱۳۵۹ھ

شوال جامۂ سبز تر

رتبہ جو ترا پایا ترے گھر کا رتبہ   ایسا نہیں ہر ایک بشر کا رتبہ

رویت مہِ شوال کی اور جامۂ سبز؟   اللہ رے اسٹیٹ کلر کا رتبہ

روزوں کا بھی لطفِ روزہ   ہنگامِ تراویح شبانہ
دیکھی تاریخ ہیاف نہ دیکھا   ~~کیا دیکھا، اگر سارا زمانہ دیکھا~~

~~موسم~~ سبزے ملی، دیکھ کے شوال کا چاند   جس نے مرے سرکار کا بانا دیکھا

صبحِ عید الفطر ۱۳۵۹ھ

عرضِ تہنیت

ظاہر ہے ہر اک کام کے آثار سے عید   ملتی ہے گلے ہر در و دیوار سے عید

کہتی ہے چہل پہل نمک خواروں کی   سرکار سے سب خوشی ہے سرکار سے عید

کیوں کر نہ کرے عرضِ زباں بردار   جو عید کی پوشاک ملی آپ کی بار

ہے فرقِ مجازی و حقیقی، ورنہ   تو بھی ستّار ہے خدا بھی ستّار

سینے میں جو دل ہے، دل میں امید بھی ہے   آنکھیں ہیں تو پھر آرزوئے دید بھی ہے

تھی عید بھی درکار۔ تو حضرت کے طفیل   امید بھی ہے دید بھی ہے عید بھی ہے

یکساں جو کرم سب پہ کیا کرتے ہیں   جن کو نہیں حق وہ بھی لیا کرتے ہیں

چھٹی نہیں ۔ یہ بھی ہے علامت گویا   اس ہاتھ سے سرکار دیا کرتے ہیں

۱۱-۱۲
۵۹-۱۳ } صبح

نمبر (۲)

التجائے فضل و عافیت

کوئی در و دیوار کی کیا سیر کرے
اب میں نہ کروں فکر تو کیوں غیر کرے
اب تک جو برآمد نہیں باہر سرکار
کیوں دیر ہوئی آج خدا خیر کرے

دعاگو صفی

ھو المعین

ہر ایک سے ملاپ مسرت سے تھا ہی
برتاؤ جب کسی سے ہی عزت سے تھا ہی
مشقِ سخن بھی، وادِ سخن بھی ہی تھا
جینے کا لطف تیری محبت سے تھا ہی

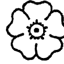
مخلص صفی

بعد دعائے عمر و صحت و اقبال

۲۷/اماں ۱۳۴۹ف

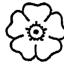
چل رہا ہے پیٹ، جو قدموں سے فدوی دور ہے　　کیا کروں سرکار! بندہ پیٹ سے مجبور ہے

دعا گو، نمک خوار، صفؔی غفرلہٗ

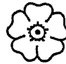


۲۹/آبان ۱۳۴۹

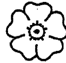
عرض ہے میری ہر تمنا کی　　اب طبیعت ہے کیسی آقا کی



آرام و سکوں کا ڈھب ہے کیسا　　حضرت کا مزاج اب ہے کیسا



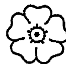
مزاج پرسی اقدس کے بعد کام نہیں　　کوئی مراد صفؔی کی بجز سلام نہیں



روزہ کشائی شامیاں، ۱۰/رمضان ۱۳۵۹ھ

اُستاد نے جو پائی ہے سرکار کی دعا　　شاگرد کو ضرور ہے افطار کی دعا

دعا گو صفؔی غفرلہٗ



۱۷/جمادی الاول ۱۳۵۹

نہیں جو نکلے نکالے سے پیچ قسمت کے　　سلام کیلئے حاضر ہوں بعد مدت کے

عرضِ خاکسار صفؔی



اظہارِ حق

۱۱-۱۲-۱۳۵۹

سوتی ہوئی قسمت کو جگا کے دیکھا　　بگڑی ہوئی بات کو بنا کے دیکھا
دولت، عزت، وقار، لطفِ دنیا کا مزہ　　سب کچھ تری سرکار میں آ کے دیکھا

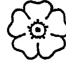
نمک خوار صفؔی

اظہارِ حقیقت

۲۵۔آذر ۱۳۵۰ف

آتا ہے یہیں پلانے پینے کا مزہ   موجود ہے ہر ایک قرینے کا مزہ
سرکار کے بدخواہوں کی یہ حالت ہے   مرتے ہیں کہ ملتا نہیں جینے کا مزہ

خاکسار صفیؔ

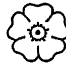


بعد آداب فدویانہ

۲،۳ ۱۳۵۰ف

گرمیٔ دربار سے محروم ہوں دل سرد ہے   کل سے پھر فدوی کی دونوں پنڈلیوں میں درد ہے

خاکسار صفیؔ غفرلہٗ



۱۹ردے ۱۳۵۰ف

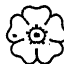
خدا کا فضل گو وہ ہو ذرا سا   نرا سے کو بنا دیتا ہے آسا
نہو مسعود کیوں دلبندِ مسعود   معین الدولہ کا یہ ہے نواسا

عرضِ خاکسار صفیؔ

۲۸ردے دوشنبہ ۱۳۵۰ف

ہمارا کل کا نہ آنا معاف کر دیجے   میاں! مزاج ہے کیسا ذرا خبر دیجے

صفی عفی عنہٗ



معروضۂ تشکر

صبح ۱۴ربہمن ۱۳۵۰ف

ہے صفیؔ۔ حضرت معین کے رُتبۂ برتر کے بعد   قدر جوہر کی ہے کب؟ اندازۂ جوہر کے بعد
اِک دہاَ کم تو ہے از روئے حسابِ ابجدی   ایک سو اسی[1] ہے لیکن، ایک سو ستر[2] کے بعد

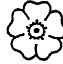
نمک خوار صفیؔ

[1] صفیؔ (۱۸۰) [2] معین (۱۷۰)

نذرِ عید قرباں

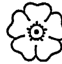
۱۰-۱۲-۱۳۵۹ف

بے شعوری سے، لڑکپن میں تھی نادانی کی عید ‏ ‏ عشق سے تھی، نوجوانی میں پریشانی کی عید
عید کی خوشیاں منائے، اور پھر مجھ سا اُدھیڑ ‏ ‏ کیوں نہو قربان تیرے، ہے یہ قربانی کی عید



شامِ عید

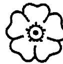
جو کوئی غرض لے کے یہاں آتا ہے ‏ ‏ پاتا ہے مراد اپنی چلا جاتا ہے
بے مثل ہے اِس دَور میں میرا سرکار ‏ ‏ داتا تو بہت سے ہیں یہ اَن داتا ہے



۱۷/اسفندر ۱۳۵۹ف

مشہور یہ ہر کوچہ و بازار میں ہے ‏ ‏ ہر رنگ کا انساں ترے دربار میں ہے
ادنیٰ، اعلیٰ، غریب، ثروت والا ‏ ‏ ہر اک کی کھپت بس اسی سرکار میں ہے

گزرانیدہ صفی مدحت طراز



حسنِ ظن

۹-اسفندر ۱۳۵۰ف

سنتا ہوں "کل سے پائے مبارک میں درد ہے" ‏ ‏ باعث خدانخواستہ کچھ دوسرا نہیں
شاید اُسی کا ہرج ہے۔ اِس سے سوا نہیں ‏ ‏ ترسوں ذرا جو کھیلی تھی کرکٹ حضور نے

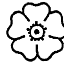
دعا گو صفی

عقیدت خادمانہ

صبح ۳۰ رفروری ۱۳۵۰ھ

مرے دل کو ہے اطمینان کافی
کہ یہ نزلہ ہے اِک امرِ اضافی
مگر طبعِ ہمایوں دیکھ کر سُست
وظیفہ ہے مرا ''اللہ شافی''

دعا گو صفؔی



تعمیلِ حکم

۸۔۶۔ ۱۳۵۰ف

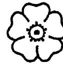
اثر ہے رات کے الطاف کا دونوں پر ابتک بھی
صفؔی بھی ہے درِ دولت پہ حاضر اور ناوک[1] بھی

بملاحظۂ ثنا میاں سلمہ'

۱۶۔ اروی بہشت ۱۳۵۰ف م ۲۱ رصفر ۱۳۶۰ صبح پنجشنبہ

پی لیا ہے جو کیاسٹر آئل
ہو غذا چرب، نرم، اور پھیکی
آپ سے خواہش اور فرمایش
ہے فقط شوربے گلتھی کی

طلب گار صفؔی



اَلسَّفَرُ وَسِیلَۃُ الظَّفَرُ

۱۶راردی بہشت ۱۳۵۰ صبح پنجشنبہ

سرکار نے جو حکم سفر کا سُنادیا
گویا، وسیلہ مجھ کو ظفر کا بتادیا
بستر سفر کا، پاس نہیں تھا، تو اِس لیے
میں نے درِ حضور پہ بستر لگادیا

ہمراہِ رکاب دعا گو صفؔی

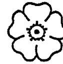
[1] سرفراز علی ناوک تلمیذ حضرت صفؔی اورنگ آبادی

انبساطِ معیت

۲۰ر اردی بہشت ۱۳۵۰ف صبح دوشنبہ

ایسی خوشی نہ دیکھی تھی اب تک بھی خواب میں سرکار ہوں سفر میں تو فدوی رکاب میں

عرضِ صفیؔ



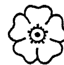
بے کس کو دے کے، دادِ کرم جو کریم دے اللہ اُس کریم کو اجرِ عظیم دے

عرضِ صفیؔ

بعدِ مراسمِ فدویانہ

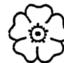
ہے یہی وِردِ زباں میرا رہوں جس حال میں ہو ترقی عمر و دولت، صحت و اقبال میں

کمتر دعائے صفیؔ



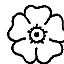
صبح یہ حاضری جو آج کی ہے فکر سرکار کے مزاج کی ہے

دعا گو صفیؔ



علالت سُن کے آتش زیرِ پا ہوں عیادت کے لئے حاضر ہوا ہوں

خاکسار صفیؔ



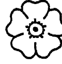
قرض خواہوں سے خلاصی جو ذرا پائی ہے رات میں کچھ مجھے آرام سے نیند آئی ہے

عرضِ صفیؔ

بعد مراسمِ فدویانہ

عرض ہے میری ہر تمنا کی　　اب طبیعت ہے کیسی آقا کی

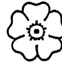
منظومِ کمترینِ صفؔی



دعائے صفؔی

فکر سے اِک بےقراری دل کو صبح و شام ہے　　کاش سن لوں اب مرے سرکار کو آرام ہے

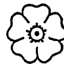
آمین! ثم آمین!



شکرِ نعمت

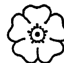
حسرتیں عید کی ستاتی تھیں　　دل میں برپا تھا ایک ہنگامہ
شُکر ہے کل عطا ہوئے مجھ کو　　شیروانی، قمیص، پاجامہ

صفؔی غفرلہٗ



کچھ عیش کی، کچھ عشرت کی دعا کرتا ہوں　　کچھ دولت و عزت کی دعا کرتا ہوں
ہیں دونوں دعائیں، مگر ان سے پہلے　　سرکار کی صحّت کی دعا کرتا ہوں

عرضِ صفؔی



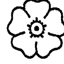
بہارِ نوجوانی دیکھ لوں آغازِ پیری میں　　نظر آجائے آزادی کا جلوہ ہر اسیری میں
مرے سرکار کی چشمِ عطا مجھ پر جو پڑ جائے　　امیری کا مزہ آئے محرم کی فقیری میں

عرضِ صفؔی

حسنِ طلب

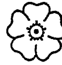
اِس عید میں جو پورا اپنا نہ کام نکلا　　پھر آج گھر سے فدوی بہرِ سلام نکلا

عرضِ صفیؔ



میری غرض نہ میرے تڑپنے کو دیکھئے　　اپنی عطا کو دیکھئے اپنے کو دیکھئے

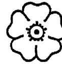
عرضِ صفیؔ



بملاحظۂ اقدسِ سرکار

آرام و سکوں کا ڈھب ہے کیسا　　حضرت کا مزاج اب ہے کیسا

صفیؔ دعاگوئے کمترین



ہر وقت ہو فیضِ عامِ ضامن ضامن　　بن جائے اثر میں نامِ ضامن ضامن

ضامن کرتا ہے پیش نادار صفیؔ　　سرکار کے ہوں امامِ ضامنؓ ضامن



بعدِ دعائے عمر وصحت واقبال

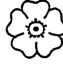
مزاج پرسیٔ اقدس کے بعد کام نہیں　　کہ میری کوئی تمنا بجز سلام نہیں

آستان بوس صفیؔ غفرلہٗ

مسرت منظوم

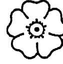
کل جو مردانے میں حضرت کی مجھے دید ہوئی　　　عید سے پہلے ہی گویا کہ مری عید ہوئی

عقیدتِ صفؔی



صد شکر اب تو مائل صحت مزاج ہے　　　جاتا رہا بخار۔ مگر اختلاج ہے

مجحوب صفؔی

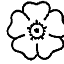


شعارِ بندگی

۲۵-۹ سنہ ۱۳۵۰ ف

صحّتِ کُلّی نہیں حاصل ابھی بیمار ہوں　　　بس قدم بوسی کی خاطر حاضرِ سرکار ہوں

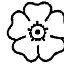
صفؔی



دعائے صبح گاہی

فکر کس کو ہے کشودِ کار کی　　　تن درستی چاہیے سرکار کی

خاکسار صفؔی غفرلہٗ



بعد مراسمِ فدویانہ

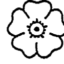
درد کیا ہے پانوں کا، تکلیف ہے ہر بار کی　　　سر پہ دشمن کے ٹلے، آئی بلا سرکار کی

کمترِ دعائے صفؔی

اِسی وقت عرض کیا گیا

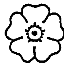
مثالِ ماہیٔ بے آب بے قرار رہا　　حضور! کل مجھے موٹر کا انتظار رہا

فدوی صفی



تصدق پیر و مرشد کا ہے عزت آبرو جو ہے　　یہ فدوی حاضر و غائب ثنا گو ہے دعا گو ہے

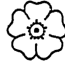
عرضِ صفی



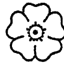
بتقریب عید رمضان ۱۳۵۸ھ　بتوسط میاں ثنا میاں سلمہٗ

اِک دھوم ہے عالم میں قریب اور بعید　　ہے غُرّہ شوال بھی کیا روزِ سعید
سرکار سے جو آج بھی سرکش ہی رہے　　سرکار کو عید اور عدو کو ہو وعید

دعا گو صفی



کہنے سے طبعیت نہیں میری تھکتی　　حیرت سے ہے دُنیا مرے مُنہ کو تکتی
سرکار کی تعریف میں کھولی ہے زباں　　اب میری بھی تعریف نہیں ہو سکتی



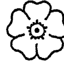
نواسا مبارک ہو سرکار کو　　ہزاروں کو پالے یہ ایسا پلے
رہے، رہتی دنیا تک اقبال مند　　یہ دودھوں نہائے یہ پوتوں پھلے

عرضِ کمترین صفی

شامِ عید

مشکل آسان تو بنا دیتا ہے　　ہر ایک کی شان تو بنا دیتا ہے
اے پیرِ مغاں! عید منانے کیلئے　　بوڑھوں کو جوان تو بنا دیتا ہے

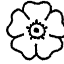
میرے لیے اپنے کو بھی پابند کرو
اِس سے بھی حفاظت مری دہ چند کرو
میں بادۂ سرجوش کا خُم ہوں ۔ لیکن
کھولو بھی تمہیں اور تمہیں بند کرو



نُدرتِ تخیّل

کیوں رنگ اُڑاؤں میں بھلا خلقت کا
کِس کو نصیب اَوج مری قسمت کا
رویت مہِ شوال کی، اور جامۂ سبز
''اسٹیٹ کلر'' دیکھ لیا حضرت کا

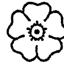
کمترینِ صفی



شوال جامہ سبز تر

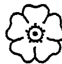
جو ہے ترا، یا ہے ترے گھر کا رُتبہ
ایسا نہیں ہر ایک بشر کا رُتبہ
رویت مہِ شوال کی، اور جامۂ سبز
اللہ رے اسٹیٹ کلر کا رُتبہ

حسنِ تعلیل صفی



غیر حاضر ہو گیا پیچش کے اضمحلال سے
کل کا دن ناغہ ہوا پرسوں کے استعمال سے

عرضِ صفی



حضرتہ[1]!

جو، روکا مجھے میرے سرکار نے
گئی میری بیماری جھک مارنے

صفی

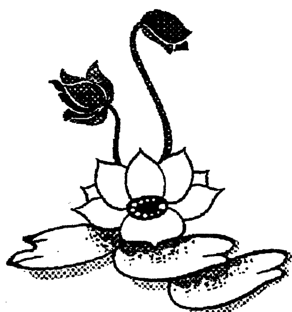
---

[1] والدہ حضرت صفی...... اس شعر سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت صفی بیمار تھے اور معین الدولہ بہادر نے اپنی دیوڑھی میں روک لیا تھا۔ جس کی اطلاع حضرت صفی نے اپنی والدہ محترمہ کو اس شعر کے ذریعہ دی تا کہ وہ پریشان نہ ہوں۔ (مرتب)

تاثّرات

(ماخوذ "یادگارِ صفیؔ" سب رس ۱۹۵۶ء

اہلِ زباں نہیں ہوں، زباں داں ہوں اے صفیؔ
رتبہ مرا زیادہ ہے اور اعتبار کم
(صفیؔ)



نذرِ عقیدت

آج فیضِ سخن سے ہیں محروم — کیوں نہ اہلِ دکن رہیں مغموم
چل بسا شہ سوار عرصۂ نظم — جس کی غزلوں کی جابجا تھی دھوم
بندش ایسی کہ سلکِ مروارید — یعنی ہر لفظ گوہرِ منظوم
ذوق انگیز وہ ہر ایک معنی — ندرت آمیز وہ ہر اک مفہوم
وہ زبان و بیان پر قدرت — برمحل وہ محاوروں کا لزوم
ناگوار اس کو عامیانہ روش — ناپسند اس کو سال خوردہ رسوم
تھے ادب کے فنون سب کے سب — ذات سے اس کی لازم و ملزوم
اب کہاں قادر الکلام ایسا — ثانیٔ داغؔ دہلوی مرحوم
تھا وہ خدمت گذار اُردو کا — ایسے خادم کو کہتے ہیں مخدوم
زندگی اس نے کس طرح کاٹی — ملنے والوں کو بھی نہیں معلوم
تھی قناعت پذیر طبع غیور — کسمپرسی نہ کرسکی مغموم
اب جو بعد اس کے سر اُٹھاتے ہیں — اس کے آگے تھے دُشنہ برحلقوم
بلبلِ بوستانِ شعر و سخن — خوش نوائی سے ہوگیا محروم
وہ چمن کا نکھار ہی نہ رہا — چل گئی یک بیک جو بادِ سموم
لُٹ گیا لُٹ گیا غزل کا سہاگ — تجھ کو پیکِ اجل یہ کیا معلوم
اُٹھ گیا ہائے کیا غزل کا امام — ہے غزل ختم، بس، فقط، مرقوم
تھا وہ پیغمبرِ سخن حاویؔ — اور پھر لطف یہ کہ؟ معصوم

نہ رہا مدّظلّہٗ کا محل
کہیے اب حضرتِ صفؔی مرحوم

غلام علی حاویؔ

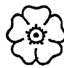
(جانشین حضرتِ صفؔی مرحوم)

صفیؔ مرحوم کی یاد میں

(میری یہ نظم، ارضِ دکن کے اس عظیم شاعر کی بارگاہ میں خراج عقیدت ہے جو زندگی بھر مرتا رہا اور مر کے ہمیشہ کیلئے زندہ ہوگیا............ جامیؔ)

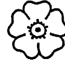
نہیں ہے تُو آج ہم میں لیکن، ابھی ہے زندہ کلام تیرا
غزل کے سینے میں دل کی صورت دھڑک رہا ہے پیام تیرا
سمو کے حسنِ بیاں میں اپنے حیات کی دردمندیوں کو
ترے خیالات نے جُھکایا، کمال وفن کی بلندیوں کو
یہ فکر کا دلنشیں سلیقہ، یہ کیف، یہ طور، یہ قرینے
محاورے، شوخیاں، لطافت، حسین الفاظ کے نگینے
دکن کی محفل میں میرؔ و مرزاؔ کی عظمتوں کا نیا سویرا
بھلا سکے گی نہ بھول کر بھی ادب کی تاریخ نام تیرا
کئے ترے سوزِ جاوداں نے خیال وفکر و دماغ روشن
نہ جانے کتنے ہیں زخم تازہ، نہ جانے کتنے ہیں داغ روشن
یہ میں نے مانا کہ آج اتنی، بدل گئیں وقت کی نگاہیں
نئے خیالات سامنے ہیں، نئی مذاقِ سخن کی راہیں
مگر جو پہلے ہی دے گئے ہیں ادائے حسنِ بہار غازہ
بنا کے خونِ جگر کو اپنے نگارِ اردو کے رخ کا غازہ
بڑھے گا یہ قافلہ ہمارا انہیں کے فیض و کرم سے آگے
نئے نشانات بھی ملیں گے ہر ایک نقشِ قدم سے آگے
عظیم ورثہ وہی ہمارا کسی کو انکار اس سے کب ہے
ہمارے ماضی کا ہر اُجالا نشانِ مستقبلِ ادب ہے

(خورشید احمد جامیؔ مرحوم)

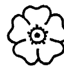


وضع داری کی آن بان گئی
آج دنیا صفیؔ کو جان گئی
میرؔ و مومنؔ کا غم ہوا تازہ
شاعری کی قدیم شان گئی
مسکراتی تھی اس کی خودداری
غمِ دل سہتے سہتے جان گئی
اس کی طبعِ غیور کے آگے
باکمالی بھی ہار مان گئی
بے سہارا ہوئی غزل گوئی
ایک ہستی تھی نگہبان گئی
آج خالی ہے مسندِ کیفیؔ
دل کے جذبات کی زبان گئی
تھا دکن میں ولیؔ کا جو وارث
ساتھ اُس کے غزل کی شان گئی

دفن کے بعد یہ صدا آئی
آبرو ہے، بلا سے جان گئی
اے بشیر اب کہاں وہ رنگِ صفی
خون رو رو کے جس کی جان گئی


(بشیر النساء بیگم بشیر)

صدیقی حزیں سٹی کالج کا اولڈ بوائے
یوں اپنی درس گاہ میں آشفتہ حال آئے
بتلاؤں کیا ہے اس کی سراسیمگی کا راز؟
ہے کس لئے غریب یہ حد درجہ دل گداز؟
یومِ صفی ہے، یادِ صفی ہے، غمِ صفی
کرتے ہیں قدردانِ صفی ماتمِ صفی
تھی جس صفی کے دم سے زبان وادب میں جان
جس کا وجود حُسن و محبت کی آن بان
جس کی ہر ایک بیت غزل کا سہاگ تھی
جس کی ہر ایک بات محبت کا راگ تھی
جس نے محاوراتِ دکن زندہ کردئے
اپنی ضیا نوازی سے تابندہ کردئے
جس کا وجود باعثِ صد امتیاز تھا
اُردو پہ جس کی واقعی اُردو کو ناز تھا
صبحِ ادب تھی مہرِ درخشاں لئے ہوئے
شامِ غزل تھی شمع شبستان لئے ہوئے
اے اہلِ ذوق تلخ نوائی مری معاف
میں صاف گو بیان بھی میرا ہے صاف صاف
تھے قدرداں غریب زیادہ، امیر کم
ایمان کی یہ بات ہے اللہ کی قسم
بھیجا اجل کو جس گھڑی پروردگار نے
دیکھا پلٹ کے بھی کسی سرمایہ دار نے؟
گرمی سخن کی جس سے تھی بستر پہ سرد تھا
''حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا''

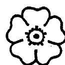

(خواجہ عبدالعلی صدیقی حیدرآباد)

تیرا نظام خاص ہے تیرا پیام خاص
طرزِ بیاں ہے وہ کہ سمجھتے ہیں عام خاص
مئے خانۂ ادب کے اے ساقیٔ مے نواز!
تیری صراحی خاص، سُبو خاص، جام خاص
محکوم ہیں جو لفظ تو تابع محاورے
بندش جو ہے کنیز تو مضموں غلام خاص
تونے غزل کا ایسا سلیقہ سکھادیا
سب مانتے ہیں تجھ کو غزل کا امام خاص
رطبُ اللّساں ہیں تیری زباں پر شکر دہن
ہر شعر چاشنی میں شہد کا ہے جام خاص
ہیں پاسؔ و فیضؔ بھی ترے استاد سلسلہ
پہچانتے ہیں اہلِ دکن ان کو عام خاص

نورِ نگاہ ذوقؔ تو دلبند شاہ نصیرؔ سودا و درد کا ہے تو قائم مقام خاص
گلزارِ داغؔ کا ہے مہکتا ہوا جو پھول؟ کیفیؔ کے آسمان کا ماہِ تمام خاص
تو نور ہے ضیاؔ کا تو مظہر ظہورؔ کا تجھ کو دیا فروغؔ نے دل میں مقام خاص
تیری دکن نے قدر نہ کی لیکن اے صفیؔ دنیائے شاعری میں ہے تیرا مقام خاص

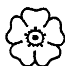
مسلمؔ کی یہ دعا ہے خدائے غفور سے
مل جائے اُس جہاں میں بھی تجھ کو مقام خاص

(محمد غلام محبوب خاں مسلمؔ حیدرآبادی تلمیذِ حضرت صفیؔ)



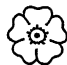
دنیا نے کیا سلوک کیا ہے صفیؔ کے ساتھ افلاس میں جیا تو مرا بے کسی کے ساتھ

(مرزا امام بیگ رونقؔ)



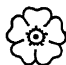
کیا کیا ستم کئے نگہ فتنہ کار نے کوئی وطن میں رہ کے غریب الدّیار ہے
اے ہم سخن یہ کہتے ہوئے چل بسے صفیؔ ''میری خزاں ہے اور غزل کی بہار ہے''

(سعادت نظیرؔ)



یہ اِن کی باتیں کہاں اور وہ اُس کی بات کہاں یہ حاویؔ ہو کہ خیالؔی کوئی صفیؔ تو نہیں

(سید محمد حسین آزادؔ)



غزل کا صنفِ سخن میں مقام ہے جب تک رہے گا یاد ہر اِک کو دکن میں نامِ صفیؔ

(پنڈت جذبؔ عالمپوری)



شاعرانِ دکن میں اے حلمیؔ مجھ کو مرغوب ہے صفیؔ کا رنگ

(آغا حلمیؔ آفندی)

امامِ تغزل استادِ محترم حضرت صفیؔ اورنگ آبادی کی یاد میں

اے صفیؔ! اے محترم شاعر! تغزل کے امام
اہلِ اُردو بھیجتے ہیں روح پر تیری سلام

السلام اے صدرِ بزمِ نکتہ سخانِ سخن
السلام اے آخری استادِ استادانِ فن

السلام اے جانشینِ داغؔ و کیفیؔ السلام
آج اہلِ علم کے ہاتھوں میں ہے تیرا کلام

آئیں اب اہلِ زباں دیکھیں زباں دانی تری
حیدرآبادِ دکن میں گوہر افشانی تری

اس زباں پر تونے وہ احسانِ بے پایاں کئے
وہ ترقی کے تحفظ کے بہم ساماں کئے

ترک کرکے فارسی کے سب ثقیل الفاظ کو
تونے لکھا ''ہرچہ بادا باد کو ''جو ہو سو ہو''

دور کرڈالے اِضافات و علائم سربسر
بوجھ تھے جو ایک عرصہ سے زبانِ شعر پر

کردیا اس درجہ سہلِ ممتنع اشعار کو
اب تکلف ہی نہیں گویا لبِ اظہار کو

سادگی دے کر زباں کو عام تونے کردیا
کیسی آسانی سے کیسا کام تونے کردیا

چاشنی دی روز مرّہ کی زبانِ عام کو
لذت آگیں کردیا ہر نامہ و پیغام کو

یوں غزل کے روپ میں یہ کام پھیلایا گیا
ہر گلی کوچے میں یہ پیغام پھیلایا گیا

اورغزل ایسی کہ جس کی نثر ممکن ہی نہیں
تم نے دیکھی ہو تو ہو میں نے کہیں دیکھی نہیں

جس کا ہر اک شعر ہے حشو زواید سے بَرِی
جس میں کچھ تعقید لفظی ہے نہ ضعفِ معنوی

پھر غزل میں گل رخوں غنچہ لبوں کی گفتگو
شاہد و ساقی کی باتیں یا حدیثِ رنگ و بو

نظم کے مضمون ہوتے ہیں گراں بارِ غزل
دوسری اصناف سے ہٹ کر ہے معیارِ غزل

دے کے مضمون وزباں شایانِ شانِ شاعری
کردیا تونے غزل کو جسم و جانِ شاعری

سوزِ دل، دردِ محبت سے نکھارا شعر کو
اپنی پوری زندگی دے کر سنوارا شعر کو

چین دن کا نیند راتوں کی لُٹا کر چل بسا
سب کے ہاتھوں میں پراگندہ تھما کر چل بسا

از ''زنجیروزنار'' (محمد شمس الدین تاباںؔ مرحوم)

''نذرِ صفیؔ''

(یہ نظم حضرت صفیؔ کی ۴۵ ویں برسی ۱۹۹۹ء کے موقع پر اُردو گھر میں پڑھی گئی)

صفیؔ بے بدل کیا شاعر عظمت بداماں ہے
امیرِ کاروانِ شاعرانِ ارضِ خوباں ہے

صفیؔ شعر و سخن کی بزم میں شمعِ فروزاں ہے
ہجومِ انجمِ اہلِ سخن میں ماہ تاباں ہے

نہ وہ گورِ غریباں ہے نہ وہ شہرِ نگاراں ہے
''صفیؔ کا دل، صفیؔ کا دِل نہیں گنجِ شہیداں ہے''

صفیؔ ہے جگمگاتا اِک سِتارہ شعر و حکمت کا
صفیؔ نایاب گوہر ہے صفیؔ لعلِ بدخشاں ہے

صفیؔ کی شعر گوئی سے ہے یوں بوئے سخن تازہ
کہ بوئے مُشک جیسے اب بھی ممنونِ غزالاں ہے

صفیؔ کہتے ہیں جس کو قیسؔ ہے لیلائے اُردو کا
وہی آشفتہ حالی ہے وہی چاکِ گریباں ہے

روانی پر زباں کی دنگ ہیں اہلِ ہُنر سارے
سلاست ایسی، سہلِ مُمتنع بھی جس پہ حیراں ہے

قوافی ہاتھ باندھے جس کے آگے سر جُھکاتے ہیں
مرے شہرِ نگاراں کا صفیؔ ایسا غزل خواں ہے

صفیؔ جادو جگاتا ہے بڑا ساحر ہے لفظوں کا
صفیؔ کا ایک اِک مصرع، مکمل ایک دیواں ہے

ادا ہوتے ہی جاتے ہیں مطالب خود بخود کھل کر
کہ ہر مضمون مشکل بھی صفیؔ کے حق میں آساں ہے

دیئے ایسے جَلا رکھے ہیں اس نے اے نقیبؔ اپنے
کہ جن سے آج تک ایوانِ اُردو میں چراغاں ہے

(ماخوذ اخبار منصف) (محمد بن حُسین نقیبؔ)

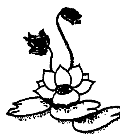


زینتِ بزمِ سخن ایک صفیؔ تھا نہ رہا
اب ترستا ہے دکن رونقِ محفل کیلئے

(پروفیسر یعقوب عمرؔ، نظام کالج)

وہ سادگی، وہ طرزِ بیاں، وہ اثر کہاں
اخگرؔ گیا صفیؔ کا تغزل صفیؔ کے ساتھ

(محبوب علی خاں اخگرؔ)



غزل مشمولہ "گلدستۂ قادریہ"[1]

مطبوعہ ۱۳۳۴ھ

دشمن کی بھی بھلائی میں رہتے ہیں جو مدام
ہاں ہم ہیں دیکھ، ہم ہیں وہ بندے خدا کے ہم

کچھ خوفِ آخرت ہے نہ عقبیٰ کی کوئی فکر
پابند ہوگئے ہیں جو حرص و ہوا کے ہم

نخوت، غرور، بغض، تکبر، حسد، نفاق
یہ ہم میں ہیں، تو پھر بھی ہیں بندے خدا کے ہم

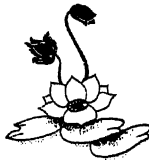
ممکن نہیں کسی کو جو دیں نیک مشورہ
جھانسوں میں لائیں خلق خدا کو ٹھگا کے ہم

سنت کا کچھ خیال، نہ مطلب ہے فرض سے
پھر اُمتِ رسول ہیں، بندے خدا کے ہم

ہم وہ ہیں ہم کو بغض و حسد سے ہے دوستی
ہم وہ ہیں، دیکھتے ہیں تماشہ لڑا کے ہم

اس منہ پہ ہم کو دعوئے معصومیت چہ خوش
کر کے خطائیں بھی نہیں قائل خطا کے ہم

جب یہ ہمارا حال ہے، یہ ہے ہماری طرز
ممکن ہے آ ہی جائیں غضب میں خدا کے ہم



[1] مندرجہ بالا اشعار حضرت عبد اللہ شاہ قادری عترتؔ لااُبالی کرنولیؒ کے عرسِ شریف کے طرحی مشاعرے میں حضرت صفیؔ اورنگ آبادی نے پڑھی تھی، ان کو بھی شاملِ کلیات کیا جار ہا ہے۔ نہیں معلوم ان اشعار کو حضرت صفیؔ نے کیوں غزل میں شامل نہیں کیا۔ (۱۳۳۴ھ میں حضرت صفیؔ کی عمر ۲۴ سال تھی)۔ یہ غزل ڈاکٹر سید محی الدین قادری ہادیؔ صاحب نے عنایت فرمائی۔ جس کیلئے میں ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ (اخگر)

بازیافت

نوٹ: مندرجہ ذیل اشعار کلیات کی طباعت کے بعد دستیاب ہوئے، جن کو شریکِ کلیات کیا گیا ہے۔
اخگر

نقش و نگارِ دہر نے چھوڑا نہ عمر بھر — یہ رنگِ آرزو ہے بہت پائیدار ہے
اب نہیں پونچھتے وہ آنسو بھی — گریہ خوں یہ رنگ لایا ہے
جھوٹی تسکین دینے والوں نے — دل دہی کر کے دل دکھایا ہے
اے صفی وقت سے نہ گھبراؤ — وقت پیمبروں پہ آیا ہے۔
اہل دل بے وفا نہیں ہوتے — تم نے کیسوں کو آزمایا ہے
تغافل بھی ادائے خاص ہوتی ہے سمجھتا ہوں — مگر اب ان کا منشاء دوسرا معلوم ہوتا ہے
یہی دل ان کا گھر ہے کیا اسی دل میں وہ رہتے ہیں — جو سب کو گوشت کا اک لوتھڑا معلوم ہوتا ہے
غریبوں کو پڑا رہنے دو اپنے آستانے پر — کہ اس سے رتبۂ دولت سرا معلوم ہوتا ہے
صفی کی آبرو ہے آپ کے ہاتھ — برا ہے یا بھلا ہے آپ کا ہے
بندہ پرور دل دیا سب کچھ دیا — اس سے بڑھ کر کیا مری اوقات ہے
مجھے مٹی کا پتلا لوگ کچھ یوں ہی نہیں کہتے — زمانے تک ترے کوچے کی آخر خاک چھانی ہے
جوانی بھی عجب نعمت ہے دنیا میں جسے دیکھا — عجب رفتار ہوتی ہے عجب گفتار ہوتی ہے
غرض کیا پوچھتے ہو ہم نشینو اس سے ملنے کی — جہاں آئی غرض پھر دوستی بے کار ہوتی ہے
کہاں کی شان کس کی آن کیسی جان کی پروا — بھگت لیتا ہے سب جب آدمی مجبور ہوتا ہے
جس کو کہتی ہے صفی سب خلقت — ایک بے چارہ ستم دیدہ ہے
کیا اسی امید پر تم سے کہا تھا حالِ دل — آج لوگوں کی زبانوں پر مرا افسانہ ہے
دل کا آنا ہے جان کا جانا — عاشقی مرگِ ناگہانی ہے
الٰہی جان پر میری بنی ہے — کسی کی دوستی بھی دشمنی ہے

اختیارات دل کی وسعت دیکھ
جب یہ بے اختیار ہوتا ہے

حادثاتِ دہر سے ہے بے نیاز
کیا عمارت حسرت تعمیر ہے

عشق میں جب اثر نہیں ہوتا
یہی ظالم عذاب ہوتا ہے

عشق ہی اک صفتِ خاص ہے ایسی جس میں
نام کا نام ہے رسوائی کی رسوائی ہے

دیکھ غفلت نہ کرائے میرے رلانے والے
تو نے جو آگ لگائی ہے بجھی جاتی ہے

ارے اس کا مقدر اس کا رتبہ
وہ جس کو آزمانا چاہتا ہے

سنو اے خود پر ستاران محفل
صفیؔ بھی کچھ سنانا چاہتا ہے

ساقی بنے تھے آپ چمن تھا بہار تھی
اک وہ بھی سال تھا مجھے اک یہ بھی سال ہے

یہ سمجھو داستان جوئے شیر و کوہ کن پڑھ کر
اگر ہمت کرے انساں تو ہر اک کام آساں ہے

ہزاروں خوں شدہ ارمان و حسرت دفن ہیں اس میں
صفیؔ کا دل صفیؔ کا دل نہیں گنجِ شہیداں ہے

اور کچھ کام ترے چاہنے والے کو نہیں
بیٹھتے اٹھتے تجھے یاد کیا کرتا ہے

کیوں خفا ہوتے ہو میں خود ہی چلا جاتا ہوں
تم کو تکلیف اٹھانے کی ضرورت کیا ہے

کسی پر حق جتانا ہے نہ کچھ الزام دھرنا ہے
صفیؔ کو اپنی نسبت دوبدو کچھ عرض کرنا ہے

یہی دنیا ہے تو اللہ ری دنیا
بجائے خود ہر اک بندہ خدا ہے

وہ محفل میں ہماری بدحواسی
وہ چٹکی لے کے فرمانا یہ کیا ہے

سرمۂ مفت نظر ہوں مری قسمت یہ ہے
کہ رہے چشمِ خریدار پہ احساں میرا

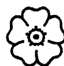
عاشق تمہارے گھر میں کسی پر گراں نہ تھا
اس طرح تھا قریب کہاں تھا کہاں نہ تھا

ہے زندگی تو پائیں گے اک دن گلِ مراد
اب کی بہار میں نہیں اب کی بہار میں

زندہ ہیں زندگی کا کوئی آسرا نہیں
بندے ہیں اور کوئی ہمارا خدا نہیں

مجھ پہ کیوں چشمِ التفات نہیں
مہرباں یہ تو کوئی بات نہیں

گھٹا گھنگھور چھائے، خوب گرجے، ٹوٹ کر برسے
مرے اللہ! وہ جانے نہ پائیں اب مرے گھر سے



تلامذۂ صفؔی اورنگ آبادی بقیدِ حیات

۱. صاحبزادہ اشرف الدین علی خاں اشرؔف (امریکہ)
۲. صاحبزادہ جہاں دار علی خاں افسؔر
۳. نواب اقبال الدین خاں اقباؔل (آسماں جاہی)
۴. ڈاکٹر غیاث الدین علی خاں غیاؔث صدیقی
۵. خواجہ حسین شریف شوؔق
۶. صاحبزادہ محمد علی خان کلیؔم صدیقی
۷. صاحبزادہ احمد علی خاں عاقؔل رفاعی
۸. محترمہ رئیس جہاں شاداؔں عدیل
۹. قاضی سید حامد علی تنوؔیر (نظامیہ)

حضرت صفؔی کے تلامذہ کی تعداد (۴۱۰) بتائی جاتی ہے، راقم نے جب ۱۹۹۱ء میں اپنی کتاب ''تلامذۂ صفؔی اورنگ آبادی'' مرتب کی تو حضرت صفؔی کی مرتبہ قلمی فہرست کے بموجب (۱۵۶) شاگردانِ صفؔی کا پتہ چلا، جن میں سے اُس وقت (۲۶) تلامذہ بقید حیات تھے، اور اَب بقیدِ حیات تلامذۂ صفؔی کی تعداد (۹) رہ گئی ہے۔

اخگؔر



تختۂ گوشوارہ غزلیات واشعار ومتفرقات کلیاتِ صفؔی اورنگ آبادی

ردیف	تعداد غزلیات	تعداد اشعار	تعداد متفرق اشعار
مناجات	۱	۳۰	......
نعت	۲	۲۶	......
الف	۹۴	۱۲۰۰	۲۰۸
ب	۶	۵۰	۱۷
پ	۴	۳۲	۳
ت	۹	۷۲	۲۰
ٹ	۲	۱۴	......
ث	۱	۱۵	......
ج	۱	۸	۷
ح	۲	۲۰	۳
خ	۱	۱۱	۱
د	۳	۴۹	۱۳
ڈ	۱	۱۱	۲
ر	۱۷	۲۴۶	۴۷
ڑ	۱	۵	......
ز	۱	۱۲	۴
س	۱	۱۰	۲
ش	۲	۳۱	۹
ص	۱	۱۳	۱
ض	۱	۱۱	......
ط	......	......	......
ظ	۲	۲۰	......

ع	۱	۹	......
غ	۱	۱۵	۳
ف	۱	۸	۸
ق	۱	٦	۱
ک	٦	۵۵	۱۱
گ	۵	۴۸	۴
ل	۴	۳۹	۱۲
م	۸	۸۰	۱۳
ن	۱۰۵	۱۰٦۳	۲۷۹
و	۲۱	۲۴۵	۷۴
ہ	۳	۲۲	۸
ھ	۴	۳۸	۱۰
ی	۵۰	۵۲۱	۸۲
ے	۱۵۰	۱۷۳۵	۴۷۸
جملہ :	۵۱۳	۵۷۵۹	۱۳۲۰

● جملہ غزلیات: ۵۱۳ ● جملہ اشعار: ۵۷۵۹ ● جملہ متفرق اشعار: ۱۳۲۰

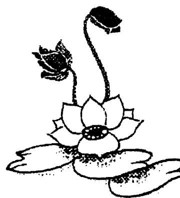
نظمیں ﴿۲۲﴾ واسوخت ﴿۱﴾ مثنوی ﴿۲﴾

قصائد ﴿۴﴾ مستزاد ﴿۱﴾ قطعات ﴿۸﴾

مسدس ﴿۱﴾ فارسی کلام ﴿٦﴾ رباعیات ﴿۸۹﴾

قطعات ﴿۱۴﴾ متفرق قطعات (متعلق بہ نواب معین الدولہ بہادر) ﴿٦۰﴾

اخگرؔ



صفیؔ اورنگ آبادی سے متعلق لکھی گئی کتابیں اور مضامین

کتابیاتِ صفیؔ اورنگ آبادی



ا۔ مجموعۂ کلام

۱۔	انتخاب کلام صفیؔ اورنگ آبادی	مرتبہ	پروفیسر مبارز الدین رفعت حیدرآباد	۱۹۶۳ء
۲۔	پراگندہ (مجموعۂ کلام)	''	خواجہ شوقؔ حیدرآباد	۱۹۶۵ء
۳۔	فردوسِ صفیؔ (مجموعہ کلام)	''	ابوالخلیل سید غوث یقیںؔ پاکستان	۱۹۶۸ء
۴۔	گلزارِ صفیؔ (مجموعہ کلام)	''	رؤف رحیم حیدرآباد	۱۹۸۷ء
۵۔	کلام صفیؔ اورنگ آبادی (غیر مطبوعہ)	''	محمد نورالدین خاں حیدرآباد	۱۹۹۳ء

ب۔ صفیؔ سے متعلق کتابیں

۱۔	سوانح عمری صفیؔ اورنگ آبادی	مرتبہ	محمد نورالدین خاں حیدرآباد	۱۹۸۹ء
۲۔	تلامذۂ صفیؔ	''	محبوب علی خاں اخگرؔ قادری حیدرآباد	۱۹۹۱ء
۳۔	اصلاحاتِ صفیؔ اورنگ آبادی	''	'' '' ''	۱۹۹۳ء
۴۔	خمریاتِ صفیؔ	''	'' '' ''	۱۹۹۵ء
۵۔	انشائے صفیؔ	''	'' '' ''	۱۹۹۶ء
۶۔	محاوراتِ صفیؔ	''	'' '' ''	۱۹۹۸ء

ج۔ صفیؔ سے متعلق مضامین کتابوں میں

۱	محمد بہبود چلی صفیؔ اورنگ آبادی	مرقع سخن جلد اول	صاحبزادہ میر اشرف الدین علی خان	۱۹۳۵ء
	صفیؔ اورنگ آبادی	سخنورانِ دکن	تسکین عابدی	۱۹۳۷ء
۳	میر بہبود علی صفیؔ	کاروانِ سخن	خواجہ حمید الدین شاہد	۱۹۵۶ء
۴	صفیؔ کی شخصیت	سب رس	مصطفیٰ کمال احمد	۱۹۶۷ء

۵	صفی اورنگ آبادی	شخصیت اور شاعری کا جائزہ	مقالہ برائے امتحان ایم اے (آخری) محمد عبدالعزیز	۱۹۷۵ء
٦	صفی اورنگ آبادی	تنقیدی افکار حیدرآباد	پروفیسر سلیمان اطہر جاوید	۱۹۷۷ء
۷	دکن میں اُردو شاعری		نصیر الدین ہاشمی	۱۹۸۵ء
۸	امجد سے شاذ تک		ادارہ سیاست	۱۹۸۸ء
۹	سوانح عمری صفی اورنگ آبادی	اقتباسات	محمد نور الدین خاں	۱۹۸۹ء
۱۰	صفی مرحوم کی یاد میں	تلامذۂ صفی	خورشید احمد جامی	۱۹۹۱ء
۱۱	صفی کی اہمیت	'' ''	پروفیسر سیدہ جعفر	''
۱۲	تلامذۂ صفی	'' ''	اکبر الدین صدیقی	''
۱۳	صفی اورنگ آبادی کی شاعری	تلامذۂ صفی	ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ	۱۹۹۱ء
۱۴	دبستانِ صفی	''	ڈاکٹر اشرف رفیع	۱۹۹۱ء
۱۵	تم ہی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا؟	''	خواجہ معین الدین عزمی	۱۹۹۱ء
۱٦	مرتب کے نام	''	عبدالحفیظ محفوظ	۱۹۹۱ء
۱۷	سخن ہائے گفتنی	''	محبوب علی خاں اخگر	۱۹۹۱ء
۱۸	خرفِ آغاز	اصلاحاتِ صفی	'' '' ''	۱۹۹۳ء
۱۹	جائے استاد خالی است	'' ''	پروفیسر یوسف سرمست	۱۹۹۳ء
۲۰	اصلاحِ سخن اور صفی اورنگ آبادی	'' ''	پروفیسر یعقوب عمر	۱۹۹۳ء
۲۱	حرفے چند	'' ''	پروفیسر گیان چند جین	۱۹۹۳ء
۲۲	صفی اورنگ آبادی کی استادی	'' ''	نور الدین خاں	۱۹۹۳ء
۲۳	فانوسِ اصلاح	'' ''	سید نظیر علی عدیل	۱۹۹۳ء
۲۴	صفی بحیثیت استادِ سخن	'' ''	ڈاکٹر محمد علی اثر	۱۹۹۳ء
۲۵	خمریات	خمریاتِ صفی	پروفیسر یعقوب عمر	۱۹۹۵ء
۲٦	دکنی اُردو میں خمریہ شاعری	'' ''	ڈاکٹر محمد علی اثر	۱۹۹۵ء
۲۷	اظہارِ رائے	'' ''	محمد نور الدین خاں	۱۹۹۵ء
۲۸	صفی اور خمریات	'' ''	سید فضل المتین چشتی	۱۹۹۵ء

۲۹	صبوحی	” ”	محبوب علی خاں اخگر قادری	۱۹۹۵ء
۳۰	صفی کے خطوط۔ ایک مطالعہ	انشائے صفی	پروفیسر سلیمان اطہر جاوید	۱۹۹۶ء
۳۱	انشائے صفی	انشائے صفی	محمد نورالدین خاں	۱۹۹۶ء
۳۲	اظہارِ حقیقت	انشائے صفی	محبوب علی خاں اخگر قادری	۱۹۹۶ء
۳۳	روبرو	محاوراتِ صفی	محبوب علی خاں اخگر قادری	۱۹۹۸ء
۳۴	صفی محسن اُردو	محاوراتِ صفی	محترمہ زینت ساجدہ	۱۹۹۸ء
۳۵	محاورہ بندی	محاوراتِ صفی	پروفیسر یعقوب عمر	۱۹۹۸ء
۳۶	سخن مختصر	محاوراتِ صفی	خواجہ معین الدین عزمی (امریکہ)	۱۹۹۸ء
۳۷	صفی کا رتبہ سخن	محاوراتِ صفی	محمد نورالدین خاں	۱۹۹۸ء

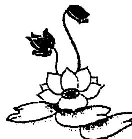
د۔ صفی سے متعلق مضامین رسائل میں

۱	صفی اورنگ آبادی	سٹی کالج میگزین ۱۹۵۵ء	غلام دستگیر رشید
۲	صفی میری نظر میں	” ” ۱۹۵۵ء	ڈاکٹر یوسف کمال
۳	اُردو شاعری میں فن پرستی کا میلان	ماہنامہ صبا، جولائی ۱۹۵۵ء	ڈاکٹر حفیظ قتیل
۴	عرضِ مرتب	یادگار صفی نمبر سب رس ۱۹۵۶ء	خواجہ حمید الدین شاہد
۵	پیامات	” ” ”	گوپال راؤ اکبوٹے
		” ” ”	والدہ صاحبہ صفی، ڈاکٹر زور
		” ” ”	حضرت امجد، ڈاکٹر یوسف کمال، ڈاکٹر یوسف حسین خاں، پنڈت جذب عالم پوری
۶	صفی اورنگ آبادی	نقوش لاہور شخصیات نمبر جلد ۲ اکتوبر ۱۹۵۶ء	تمکین کاظمی
۷	خطوط حضرت صفی اورنگ آبادی بنام ابوالفیض فیاض صاحب	یادگار صفی نمبر سب رس ۱۹۵۶ء	
۸	آب حیات کا آخری شاعری	یادگار صفی نمبر سب رس ۱۹۵۶ء	سید عبدالحفیظ محفوظ
۹	کلامِ صفی کی چند خصوصیتیں	یادگار صفی نمبر سب رس ۱۹۵۶ء	نصیر الدین ہاشمی صاحب
۱۰	خطبۂ استقبالیہ یوم صفی ۱۹۵۵ء	یادگار صفی نمبر سب رس ۱۹۵۶ء	عبدالقادر سروری صاحب
۱۱	صفی کو جیسا دیکھا ویسا پایا	یادگار صفی نمبر سب رس ۱۹۵۶ء	پروفیسر سید محمد صاحب
۱۲	صفی کی عشقیہ شاعری	یادگار صفی نمبر سب رس ۱۹۵۶ء	محمد منظور احمد صاحب

۱۳	محاورات میں صفی کا مقام	یادگارِ صفی نمبر سب رس ۱۹۵۶ء	ابو محمد سید علی سریر صاحب
۱۴	صفی اور ان کی شاعری	یادگارِ صفی نمبر سب رس ۱۹۵۶ء	منیر صفوی صاحب
۱۵	صفی کے شاگرد	یادگارِ صفی نمبر سب رس ۱۹۵۶ء	نظیر علی عدیل
۱۶	صفی پر ایک سرسری نظر	یادگارِ صفی نمبر سب رس ۱۹۵۶ء	خواجہ حمید الدین شاہد
۱۷	صفی کی شاعری	یادگارِ صفی نمبر سب رس ۱۹۵۶ء	ہاشم حسن سعید
۱۸	صفی کی خانگی زندگی	یادگارِ صفی نمبر سب رس ۱۹۵۶ء	صابر عارف ذکی
۱۹	نظمیں	یادگارِ صفی نمبر سب رس ۱۹۵۶ء	خورشید احمد جامی، محمد غلام محبوب خاں مسلم، خواجہ عبد العلی صدیقی، بشیر النساء بیگم بشیر، سعادت نظیر، مرزا رونق قادری، غلام علی حاوی،
۲۰	صفی اورنگ آبادی	ماہنامہ نورس غزل نمبر ۱۹۵۸ء	محمد اکبر الدین صدیقی
۲۱	" "	ماہنامہ نورس غزل نمبر ۱۹۵۸ء	ڈاکٹر سیدہ جعفر
۲۲	قلندر صفت شاعر	ماہنامہ نورس غزل نمبر ۱۹۵۸ء	ڈاکٹر عقیل ہاشمی
۲۳	حضرت صفی	ماہنامہ نورس غزل نمبر ۱۹۵۸ء	شریف ایم اے
۲۴	صفی ایک صاحب طرز شاعر	ماہنامہ نورس غزل نمبر ۱۹۵۸ء	پروفیسر سلیمان اطہر جاوید
۲۵	صفی کو میں دیکھا بھی سُنا بھی	ماہنامہ نورس غزل نمبر ۱۹۵۸ء	سعادت نظیر
۲۶	صفی اورنگ آبادی	اُردو کالج میگزین جنوری ۱۹۶۴ء	سید مرتضیٰ حسین صوفی

صفی سے متعلق مضامین اخباروں میں

۱	ہائے صفی	سیاست حیدرآباد ۲۸ / مارچ ۱۹۵۴ء	تمکین کاظمی
۲	صفی اورنگ آبادی	ہمارا قدم، ۱۸ / مئی ۱۹۵۴ء	مصطفیٰ علی بیگ
۳	حضرت صفی کی شاعری	انقلاب بمبئی، جولائی ۱۹۵۴ء	سید نظیر علی عدیل
۴	حضرت صفی کیا تھے	انقلاب بمبئی، اگست ۱۹۵۴ء	خواجہ شوق
۵	حضرت صفی پر مضمون	آل انڈیا ریڈیو حیدرآباد ۱۹۶۶ء	ڈاکٹر زینت ساجدہ



تاریخ طباعت کلیاتِ صفؔی اورنگ آبادی

درصنعت حروف صد عدد...... صفؔی اورنگ آبادی کے مصرعوں میں سے
نتیجۂ فکر...... علامہ شارق جمال صاحب (ناگپور)

کردیں میری خطا حضور معاف
ب ب ۲ ء
ر ر ر خ ض ر
۲۰۰ ۲۰۰ ۲۰۰ ۶۰۰ ۸۰۰ ۲۰۰ — ۲۰۰۰ء
''محاوراتِ صفؔی'' : (صفحہ ۹۲)

****

نگاہِ حضرتِ موسیٰ کی بات دور گئی
ب ب ۲ ء
ض ر ت ت ر
۸۰۰ ۲۰۰ ۴۰۰ ۴۰۰ ۲۰۰ — ۲۰۰۰ء
''محاوراتِ صفؔی'' : (صفحہ ۱۳۶)

****

شکریہ تشریف لانے کا بڑی زحمت ہوئی
ب ب ۲ ء
ش ر ت ش ر ڑ ت
۳۰۰ ۲۰۰ ۴۰۰ ۳۰۰ ۲۰۰ ۲۰۰ ۴۰۰ — ۲۰۰۰ء
''محاوراتِ صفؔی'' : (صفحہ ۱۳۴)

****

محبت کرنے والا عقل سے معذور ہوتا ہے
ب ب ۲ ء
ت ر ق ذ ر ت
۴۰۰ ۲۰۰ ۱۰۰ ۷۰۰ ۱۰۰ ۴۰۰ — ۲۰۰۰ء
''محاوراتِ صفؔی'' : (صفحہ ۱۶۸)

****

فارسی قطعۂ تاریخ بہ ضمن طباعت کلیاتِ صفؔی

نتیجۂ فکر میر ابراہیم علی حامؔی

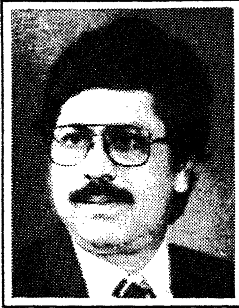
سُخنورے کہ بہ اورنگ آباد شد پیدا — کِشود[1] در سخن راز ہر جلی و خفی
بہ عیسوی سنِ طبعش نوشتہ ام حامؔی — بفضلِ ہُو[2] شدہ مطبوع[3] کلیاتِ صفؔی
ب ب ۲ ء



۱ کھلے ۲ وہ ۳ چھاپی گئی

قطعہ تاریخ صوری بہ ضمن اشاعت کلیاتِ صفیؔ اورنگ آبادی

نتیجۂ فکر: فاروق شکیلؔ ایم اے، خلف و جانشین حضرت سید نظیر علی عدیلؔ مرحوم



قطعہ

افتخارِ سخن کلیاتِ صفیؔ
یادگارِ صفیؔ مرحبا مرحبا
عیسوی میں یہ تاریخ نکلی شکیلؔ
کلیاتِ صفیؔ فیض بے انتہا



قطعہ

برسوں سے اہلِ ذوق کو تھا جس کا انتظار
آئی ہے گلستانِ سخن میں نئی بہار
سوغاتِ کلیاتِ صفیؔ مل گئی شکیلؔ
تاریخ یادگار ہے یہ سن ہے دو ہزار
۲۰۰۰ء

بمسرّت اشاعت کلیاتِ صفی اورنگ آبادی

بخدمت گرامی جناب محبوب علی خاں اخگر قادری

نظم تاریخی

عہد کا اپنے سربرآوردہ — دکنی تہذیب کا تھا پروردہ
عزّتِ نفس اُس کو پیاری تھی — زندگی بھر رہا نہ پژمردہ
جب دکن کے بگڑ گئے حالات — وہ بھی جینے لگا تھا افسردہ

تھا وہ اُردو کا اِک نمائندہ — سرزمینِ دکن کا باشندہ
سیدھی سادی زبان لکھتا تھا — شاعری اِس لیے ہے تابندہ
زندہ جب تک زبانِ اُردو ہے — شعر اُس کے رہیں گے پائندہ
سر جھکاتا تھا بند مُٹھی تھی — ہاتھ خالی رہا نہ اَفگندہ
زندگی اُس نے دی ہے اُردو کو — اِس لیے ہے اَدب میں وہ زندہ
وہ تونگر رہا امیروں میں — دوستوں میں رہا نہ شرمندہ
اخگرِ ناتواں نے دی ترتیب — مجموعہ تھا بڑا پراگندہ
احتیاطاً شفیقؔ لکھیے گا — تاکہ یہ کام آئے آئندہ
رُوح افزا سے ہو گئی تاریخ — کُلّیاتِ صفی ہے تابندہ

۳۰۳ + ۱۱۱۸ = ۱۴۲۱ھ

اثرِ خامہ: شفیق حیدرآبادی المعروف بہ سلام خوشنویس جانشین حضرت رفیق حیدرآبادی

صحت نامہ

صفحہ نمبر	سطر	غلط	صحیح
۷	۳	خذمت	خدمت
۱۳	۱۰	کیفنی	کے فتنی
۱۴	۷	شرف	اشرف
۲۵	۱۲	ممکن	مکمل
۲۹	۱۳	محشر	حشر
۳۸	۱۲	تمہیں	نہیں
۴۰	۱۰	اتنا	اپنا
۴۲	۱		تھا
۴۲	۱۳	دھر	دہر
۴۳	۱۲	دو	وہ
۵۳	۱۰	آزاء	آزاد
۶۱	۶	درباں	درماں
۶۱	۱۳	جان	جاں
۶۹	۹	و	اور
۷۹	۸	مرا جائے گا	مرا بسر جائے گا
۱۴۰	۱۱	ہوا ہوں	ہوں
۱۹۱	۱۸	گر	کر
۲۳۱	۴	سیل کا اضافہ ہے	--
۲۴۷	آخری	کیجئے	کیجیے

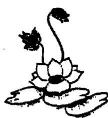
صفحہ نمبر	سطر	غلط	صحیح
۲۴۷	آخری	تقصیر	تحقیر
۲۵۲	۱۶	مری	میری
۲۵۴	۹	لیجئے	لیجے
۲۵۵	۱۳	خیر	جبر
۲۷۳	۷	چراغمزار	چراغِ مزار
۲۹۶	۳	ہوا شک	ہو اشک
۲۹۶	۱۱	ہوئی	ہونی
۳۰۲	۷	مرے	میرے
۳۱۰	۱۸	میں ایک	ایک مَیں
۳۱۳	۲	سب کی	سب کے
۳۱۳	۱۰	جو چاہو	جو چاہے
۳۱۴	۱۳	رہا کرو	ملا کرو
۳۱۵	۷	چورحال	چور خوش حال
۳۱۷	آخری	ہمارا دل ہے	ہمارا دل ہی
۳۱۸	۲۱	مسرت	مست
۳۱۸	۲۲	مجھے مارا	مجھے مارا ہے
۳۱۹	۱	حضرات	حضرتِ
۳۲۲	۱۹، ۲۰	دونوں مقطعے غیر متعلق ہیں	اوپر کی غزل کے مقطعے ہیں

صفحہ نمبر	سطر	غلط	صحیح
۳۲۳	۷	کیا کیجئے	کِیا کیجے
۳۲۷	۷	کوتاہئے	کوتاہیٔ
۳۲۷	۱۵	کیجیے	کیجے
۳۲۷	۱۹	یہ لم	لم
۳۲۸	۷	چھوڑئے	چھوڑیئے
۳۲۹	۱	ہرجان نثار	ہرجاں نثار
۳۲۹	۱۳	جان نثار	جاں نثار
۳۳۴	۹	کردئے	کردیئے
۳۶۹	۴	ہونا	ہوتا
۳۸۵	۷	یایا	پایا
۳۸۶	۲	ں	سالِ
۴۰۶	۲۱	گلی گلی ہر	گلی گلی ہے ہر
۴۱۳	۱۷	سعادات	سعادت
۴۲۲	آخری	آ گر	اگر
۴۳۰	آخری	خطانودہ ام	خطانمودہ ام
۴۳۴	۱۷	ہاتوں	ہاتھوں
۴۳۹	۹	دھوکا کا	دھوکا

صفحہ نمبر	سطر	غلط	صحیح
۴۵۹	۱۶	ایسے موقع	ایسا موقع
۴۶۹	۱۰	رنے	رہنے
۴۷۱	۱۳	میشہ	ہمیشہ
۴۷۲	۷	ہیں	ہی
۴۷۳	۱۳	امرا	امراء
۴۷۵	۱۲	آرے	آڑے
۴۷۸	۲	بھروپئے	بہروپئے
۴۸۲	۱۵	یوں بھی	یوں بھی تو
۴۸۲	۱۸	کسی تو	کسی کو تو
۴۸۵	۱۱	اِس کا	اُس کو
۴۸۵	۱۵	خوری	خواری
۴۸۵	۱۶	لامکاں	لامکان
۴۸۵	۱۶	دونو جہاں	دونوں جہان
۴۹۰	۲۱	کاروان	کارواں
۴۹۰	۲۱	کاروں	کارواں
۵۲۷	۱	تاریخ صوری	تاریخ معنوی و صوری
۵۲۷	۷	سنہ ء	سنہ ۲۰۰۰ء

نوٹ: بصد احتیاط متعدد مرتبہ 'کلیات' کی پروف ریڈنگ کے باوجود بھی طباعت کی غلطیاں رہ گئیں۔ بعد نظرثانی ''صحت نامہ'' مرتب کیا گیا ہے۔ قارئین براہِ کرم اصلاح فرمالیں تو مرتب شکرگزار رہے گا۔ کیونکہ الانسان مرکب من الخطا والنسیان ہے۔

اخگر قادری



ہدیۂ تشکر بنام عطیہ دہندگان

جناب سید شاہ نورالحق قادری
جناب علی احسن جودت (کنساس)
جناب ڈاکٹر سید حمایت علی
جناب محمد احسن طارق (کنساس)
جناب سید فراست علی (ریاض)
محترمہ فاطمہ تاج
جناب محمد جعفر علی خاں فہیم
جناب مختار احمد خاں
جناب میر محمد اقبال علی
جناب نفیس خاتون
محترمہ غوثیہ بانو
محترمہ دولت بانو
جناب مرزا محمد علی بیگ (عابد پاشا)
جناب مرزا روشن علی بیگ
جناب کلیم قریشی
جناب غوث خاں
محترمہ شاہانہ سید غوث
جناب خلیل الزماں (شکاگو)
جناب ایس ایم ہاشم (دبئی)
محترمہ پروفیسر اشرف رفیع
جناب پروفیسر انوار الدین
ڈاکٹر ایم اے حلیم

جناب ڈاکٹر محمد علی اثر
جناب ڈاکٹر عقیل ہاشمی
جناب ڈاکٹر بیگ احساس
جناب ڈاکٹر مجید بیدار
جناب ڈاکٹر وہاب قیصر
جناب پروفیسر غیاث متین
جناب ڈاکٹر محی الدین قادری ہادی
جناب بشیر الدین احمد خاں
جناب سید شجاعت علی (ریاض)
جناب سید ساجد افسر (امریکہ)
محترمہ حفیظہ بیگم
جناب قمر الدین صابری ایڈوکیٹ
جناب محمد نور الدین خاں
جناب حبیب احمد بالفقیہہ
جناب شریف اسلم (جدہ)
جناب سعادت غوری
جناب اکبر خاں
جناب الحاج محمد عبدالحمید
جناب سید منیر
جناب ایم اے حلیم
جناب عبدالرئیس

جناب عبدالعلیم
جناب عبدالعزیز (جدہ)
جناب محمد عابد علی (چوک)
جناب سید ابراہیم سردار
جناب ہارون بن عبداللہ باعوم
جناب ماجد خاں (فتح دروازہ)
سلیم خاں (اے کے)
پروفیسر اکبر علی بیگ
جناب فاروق شکیل
جناب ستار صدیقی
جناب میر داد خاں (جدہ)
جناب رحیم داد خاں
جناب عبدالحکیم
جناب رؤف رحیم
جناب سلطان صدیقی
جناب محمد منظور احمد
جناب رحمان خاں
جناب نور الدین امیر
جناب رمضان علی
جناب اطیب اعجاز
محترمہ فرحانہ بیگم

میں اُن تمام اصحاب کا بھی شکریہ ادا کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں جنہوں نے اس کتاب کی پیشگی خریداری قبول کی۔

اخگر

مرتب کی دیگر مطبوعات

۱۔تلامذہ صفی اورنگ آبادی ۱۹۹۱ء (ایوارڈیافتہ آندھراپردیش)

۲۔خیالات حاوی ۱۹۹۲ء (مجموعہ کلام استادی حضرت غلام علی حاوی مرحوم)

۳۔اصلاحات صفی اورنگ آبادی ۱۹۹۳ء

۴۔شعلۂ سخن ۱۹۹۴ء (مجموعہ کلام اخگر)

۵۔خمریاتِ صفی اورنگ آبای ۱۹۹۵ء

۶۔انشائے صفی اورنگ آبادی ۱۹۹۶ء (صفی کے خطوط)

۷۔کلامِ فروغ ۱۹۹۷ء (حضرت صفی کے استاد کے انتخابِ کلام)

۸۔محاوراتِ صفی اورنگ آبادی ۱۹۹۸ء

